آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ... تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ — بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۹ء — نمبر ۱

فہرست مضامین

مذہبی فرقوں کا تباغض و تحاسد اور محکمہ تفتیش پر ایک سرسری نظر — صفحہ ۱

زلزلہ عظیمہ — صفحہ ۳۸-۴۰

نوٹ — صفحہ ۴۰

اطلاع عام و اشتہار کتب — ٹائیٹل پیج الف

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مذہبی فرقوں کا تباغض و تحاسد اور محکمہ تفتیش پر ایک سرسری نظر

بہت سے امور ایسے ہیں جن میں مغرب کی مہذب اور تعلیم یافتہ قوموں نے مشرق کے غیر تعلیم یافتہ لوگوں سے ابھی قدم آگے نہیں بڑھایا۔ مختلف مذہبی فرقوں کی عداوتیں اور کینے جو گذشتہ زمانے میں عیسائی ممالک کے اندر سخت سے سخت مظالم اور وحشیانہ افعال کے ارتکاب کا باعث ہوتے رہے ہیں اب تک بھی مغربی اور مشرقی ممالک میں کبھی کبھی اپنا رنگ دکھاتے رہتے ہیں۔ لنڈن میں جو مادی تہذیب کا مرکز اور آزادی اور آزاد خیالی کی گویا زاد بوم ہے وزیر اعظم انگلستان کو رومن کیتھولک عیسائیوں کے ایک عظیم الشان مذہبی جلسہ پر ایک خاص مذہبی رسم کے کھلے طور پر ادا کیا جانیکو روکنا پڑا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ اس رسم کی ادائگی سے پراٹسٹنٹ عیسائیوں کے دلوں میں مذہبی دیوانگی کا جوش بھڑک نہ اُٹھے جسکا نتیجہ فساد اور خونریزی ہو۔ ادھر ہندوستان کے اندر لکھنؤ میں شیعوں اور سنیوں کے جھگڑوں اور فسادوں کے متعلق جو محرم کے موقعہ پر ظہور میں آتے رہتے ہیں ممالک متحدہ کی گورنمنٹ کو ایک رزولیوشن ان جھگڑوں کے انسداد کیلئے پاس کرنیکی ضرورت پیش آئی ہے جس طرح پراٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک ایک دوسرے کے

ساتھ صلح اور اتفاق سے نہیں رہ سکتے اسی طرح شیعہ اور سُنّی بھی اتحاد اور یگانگت کے ساتھ گذارہ نہیں کر سکتے۔

رومن کیتھولک عیسائیوں نے عشائے ربانی کے منانے کے لیئے ایک عظیم الشان جلسہ گذشتہ ستمبر میں لنڈن میں کیا۔ جس میں رومن کیتھولک مذہب کے وکیل دنیا کے تمام حصوں سے شامل ہوئے اور پوپ کا وکیل لاٹ پادری و نیوٹلی ان سب کا سردار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ صدیوں کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایک رومن کیتھولک کلیسیا کے ایک ایسے جلیل الشان عہدہ دار نے انگلستان کی سرزمین میں جو پراٹسٹنٹوں کا گھر ہے قدم رکھا ہو۔ اس جلسہ کے پروگرام میں سب سے بڑی دلچسپی کی بات وہ جلوس ہونا تھا جسکے متعلق یہ تجویز تھی کہ وہ "خداوند" کو کندھوں پر اُٹھا کر بازاروں میں گشت کرے۔ یہ فقرہ کسیقدر تشریح کا محتاج ہے۔ عشائے ربانی کی رسم کو پراٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک عیسائی دونوں ادا کرتے ہیں۔ مگر دونوں کے خیال میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اس رسم کے بموجب جسکا ادا کرنا ہر ایک عیسائی کے لیئے ضروری ہے روٹی کے توڑنے اور شراب کے پینے میں سب عیسائی شریک ہوتے ہیں اور اس روٹی کو مسیح کا گوشت اور شراب کو مسیح کا خون تصور کیا جاتا ہے۔ مگر دونوں فرقوں میں فرق صرف یہ ہے کہ پراٹسٹنٹوں کے نزدیک روٹی اور شراب کی ماہیت نہیں بدلتی اور رومن کیتھولک کے نزدیک قلب ماہیت کے اعتقاد کے رو سے روٹی واقعی بدل کر مسیح کا گوشت بنجاتی ہے اور شراب مسیح کا خون بنجاتی ہے۔ پس اس روٹی اور شراب کو جلوس میں لے کر نکلنا گویا "خداوند مسیح" کو ساتھ لیکر نکلنا تھا چنانچہ جب وزیر اعظم کی طرف سے اس جلوس کی ممانعت کا حکم صادر ہوا تو اسوقت انگلستان کے رومن کیتھولک لاٹ پادری نے ان الفاظ میں افسوس ظاہر کیا۔ کہ باقی انتظام ہمارا سب بدستور رہیگا صرف ہمکو اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ ہم اپنے "خداوند" کو ساتھ لے کر نکلیں۔ اس میں شک نہیں کہ رومن کیتھولک عیسائیوں کے

سوائے دوسرے لوگ بیالیسے خیال کو پرلے درجہ کی توہم پرستی اور باطل پرستی سمجھیں گے مگر جس قوم نے ایک انسان کو خدا مان لیا ہے وہ بھی اگر دوسروں کے عقائد کو پرکھنے کیوقت معقولیت سے کام لے تو تعجب ہے۔ روٹی اور شراب کا گوشت اور خون بن جانا بیشک ایک بعید از عقل بات ہے مگر ایک کھاتے پیتے تمام حوائج انسانی کے محتاج اور تمام عوارض کے ماتحت انسان کا خدا بن جانا اس سے کم بعید از عقل نہیں۔ رومن کیتھولک عیسائیوں پر اس سے زیادہ الزام نہیں کہ وہ متی باب ۲۶ آیت ۲۸ کے الفاظ کو جس میں حضرت مسیح روٹی کو اپنا گوشت اور شراب کو اپنا خون قرار دیتے ہیں لفظی معنوں میں لیتے ہیں اور استعارہ کے رنگ میں نہیں سمجھتے مگر وہی الزام دینے والی قوم خود اس محاورہ کو جو پرانی کتابوں میں استعارہ کے رنگ میں کھلے طور پر استعمال بھی ہوا ہے یعنی "خدا کا بیٹا" لفظی معنوں میں سمجھتی ہے ہماری رائے میں تو رومن کیتھولک پراٹسٹنٹوں سے بڑھکر معذور ہیں کیونکہ پراٹسٹنٹوں نے جہاں کھلے طور پر استعارہ موجود تھا اسکو بھی اپنے من گھڑت عقیدے کے لیئے ترک کیا اور رومن کیتھولکوں نے اگر کچھ کیا ہے تو صرف یہی کہ اسی مثال کی پیروی کر کے ایک دوسرے مقام پر استعارہ کو ترک کر دیا۔ ہندوستان میں شیعوں اور سنیوں کے ایک جھگڑے میں مجبوراً گورنمنٹ کو آئندہ خدشہ فساد کے رفع کرنیکے لیئے کارروائی کرنی پڑی ہے یہ فساد محرم کے رسوم کے متعلق ہے۔ یہاں بھی اختلاف صرف ایک چھوٹی سی بات پر ہے یعنی سنی بھی شیعوں کی طرح محرم میں تعزیہ داری کرتے ہیں مگر کسیقدر اختلاف کے ساتھ۔ دو مسلمان فرقوں کا یہ باہمی اختلاف عیسائی مذہب کے دو بڑے فرقوں کے اختلاف سے بڑھکر نہیں لیکن اگر افسوس ہے تو یہ کہ مسلمانوں کی حالت اس زمانے میں ایسی ہو گئی ہے کہ وہ مذہبی عقائد اور مذہبی رسوم میں نہیں جھگڑتے بلکہ ایک ایسی رسم پر اگر انکے اختلاف کا اظہار ہوتا ہے جسکو اصل مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ عیسائی اگر جھگڑتے ہیں تو کم از کم اپنے مذہبی عقائد پر تو جھگڑتے ہیں مگر مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ انہیں

اپنے دین سے اسقدر بھی واقفیت نہیں کہ وہ دین کی باتوں اور بدعت کی رسوم میں امتیاز کر سکیں۔ بلکہ جہالت کے ساتھ سنی سنائی باتوں پر لڑنے مرنے کے لیئے تیار ہو جاتے ہیں۔

یہ دو واقعات جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان مظالم کی یاد کو تازہ کرتے ہیں؏۔ یورپ میں مشہور محکمہ تفتیش مذہبی کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہی مذہب کے مختلف فرقوں کی باہمی عداوت کی وجہ سے جسقدر خونریزی اور جس قسم کے ظلم دنیا میں ہوئے ہیں وہ اپنی کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے کسی طرح اس خونریزی اور ان مظالم سے کم نہیں جو مختلف مذہبوں کے پیرووں نے ایک دوسرے پر کیئے ہیں۔ اگر ہم عیسائی فرقوں کی گرمجوشی کا جو انہوں نے ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے لیئے دکھائی ہے مسلمانوں کے مختلف فرقوں سے موازنہ کریں تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے دائرہ کے اندر اختلاف رائے کو بڑے تحمل اور برداشت سے سنا ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ان لوگوں کی جنہیں ملحد یا بدعتی سمجھا گیا ہے ایذا رسانی کی مثالیں مسلمانوں کے اندر بھی پائی جاتی ہیں۔ اس ایذا رسانی کی تازہ ترین مثال سلسلہ احمدیہ کے پیرووں کے خلاف ملتی ہے۔ گو ہندوستان میں اس مذہبی آزادی کی وجہ سے جو حکومت برطانیہ کی برکات میں سے سب سے بڑی برکت ہے وہ دکھ جو سلسلہ احمدیہ کے پیرووں کو دیئے گئے ہیں اس آخری حد تک نہیں پہنچے جہانتک وہ ایک مسلمانوں کی سلطنت کے نیچے پہنچ سکتے تھے مگر تاہم ایسے فتوے اس ملک میں بھی کھلے طور پر شائع کیئے گئے ہیں جنکے رو سے احمدی سلسلہ کے پیرووں کو قتل کر دینا نہ صرف جائز بلکہ بڑے ثواب کا کام ہے۔ اور ایسا ہی انکے مال کو چھین لینا بھی کار ثواب ہے۔ گو ان فتووں پر ہندوستان جیسے آزاد ملک میں عمل نہ ہو سکتا تھا۔ اور اسی لیئے ہندوستان میں احمدیوں کے خلاف ایذا رسانی میں بھی نسبتاً سختی کا رنگ کم رہا ہے۔ مگر انہی فتووں کے اثر سے ایک ہمسایہ اسلامی سلطنت یعنی افغانستان میں دو معزز احمدیوں کو سنگساری

؏ جو گذشتہ زمانہ میں ایک حد تک مسلمان فرقے مگر خصوصیت سے عیسائی مذہب کے مختلف فرقے ایک دوسرے پر کرتے رہے ہیں۔

کی بیرحمانہ سزا سے دُکھ دیکر مارا گیا۔ تاریخ سے اس امر کی شہادت مشکل سے ملتی ہے کہ سنگساری کی سزا ملحدین یا مرتدین کو مسلمانوں میں پہلے بھی دیجاتی رہی ہو۔ مگر اس سزا کی سختی بھی ان ایذاؤں کے مقابل ہیچ جو عیسائی فرقوں میں ایک دوسرے کو پہنچائی جاتی رہی ہیں ہیچ ہو جاتی ہے۔ جو دو سنگساریاں مذہبی عداوت کی وجہ سے ملک افغانستان میں عمل میں لائی گئیں انکے متعلق مسز کیٹ ڈالی جو ۹ سال تک کابل میں رہی ہے مندرجہ ذیل شہادت دیتی ہے۔

"یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں کوئی شخص سنگساری کی قدیم مشرقی سزا سے مارا جاوے مگر میری کابل کی رہائش کے زمانہ میں دو ایسی سنگساریاں جو مذہبی اختلافات کی بنا پر تھیں وقوع میں آئیں۔ اس سزا کا طریق یہ ہے کہ جس شخص کے خلاف ایسا حکم صادر کیا گیا ہو اسے شہر کے سب سے پُر رونق بازاروں میں سے دو سیاہ پتھروں کی جگہ" میں لیجاتے ہیں جب یہ مذہبی دیوانوں کا گروہ ملزم کو طعن و تشنیع اور لعنت ملامت کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے تو ہر ایک شخص اتنا بڑا پتھر اُٹھا لیتا ہے جسے وہ اُٹھا کر پھینک سکتا ہو۔ اور جب سزا کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو سب سے پہلے الزام لگانیوالا پتھر پھینکتا ہے پھر جو شخص قریب پہنچ سکے وہ پتھراؤ کرنے لگتا ہے۔ اس کے بعد اس شخص کو خواہ وہ مر چکا ہو یا صرف بیہوشی کی حالت میں ہو ان پتھروں کے نیچے تین دن تک پڑا رہنے دیا جاتا ہے اور اسکے بعد اسکی نعش اسکے رشتہ داروں کو دیدی جاتی ہے۔"

درمیانی زمانہ کے عیسائی بادشاہوں کی طرح جو شاہی بیگمات کے ساتھ خود اپنے مذہبی مخالفوں کے آگ میں جلائے جانیکے نظارہ کو دیکھنے کے لیئے جایا کرتے تھے موجودہ امیر افغانستان بھی صاحبزادہ عبداللطیف خاں کی سنگساری کے وقت خود پتھر پھینکنے کے لیئے موجود تھے۔ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ افغانستان میں اور بھی

کوئی ایسے واقعات ہوئے ہیں یا نہیں جن میں علماء کے فتوے کی وجہ سے کسی شخص کو قتل کیا گیا ہو۔ مگر ان باتوں سے جو شاہ افغانستان نے اپنے سفر ہند میں کیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنی ہندو یہودی اور عیسائی رعایا کو امن کے ساتھ اپنے ملک میں زندگی بسر کرنیکی اجازت دیتا ہے بلکہ ان باتوں سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ مختلف اسلامی فرقوں کی تعلیم میں بھی کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرتا بلکہ سب فرقوں اور سب مذہبوں کو پوری مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ اور اختلاف مذہب یا اختلاف فرقہ کی وجہ سے امیر صاحب کی مملکت میں کسی شخص کو دکھ نہیں دیا جاتا۔ ہاں یہ بات معتبر ذرائع سے سنی گئی ہے کہ ہندوستان کے سیر سے واپسی پر شاہ افغانستان نے احمدیہ سلسلہ میں شامل ہونیوالوں کو بھی مذہبی آزادی اسی طرح ‡ دیدی جسطرح دوسرے فرقوں کو جو انکی حکومت کے نیچے ہیں حاصل ہے۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جہاں کہ اہل اسلام میں مذہبی اختلافات کی وجہ سے سختی کی گئی ہو ایسے اختلافات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں بھی ہوتے تھے جسکا کافی ثبوت وہ روایات ہیں جو ابتک احادیث میں موجود ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ دیگر صحابہؓ سے پچاس مسئلوں میں اختلاف رکھتے تھے لیکن باوجود اختلافات کے انکی برابر تعظیم و تکریم ہوتی تھی۔ ایسا ہی جب فتوحات کے ذریعہ سے بہت سا مال آنا شروع ہوا تو حضرت ابو ذر صحابی نہایت سخت الفاظ میں ایسے مال کے پاس رکھنے کی مذمت کرتے تھے لیکن اس وجہ پر انہیں حکومت کی طرف سے کسی قسم کی سزا نہیں دی گئی اور نہ ہی کوئی دکھ دیا گیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں جبکہ آپؐ عرب کے حاکم تھے جن اشخاص کی نسبت معلوم تھا کہ وہ منافق ہیں انکو بھی ویسی ہی آزادی حاصل تھی جیسی کہ مومنوں کو۔

اسلام میں سب سے پہلا سلسلہ جو ملحدوں کا قائم ہوا وہ خوارج کا تھا جنھوں نے پہلے تو سن سیدہ

‡ حاشیہ۔ اس وقت وہ الہامی پیشگوئی بھی پوری ہوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ۱۹۰۵ء میں شائع کی تھی۔ آہ نادر شاہ کہاں گیا

خلیفہ حضرت عثمانؓ کو شہید کیا اور پھر حضرت علیؓ کے برخلاف اُٹھے اور آخر کار اُنکو بھی قتل کیا۔ بہت عرصہ تک وہ قائم شدہ سلطنت کے برخلاف لڑتے رہے جو شخص خوارج کی تاریخ پڑھیگا اُسکو معلوم ہو سکتا ہے کہ خوارج کے برخلاف پہلے اسلامی حکومت نے تلوار نہیں اُٹھائی۔ بلکہ برعکس اسکے اُنسے کوئی تعرض نہیں کیا گیا جبتک کہ اُنکی زیادتیوں اور ظلموں نے سزا کی ضرورت پیدا نہ کی۔ اُنکے مذہب کا بڑا اصول یہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کی حکومت کے سوا کوئی اور حکومت نہیں ماننی چاہیئے اور اسی کو اپنے مذہب کا اصل الاصول قرار دیکر خلیفہ وقت کی اطاعت کا حلف اُٹھانے سے انکار کرتے تھے۔ ذیل میں میور کی کتاب سے کسیقدر اقتباس کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اوائل زمانہ کے مسلمان کسطرح الحاد کی باتوں سے درگذر کرتے تھے۔

"جب کہ خوارج نے مقام حرورہ سے اپنی فوج اُٹھائی بجائے اسکے کہ وہ امن اور اطاعت سے زندگی بسر کرنا شروع کریں بغاوت اور شورش کے مجمعے کرتے رہے اُنکے نزدیک خدائی حکومت کی منادی یہی تھی کہ بجز خدائے عزیز و حکیم کے اور کسی کی اطاعت کی حلف نہ ہونی چاہیئے اور علیؓ یا معاویہؓ کی اطاعت کی حلف اُٹھانا اُس بڑے نام کی ہتک تھی۔ خلیفہ نے بمثل سابق ہرچند اُنکو سمجھایا کہ خود انہوں نے ہی باہمی رضامندی کے فیصلہ پر اسکو مجبور کیا تھا مگر انہوں نے ایک نہ مانی اور جھٹ جواب دیا کہ یہ تو سچ ہے لیکن ہم اُس فیصلہ سے اب پشیمان ہوگئے ہیں اور تجھکو بھی اُس فیصلہ سے نادم ہونا چاہیئے ورنہ ہم تیرے برخلاف جنگ کریں گے۔ حضرت علیؓ کو پھر بھی امید تھی کہ اُنکو سمجھا کر راضی کر لیں گے۔ آپ اُنکی باغیانہ گفتگو پر صبر کرتے رہے اور اپنا منشا اُنسے درگذر کے ساتھ سلوک کرنیکا ظاہر کردیا اور حکم دیا کہ نماز کے لیئے اُنکو مسجد و نمیں آنے جانیکی کُھلی اجازت ہونی چاہیئے اور جبتک کہ وہ کھلم کھلا کوئی فعل نہ کریں اُنکے برخلاف ہتھیار استعمال نہ کیا جاویگا،، میور آگے چلکر بیان کرتا ہے کہ اس بُردباری کے سلوک نے بجائے خوارج کو امن پسند بنانیکے اُنکو اور بھی دلیر کردیا۔ اُنہوں نے ایک علیحدہ جتھا بنالیا اور جبکہ حضرت علیؓ نے اُنکو اپنی فوج میں شامل ہونیکے واسطے بلایا تو انہوں نے آپ کو یہ

ہتک آمیز جواب دیا کہ "اگر علی اپنے ارتداد کا اقرار کرے اور اُس سے توبہ کرے تب وہ غور کرینگے کہ آیا کوئی فیصلہ باہمی ہوسکتا ہے؟ بصورت دیگر وہ اُسکو ایک ناپاک مرتد سمجھکر چھوڑتے ہیں" تب انہوں نے ممالک میں ظلم کرنے شروع کیے اور "یہ ظلم نہایت وحشیانہ اور بیرحمی کے تھے۔ مسافر خواہ مرد ہوں یا عورتیں جو خدائی حکومت کے اصولوں کو ماننے سے انکار کرتے جان سے مار دیئے جاتے حاملہ عورت تلوار سے قتل کیجاتی وغیرہ وغیرہ" ان ظلموں کا حال سُنکر حضرت علی رض کو مجبوراً اُنکے برخلاف کارروائی کرنی پڑی جس کا حال اسطرح لکھا ہے "ایک قاصد جو دریافت کے واسطے بھیجا گیا تھا اور ذبح کی طرح وہیں کام آیا۔ خبریں زیادہ سے زیادہ خوفناک آنے پر فوج نے اُنکے برخلاف بھیجے جانیکی استدعا کی۔ حضرت علی نے بھی خود یہی ضرورت سمجھکر اپنی طرز بدل دی اور دجلہ سے پار گذر کر ان مذہبی دیوانوں کے برخلاف فوج کشی کی جب نہروان کے نزدیک پہنچے تو ایک قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ جو جو اشخاص ظلم اور قتل کے مجرم ہیں وہ حوالہ کیے جاویں آپنے فرمادیا کہ ایسے شخصوں کو انصاف کے حوالہ کرو اور پھر تم سے کوئی تعرض نہ کیا جاویگا یہانتک کہ ملک شام میں خدائے تعالیٰ ہم کو فتح دیوے اور اُسوقت شائد اللہ تعالیٰ پھر تمھارے دل ہماری طرف پھیر دیوے انہوں جواب دیا کہ جو کچھ ہوچکا ہے ہم سب اُسکے یکساں ذمہ دار ہیں اور ناپاک مرتدوں کو جو ہم نے قتل کیا تو اُنکا خون جائز طور پر بہایا گیا ہے۔ اسپر ایک بحث چھڑ گئی جس میں خلیفہ نے غلط فہمی میں پڑے ہوئے جوشیلوں کو سمجھایا اور کہدیا کہ جو کوئی ہماری فوج میں چلا آوے یا امن سے اپنے گھر چلا جاوے اُسکی حفاظت کیجاوے۔ بعضوں نے اسکی تعمیل کی اور چلے آئے پانچسو ایک نزدیک کے فارس کے شہر میں چلے گئے اور کئی اپنے گھروں میں چلے گئے لیکن اٹھارہ سو میدان جنگ میں رہے اور خدائی حکومت کے مذہب کے شہید بنے۔ اسلام کے امن کے واسطے تو یہ اچھا ہوتا کہ ان چار ہزار میں سے ایک بھی نہ بچتا۔ سانپ زخمی تو ہوا مگر مارا نہ گیا۔ تعصب کا جوش عجیب طور پر پھیلتا گیا اور خدائی حکومت کا فریق بڑے زور سے اور

لگاتار پوشیدہ طور پر دونوں جگہ بصرہ اور کوفہ میں بڑھتا گیا۔ اگلے سال باغی جنونیوں کے گروہ پھر ناگہاں میدان میں حضرت علیؓ کو برا کہتے ہوئے نکل آئے اور منادی کرنے لگے کہ خدا کی حکومت قریب ہے۔ یکے بعد دیگرے یہ سب قتل کیئے گئے یا با آسانی بھگا دیئے گئے۔"

مندرجہ بالا بیان سے جو ایک متعصب عیسائی کا لکھا ہوا ہے معلوم ہوگا کہ خوارج کو انکی اصولوں کے باعث کوئی تکلیف نہیں دیگئی بلکہ بوجہ انکی مجرمانہ زیادتیوں کے اور سلطنت کے برخلاف سر اٹھانیکے سزا دیگئی۔ حضرت علیؓ اس بات کے برخلاف تھے کہ انکو صرف انکی مذہبی اصولوں کے واسطے ایذا دیجاوے اور وہ انہیں معاف کرنیکے لیئے تیار تھے۔ بشرطیکہ وہ اپنا باغیانہ طریق چھوڑ دیں۔ لیکن اسکا انہوں نے انکار کیا اور حضرت علیؓ کی خلافت اور اسکے بعد کی سلطنتوں میں وہ ملک کے امن میں مخل ہوتے رہے اور سلطنت کو تباہ کرنیکے واسطے وقتاً فوقتاً اپنی فوج جمع کرتے رہے۔

مگر خوارج بھی شیعہ کے سامنے بے حقیقت معلوم ہوتے ہیں اور یہ آخر الذکر فرقہ بھی خوارج کی طرح ملکی حالات کی وجہ سے ہی پیدا ہوا تھا۔ شیعہ کے معنے طرفدار ہیں اور فرقہ شیعہ حضرت علیؓ خلیفہ چہارم کے طرفدار ہیں۔ انکا بڑا اختلافی مسئلہ اہل سنت کے برخلاف یہ ہے کہ وہ پہلے تین خلفاء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جائز جانشین نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے وہ حضرت علیؓ کو حد درجہ کے ادب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہانتک کہ انکی بعض فرقے اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے انکو خدا بنالیا ہے جیسا کہ عیسائیوں نے یسوع کو خدا بنالیا ہے لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ پہلی تین خلافتوں میں اس فرقہ کا کوئی وجود تھا کیونکہ حضرت علیؓ نے خود حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے جواز کو تسلیم کیا اور تینوں کی اطاعت کی حلف اٹھائی صرف خوارج کی زیادتیوں اور حضرت علیؓ کے قتل ہونیکی وجہ سے یہ فرقہ شیعہ کا پیدا ہوا اور بنو امیہ کے

حاکم یزید کے ہاتھ سے امام حسین کے شہید ہو جانے کی وجہ سے اس فرقہ کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔ سنی اور شیعہ کی باہمی نفرت ان پولیٹیکل کوششوں میں ترقی پذیر ہوئی جنکا مدعا بنی امیہ و بنی عباس کی خلافتوں کے دوران میں حکومت حاصل کرنیکا تھا۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ سنی شیعہ سے نفرت کرتا ہے اور اسکو برا کہتا ہے اور شیعہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء کی ہجو کرتا ہے اور انکو برا کہتا ہے لیکن تاہم انکی باہمی نفرت اس سخت اور ظالمانہ عداوت کی حد تک کبھی نہیں پہنچی جو عیسائیوں کے دو فرقوں پراٹسٹنٹوں اور رومن کیتھولک والوں کے مابین ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ دونوں مخالف فرقے بعض موقعوں پر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے ہیں لیکن یہ موقعے ہمیشہ پولیٹیکل ضروریات کیوجہ سے پیدا ہوئے ہیں یا اس طمع کی وجہ سے کہ حریف فرقہ کی ملکی طاقت کو تباہ کر کے خود سلطنت کے مالک بنیں۔ بجز شاذ و نادر موقعوں کے جنہیں جوش بھڑک اٹھا اور اسکی وجہ بھی ملکی حالات کی تہ میں تھی اسلام کے دونوں بڑے فرقے ایک ایسی تصویر دکھاتے ہیں کہ جسکا اگر ان خوفناک زیادتیوں سے جو رومن کیتھولک والوں اور پراٹسٹنٹوں نے ایک دوسرے پر کی ہیں مقابلہ کیا جاوے تو کہنا پڑے گا کہ کوئی باہمی عداوت کے نشان نہیں پائے جاتے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں سنی اور شیعہ کے مابین سخت سے سخت رنجش پولیٹیکل کوششوں کے متعلق ہوئی ہے اور انہی کوششوں کی وجہ سے انکی باہمی عداوت کو ترقی ہوئی اور انکے مابین تفرقہ بڑھا۔ بجز مصر میں ایک تھوڑے عرصہ کے ملکی طاقت اہل اسلام میں بہت عرصہ تک فقط سنیوں کے ہاتھ میں رہی ہے اور وہ شیعوں کے ساتھ نرم سلوک کرنے پر راضی رہے ہیں ہاں وہ یہ چاہتے تھے کہ شیعہ صرف اپنی طمع ملکی عروج کے حاصل کرنے اور قائم شدہ سلطنت کو مٹا دینے کی چھوڑ دیں بلکہ ایک سنی بادشاہ یعنی مامون نے تو یہانتک بھی کیا کہ اپنا جانشین تخت شاہی کا

علی رضا کو مقرر کردیا اور یہ تجویز عمل میں آنے سے صرف اسواسطے رہ گئی کہ علی رضا مامون سے پہلے فوت ہوگیا لیکن شیعہ ہمیشہ خلیفوں کے برخلاف سازشیں کرتے رہے اور انکے فرقوں نے علانیہ بغاوت کی۔ میور اپنی کتاب "خلافت" میں لکھتا ہے۔

"کربلا کے واقعہ کے بعد سے جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اسلامی دنیا میں حضرت علیؓ کے خاندان کی خاطر جوش طرفداری کی ہل چل ہوتی رہی ہے۔ ایران کے شیعہ پن نے اپنے خفیہ اطوار کے ساتھ جوش کو زیادہ کردیا اور ساتھ ہی خلافت کے تنزل اور اسکے بعد جو ابتری پھیلی اسکی وجہ سے جھوٹے دعویداروں کو موقعہ دیدیا اور اس باعث سے علوی بغاوتوں کی کثرت ہوئی"

مصنف متذکرۃ الصدر کے مندرجہ ذیل فقرات مسلمانوں کے فرقوں کی باہمی ایذادہی کی ایک مثال کا کام دیں گے جو معلوم ہوگا کہ ملکی ضروریات کی وجہ سے انکی ضرورت پڑی نہ کہ کسی مذہبی لحاظ کی بنا پر۔

تیسری صدی ہجری کے دوسرے نصف حصہ میں شیعہ کا مشہور فرقہ اسمٰعیلی پیدا ہوا "خلیفہ معتضد باللہ کے عہد سلطنت میں اس فرقہ کے ایک سرغنہ نے عراق میں علم بغاوت بلند کیا اور اس جگہ اور اسکے گرد نواح کے ممالک میں ایک بڑی جمعیت بہم پہنچائی۔ اسکا نام قرماط تھا اور اسکے نام پر اس فرقہ کے لوگ قرماطی کہلاتے تھے وہ ایسے وقت میں ظاہر ہوا جبکہ زنگی بھی ابھی میدان میں تھے اور بعد ایک لاکھ تلوار کے باغیوں کے ساتھ ملنے کی خواہش کی لیکن چونکہ ایک مشترک مذہب کے اصولوں پر وہ اتفاق نہ کرسکے اسلئے علیحدہ ہوگئے۔ ایک سرغنہ پھر عراق میں ظاہر ہوا جسکا نام زکریا تھا اسکے دو بیٹے تھے جنہوں نے لوٹ اور دہشت ملک میں برپا کی۔ پہلا تو دمشق کو لوٹنے کی کوشش میں مارا گیا اور دوسرے نے ملک شام کو

تباہ کیا جہاں کہیں پہنچا قتل اور لوٹ مار کی۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ اُس بدقسمت ملک کے ممبروں پر اُسکو مہدی موعود قرار دیکر اُسکے حق میں دعائیں کیجاتی تھیں۔ بغداد میں اتنا خوف پھیلا کہ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں خلیفہ مکتفی باللہ نے مصری جرنیل محمدؐ کو باغیوں کے گروہ پر حملہ کرنیکے واسطے بھیجا اور آپ بھی فوج کے ساتھ مقام ریکا تک گیا۔ قرامطیوں کو شکست فاش ہوئی اور اُنکا سرغنہ . . . . . معہ اپنے چچا زاد بھائی اور کچھ پیروؤں کے جنگل میں بھاگ گیا یہاں وہ پکڑے گئے اور خلیفہ کے حضور بمقام ایکا پہنچائے گئے پھر وہاں سے بغداد میں بھیجے گئے جہاں ہاتھیوں اور اونٹوں پر چڑھا کر اُنکو پھرایا گیا اور شہر والوں کو دکھایا گیا پھر اُنکو قید میں رکھا گیا یہانتک کہ اور قرامطی قیدی لاکر محمدؐ واپس آگیا اور پہلے اُنکے ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر پھر اُنکے سر قلم کیئے گئے سرغنہ کے واسطے سخت ظلم کی سزا تجویز کیگئی پہلے اُسکو ایک سو تازیانہ لگایا گیا پھر اُسکے ہاتھ کاٹے گئے اور پھر آگ میں ڈالا گیا اور جبکہ وہ آگ کے عذاب میں مبتلا تھا اُسکا سر کاٹا گیا اور ایک لمبی لکڑی کے سر پر رکھکر اونچا کیا گیا اور تمام مجمع سے اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے ''

اگرچہ اس موقعہ پر ایک باغی کے جلائے جانیکا حال ہمکو معلوم ہوا ہے لیکن مسلمان ایسی سزا کبھی استعمال نہیں کرتے تھے بجز شاذونادر موقعوں کے جبکہ جرم مختلف وجوہات کے باعث نہایت سنگین ہو جاتا تھا۔ مذہبی معاملات کے متعلق صرف اختلاف رائے کی کوئی سزا عموماً نہ دیجاتی تھی۔ ملحدانہ خیالات جو مذہب اسلام کے بنیادی اصولوں کے برخلاف سمجھے جاتے تھے اُنکے پھیلانے کی اگر کوئی سزا دی بھی جاتی تھی تو قید تھی اگرچہ یہ سزا بھی سرغنوں کو ہی دیجاتی تھی اور صرف ارتداد کی سزا موت تھی ایک مختلف فرقہ بنانیکی کوئی سزا ہمیشہ نہ دیجاتی تھی اور عباسیوں کے وقت تریسٹھ[۶۳] مختلف فرقے پیدا ہو گئے تھے بجز ایسے اشخاص کے جنکا مدعا یہ ہوتا تھا کہ خلفاء کے دینی و دنیاوی اختیارات کو اُڑا دیں کسی کو کبھی سخت سزا نہ دیجاتی تھی اور اگر اُن سختیوں کے ساتھ مقابلہ

کرین جو عیسائیوں کے فرقے ایک دوسرے پر کرتے رہے ہیں جسکا بیان آگے آویگا تو مسلمانوں کے بڑے فرقہ کی بے تعصبی جسکے ہاتھ میں کئی صدیوں تک ایک وسیع مملکت کی دنیاوی حکومت رہی قابل تعریف پائی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جو مذہب نجات کے دائرہ کو صرف اپنے پیرؤوں تک محدود رکھے ضروری ہے کہ وہ دُکھ دینے والا مذہب ہو لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ ایک مذہب دعویٰ کر سکتا ہے کہ سچی نجات جسکا مفہوم یہ ہے کہ گناہ سے رہائی۔ اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہو اُسکے اصولوں پر عمل کرنیکے سوا حاصل نہیں ہو سکتی لیکن اس دعوےٰ سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ ایسے مذہب کے لیئے ضروری ہے کہ تمام دنیا کو اُن اصولوں کے ماننے کیواسطے مجبور کرے۔ قرآن کریم ہمکو بتاتا ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ایک آدمی کو خدائے تعالیٰ کا قرب حاصل کرا دیتا ہے پر ساتھ ہی بڑے پُر زور الفاظ میں جبر سے منع کرتا ہے جیسا کہ لا اکراہ فی الدین سے ظاہر ہے فرقہ بندیوں کی ایذائیں جو مذہبی ایذاؤں سے ہی پیدا ہوئی ہیں زیادہ تر اس بات کا نتیجہ ہیں کہ ایک شخص اپنے اصولوں کو مدلل طور پر ثابت کرنیکے ناقابل ہوتا ہے تب وہ زور سے اور جبر سے دوسروں کو منوانیکی کوشش کرتا ہے۔ ایسا ہی ہر ایک نبی کے وقت میں ہوا کہ جب وہ حقائق جنکی وہ تعلیم دیتا تھا ناقابل تردید پائے گئے تو اُسکو جبراً روکنے کی تجویز کیگئی لیکن ایذادہی کسی تحریک کو روکنے کی بجائے اُسکی ترقی دینے میں ہمیشہ ممد ثابت ہوئی ہے۔ غلط مفہوم مذہب کا اور جہالت بھی ایک بڑی حد تک اُن خوفناک ظلموں کے ذمہ وار ہیں جو مذہب کے نام پر ایک بدنما داغ بنگئے ہیں۔

اہل اسلام کے فرقوں کی ایک دوسرے پر زیادتیوں کا کسیقدر بیان ہم کر چکے ہیں لیکن عیسائیت ایک ایسا نظارہ دکھاتی ہے جس سے زیادہ خوفناک تصور کا وہم میں آنا مشکل ہے۔ اگرچہ پہلے عیسائی فرقہ نے اختلاف رکھنے والے اشخاص اور فرقوں کو اُسیوقت سے دُکھ دینا شروع کیا جبکہ اپنے شاہی نو مرید کانسٹنٹائین کے عہد میں دنیاوی طاقت

پائی لیکن ان تکلیفوں نے کوئی خوفناک شکل اختیار نہیں کی تھی جبتک کہ یورپ کی طاقت مضبوطی سے قائم نہ ہوگئی۔ مختلف فرقوں کی باہمی ایذادہی جو پہلے ہو چکی تھی مشہور و معروف محکمہ تفتیش مذہبی کی کارروائیوں کے سامنے بے حقیقت ہو جاتی ہے اور اسلیئے اُس خوفناک تصویر کو جس میں رومن کیتھولک والے پراٹسٹنٹوں اور دوسرے فرقوں کو اور پراٹسٹنٹ رومن کیتھولک والوں کو دُکھ دیتے رہے ہیں صرف ایک نظر دیکھنے سے ہی عیسائی مذہب کے فرقوں کی باہمی ایذادہی کا تصور ہو سکتا ہے۔ مشہور مورخ ماٹلی کے الفاظ میں "محکمہ تفتیش مذہبی ایک ایسی کل تھی جسکے ذریعہ کسی شخص کے خیالات کی تفتیش کیجاتی تھی اور اگر نتیجہ اطمینان بخش نہ ہوتا تو اُسکو جلایا جاتا۔ صرف شک پر کسی شخص کو پکڑا جاتا تھا اور جبتک وہ اقبال نہ کرتا اُسکو عذاب دیا جاتا اور پھر آگ کے ذریعہ سزا دیجاتی۔" پیشوایان دین کی طرف سے جو سزا مرتدوں کو دیجاتی رہی ہے اُسکے تین علیحدہ علیحدہ زمانے ہیں۔ مشہور و معروف ہسپانیہ کا محکمہ تفتیش ۱۴۸۰ء میں قائم ہوا لیکن اصل میں اس تاریخ سے قریباً دو صدیاں پہلے محکمہ تفتیش موجود تھا جسکا نام ڈومینکن محکمہ تفتیش تھا اور یہ ۱۲۲۹ء میں ٹولوسی کی کونسل سے شروع ہوا۔ لیکن ایسی تفتیش کی حقیقت تیرھویں صدی سے پہلے بھی موجود تھی اگرچہ جن اصولوں پر کارروائی ہوتی تھی وہ بعد کی دو تفتیشوں کے اصولوں سے مختلف تھی۔ مذہبی تفتیش کے پہلے حصہ کی نسبت انسکلوپیڈیا برٹانیکا میں اسطرح لکھتا ہے "تفتیش کی حقیقت یہ تھی کہ ابتدائی زمانہ کے گرجاؤں کے پادریوں کا یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ غلطی کی جستجو کر کے اُسکی اصلاح کریں۔ انگریزی کلیسیا میں جو یہ اقرار لیا جاتا ہے کہ پادری بڑی محنت کے ساتھ تمام غلط اور خدا کے کلام کے خلاف نئے عقیدوں کو دُور کرنیکے واسطے تیار رہیگا اس میں بھی ایک خفیف سی جھلک اسی حکم کی نظر آتی ہے جو ابتدائی گرجاؤں کے پادریوں کو دیا گیا تھا۔ پادریوں کا گروہ اسطرح پر ذرائع بہم پہنچاتا تھا اور حاکم وقت پادریوں کے

فتووں پر عملدرآمد کرنیکے واسطے تیار ہوگئے۔ کانسٹنٹائن اور اُسکے جانشینوں کے شاہی احکام نے اب وہ دوہری کارروائی شروع کی جسکی رو سے قرار پایا کہ دنیوی حکومت ملحدین کی نسبت کارروائی کرے اور اسطرح سے پادریوں کو اپنا مدعا حاصل کرنیکا موقعہ بغیر اپنے ہاتھوں کو خون میں رنگنے کے ملگیا۔ چنانچہ ۳۱۶ء کے قریب کانسٹنٹائن نے فرمان جاری کیا کہ فرقہ ڈونی ٹسٹ کے لوگوں کی جائداد ضبط کیجاوے۔ اور ۳۸۲ء میں تھیوڈوسی اس نے فرقہ مینیچین کے پیرووں کو موت کی سزا کا مجرم ٹھہرایا اور اُنکی جائداد بھی ضبط کر لی۔"

اس سے معلوم ہوگا کہ اختلافی عقیدہ رکھنے والے فرقوں کو کانسٹنٹائن اور اُسکے جانشینوں کی طرف سے محض مذہبی وجوہات کی بنا پر سزا دیجاتی تھی۔ اور ان تمام احکام کی تہ میں عیسائی مذہب کے لیئے یہ خاص جوش تھا کہ عیسائیت تمام قسم کے ملحدانہ خیالات سے پاک رہے۔ لیکن عقائد کی باقاعدہ تفتیش کے طریقے کو روما کے پوپوں نے بارھویں صدی کے اختتام اور تیرھویں صدی کے آغاز کے قریب ترقی دی۔ اصطلاحی استعمال لفظ تفتیش مذہبی کا یعنی سرکاری طور پر لوگوں کے عقائد کی تفتیش کرنیکا پہلے پہل ۱۱۶۳ء میں ٹورس کی کونسل میں ہوا۔ ۱۱۸۴ء میں ویرونا کی مذہبی کمیٹی نے تمام ملحدین اور انکے پناہ دہندگان کو ملعون ٹھہرایا اور حکم دیا کہ مردود شخصوں کو سنگین سزا کے واسطے دنیوی حکومت کے حوالہ کیا جاوے اُنکی جائداد ضبط کر لی اور صاف طور پر کہدیا کہ نئی تفتیش پرانے پادریوں کی طرز کارروائی سے کہیں بڑھ چڑھکر ہوگی" (منقول از انسکلوپیڈیا بریٹانیکا) پوپ اِنوسنٹ سویم نے (اِنوسنٹ کے لفظی معنے بے گناہ ہیں) اپنے افسر اپنی مسند نشینی کے جلد ہی بعد جنوبی فرانس اور ہسپانیہ کے علاقوں میں بھیجے کہ تا "چھوٹی چھوٹی لومڑیاں (جس سے مراد اختلاف رکھنے والے فرقوں کے عیسائی ہیں) پکڑ کر انکو جان سے ماریں۔" چوتھی لیٹرین کونسل نے جسکا پریزیڈنٹ پوپ اِنوسنٹ سویم تھا فیصلہ کیا کہ ہر ایک صوبہ میں مذہبی کمیٹیاں ملحدین کے نکالنے کے واسطے ہونی چاہییں

جو سزا کے واسطے دنیاوی حکام کے حوالہ کیئے جاویں جو حاکم اپنے علاقہ سے اس طریق کے بموجب ملحدوں کے نکالنے سے انکار کرتا اُسکو پوپ مذہب سے خارج کر دیتا۔ پوپ گریگری نہم کے عہد میں تفتیش مذہبی نے ایک اور بھی مستحکم اور معین صورت اختیار کر لی۔ ۱۲۲۹ء کی کونسل میں جسکا نام ٹولوسی کی کونسل ہے چند ضابطے مقرر کیئے گئے جنکے رو سے صرف ملحدوں کو مجرم قرار دیکر سزا ہی نہیں دیجاتی تھی بلکہ وہ گھر بھی جنہیں وہ پائے جاتے تھے گرا کر زمین کے ساتھ پیوست کیئے جاتے تھے اور جو شخص کسی ملحد کو پناہ دیتا یا اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دیتا اُسکا ملک ذاتی جائداد اور سرکاری منصب سب ضبط ہو جاتے ہر مرد جو ۱۴ سال سے زیادہ عمر کا اور ہر عورت جو ۱۲ سال سے زیادہ عمر کی ہو اُنسے حلفیہ اقرار لیا گیا کہ ملحدوں کی نسبت مخبری کریں اس مرحلہ پر جو طریقہ تفتیش کا مروج تھا اُسکا مفصل حال ایک کتاب موسومہ ہدایت نامہ تفتیش کنندگان میں درج ہے جو این ایمی رچ نے جو ۱۳۵۶ء میں علاقہ کسٹائیل کا جنرل افسر محکمہ تفتیش تھا لکھی ہے۔ یہ ہدایت نامہ افسران تفتیش کنندہ کے استعمال کیواسطے مستند کتاب تھی۔ اسکے بموجب مخبری کا انتظام مقرر شدہ تھا اور ہدایت تھی کہ ملحدوں کی لگاتار اور پورے زور سے تلاش ہوتی رہے۔ ہر ایک حلقہ میں دو پادری اور دو یا تین دوسرے شخص نامزد ہونے چاہییں جو حلف لینے کے بعد ہر ایک گھر میں تمام کمروں میں بالائی منزل نہیں کوٹھڑیوں میں برابر بڑے زور سے تلاش کرتے رہیں کہ آیا کوئی ملحد تو وہاں چھپا ہوا نہیں۔ طریق کارروائی جو اختیار کیا گیا تھا اس قسم کا تھا کہ جب ایک دفعہ کوئی شخص ملزم بنایا جاتا تو الحاد کے الزام سے اُسکو اپنی بریت ثابت کرنی قریباً ناممکن ہو جاتی اس بات کی بڑی تاکید تھی کہ تمام کارروائی پوشیدہ راز کی طرح مخفی رکھی جاوے حکم تھا کہ ملزم کو اُسپر الزام لگانیوالے یا اُسکے برخلاف جو گواہ ہوں اُنکے نام نہ بتلائے جاویں۔ اگر کبھی ایک نقل فرد جرم کی ملزم کو دی بھی جاتی

(کیونکہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا تھا) تو مفصلہ ذیل طریقوں سے پھر بھی اسپر جال کھلنے نہیں دیا جاتا تھا۔

۱- گواہوں کے ناموں کی ترتیب بدل دینا تاکہ ایک نے جو بیان دیا ہے وہ دوسرے کا معلوم ہو۔

۲- الزام بغیر گواہوں کے ناموں کے بیان کرنا اور اُنکے نام علیحدہ رکھکر اُنکے ساتھ اور نام ملا دینے جنہوں نے ملزم کے برخلاف کوئی بیان نہ دیا ہو؛ کسی بے گناہ شخص کو مواخذہ میں لانیکے واسطے صرف انہی ادنے چال بازیوں پر بس نہیں کیجاتی تھی بلکہ جو شہادت ملزم کے برخلاف تسلیم کیجاتی تھی وہ اس قسم کی ہوتی تھی کہ کسی ملک کے قانون میں ایسی شہادت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ہدایت نامہ کے یہ الفاظ ہیں۔ کہ "یہ کافی ہے کہ دو گواہوں کی مخبری بالاتفاق ہو کہ انہوں نے یہ بات سنی ہے کہ فلاں شخص ملحد ہے۔ اسی قدر بیان قابل تسلیم ہے خواہ اُن دو گواہوں نے خود ملزم کے مُنہ سے کوئی خراب بات نہ بھی سُنی ہو" ہر ایک قسم کی شہادت خواہ وہ ایک مرتد کی شہادت ہو خواہ ملزم کے شریکان جرم کی خواہ ایسے مجرموں کی جو کسی جرم میں سزا یافتہ ہوں بلکہ اُن لوگوں کی بھی گواہی جو ملحد قرار پاچکے ہیں اگر ملزم کے برخلاف ہوتی تو قابل تسلیم تھی لیکن اگر ایسی شہادت ملزم کے حق میں ہو تو اسے رد کر دیا جاتا تھا۔ جھوٹے گواہ قابل اعتبار سمجھے جاتے تھے بشرطیکہ وہ ملزم کے برخلاف شہادت دیں۔ "اگر کوئی جھوٹا گواہ اپنے پہلے بیان سے جو ملزم کے حق میں مفید ہو منحرف ہو جاوے تو ججوں کو دوسرے بیان پر متوجہ ہونا چاہیئے" کسی گواہ کے دو متضاد بیانوں میں سے جو بیان ملزم کے حق میں مفید ہو وہ کبھی قابل تسلیم نہیں تھا۔ ہدایت نامہ میں درج ہے کہ "یہ سمجھ رکھنا چاہیئے کہ دوسرا بیان حلف دروغی کے مرتکب گواہ کا صرف اُسوقت قدر کے لائق اور قابل تسلیم ہے جبکہ ملزم کے برخلاف ہو" اگر کوئی انسان ایسا خوش قسمت ہوتا کہ ان تمام پھندوں سے بچ جاتا جو سیاہ دل اور ظالم الطبع تفتیش کنندہ نے اسکے لیئے تیار کر رکھے تھے تو بھی وہ خطرہ سے باہر نہ ہوتا تھا کیونکہ یہ ہدایت تھی کہ "محض مخبری کے سچا ثابت نہ ہونیکی وجہ سے

تفتیش کنندہ کو کارروائی منسوخ نہ کر دینی چاہیئے کیونکہ جو بات ایک دن ثابت نہیں ہوئی ممکن ہے کہ کسی اور دن ثابت ہو جاوے" پس اس بیرحم محکمہ کے بیگناہ شکار لمبے لمبے غیر محدود عرصہ تک ٹھہرائے جا سکتے تھے اس امید پر کہ کسی نہ کسی دن کوئی حلف دروغی کا مرتکب گواہ اُنکو مجرم ثابت کرنیکے واسطے نکل آویگا۔

جبراً اقرار کروانے کے لیئے اذیت پہنچائی جاتی تھی۔ ملزم پر کسی قسم کا رحم کھانا مذہبی عدالت کے اصول کے خلاف تھا۔ اور اگر کوئی ایسے حالات پیدا ہو جاتے تھے جن سے رحم آجاتا ہو تو یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ ملزم ججوں کے رحیمانہ ارادوں میں جو اسکی سزا کی صورت میں ظاہر ہونے چاہییں حارج ہو رہا ہے۔ "بعض دفعہ ایک قیدی اس بات کو دیکھ کر کہ اسے سزا دینے لگے ہیں بیماری کا بہانہ کر لیتا ہے۔ کپڑے اتارنے پر حیا کا بہانہ کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ عورتیں عصمت وغیرہ کا بہانہ کرتی ہیں۔ یہ سب باتیں صرف اس لیئے کیجاتی ہیں تاکہ یہ لوگ سزا میں التوا ڈلوا دیں یا ججوں کو دھوکا دیں" کتاب محکمہ تفتیش کی مختصر تاریخ کا مصنف آگے بیان کرتا ہے "کہ یہ مایوسانہ حیلے جو ظالموں کی اذیت سے بچنے کے آخری حیلے سمجھکر اختیار کیئے جاتے تھے اور اب سیکڑوں سال گذر جانے پر بھی ان واقعات کے پڑھنے والوں کے دلوں کو پگھلاتے ہیں اور رحم کا جوش انہیں پیدا کرتے ہیں وہ ہدایت نامہ کے چالاک مصنف میں بجائے رحم پیدا کرنیکے غصہ کے بھڑکانے کا موجب تھے اور وہ پہلی مجوزہ سزاؤں کے بعد یہ ایزادی اور کرتا ہے کہ ملزم کو اسطرح دھوکہ دے کر یا اسطرح اُسے حیران کر کے پھنسانا چاہیئے۔ کہ وہ اپنے آپ کو مجرم ثابت کر دے۔ ملزم کو اذیت دینے کے متعلق ہدایت نامہ میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ کونسی صورتیں ایسی ہیں جہاں اذیت پہنچانیکے لیئے نئی نئی تجاویز اختیار کرنی چاہییں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ " وہ لوگ جنہیں ایک دفعہ شکنجہ میں سزا مل چکی ہو وہ بڑے حوصلہ سے اسے برداشت کر لینے کے عادی ہو جاتے ہیں کیونکہ انکے جوڑ شکنجہ سے مناسبت پیدا کر لیتے ہیں اور اس میں بڑی آسانی سے ٹھیک آجاتے ہیں۔ بازور سے مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو جادو کے ذریعہ سے اپنے آپ کو ایسا بنا لیتے ہیں کہ انہیں اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی۔ اور قبل اسکے کہ کسی

قسم کا اقرار کریں مرنیکو تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ بائبل کی آیتوں کو منتروں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یعنی ان آیتوں کو صاف ٹکڑوں پر لکھ لیتے ہیں اور پھر انکے ساتھ نا معلوم فرشتوں کے ناموں کو ملا دیتے ہیں جن میں دائرے اور عجیب در عجیب شکلیں ہوتی ہیں اور ان ٹکڑوں کو وہ اپنے ساتھ پوشیدہ طور پر رکھتے ہیں۔ مجھے ان سحروں کا علاج معلوم نہیں مگر یہ بات بہتر معلوم ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کو شکنجہ میں چڑھانیسے پہلے بالکل ننگا کر دیا جاوے .... اگر پھر بھی وہ انکار میں اصرار کرے تو اسکو وہ آلات بھی دکھانے چاہییں جو دوسری سزاؤں میں استعمال کیئے جاتے ہیں اور اسکو یہ بتلا دیا جاوے کہ اگر وہ اپنے جرم کا اقرار نہ کریگا تو اُسے ان تمام آلات کی اذیت برداشت کرنی پڑے گی" جسکے یہ معنے ہیں کہ اُسے یہ اقرار کرنا چاہیئے کہ ہاں مجھ سے فلاں فلاں الحاد اور کفر سرزد ہوا کیونکہ جج صاحبان تو اُسکے جرم کو پہلے ہی سے دلمیں ٹھانے ہوئے ہوتے ہیں۔

ان جرموں کی فہرست جن کی وجہ سے کسی شخص کو ملحد قرار دیا جاتا تھا بہت لمبی ہے انبیا اور کتب اور خاصکر کے مسیح اور اسکے حواریوں اور والدہ اور دوسرے اولیا کو بُرا کہنا تو یقیناً کفر یعنی الحاد سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعض دفعہ شرابی بھی اس جرم میں ماخوذ ہو جاتے تھے جبکہ وہ نشہ کی حالت میں قسم کھا لیتے تھے۔ ان جرائم کی فہرست کو پڑھنے سے اس ... زمانہ کی اخلاقی حالت کے بھی چند شعبوں کا پتہ لگ جاتا ہے۔ مثلاً لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جن یا شیطان کو کسی نیک کام کے لیئے پکارتا ہے یا اس سے مدد مانگتا ہے تو اسکو بھی ملحد سمجھنا چاہیئے لیکن اگر وہ مقصد جسکے لیئے وہ شیطان یا جن سے مدد مانگتا ہے اچھا نہ ہو تب اسکو ملحد خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ مثلاً جیسا کہ ہدایت نامہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص شیطان یا جن سے اس غرض کے لیئے استعانت کرے کہ وہ کسی عورت کو زنا کے لیئے بہکانے میں اسے مدد دے تو وہ ارتداد یا الحاد کے نیچے نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اگر مذہبی عدالت کے سپاہی کسی ملحد کے تعاقب میں لگے ہوئے ہوں اور کوئی دوسرا شخص یہ کہکر کہ وہی شخص ہے جس کو وہ پکڑنا چاہتے ہیں اپنے آپ کو پکڑوا دے تو آسمان کے نیچے اس زمین پر کوئی چیز نہ تھی جو اسکو بچا سکے۔ یعنی اسکو وہی سزا ملتی جو

کسی سخت سے سخت ملحد کو مل سکتی تھی خواہ وہ فی الحقیقت مذہبی رنگ میں کتنا ہی نیک اور پرہیزگار کیوں نہ ہوتا۔ اگر ایک شخص کو علم ہے کہ فلاں شخص ملحدانہ عقیدہ رکھتا ہے یا اس کے خیالات ملحدوں کے سے ہیں مگر وہ مذہبی عدالت کے سپاہیوں کو بلوا کر اسے نہیں پکڑواتا تو اسکی سزا بھی وہی ہوتی تھی جو ایک الحاد کے ثابت شدہ مجرم کو دیجاتی تھی۔

۱۴۸۳ء میں ٹارکویماڈا ایک شخص تھا جس نے فرڈی نینڈ اور اسیبیلا کے عہد میں ایمیرخ کی کتاب ہدایت نامہ برائے تفتیش کنندگان پر نظر ثانی کی اور اسمیں کچھ ایزادی بھی کی۔ اس ترمیم شدہ قانون کے مطابق ان جرائم کی فہرست جنکی بنا پر کسی کو ملحد قرار دیا جا سکے بہت بڑھا دیگئی۔ چنانچہ ذیل کا حصہ ہم ناظرین کی آگاہی کے لیئے پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ”رومن کیتھولک کلیسیا کے کسی اصل یا فرع کے خلاف کچھ بھی لکھنا اور بولنا الحاد ہے۔ پوپ کی اطاعت کو چھوڑ کر پراٹسٹنٹ بنجانا تو صاف طور پر موجب الزام الحاد تھا۔ اسکے علاوہ مندرجہ ذیل باتیں بھی ملحدین کی سمجھی جاتی تھیں۔ کوئی ایسا اصول پیش کرنا جس سے پانے اصولوں پر زد پڑتی ہو یا جو ایسا کریں تو ان پر الزام لگانے میں قاصر رہنا یا مذہبی خدمات کا حقارت سے ذکر کرنا۔ یا رومن کیتھولک مذہب کی تصویروں کی شکل بگاڑنا یا اُن کتابوں کا پڑھنا جو مذہبی عدالت نے منع کی ہیں۔ یا ایسی کتابیں پڑھنے کیلیئے دینا۔ یا رومن کیتھولک مذہب کی مسلمہ رسومات سے کنارہ کرنا۔ یا ایک سال تک گناہوں کے اقرار بغیر گزار دینا۔ روزے کے دنوں میں گوشت کھانا۔ مسیح کے خون و جسم کھانیکے وقت غیر حاضر ہونا۔ یا کسی ایسے آدمی کے وعظ میں حاضر ہونا جو مذکورہ بالا میں سے کسی ایک کا بھی مرتکب ہو۔ یا اس سے دوستی گانٹھنا یا اسے تحفہ دینا۔ قیدخانہ میں کسی ملحد کی ملاقات کے لیئے جانا یا اُسے قید سے بھاگنے میں مدد دینا۔ جب محکمہ تفتیش مذہبی والے اسکو بلائیں اور وہ انکی عدالت میں حاضر نہ ہو یا اس مذہبی عدالت کے عمل پر اظہار ناراضگی کرے یا کسی ایسی بات کا انکار کرے جو کسی جج نے کہی ہو۔“

محکمہ تفتیش کے طریقے اور عملدرآمد جن کو ٹارکویماڈا نے رواج دیا انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں یوں مرقوم ہیں۔ ”جب کوئی ملزم یا جسپر اس قسم کا شک ہو سکے مذہبی عدالت

کے سامنے لایا جاتا تھا۔ تو پہلے ایک قسم کی تفتیش کیجاتی تھی اور اس تفتیش کا نتیجہ مذہبی ججوں کی ایک کمیٹی کے سامنے رکھا جاتا تھا اگر انکی رائے میں وہ ایک ایسا معاملہ ہوتا جس میں مذہبی عدالت کو دست اندازی کرنی چاہیئے جیساکہ عموماً انکی رائے ہوتی تھی تو مخبروں اور گواہوں کی دوبارہ گواہی ان تمام ظنی حالات کے ساتھ جو جھوٹی ہمدردی اور سرگرمی مذہب کیلئے جمع کر سکتی تھی پوری اور مکمل کر کے مذہبی عدالت کے پادریوں کے ایک گروہ کے سامنے پیش کیجاتی تھی ان پادریوں کو خود اپنے چال چلن پر دھبہ آنے اور اپنی عزت و آبرو میں فرق آجانیکا خوف ہوتا تھا اسلیئے انکی طرف سے ملزم کے متعلق اچھی رپورٹ کی امید رکھنی بالکل فضول ہوتی تھی اگر وہ ایسا کرتے تو خود انکی دینداری میں شبہ پڑتا تھا۔ جب وہ اپنی رائے ملزم کے خلاف دیدیتے تھے تو تب اس ملزم کو اس عدالت کے ایک خفیہ قید خانہ میں بند کر دیا جاتا تھا جہاں کہ تمام بیرونی دنیا سے خط و کتابت اور اسکے تعلقات بالکل قطع ہوجاتے تھے۔ اسکے بعد ملزم کی تین دفعہ افسروں کے سامنے حاضری ہوتی تھی جنہیں کہ افسر اس سے زبردستی اقبال جرم کروانیکی کوشش کرتے تھے۔ اور اگر وہ ایسا کرتا تو انکی مہربانی سے اُسے تائب کا درجہ ملجاتا تھا اور تمام عمر ان اذیت دہندگان کے ظلموں کے نیچے گذارنی پڑتی تھی لیکن اگر اب بھی وہ انکار پر مصر رہتا تو دوبارہ الزام اسپر قائم کیئے جاتے اور وہ افسر جس کے سامنے اسکا مقدمہ ہوتا تھا یہ حکم دیدیتا کہ اب زبردستی اور تشدد سے اُس سے اقرار کروایا جائے۔ شروع ایام میں جب کہ یہ محکمہ قائم ہوا ایسا اکثر ہوتا رہتا تھا۔ اور اذیت دینے کے لیئے باریک در باریک راہیں نکالی جاتی تھیں۔ جنکی نسبت لورنٹو کی رائے ہے کہ جو جو باتیں ان سزاؤں کے متعلق مشہور ہیں کسی میں بھی مبالغہ نہیں اور لورنٹو ایسا شخص ہے کہ اُسے اس معاملہ سے خوب واقفیت تھی۔ عقوبت کے بعد اس شکستہ اعضاء کو بیانات لینے کے ہال میں لیجایا جاتا اور اسکو اپنے الزامات کے جواب دینے کے لیئے کہا جاتا۔ اور وہ الزامات جسکی وجہ سے وہ ماخوذ کیا جاتا پہلی دفعہ اسکے سامنے پڑھے جاتے۔ بعد میں اس سے پوچھا جاتا کہ آیا تم اپنا کوئی وکیل جواب دہی کے لیئے پیش کرنا چاہتے ہو

اگر وہ ایسی خواہش کرتا تو اسکے سامنے وکلا کی ایک فہرست پیش کیجاتی تھی جو دراصل اسی عدالت کے ملازم ہوتے تھے۔ اور اسکو کہا جاتا تھا کہ ان میں سے کوئی ایک چن لو۔ یہ وکالت محض ایک جھوٹا دکھاوا ہوتا تھا اور ملزم کے ساتھ ایک ہنسی ہوتی تھی۔ کیونکہ اسکا منشا صرف برائے نام کارروائی کا پورا کرنا ہوتا تھا۔ اس جواب دہی کے بعد جو بعض دفعہ مہینوں تک چلی جاتی تھی۔ ان پادریوں کی کمیٹی کو پھر بلایا جاتا تھا۔ وہ اپنا آخری فیصلہ دیدیتے جو کہ قریباً ہمیشہ ملزم کے خلاف ہی ہوا کرتا تھا۔ اس کے بعد سزا تجویز ہوتی تھی مگر اسکے ساتھ ہی دو جگہ اپیل کرنیکا موقع دیا جاتا تھا۔ ایک اپیل کی عدالت اعلیٰ ہوتی تھی مگر اسمیں جانا بالکل بے فائدہ ہوتا تھا کیونکہ یہ دراصل وہی پہلی عدالت تھی جس میں مقدمہ شروع ہوا تھا۔ اور دوسری اپیل کی جگہ روما میں پوپ تھا۔ پس ان اپیلوں کی وجہ سے پوپ کی آمدنی اور خزانہ میں خاصی ترقی ہوتی رہتی تھی کیونکہ روپیہ ہی سب سے بڑی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ اسطرح محکمہ تفتیش تو مجرم کی جائداد ضبط کرلیتا اور پوپ صاحب اسکے دوستوں کا روپیہ اپیل میں ڈکار جاتے اگر وہاں سے قضائے کار بریت ملجاتی جیسا کہ کبھی کبھی ایسا واقعہ ہوجاتا تو وہ کمبخت بدنصیب پاؤں چٹختا لڑکھڑاتا گھر واپس آتا مگر جو کچھ اسکا کھویا جاتا اسمیں سے ایک پیسہ بھی اسکے ہاتھ نہ آتا۔ اور خواہ نخواہ کی قید۔ مقدمہ کی جانکنی اور اذیت کا کوئی بدلہ اسکو نہ دیا جاتا۔ لیکن اگر وہاں کا فتویٰ بھی اسے ملزم ہی قرار دیتا تب وہ لوگوں کو جمع کرکے انکے سامنے زندہ آگ میں جلایا جاتا۔ ایک خاص قسم کی پوشاک اسکو پہنا دیجاتی۔ جسکو مجرم پہنا کرتے تھے۔ اور آخر کار اُسے اسکی موت کی جگہ لیجایا جاتا۔ اور اسجگہ اُسے اسکی قسمت کا فیصلہ سنایا جاتا تھا۔ اسکے بعد اس کیلئے دو راہیں تھیں یا تو بلا لیا جاتا یعنی زندہ رکھا جاتا مگر اسکو اسقدر عقوبتیں اور اذیتیں برداشت کرنی پڑتیں کہ موت سے بھی بدتر ہوتیں اور یا اسے رد کیا جاتا تھا۔ یعنی اُسے سرکاری افسروں کے حوالہ کیا جاتا۔ کہ وہ اُسے زندہ جلادیں۔ کیونکہ اس مقدس محکمہ کو خون کرنے سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

تاریخ میں اور کوئی مثال نہیں ملتی جہاں اسقدر ظالمانہ بیرحمی اور سفاکی عدالت کے نام کے نیچے دکھائی گئی ہو اور پھر اسکے ساتھ اسطرح کی باریک در باریک اذیتیں اور کھلی

بے انصافی لگی ہوئی ہو۔ اس زمانے کی تمام ذہانت اور جدت عقوبت دینے کیلئے نئے نئے طریق سوچنے میں صرف کیگئی ان خطرناک آلات کو جو اذیت پہنچانیکے لیے استعمال کئے جاتے تھے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ مذہبی عدالت کے ججوں اور انکے مددگاروں کی شیطانی جدت کے سامنے خود شیطان کی شیطانی مات پڑ جاتی ہے۔ اور شیطان نے خود اپنی کمزوری کا اعتراف کیا ہوگا۔ محکمہ تفتیش کی مختصر تواریخ میں ان آلات کی تصاویر کہیں کہیں درج ہیں لیکن ان اذیتوں اور عقوبتوں کا اظہار الفاظ اور تصویروں کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ انہیں سے چند کے نام مفصلہ ذیل ہیں۔ ملزم کے لٹانیکے لیئے بنچ۔ سادہ شکنجہ۔ لوہے کا بسترہ۔ زبان نکالنے کا موچنا۔ لوہے یا کسی اور دھات کا تازیانہ۔ منہ میں رکھنے کی ناسپاتی (یہ بھی دھات کی ہوتی تھی جس سے ملزم کا سانس بند ہو جاتا تھا) لٹانیوالی پھانسی۔ اذیت دینے کی کرسی۔ چور پکڑنیوالا۔ کانٹوں والا تاج سر کیلیئے۔ لوہے کے بوٹ۔ انگوٹھا مروڑنیکا پیچ اور گلے میں ڈالنے والا اسپینی پٹہ۔ ملزم کو ایک آگ کیطرح سر منہ ڈھانپنے والا ٹوپ پہنایا جاتا تھا جسمیں کانوں کے مقابل پر سوراخ ہوتے تھے۔ اور ان سوراخوں کے راستہ اس غریب کے کانوں میں پگھلا ہوا سکہ (سیسہ) ڈالا جاتا تھا۔ یہ تمام سزائیں اسلیئے استعمال کیجاتی تھیں کہ ملزم اپنے الزام کا اقبال کرلے جو اسپر لگایا گیا ہو خواہ وہ قصور اسکو وہم تک میں نہ آیا ہو جسکو اس عدالت کے سپاہی لا حاضر کیا کرتے تھے۔ ملزم کے مارنیکے بھی کئی طریقے تھے۔ بعضوں کی تو زندہ کھال اتار لیجاتی تھی بعضوں کو آگ کی سی دھات کے بنے ہوئے بیلوں کے اندر بند کر دیا جاتا تھا۔ یا لوہے کی بنی ہوئی مریم کی تصویر میں ڈالدیئے جاتے تھے تاکہ زندہ ہی کباب ہو جاویں۔ یا ایک چکر کھانیوالے پہیّہ کے ساتھ باندھ دیئے جاتے تھے اور اسکو ایک تیز جلتی ہوئی آگ پر چکر دیا جاتا تھا۔ یا عام راستہ گاہوں میں زندہ جلا دیئے جاتے تھے۔

مفصلہ ذیل سیاست کرنیکے طریقے محکمہ تفتیش کی مختصر تاریخ سے لیئے گئے ہیں۔ چرخی سے سزا دینے کے وقت چرخی کی ہک کمرہ کی چھت سے لگا دیجاتی تھی۔ ملزم کا کمر تک نچلا آدھا دھڑ ننگا کر دیا جاتا تھا۔ اسکے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیجاتی تھیں اور گھٹنوں میں بوجھ باندھ دیا جاتا تھا۔ ایک رسّا چرخی پر سے گذرتا ہوا ہوتا تھا جس سے اسکی ہر دو کلائیاں اسکی پیٹھ کے پیچھے باندھ دیجاتی تھیں۔ پھر وہ اس رسّے کے ذریعہ ہوا میں لٹکا دیا جاتا تھا اور پھر جھٹکوں کے ساتھ نیچے کیا جاتا تھا۔ ہر دفعہ جبکہ وہ نیچے ہو جاتا تھا تو وہ جج صاحبان جو پاس کھڑے ہوتے تھے وہ اسکو نصیحت اور لعنت ملامت کرتے تھے کہ وہ سچ کو ظاہر کردے۔ شکنجہ میں ملحد کو سزا اسطرح سے دیجاتی تھی کہ اسکو ایک لکڑی کی گھوڑی پر یا فریم میں لٹا دیا جاتا تھا جسمیں سیڑھی کیطرح حلقے لگے ہوئے ہوتے تھے اور وہاں اسکو اسطرح سے باندھ دیا جاتا تھا کہ اسکو ہاتھ پاؤں یا سر ہلانیکی کوئی جگہ نہ ہوتی تھی یہ شکنجہ اسطرح سے بنا ہوا ہوتا تھا کہ

ملزم کو کم سے کم آٹھ اعضا میں تشنج واقع ہو۔“ پھر ایک سزا یہ بھی ہوتی تھی کہ ریشم کا ایک ٹکڑا لیتے تھے اور اسے ملزم کے منہ پر رکھ کر دیتے تھے پھر اس پر پانی گرانا شروع کرتے تھے یہاں تک کہ پانی کے زور سے وہ کپڑے کا ٹکڑا حلق کے اندر اتر جاتا تھا اور اس طرح اُس جان کنی کی حالت پیدا کر کے دکھا دیتے تھے جو ڈوبتے وقت سانس کے گھٹنے سے پیدا ہوتی ہے۔

ایک اور طریق سزا دینے کا آگ سے تھا۔ کہ مجرم کو زمین پر بٹھا دیا جاتا تھا اور اسکے پاؤں کاٹھ میں جکڑ دیئے جاتے گھٹنوں کے اوپر اور دونوں ٹانگوں کے درمیان اور ان دونوں کے ارد گرد لکڑی کے ٹکڑے کیلوں سے جکڑ دیئے جاتے تھے مگر اسکے پاؤں کی تلیاں بالکل ننگی چھوڑ دیجاتی تھیں۔ تب اُن تلووں پر سؤر کی چربی لگا دیجاتی تھی اور ان پر ایک دہکتا ہوا انگارا پھیرا جاتا تھا جس سے پہلے پہل تو ان تلووں پر چھالے پڑ جاتے تھے اور بعد میں وہ بالکل بھن جاتے تھے کچھ وقفوں کے بعد آگ اور اسکے پاؤں کے درمیان ایک لکڑی کا تختہ رکھدیا جاتا تھا مگر یہ تختہ فوراً اٹھا دیا جاتا تھا اگر وہ شخص حکم ماننے سے انکار کرتا یعنی اس الزام کا اقرار نہ کرتا جو اس پر لگایا گیا تھا۔ چونکہ شکنجہ کی نسبت یہ زیادہ درد انگیز مگر کم مہلک ہوتا تھا اسلیئے یہ اذیت کی صورت اکثر اسحالتمیں استعمال کیجاتی تھی جبکہ ملزم عورت ہوتی تھی۔ یہ ان حالتوں میں بھی استعمال کیا جاتا تھا جبکہ بچوں سے انکے والدین کے برخلاف گواہی دلوانی منظور ہوتی تھی۔

محکمہ تفتیش کے شکار جنپر کہ سزائے آگ کا فتویٰ لگ جاتا تھا وہ سرکاری افسروں کے سپرد کر دیئے جاتے تھے تو اسوقت جلانیکی رسم ادا کیجاتی تھی۔ اس نظارہ کا دیکھنا بہت ہی ثواب سمجھا جاتا تھا۔ ۱۷۲۶ء کی ایک جلانیکی واقعہ کا پورا حال ابتک محفوظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام منادی کے ذریعہ کل لوگوں کو اس تماشہ کے دیکھنے کیلئے بلایا جاتا تھا جیسا کہ ذیل کے اشتہار سے عیاں ہے۔ ”تفتیش کا مقدس محکمہ اس بات کی عام اطلاع دیتا ہے کہ سب دیندار عیسائیوں کو جو بادشاہوں کے شہر کے رہنے والے ہیں یہ یاد رہے کہ ۲۳۔ ڈسمبر ۱۷۲۶ء میں ایک آٹو ڈی فا یعنی تمام لوگوں کے سامنے جلانیکی رسم ادا کیجائیگی تاکہ ہمارے مقدس رومن کیتھولک مذہب کا بول بالا ہو۔ یہ جلانیکی رسم شہر کے چوک میں ادا کیجائیگی تاکہ تمام دیندار لوگ اپنی حاضری سے مدد کر کے وہ ثواب اور وہ حقوق حاصل کریں جو بادشاہوں کی طرف سے صرف ان لوگوں کو ملتے ہیں جو کہ مذکورہ بالا جلانیکی رسم میں اپنی حاضری سے مدد دیں۔ اور ساتھ رہیں۔ یہ نوٹس اسلیئے شائع کیا جاتا ہے تاکہ تمام لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جاوے۔“ یہ وہ محبت کا طریق تھا جس سے عیسائیت کی حفاظت کیجاتی تھی۔ اور عیسائی مذہب کا جلال ظاہر کرنیکے لیئے زندہ انسانوں کو آگ میں جلا کر لطف اور ثواب حاصل کیا جاتا تھا۔ مگر اس مکروہ اور ڈراؤنی تصویر کے ساتھ ان تکالیف اور دکھوں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا تھا جو اس مقدس محکمہ تفتیش کیطرف سے بیگناہ لوگوں کو پہنچائے

جاتی تھے۔ علاوہ وحشیانہ اذیتوں اور سزاؤنکے اس مذہبی عدالت کے پاکباز جج اور کارندے مختلف قسم کی بیحیائیوں کے مرتکب بھی ہوا کرتے تھے۔ یہ مضمون اسقدر نازک ہے کہ یہاں اسپر لمبی بحث نہیں ہوسکتی مگر ذیل کی ایک چٹھی کا خلاصہ ہے جو کہ بادشاہ کیخدمت میں اس غرض کیلیئے بھیجی گئی تھی کہ ان معاملات سے اِخفا کو دُور کر دیا جاوے۔ اس اِخفا کا دُور کروانا ہی ان بیحیائیوں کی اصلیت کو ظاہر کر دیتا ہے۔ عرضی دینے والوں نے اس بات کیطرف اشارہ کیا کہ کوئی ایسا جج ہو جسکا رجحان عیاشی کیطرف ہو تو وہ اپنی نفسانی خواہشات کو جو کہ لوگوں کی کنواری لڑکیوں اور بیویوں سے پورا کر سکتا ہے جو قید کر کے اسکے سامنے لائی جاتی ہیں اور نیز ان عورتوں سے بھی وہ اپنی خواہشات نفسانی پورا کرسکتا ہے جنکو صرف گواہ کے طور پر بلایا گیا ہو مگر انکے چہروں سے یہ معلوم ہو کہ اگر انپر کوئی دست اندازی کیجاوے تو وہ ڈر کے مارے ذرا بھی مقابلہ نہ کریں گی۔ اسی طرح سے انہوں نے اس بات کو بھی توضیح سے بیان کیا کہ مختار اور دوسرے عملے کے لوگوں کو بھی قیدیوں کی بیویوں اور لڑکیوں پر ہر طرح کے اختیارات حاصل ہیں اور چونکہ ان لوگوں کی شادی نہیں ہوئی ہوتی اسلیئے انسے اور بھی زیادہ خطرہ کا ڈر ہے۔ پھر عرضی میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تمام باتیں ایسی عام طور پر مشہور ہیں کہ مذہبی عدالت کے ججوں۔ سررشتہ داروں اور کارندوں کے عہدوں کو عام طور پر وہ لوگ حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں جو شہوات نفسانی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

دینی اور دنیاوی افسران ظلموں میں اور انسے جو فائدے مالی حاصل ہوتے تھے ان سب میں شریک تھے۔ دونوں ان دکھوں اور تکالیف کی بالکل پروا نہ کرتے تھے جو انکی وجہ سے عام بنی نوع انسان پر وارد ہو رہے تھے۔ دونوں کا ایمان تھا کہ ان وحشیانہ طریقوں سے عیسائیت کی شان اور تقدس بڑھتا ہے۔ جب قرطبہ کے باشندے محکمہ تفتیش کی ناقابل برداشت سختیوں سے تنگ آ کر بغاوت کرنے پر کمر بستہ ہوگئے تو پوپ جولیس ثانی نے اپنی چٹھی میں ایک دوست کو لکھا "کہ جو لوگ مذہبی عدالت کے برخلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں وہ یہودی ہیں جو اپنے آپ کو عیسائی بتلاتے ہیں انکی بیخ و بنیاد اُکھاڑ دینی چاہیئے۔ کسی قسم کی محنت اس وبا کو پھیلنے سے روکنے کے لیئے اُٹھا نہ رکھنی چاہیئے۔ ان تمام اشخاص کو کھود کھود کر نکالنا چاہیئے جنہوں نے اس

بغاوت میں حصہ لیا ہے اور انکے سزا دینے میں نہایت اور اشد درجہ کی سختی سے کام لینا چاہیئے انکی کوئی اپیل تک نہ سننی چاہیئے۔" شاہ فرڈی نینڈ نے مرتے وقت مفصلہ ذیل وصیت اپنے جانشین کو کی کہ "جیساکہ تمام نیکیاں بغیر ایمان کے کچھ نہیں کیونکہ صرف ایمان ہی ہے جس میں اور جس کی وجہ سے ہمیں نجات ملتی ہے اسلیئے اے شہزادہ عالی تبار میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ تم کیتھولک مذہب کی حفاظت اور ترقی میں ہمیشہ سرگرمی دکھانا اور تمھیں چاہیئے کہ خدا کی کلیسیا کی حفاظت اور مدد اور حمایت کرتے رہو۔ تم اپنی تمام طاقت سے اپنے ملک میں سے کفر و الحاد کو جڑھ سے اکھاڑ کر پھینک دو اور اپنی تمام سلطنت میں انکو افسر بناؤ جو خدا سے ڈرنیوالے ہوں اور جنکے اندر ایک ملامت کرنیوالا ضمیر موجود ہو جو محکمہ تفتیش کو انصاف سے اور انتظام سے چلائیں تاکہ اس میں خدا کی عبادت ہو اور کیتھولک مذہب کی شان اعلیٰ ہو اور جو مسلمانوں کے مذہب کے برباد کرنے کے لیئے ایک خاص جوش رکھتے ہوں۔"

اسطرح کے دیندارانہ احکام اور وصیتیں ہوتی تھیں جو عیسائی بادشاہ بستر مرگ پر پڑے اپنے جانشینوں کے لیئے چھوڑ جاتے تھے۔ محکمہ تفتیش کا انصاف اور درستی سے چلانا طنزیہ معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی اس حکم میں طنز پائی جاتی ہے کہ مذہبی عدالت کے وزرا امرا ایسے ہوں کہ متقی اور خدا کا خوف کھائیں۔ کیونکہ تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ خود فرڈینینڈ کی اپنی کرتوتیں اسکے الفاظ کے مخالف تھیں۔ اسکی اٹھارہ سالہ حکومت میں نو ہزار اور دس ہزار آدمی کے درمیان زندہ جلا دیئے گئے۔ سات ہزار کے قریب ایسے تھے جن کی شکلوں کو جلایا گیا (کیونکہ جلانے کی رسم ادا ہونیسے پہلے وہ بھاگ گئے یا مر چکے تھے) اور قریباً ایک لاکھ آدمی اور اور طرزوں سے مروایا گیا۔ انکے علاوہ بہت آدمیوں کو اذیتیں دی گئیں۔ انکی جائدادیں ضبط کر لی گئیں جن کی آمدنی وغیرہ بادشاہ اور عدالت کے نوکروں کے درمیان تقسیم ہو گئی اور وہ بدقسمت دنیا میں کوڑی کوڑی کے محتاج کر دیئے گئے۔

لورنٹو صرف ایک ملک ہسپانیہ میں محکمہ تفتیش کے قیام کے زمانے میں مفصلہ ذیل اعداد دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ ۳۱۹۱۲ زندہ جلائے گئے ۱۷۶۵۹ کے جلانیکی رسم بغیر انکی

موجودگی کے ادا کی گئی۔ اور ۵۰ ۲۹۱۴ کو دوسری سزاؤں سے مروایا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سزادہیوں میں فرڈنینڈ کا سب سے بڑا حصہ ہے۔

ہسپانیہ میں سب سے زیادہ شکار محکمہ تفتیش کی ظالمانہ کارروائیوں کے یا تو وہ لوگ ہوئے جنکو مجبور کر کے یہودیت اور اسلام چھڑوا کر عیسائی مذہب میں داخل کیا گیا اور یا پراٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائی۔ پہلے قانون جلاوطنی پاس کر دیا گیا کہ سوائے کیتھولک مذہب کے عیسائیوں کے اور کوئی آدمی ملک کے اندر نہ ٹھہرے اور غیر مذہب کے لوگ سوائے بپتسمہ لیکر عیسائیت میں داخل ہونیکے کسی طرح ملک میں نہ رہ سکتے تھے۔ ۰۰۰ ۲۳۵ یہودی میں سے ۰۰۰ ۱۶۵ ملک چھوڑ گئے ۰۰۰۰ ۵ ہزار نے بپتسمہ لینا قبول کر لیا اور ۲۰۰۰۰ ہزار موت کا شکار بنے۔ مگر سب سے زیادہ مصیبت کا شکار وہی لوگ بنے جنہوں نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا کیونکہ پھر محکمہ تفتیش کا ڈنڈا انپر ہی چلا اور انکے دوسرے بھائی جو ملک چھوڑ گئے تھے وہ غیر ملکوں میں بے خانماں ننگے بھوکے کوڑیوں کے محتاج ہو گئے۔ بہتوں کو سمندر میں غرق کر دیا گیا اور اکثر بھوک سے ہلاک ہو گئے۔ یہی حال مسلمانوں کا ہوا جنہوں نے صدیوں تک ہسپانیہ اور ہسپانیہ ۔۔۔۔ کے ذریعہ دوسرے بلاد یورپ کو علم و تہذیب کی روشنی دی تھی۔ غرناطہ کے فتح ہونیکے بعد باوجود اسکے کہ اسکے رہنے والوں کو جان و مال کی حفاظت کا پکا وعدہ دیا گیا تھا تو بھی انپر بے رحمانہ سختیاں کیگئیں۔ دس سال کے بعد ایک فرمان شاہی جاری ہوا کہ خدا کے دشمنوں یعنی مسلمانوں کو ہسپانیہ سے نکال دیا جاوے۔ بہتوں کو اذیتیں اور سزائیں دی گئیں اور زندہ جلا دیا گیا۔ بکل اپنی تاریخ تمدن میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد زبردستی عیسائی بنائی گئی۔ اور عیسائی بنانیکے بعد انپر عیسائی مذہب کے احکام جاری ہونے شروع ہوئے۔ کیونکہ اب انکو کلیسیا میں داخل سمجھا گیا اور یہ دلیل دی گئی کہ جسطرح اور عیسائیوں کو بعض احکام ماننے ضروری ہیں اسی طرح عیسائی ہونیکی حیثیت میں وہ احکام انپر بھی لازمی ہیں۔ اس لیئے اب وہ تعمیل احکام محکمہ تفتیش مذہبی کے ذریعہ شروع کی گئی اور اس مذہبی عدالت نے سولھویں صدی کے بقیہ حصہ میں ان زبردستی عیسائی شدہ مسلمانوں پر جنکو اسوقت مورسکوز کہا جاتا تھا

بڑی بڑی وحشیانہ سختیاں کیں۔ پھر ۱۵۶۶ء میں فلپ ثانی شاہ سپین نے یہ حکم دیا کہ مورسکوز ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیں جو انکو اپنا پہلا مذہب یاد دلاتی ہوں انکو حکم دیا گیا کہ ہسپانیہ کی زبان کو سیکھیں اور تمام عربی کتابوں کو چھوڑ دیں اور انکو سرکاری افسروں کے حوالہ کر دیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو انکو سخت سے سخت سزائیں دیجاوینگی۔ انکو اپنی زبان میں گفتگو کرنا یا لکھنا یا پڑھنا سب یک لخت منع کر دیا گیا یہانتک کہ وہ ایسی بات اپنے گھروں کے اندر بھی نہ کریں۔ چونکہ غسل کرنا مسلمانوں میں لازمی امر تھا اس لیئے اسکو بھی کفر کا نشان سمجھا گیا اور حکم دیا گیا کہ تمام سرکاری اور عام حماموں کو توڑ دیا جائے یہانتک کہ لوگ اپنے گھروں میں بھی کوئی حمام نہ رکھیں۔ فلپ سوم شاہ سپین کے عہد میں ان لوگوں پر ایک ایسی چوٹ لگائی گئی کہ ان مسلمانوں سے بنائے ہوئے عیسائیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ویلنشیا کے لاٹ پادری نے یہ دلیل دی کہ چونکہ ملک سپین پر جسقدر بلائیں نازل ہوئی ہیں یا ہو رہی ہیں وہ انہی مورسکوز کی وجہ سے ہیں اسلیئے اس نے بڑے زور سے بادشاہ کو درخواست دی کہ سات برس سے نیچے کے بچوں کو چھوڑ کر ان تمام عیسائی شدہ مسلمانوں کو یا جلاوطن کر دیا جائے یا غلام بنا لیا جاوے۔ کیا ہی وسیع آزادی اور رواداری ہے !!! - لاٹ پادری صاحب یہانتک بڑھے کہ تمام مصیبتیں جو ملک پر وارد ہو رہی ہیں وہ ملک میں کفر (یعنی اسلام) کو آزادی اور روا رکھنے کی وجہ سے ہیں۔ طلیطلہ کے لاٹ پادری صاحب نے جس میں پہلے صاحب کی نسبت ذرا ایمان زیادہ تھا انہوں نے یہ رائے دی کہ خبردار بے گناہ بچوں کو نہیں چھوڑنا اور انہوں نے پہلے کی رائے پر بڑے زور سے اعتراض کیا اسلیئے سپین کے سب سے زیادہ محنتی لوگ دس لاکھ کی تعداد میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے گئے جسطرح کہ جنگلی جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے۔ اور یہ صرف اس لیئے کہ وہ عیسائی مذہب میں صادق نہیں خیال کیئے جاتے تھے۔ بہتوں کو سمندر کے کنارے پہنچنے تک قتل کر ڈالا گیا۔ بہت مار پیٹ اور لوٹ لیئے گئے اور اکثر بہت ہی بری حالت میں جہازوں میں سوار ہو کر افریقہ کو چلدیئے" الخ۔ عیسائی اتفاق اور محبت کا کیا ہی عظیم الشان نمونہ تھا۔ اور دشمنوں سے بھی پیار کرنیوالی آیت کی کیا ہی عمدہ تفسیر سپین کے دینداروں کا

چال چلن تھا۔

ہالینڈ اور بلجیم میں محکمہ تفتیش کا کام سپین سے بدرجہا زیادہ خطرناک تھا۔ شاہنشاہ چارلس پنجم اور فلپ ثانی کے عہد حکومت میں جنہوں نے ۱۵۱۶ء سے لیکر ۱۵۹۸ء تک حکومت کی یہ ہر دو ملک بالکل دوزخ کا نمونہ بنگئے۔ ان ہر دو ممالک میں جو ملحدین پر ظلم کیئے گئے وہ درندگی اور وحشیانہ پن میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ رومن کیتھولک لوگوں نے وہاں کے اور فرقوں کے لوگوں کے برخلاف پہلے ہی سے ایک بے رحمانہ لڑائی شروع کی ہوئی تھی۔ کفر اور الحاد کی سزا تو موت تھی اور وہ بھی عمداً آگ کے ذریعہ سے۔ لیکن جیسا کہ موٹلے کہتا ہے اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچانیوالی سزائیں ایجاد ہو چکی تھیں جبکہ ملزم کا گناہ جلتے ہوئے لوہے یا ہلوں کے جلتے ہوئے پھلوں کے ذریعہ یا اُبلتے ہوئے پانی یا کسی اور منطقی دلیل کے ذریعہ ثابت ہو جاتا۔ تو اسکو ننگا کر دیا جاتا تھا اور اُسے ستون کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا۔ تب گردن سے لیکر ناف تک اسکی کھال اُدھیڑ لیجاتی تھی اور شہد کی مکھیاں چھوڑ دیجاتی تھیں کہ وہ اس کے ننگے گوشت کو جس سے خون جاری تھا کاٹیں۔ یہانتک کہ اس سختی کی جان کنی کیحالت میں اس غریب کی روح پرواز کر جاتی تھی۔ ۱۵۲۱ء چارلس شاہ سپین و جرمنی نے ایک فرمان جاری کیا جسمیں لیوتھر اور اسکے پیرووں کو مجرم ٹھہرایا گیا۔ فرمان کے الفاظ حسب ذیل تھے "جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا شخص جس کا نام مارٹن لیوتھر ہے وہ انسان نہیں بلکہ ایک شیطان ہے جو کہ انسان کی شکل اختیار کیئے ہوئے ہے اور ایک پادری کا لباس پہنے ہوئے ہے تاکہ بہت آسانی سے لوگوں کو گمراہ کر کے انکو دوزخ اور ابدی سزا میں ڈلوا دے۔ لہذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اسکے تمام متبعین اور مریدین کو سزائے موت دیجاوے اور انکی جائدادیں اور مال ضبط کر لیئے جاویں" ان فرمانوں پر عملدرآمد کرنیسے ہزاروں موت کا شکار بنے مگر باوجود ان بیرحمانہ کارروائیوں کے یہ سلسلہ اصلاح یعنی پراٹسٹنٹ مذہب بڑے زور اور استقلال سے ترقی کرتا گیا۔

اسی زمانہ میں عیسائیوں کے ایک اور فرقے کا غلبہ شروع ہوا یعنی اینا بپٹسٹس انہوں نے

منسٹر شہر پر قبضہ کر لیا اور اپنے برخلاف ظلم کرنیوالوں سے بھی ظلم میں بڑھ گئے۔ (۳) انہوں نے جائدادیں اور مال اسباب ضبط کر لیا۔ گرجوں کو لوٹ لیا۔ عورتوں کی پردہ دری کی اور انکی عصمتوں کو لوٹا اور ان آدمیوں کو انہوں نے قتل کر ڈالا جنہوں نے ان کے ساتھ شمولیت سے انکار کیا۔ پھر انکی اپنی باری آئی۔ انکے سردار کو جلتے ہوئے چمٹوں سے نوچ نوچ کر مار اگیا۔ اسکے بعد قتل عام شروع ہوا جس میں اینا بپٹسٹوں کے ساتھ ہزاروں بیگناہ لوگ مارے گئے۔ شاہنشاہ کی ہمشیرہ نے جو ہنگری کی ملکہ اور اس زمانہ میں ندرلینڈز میں نائب السلطنت تھی باوجود عورت اور فطرتاً رحم دل ہونیکے مذہبی جوش کے جنون سے متاثر ہوکر یہ حکم لکھا کہ وہ لوگ جو الحاد اور بدعت پر اڑے رہیں اور وہ لوگ جو گذشتہ الحاد اور بدعت سے تائب ہوکر طالب معافی ہوں ہر دو کا ایک ہی حال ہونا چاہیئے تاکہ ہمارے ملک سے الحاد اور بدعت یک قلم دور ہو جائے۔ اسلیئے ۱۵۳۵ء میں ایک شہنشاہی فرمان جاری ہوا کہ بدعت اور الحاد سے تائب ہونیوالے کی یہ سزا ہے کہ اگر وہ مرد ہے تو اُسے تلوار سے قتل کیا جاوے اور اگر وہ عورت ہے تو اُسے زندہ درگور کیا جاوے۔ لیکن اگر یہ بدعتی اور ملحد لوگ اپنے الحاد اور بدعت سے باز نہ آئیں تو انکو زندہ جلا دیا جاوے۔ مگر یہ جج کی مرضی پر چھوڑا گیا کہ اگر وہ اپنے ذہن رسا کے ذریعہ کوئی تکلیف دہ اور اس سے بھی زیادہ شیطانی سزا نکال سکے تو اسکے استعمال کرنیکا بھی اُسے اختیار ہے۔ یہ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ والڈنز آگ میں جلائے گئے۔ قتل کیئے گئے اور زندہ گاڑ دیئے گئے۔ آزادی مذہب اور آزادی خیال پر جو قیود عائد کی گئیں وہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) کوئی شخص مارٹن لیوتھر۔ الرک زونگلی۔ جان ایکولیمپڈیاس۔ مارٹن بیوسر۔ جان کالون یا دوسرے بدعتی اور ملحد لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں جنکی ممانعت کیتھولک چرچ نے کر دی ہے نہ چھاپے نہ لکھے۔ نہ نقل کرے۔ نہ اپنے پاس رکھے۔ نہ چھپا کر رکھے۔ نہ بیچے خریدے اور دیوے۔ نہ گرجوں میں۔ نہ بازاروں میں اور نہ کسی اور جگہ میں......اسی طرح ہم حکم دیتے ہیں کہ کوئی شخص جو پادری نہیں اور جس نے باقاعدہ دینی علم تحصیل نہ کیا ہو وہ مذہبی کتابوں کے متعلق کسی قسم کی بحث یا گفتگو نہ کرے نہ کھلے طور پر اور نہ خفیہ طور سے۔

خاص کر کے ایسے معاملات جو مشکل ہیں یا متشابہات میں سے ہیں۔ اور نہ ہی وہ ان مذہبی کتابوں کو پڑھے اور نہ پڑھائے اور نہ ہی انکی تشریح کرے"۔ جو شخص ان احکام میں سے کسی کی بھی نافرمانی کریگا تو اس سے وہی سلوک کیا جاویگا جو کسی ملحد یا بدعتی سے کیا جاتا ہے یعنی اسکو یا تو زندہ جلا دیا جائیگا یا زندہ درگور کر دیا جائیگا یا قتل کیا جائیگا۔ اور جو شخص ایسے شخص کو کسی قسم کی خوراک جائے رہائش آگ یا کپڑے یا اور کسی طرح کی مدد دیگا وہ بھی سزا کا مستوجب ہوگا۔ ایسا شخص جسپر کبھی الحاد کا الزام قائم نہیں ہوا مگر اسپر ملحد ہونیکا ایک دفعہ شک ہو چکا ہو اور اسکو مذہبی عدالت کے روحانی جج نے الحاد چھوڑنیکے لیئے حکم دیا ہو۔ پھر اگر اسکی نسبت ویسا شک ہی پڑ جائے تو اسکی بھی وہی سزا ہوگی جو کہ ایک ملعون ملحد کی ہو سکتی ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ پتہ ہو کہ فلاں شخص ملحد ہے یا اُسے اسجگہ کا علم ہے جہاں کہ ملحد رہتے ہوں تو اسکو چاہیئے کہ فوراً اس بات کا پتہ سرکاری افسروں کو دیدے۔ اگر وہ ایسا نہ کریگا تو وہ بھی انکا شریک سمجھا جائیگا۔

فلپ کے عہد حکومت میں محکمہ تفتیش مذہبی اور بھی خطرناک ہو گیا اور فلپ کا اپنا قول ہے جو کہ وہ فخریہ اپنے وزرا کے سامنے بیان کیا کرتا تھا۔ کہ اسکا قائم کردہ محکمہ تفتیش ہسپانیہ کے محکمہ تفتیش سے کئی درجے زیادہ خطرناک تھا۔ محکمہ تفتیش کی مختصر تاریخ کا مفصلہ ذیل فقرہ اس طوفان بے تمیزی کا اندازہ لگانیکے لیئے کافی ہے اور یہ وہ مظالم کی سلطنت کا زمانہ تھا جسکو فلپ ثانی شاہ سپین نے باقاعدہ طور سے جاری کیا اور اسکے ایجنٹوں نے اسکی ہدایات کے موافق اُسے جاری رکھا۔ مصنف تاریخ مذکور لکھتا ہے۔ "فلپ کے تخت نشین ہوتے ہی ہزاروں آدمی۔ عورتیں اور بچے جلا کر اور اذیتیں پہنچا کر مارے گئے۔ روما اور میڈرڈ ہر دو شہروں سے یہی احکام مختلف صوبوں کو پہنچتے تھے کہ شکنجہ میں چڑھاؤ اور زندوں کو جلا دو۔ جاسوسوں اور انسانوں کے شکاریوں نے قیدخانوں کو بھر دیا۔ مگر جتنی جلدی وہ قیدخانے بھرتے جاتے تھے اتنی ہی جلدی سولی انہیں خالی کیئے دیتی تھی۔ مرد و عورت ہر دو کے اعضا چرخ پر چڑھا کر توڑ دیئے جاتے تھے پھر انکو شکنجوں میں کسا جاتا تھا اور بعد میں گھوڑوں کی دموں سے باندھ کر بازاروں

میں کھینچا جاتا تھا۔ انکی آنکھیں نکال دیجاتی تھیں۔ انکی زبانیں جڑھ سے اُکھیڑ دیجاتی تھیں۔ انکے ہاتھ اور پاؤں گرم سُرخ ہتکڑیوں اور بیڑیوں کے ذریعہ جلائے اور مروڑے جاتے تھے انکو بھوکھ سے مارا جاتا تھا۔ انکو پانی میں ڈبو دیا جاتا تھا۔ انکو دار پر کھینچا جاتا تھا اور انکو جلا کر مار دیا جاتا تھا یا اور دوسرے طریقوں سے فنا کر دیا جاتا تھا جو کہ پادریوں کی شیطانی ذہانت نے بتدریج اور سخت اذیت کے ساتھ مارنے کیلئے ایجاد کیئے تھے۔ بعض دفعہ ملزم کو پاؤں اوپر کرکے لٹکا دیا جاتا تھا اور اسطرح وہ بیچارہ کئی دن مصیبت میں رہ کر مر جاتا تھا بعض اسکو شکنجہ میں چڑھا کر اسکی زبان کھینچکر اور اسکو زخمی کرنیکے بعد ہاتھ اور پاؤں اسکی پیٹھ کے ساتھ ایک زنجیر کے ذریعہ باندھ دیئے جاتے تھے۔ پھر اسکو ایک جلتی ہوئی آگ پر آہستہ آہستہ جھولا جھلایا جاتا تھا یہانتک کہ اسکا کباب بنجاتا تھا" دیکھو مختصر تاریخ محکمہ تفتیش۔

اگرچہ محکمہ تفتیش نے انگلستان میں وہ خوفناک شکل اختیار نہ کی جو سپین اور ندرسینڈز میں تھی تاہم سیکڑوں لوگ بدعت اور الحاد کی وجہ سے جلائے گئے۔

والڈنیسز۔ البیجنسیز اور ہیوگونوز پر جو جو ظلم ہوئے وہ بھی قابل تذکرہ ہیں۔ فرقہ نسینز کے لوگ ایک شخص والدس نامی کے پیرو تھے اور پہلے پہل انپر صرف اسوجہ سے تعزیریں قائم کی گئیں کہ وہ بغیر سرکاری اجازت کے وعظ کرتے تھے۔ اس سلسلہ کا آغاز ۱۱۷۰ء سے .... ہوا مگر انپر سختیاں اور بے رحمیاں چودھویں صدی کے آغاز میں شروع ہوئیں۔ مذہبی عدالت نے انمیں سے اُنوں کو جلا دیا کہ جتنے اُسکے ہاتھ لگ سکے پوپ انوسنٹ ہشتم نے ایک جڑھ سے اکھاڑ دینے والا جہاد انکے برخلاف کھڑا کر دیا جس نے ۱۸ ہزار کو قتل کر ڈالا۔ مختصر تاریخ محکمہ تفتیش کے مصنف نے مندرجہ ذیل شہادت سموئیل مارسینڈ کی اپنی کتاب میں لکھی ہے جو بمقام سوہے ان دنوں میں انگریزی سفیر تھا۔ اسکا بیان ہے کہ اس گروہ کے معلمین کے سر اور چھاتیاں کاٹ لی گئیں۔ پھر پر خوشی کے نعرے بلند کیئے گئے اور ان چیزوں کو کھا لیا گیا۔ بعضوں کے نازک سے نازک حصوں پر آگ لگا دی گئی عورتوں کو چقماق کے ذریعہ چیر ڈالا گیا۔ لوگوں کے اعضا کاٹ کر

آگ میں ڈالے گئے۔ اور انکے ناخن موچنوں کے ذریعہ اکھاڑ لیئے گئے نیم مردہ آدمیوں کو گھوڑوں کی دُموں سے باندھ دیا جاتا تھا اور نوکیلی چٹانوں پر وہ گھوڑے انکو لیئے پھرتے تھی جس سے انکے جسموں کا گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا تھا۔ نوجوان عورتوں کی شرمگاہوں اور نازک سے نازک حصّوں میں برچھے مارکر انکو جھنڈوں کی طرح اُٹھائے پھرتے تھے۔ زندہ آدمیوں کے مونہوں میں انہی کے کٹے ہوئے اعضاء ڈالے جاتے تھے۔ عورتیں بڑے بڑے ٹیلوں اور کراڑوں پر سے گرائی جاتی تھیں اور راستہ میں ابھی زندہ ہی ہوتی تھیں کہ انکے اعضاء درختوں میں پھنس جاتے تھے اور وہاں وہ آہستہ آہستہ بھوک پیاس اور اپنے زخموں کی وجہ سے ہلاک ہوجاتی تھیں۔ شیرخوار بچّوں کو انکے گہواروں میں سے زبردستی نکال لیا جاتا تھا اور جوش مذہبی سے دیوانہ ہوئے ہوئے کیتھولک لوگ صرف اپنے ہاتھوں کے ذریعہ بغیر کسی ہتھیار کے انکے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے تھے۔ نوجوان لڑکیاں زندہ بھون کر کباب کر دیجاتی تھیں اور قبل اسکے کہ مرجائیں انکی چھاتیاں انسے کاٹ لیجاتی تھیں اور کھائی جاتی تھیں۔ مردوں کے ناک کان اور دوسرے اعضاء کاٹ لیئے جاتے تھے۔ آدمیوں کے مونہوں میں بارود بھرکر آگ لگا دیجاتی تھی۔ بعضوں کی زندہ کھال اُدھیڑ لیجاتی تھی ۔ یا مار مار کر انکے بھیجے نکال دیئے جاتے تھے۔ بعضوں کو بھون کر کھایا جاتا تھا۔ آدمیوں کو ستونوں سے باندھ کر جلا دیا جاتا تھا یا غرق کر دیا جاتا تھا۔ انکے دل کاٹ کر نکال لیئے جاتے تھے۔ انکے چہرے بگاڑ دیئے جاتے تھے اور انکے جسموں کے سیکڑوں ٹکڑے کر ڈالے جاتے تھے"

چودہ سو سال کے عرصہ میں عیسائی مذہب نے اپنے پیرؤوں کو رحم کا سبق سکھانے میں کہاں تک کامیابی حاصل کی !!!

ایلبیجنسیز کا نام اس وجہ سے پڑ گیا کہ وہ جنوبی فرانس کے صوبہ ایلبیجانس میں خاص کر کے رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ بڑے امن پسند اور فرخندہ حال تھے مگر بڑی بیرحمی سے انکی جڑھیں کاٹ دی گئیں انپر کئی فتاوی جرائم لگائے گئے لیکن وہ بچ رہے مگر آخر کار محکمہ تفتیش کے کارندے شکنجے اور آگ میں جلانیوالے اوزار لیکر انکے درمیان آحاضر ہوئے ۱۲۰۸ء میں پوپ کا ایک ایلچی یہاں قتل ہوگیا تھا۔ اسلیئے انکی بیخکنی کے لیئے ہی ایک کافی

بہانہ ہاتھ لگ گیا انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں البیجنسینز کے آرٹیکل پر مضمون لکھنے والا بیان کرتا ہے "کہ اس فرقہ کی بیخ اکھاڑنے کیلئے جو خونی لڑائی اب شروع ہوئی اسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ جب کوئی شہر فتح ہوجاتا تو اسکے زن و مرد کو بغیر کسی تمیز کے قتل کرڈالا جاتا اور فاتح فوج میں کیتھولک پادریوں نے جو بہت بڑی تعداد میں موجود تھے خاص کرکے اپنی درندگی کو دکھلایا۔ ۲۲ جولائی ۱۲۰۹ء کو جبکہ بے زیرس کا شہر فتح ہوا تو کسی نے پادری آرنلڈ سے پوچھا کہ دینداروں اور بیدینوں میں کسطرح تمیز کیجاوے جسکا جواب پادریصاحب نے ایسی درندگی سے دیا جو ہمیشہ کیلئے یادگار رہیگا۔ کہ سب کو قتل کرڈالو۔ خدا اپنے بندوں کو خود پہچان لیگا۔ کئی سال تک یہ وحشیانہ لڑائی جاری رہی اور دینداروں کی فوج کا سردار سائیمن ڈی مانٹفورڈ تھا۔" اس مصنف کا بیان ہے کہ جب ٹولوز کے نواب نے اپنی عملداری میں بھی بمقام لینگو اڈک اس مذہبی عدالت کو جاری کیا تو اس فرقہ کا نام و نشان جاتا رہا۔

۱۵۲۵ء میں ہیوگونوز کے برخلاف باقاعدہ طور سے سختی اور ایذا دہی شروع ہوئی اس سال میں پوپ نے انکے خلاف مذہبی عدالت کو قائم کیا اور لوگ مذہبی فرقہ بندیوں کی وجہ سے پھانسی اور آگ کا شکار ہونے لگے۔ پادریوں نے ان ملحدین کے برخلاف انکے قتل کرنیکے لیئے اسقدر زور شور سے وعظ کیا۔ کہ عوام الناس جوش سے بھر گئے اور جہاں کہیں انہیں ہیوگونوز ملتے وہیں وہ مار ڈالتے۔ قریبًا اڑھائی صدیوں تک یہ خوفناک قصابی جاری رہی یہانتک کہ ۱۷۸۹ء میں جبکہ فرانس میں انقلاب شروع ہوا اسوقت انکو پوری مذہبی آزادی ملی۔ فرانسیسی بادشاہ کی لڑکی اور ہیوگونوز شہزادہ ہنری کی شادی کے موقع پر بڑی دھوکہ دہی سے کام لیا گیا اور پیرس اور دوسرے صوبوں میں ہیوگونوز فرقہ کے لوگوں کو بڑی سنگدلانہ طور سے قتل کیا گیا اور قریبًا بیس ہزار آدمی اس فرقہ کے اُسی دن قتل کرڈالے گئے۔ اس قتل عام پر پوپ اور تمام رومن کیتھولک پادری بہت خوش ہوئے۔ اس واقعہ کے چار ماہ بعد پوپ گریگوری نے بڑے اطمینان قلب سے فرانس کے ایک بڑے پادری کا وعظ سُنا جس نے اثنائے وعظ میں بیان کیا "کہ وہ دن ایسا خوشی سے بھرا ہوا تھا کہ پوپ نے جب اس خبر کو سنا تو اس نے سجدہ اپنی رسم کے مطابق ادا کیا۔ اس رات ستارے

بڑے زور سے چمک رہے تھے اور دریائے سین کے پانی بڑے تیز بہتے ہوئے چلتے تھے تاکہ وہ ان ناپاک آدمیوں کی لاشوں کو سمندر میں پھینک دیں" مختصر تاریخ انکویزیشن بادشاہ اور پوپ نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ یہ تھے کلیسیا کے خیالات اس قتل عام کی نسبت!

لوئی چہاردہم کے عہد میں ہیوگونوز پر ظلم اور سختی نے پھر خطرناک شکل اختیار کرلی کرٹز تاریخ کلیسیا میں لکھتا ہے کہ ان ظلموں کی وجہ سے اس آخری جہاد میں فرانس کی پانچ لاکھ کے قریب سب سے اچھی رعایا تباہ ہوئی۔ بعض تو لڑائیوں میں مارے گئے۔ بعض جلائے گئے۔ بعض کے تلوار سے سر کاٹے گئے اور بعض اعضا شکن چرخ اور پھانسی کا شکار ہوئے اور بعض ملک چھوڑ گئے" جب ہیوگونوز طاقتور ہوجاتے اور انکا داؤ چلتا تو وہ بھی ایسے ہی مظالم کے مرتکب ہوتے تھے۔ تمام عیسائی فرقوں میں ایک ہی روح کام کرتی تھی اور جسکو کچھ طاقت حاصل ہوجاتی تھی وہی دوسروں کی اذیت کے درپے ہوجاتا تھا۔ یہ تو رومن کیتھولک مذہب کے ظلم کے خطرناک نظارے ہیں مگر جب پراٹسٹنٹوں کے ہاتھ دنیاوی حکومت آگئی تو وہ بھی اپنے رومن کیتھولک بھائیوں سے پیچھے نہ رہے۔ جو ظلم کیتھولک لوگوں نے لیوتھر اور کالون کے الحادوں اور بدعتوں کے مٹانے کیلئے کئے وہی ظلم بلکہ اس سے بھی زیادہ پراٹسٹنٹوں نے ان لوگوں پر کئے جو انکے عقائد پر ایمان نہ لائے تھے پہلے پہلے پراٹسٹنٹوں کی حکومت نذرلینڈز میں قائم ہوئی اور انہوں نے وہی قانون پھر جاری کئے جنکی وجہ سے خود ایک عرصہ پہلے سخت اذیتیں برداشت کرچکے تھے۔ محض شک پر لوگوں کو پکڑ لیا جاتا اور ان پر تشدد کیا جاتا یہانتک کہ انکے مُنہ سے وہ کچھ نکلوا لیا جاتا جو کہ سزا دہندگان کا منشاء ہوتا تھا۔ یہانتک کہ اس صوبہ کے بعض بڑے بڑے آدمیوں کو مجرم گردانا گیا جھوٹی قسموں کے کھانے پر انہیں وعدہ دیا گیا تھا کہ تمہاری جانیں بچائی جائیں گی مگر سنوئی نے حکم دیا کہ انکو زندہ ہی جلادو" اذیت پہنچانیکے طریقوں میں پراٹسٹنٹوں نے سُستی نہیں کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اگر کوئی ایجاد یا نئی بات دریافت ہوتی تو وہ اختلاف مذہب رکھنے والوں کو اذیت پہنچانیکا کوئی نیا طریق ہی ہوتا۔ کالونسٹ لوگ رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ ہردو پر ظلم کرتے تھے ایک پراٹسٹنٹ مورخ کا قول ہے کہ "ان جرائم کے

حالات پڑھکر بدن پر لرزہ پڑ جاتا ہے اور دل میں غیظ و غضب اور نفرت کے خیال پیدا ہوتے ہیں" آرمینیس فرقہ کے پراٹسٹنٹوں کے سات سو قبیلے جلا وطن کر دیئے گئے۔ اینا بپٹسٹوں کی بھی بُری طرح سے خبر لیگئی۔ کالون مذہب کے پادریوں کا حکم تھا کہ بدعت اور الحاد کو آگ اور تلوار سے مٹانا چاہیئے۔ لیوتھر نے خود ہسی کے نواب کو لکھا کہ جو شخص صرف ہمارے مذہب کے عقائد کو ہی نہیں مانتا۔ بلکہ ان عقائد میں سے ایک کو بھی جو بائبل مقدس سے لیا گیا ہو۔ یا جو تمام کلیسیا کا مانا ہوا اصول ہو۔ تو ایسے شخص کو نہ صرف ملحد ہی سمجھنا چاہیئے بلکہ وہ خدا کا منکر ہے۔ ایسے لوگوں سے بحث و مباحثہ میں وقت ضائع کرنا ضروری نہیں۔ انکو کفر کی سزا دینی چاہیئے"

سوئٹزرلینڈ کے پراٹسٹنٹ لوگ ان لوگوں کو بوریوں میں باندھ کر دریائے رائین میں پھینک دیتے اور یہ کہتے "کہ ہم تو انہیں انہی کے مشہور قول کے موافق بپتسمہ دیتے ہیں"۔ کالون نے ایک رسالہ لکھا جسکا نام یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف کسقدر جوش بھرا ہوا تھا اس کتاب کا نام ہے "میکائیل سرٹیئس کی واقعی غلطیوں کا حال جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ملحدین کو صرف تلوار سے ہی بند کرنا چاہیئے" آئیسلینڈ میں پراٹسٹنٹ مذہب تلوار کے ذریعہ داخل کیا گیا۔ آئرلینڈ میں رومن کیتھولک لوگوں پر بہت بہت سختیاں روا رکھی گئیں۔ اور انکے برخلاف بڑے بڑے سخت قانون پاس کیئے گئے۔ مورخ لیکی کا بیان ہے کہ کئی متواتر عہد حکومتوں میں پرسبی ٹیرینیس ایک عرصہ تک قید کیئے جاتے رہے۔ پھر جلتے ہوئے لوہے سے داغ دیئے جاتے۔ انکے اعضاء کاٹ دیئے جاتے۔ کوڑوں سے مروائے جاتے رہے اور بعض دفعہ انکو کاٹھ میں کھینچکر لوگوں کو دکھایا جاتا۔ بہت سے کیتھولک مذہب کے لوگوں کو جھوٹے بہانوں سے سولی پر چڑھایا جاتا تھا اور سیاست کیجاتی تھی۔ اینا بپٹسٹس اور ایرینز کو زندہ ہی جلا دیا جاتا تھا" پھر وہی مورخ لکھتا ہے کہ سکاٹ لینڈ میں جبکہ سٹوارٹ خاندان کی حکومت انگلستان میں تھی۔ تو انگریزی گورنمنٹ نے ایک ایسا ظلم اور تشدد جاری کیا جو ان دوسرے مظالم سے جن کا تاریخ میں ذکر ہے کسی طرح کم نہیں جسکے محرک سکاٹ لینڈ کے پادری ہی تھے مگر انگریزی

کلیسا کی رضامندی سے یعنی اُن تمام لوگوں کو قابل مواخذہ سمجھا جاتا تھا جو شاہی مذہب کے خلاف ہوتے تھے۔ اگر کسی گھر میں کسی نے عبادت کر لی ہے اور اس وقت کیلیئے وہ گھر ہی گرجا بنا لیا ہے تو اس واعظ کیلیئے سزائے موت مقرر تھی۔ اور اگر وہ لوگ کھلی ہوا میں باہر جاکر عبادت کرتے تو ہر دو واعظ اور سامعین کیلیئے سزائے موت مقرر تھی۔ جسطرح کسی بڑے مجرم کی تفتیش کیجاتی ہے اسی طرح پر پرسبیٹیریز کی پہاڑوں میں تلاش کیجاتی تھی۔ انکے کان جڑھ سے اکھاڑ لیئے جاتے تھے۔ اور انکو سرخ لوہے سے داغ دیا جاتا تھا۔ انکی اُنگلیاں انگوٹھے کی سزا دینے والے آلہ کے ذریعہ نکال لیجاتی تھیں۔ ان کی ٹانگوں کی ہڈیاں انکے بوٹوں کے اندر ہی توڑ دیجاتی تھیں۔ عورتوں کو شارع عام میں کوڑے مارے جاتے تھے۔" وہی مصنف فرانس میں پراٹسٹنٹوں کے غلبہ کو بیان کرتا ہوا لکھتا ہے "کہ فرانس میں جب چند شہروں کی حکومت پراٹسٹنٹوں کو رعایتًا دیگئی تو انہوں نے فورًا رومن کیتھولک مذہب کے اڑانے کے لیئے اپنی تمام طاقت کو صرف کرنا شروع کر دیا۔ سویڈن میں جو شخص اقرار آگسبرگ کی کسی ایک بات کی بھی مخالفت کرتا تھا یا نہ مانتا تھا تو وہ فورًا جلاوطن کر دیا جاتا تھا۔ سوئٹزرلینڈ بلجیم۔ سیکسنی اور سکاٹ لینڈ میں معمولی ججوں کو اختیار تھا کہ ملحدین کو پکڑ کر سزا دیدیں۔ ہسی کے نواب کو لکھتے ہوئے خود لیوتھر نے کہا تھا کہ ایسا کرنا چاہیئے۔ کالون بیزا اور جوریین ہر سہ اشخاص نے اس بات کے ثبوت میں کتابیں لکھیں کہ دوسرے مذاہب اور فرقوں پر ظلم کرنا اور زبردستی کرنا قانونًا جائز ہے۔" پراٹسٹنٹوں نے کوایکرز پر بہت سختی کی۔ ۱۶۶۲ء میں انگلستان میں ۴۲۰۰ کوایکرز قید کر دیئے گئے۔ بہ سبب بدسلوکی کے سیکڑوں قید خانہ میں ہی مر گئے۔ ہنری مارشل نے خطبہ پڑھتے ہوئے کہا کہ ایک کوایکر بھی انگلینڈ میں زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ مورخ سیول عدالت کے ایک ریکارڈ کیپر کی رائے بیان کرتا ہے "کہ اب تک مجھے علم نہ تھا کہ کیوں اہل سپین اپنے درمیان محکمہ تفتیش کو جائز رکھتے تھے اور نہ مجھے اسکی خوبی کا پتہ نہ تھا۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ ہمارے ملک میں کبھی امن نہ ہوگا جبتک کہ ہم بھی اپنے ملک میں محکمہ تفتیش کو رواج نہ دیں۔" امریکہ میں بھی بیچارے کوایکروں پر وہی مصیبتیں اور بلائیں نازل ہوئیں جو انگلینڈ

میں ہوئی تھیں۔ ریاست کنکٹیکٹ میں انپر جرمانے کیئے گئے۔ انہیں قید کیا گیا۔ جلا وطن کیا گیا۔ کوڑوں سے پٹوایا گیا اور گرم سرخ لوہے سے داغ دیئے گئے۔ کان کاٹے گئے اور انکو سولی پر کھینچا گیا اور انکے مال و اسباب ضبط کر لیئے گئے۔ ریاست مسیچوزٹس میں انہیں شہر بشہر نکالا گیا۔ ان ظلموں کی فہرست اسقدر لمبی ہے کہ یہاں اس کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ ہاں ان تمام واقعات سے جو امر یقینی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے اور اُسپر کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں یہ ہے کہ عیسائی فرقوں میں ایک دوسرے کی مخالفت ایسے وحشیانہ اور درندگی کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے جسکی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ رومن کیتھولک لوگوں کو اسوقت اپنے مذہبی عبادات علی الاعلان بجالانیسے روکنا ان پہلے دنوں کی ظلمت اور ظلم کا ایک شعبہ ہے جبکہ رومن کیتھولک پراٹسٹنٹوں پر اور پراٹسٹنٹ رومن کیتھولک لوگوں پر ظالمانہ تعدیاں کیا کرتے تھے۔

زلزلہ عظیمہ

۲۸-دسمبر ۱۹۰۸ء کو اٹلی کے جنوبی حصہ اور جزیرہ سسلی کے اس حصہ میں جو اٹلی کی طرف واقع ہے ایک نہایت ہی خوفناک زلزلہ آیا جسکی مفصل کیفیت تمام اخباروں میں اسوقت تک چھپ چکی ہے۔ اس خوفناک زلزلہ نے دو شہروں کو دنیا سے نام و نشان مٹا دیا اور انکو ایسا کر دیا کہ گویا وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ انمیں ایک مسینا ہے جو قریباً ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کی آبادی کا شہر تھا اور دوسرا ریگیو ہے جو اٹلی کے جنوب صوبہ کیلبریا میں واقع ہے جسکی آبادی نصف لاکھ کے قریب بیان کیجاتی ہے۔ اس دو لاکھ کی آبادی میں سے جو دونوں شہروں میں تھی۔ صرف دس ہزار آدمی پہلے شہر میں اور چار ہزار آدمی دوسرے شہر میں بچے۔ اور دو لاکھ سوئے ہوئے انسانوں میں سے صرف چودہ ہزار زندہ صبح کو جاگے جو وہ بھی بد حواس ہو کر گھروں سے بھاگ نکلے اور جنکو ان عظیم الشان شہروں اور اسقدر کثیر مخلوق کی تباہی کے بھیانک نظارہ نے دیوانوں کی طرح کر دیا۔ ان دونوں شہروں کے علاوہ بہت سے گانوں جو ساحل سمندر پر واقع تھے اسی تباہی کا شکار ہو کر نیست و نابود ہو گئے اور ایسی تباہی آئی کہ نہ صرف ساکنین ہی نابود ہو گئے بلکہ انکے مساکن کا بھی نام و نشان نہ رہا۔ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ کل دو لاکھ سے زیادہ انسان اس خوفناک زلزلہ میں مارے گئے۔ اس زلزلہ کی آفت کے ساتھ زمین و آسمان کی اور آفتیں بھی آگئیں

یعنی اول تو سمندر کی ایک لہر تیس فٹ اونچی تین سو فٹ تک خشکی پر چڑھ آئی اور آن کی آن میں ہزاروں انسانوں کو سمندر کی تہ میں جا سُلایا۔ پھر زلزلہ کے ساتھ ہی خوفناک آگ لگی جس نے مرتے ہوؤں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اور اسکے بعد ان بھوکے اور بے سروسامان انسانوں پر جو موت سے گو بچے ہوئے تھے مگر پہلے ہی دیوانوں کی طرح ہو رہے تھے خطرناک بارش کی مصیبت ٹوٹ پڑی۔ اور زمین سے اور آسمان سے عذاب پر عذاب نازل ہوا۔

گو اٹلی کا جنوبی حصہ زلزلوں کی تباہی کی وجہ سے ممالک دنیا میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ مگر جسقدر زلزلے پہلے آچکے ہیں اور جنکا پتہ تاریخ سے چلتا ہے ان تمام میں کوئی زلزلہ سختی اور تباہی کے لحاظ سے اس زلزلہ کی مثل نہیں آیا۔ چنانچہ اس بات کا اعتراف اخبار پاؤنیر اور دیگر تمام اخبارات میں کیا گیا ہے کہ جسقدر زلزلوں کا تاریخ میں پتہ ملتا ہے۔ انمیں تباہی کے لحاظ سے کوئی زلزلہ اس زلزلہ کو نہیں پہنچتا۔ ان باتوں کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک برگزیدہ بندہ کے ذریعہ آج سے تین سال پیشتر بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ پہلے دی تھی۔ پہلے ایک اشتہار النداء من وحی السماء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک زلزلہ عظیمہ کی خبر دی تھی کہ وہ ایسا زلزلہ آئیگا کہ اسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہ ہو گی اور پھر یہی پیشگوئی الوصیت میں شائع فرمائی اور بعدہٗ کتاب حقیقۃ الوحی میں۔ چنانچہ اس آخر الذکر کتاب میں صفحہ ۲۵۶ پر یہ پیشگوئی ذیل کے الفاظ میں موجود ہے جو اس سے مدت پہلے انگریزی میں ترجمہ ہو کر رسالہ میں شائع ہو چکی ہے بلکہ اس رسالہ سے لیکر امریکہ کے بعض اخباروں نے بھی اس پیشگوئی کو شائع کیا جسکا حوالہ انگریزی رسالہ میں موجود ہے پیشگوئی کے الفاظ یہ ہیں۔ ”یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے..... اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہونگے اور اسقدر موت ہو گی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اور زمین پر اسقدر سخت تباہی آئیگی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہو گی۔ اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے کہ گویا انمیں کبھی آبادی نہ تھی۔ اور اسکے ساتھ اور بھی آفات زمین اور آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہونگی یہانتک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائینگی..... اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کریگا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔“

اس زبردست اور کھلی پیشگوئی کے پورا ہونیکا اقرار ہر ایک سمجھدار انسان کو کرنا پڑیگا جسنے سسلی اور اٹلی کے زلزلہ اور ان دوسری آفات ارضی و سماوی کا حال پڑھا ہے جنہوں نے آباد شہروں کو چشم زدن میں ویرانہ کردیا۔ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ کشف نے یہی نقشہ بعینہٖ برسوں پہلے کھینچ دیا تھا جسکا ہم آج جسمانی آنکھوں سے اخباروں میں مطالعہ کرتے ہیں۔ ان الفاظ میں کہ کوئی مصنوعی خدا تمھیں نہیں بچا سکتا یہ اشارہ تھا کہ اس زلزلہ عظیمہ کا نظارہ گاہ وہ ملک ہوگا جہاں اس مصنوعی خدا کا خلیفہ ابتک حکومت کر رہا ہے اور ایسا ہی جزائر کے رہنے والوں کو خصوصیت سے مخاطب کیا گیا ہے۔ کیونکہ سسلی بھی ایک جزیرہ ہے۔ پھر ہندوستان کو مخاطب کرکے فرمایا "میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوحؑ کا زمانہ تمھاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا اور لوطؑ کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے" سو نوحؑ کا زمانہ تو حیدرآباد کے طوفان میں لوگوں نے دیکھ لیا۔ اور دوسرا حصہ بھی جب اللہ تعالیٰ چاہیگا دکھا دیگا۔

نوٹ

صدر انجمن احمدیہ کا سالانہ جلسہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے نہایت کامیابی سے ہوا حاضرین کی تعداد دو ہزار سے اوپر تھی۔ صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ جو جلسہ کے موقع پر سنائی گئی تھی۔ الگ طبع ہوگی۔ چودھری رستم علی صاحب۔ ۱۱۔ جنوری ۱۹۰۹ء کو ہمارے نہایت پیارے اور مکرم دوست اور اس سلسلہ کے اول درجہ کے مخلص چودھری رستم علی صاحب پنشنر انسپکٹر پولیس جنہیں ابھی پانچ ماہ پنشن پر آئے ہوئے گذرے تھے۔ پانچدن کی بیماری کے بعد بعارضہ نمونیا انتقال فرما گئے انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔ چودھری صاحب مرحوم اپنی ذات میں ایک بڑی جماعت کے قائم مقام تھے۔ علاوہ وقتی چندوں کے پچاس روپے ماہوار باقاعدہ اور مستقل طور پر لنگر خانہ مدرسہ اور اشاعت اسلام کیلئے چندہ دیتے تھے۔ اس پیارے دوست کی جدائی پر جو اپنے اخلاص میں ایک بے نظیر آدمی تھا اور حضرت صاحب کے نہایت پرانے مخلصوں اور محبوں میں سے تھا مجھے بہت ہی رنج ہوا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کو بہتر سمجھتا ہے ہاں اسی پر یہ ہماری دعا ہے کہ چودھری صاحب مرحوم کی سی ایثار کی روح اور بے نفسی ہم سب میں پیدا کردے۔ آمین۔

مندرجہ ذیل کتب موجودہ بک ڈپو کی طرف ہم شائقین کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں

یہ کتابیں بذریعہ وی پی (مفصل فہرست اور قیمتوں کیلیے دیکھو دوسری طرف) مینجر میگزین قادیان سے طلب کرو۔
(۱) صداقت و فلسفۂ اسلام پر۔ براہین احمدیہ جس میں نہایت پُر زور دلایل کے ساتھ صداقت اسلام اور آنحضرت کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت کیا ہے۔ مکمل کتاب جس میں حصہ چہارم وہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدسؑ نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا ہے کو ملتی ہے۔ اسلام کا فلسفہ وہ لطیف لیکچر جو پانچ سوالوں کے جواب میں جلسہ اعظم مذاہب میں حضرت اقدسؑ کی طرف سے پڑھا گیا تھا جیبی تقطیع قیمت ۲ ر۔ رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب جس میں علاوہ مذکورہ بالا لیکچر کے دیگر مذاہب کے جواب بھی ہیں ۴۷۱ صفحے قیمت ۸ ر۔ ریویو آف ریلیجنز کی پہلی جلدیں جنہیں علاوہ دیگر مذاہب جیسے عیسائیت آریہ مذہب وغیرہ کی تردید کے بعد مفصل اور مبسوط مضامین صداقت اسلام پر لکھے گئے ہیں جیسے جلد ۲ سنہ ۱۹۰۳ء میں عصمت انبیاء پر۔ جلد ۳ سنہ ۱۹۰۴ء میں دعا کی حقیقت اسلام کی حقیقت اور برکات۔ روح القدس ملائکہ۔ وحی الٰہی کی ضرورت جلد ۴ سنہ ۱۹۰۵ء میں۔ پردہ۔ تعدد ازدواج۔ طلاق۔ غلامی پر۔ جلد ۵ سنہ ۱۹۰۶ء میں۔ سود۔ قانون وراثت اور احادیث کی صداقت پر۔ جلد ۶ سنہ ۱۹۰۷ء میں قرآن کریم کی حفاظت اور جمع۔ قرأتوں اور ناسخ و منسوخ پر۔ فی جلد عہ۔ (۲) عیسائی مذہب پر۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ۲ ر۔ جنگ مقدس۔ قابل دید کتاب ہے ۶ ر۔ نور القرآن حصہ اول ۲ ر حصہ دوم ۴ ر۔ ابطال الوہیت مسیح ۱ ر (۳) آریہ مذہب پر۔ سرمہ چشم آریہ۔ جو آریہ مذہب کے اعتراضوں کے جواب میں اور انکے اصول کی تردید میں ایک لاثانی کتاب ہے ۲۵۰ صفحے قیمت ۱۲ ر۔ نور الدین ترک اسلام کے ۱۴۱ سوالوں کا لاجواب جواب ہے جو علامہ حکیم نور الدین صاحب کی تصنیف ہے ۲۵۶ صفحے قیمت ۸ ر۔ آریہ دھرم جس میں نیوگ پر بحث ہے ۴ ر۔ نسیم دعوت ۳ ر (۴) شیعہ مذہب پر۔ خلافت راشدہ حصہ اول ۱۸۰ صفحے ۸ ر حصہ دوم ۸۰ ۴ ر مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی لطیف تصنیف جنمیں شیعہ مذہب کی ایسی تردید کیگئی ہے جسکا جواب کسی شیعہ سے بن نہیں سکا بحث کا اسلوب بالکل نیا ہے۔ خطوط شیعہ کا جواب ۲ ر (۵) سکھ مذہب پر۔ ست بچن ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۰ ر اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا نانک صاحب اسلامی طریق کے پیرو تھے سکھ مذہب پر حجت قاطع ہے (۶) سلسلہ احمدیہ کی حقیقت میں عسل مصفٰے قابل دید کتاب ۸۲۸ صفحوں کی ہے جو بسبب ایک جامع کتاب ہونیکے ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے سلسلہ احمدیہ کے متعلق ہر ایک مسئلہ پر اور احادیث تفاسیر وغیرہ کے تمام اقوال پر سیر کن بحث ہے باقی کیلیے دیکھو مفصل فہرست۔ (۷) لغات القرآن۔ ایک نہایت قابل قدر لغات قرآن شریف کی ہے جس میں بالمقابل کالموں میں معتبر لغات عربی اور اسکا اردو ترجمہ دیے گئے ہیں۔ قرآن شریف کا ترجمہ سیکھنے کیلیے ازبس ضروری ہے۔ حصہ اول ۴۸۴ صفحے قیمت عہ ر حصہ دوم ۶۰۸ صفحے قیمت عہ ر (۸) یسرنا القرآن۔ یہ اگرچہ بچوں کا قاعدہ ہے، مگر ایک نہایت مفید چیز ہے جس سے بچوں کو قرآن شریف کے پڑھنے میں اعلیٰ درجہ کی سہولت ہوگئی ہے چھ ماہ میں بچہ قرآن شریف پڑھ لیتا ہے۔

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کیلیے نہایت ضروری ہے۔ مشرح فہرست ۔) کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

- انوار اللہ اردو ۸ر
- اجرومیہ عربی ۰ر
- الذکر یعنی ترجمہ نازدہائے الہیہ ۲ر
- پارہ الٓمّٓ عربی ۲ر
- پنج ارکان اسلام اردو ار
- تفسیر جلالین عربی عہ
- تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی ۲ر
- تقریر جلسہ مذاہب جیبی تقطیع اردو ۲ر
- جام شہادت اردو ۰ر
- حمائل مترجم فارسی عہ
- رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو ۸ر
- سلسلہ دینیہ " ۳ر
- سلاسل القراۃ عربی نمبر۱ ۴ر
- " نمبر۲ ۸ر
- " نمبر۳ ۱۴ر
- " نمبر۴ ۱۳ر
- آریہ دھرم اردو ۴ر
- دینیات کا پہلا رسالہ " ار
- طریق النجات نمبر۱ ۸ر
- " نمبر۲ ۷ر
- " نمبر۳ ۸ر
- " نمبر۴ ۱۲ر
- غسل مصفّٰی اردو ۸ر

- قاعدہ عربی اردو ار
- قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی عہ
- مسک العارف اردو ۱۰ر
- نشان آسمانی " ۲ر
- واقعات صحیحہ " ۲ر
- بینا القرآن حصہ اول ار
- " دوم ار
- " سوم ار
- ہدیہ ثاقب اردو ۲ر
- الہدیٰ عربی ۶ر
- الحق لدھیانہ اردو
- " دہلی " ۸ر
- اعجاز احمدی عربی ۳ر
- احسن الکلام اردو —ر
- ابطال الوہیت مسیح " ار
- آیات الرحمن " ۸ر
- دعوت الحق " ۵ر
- شرح ترمذی نمبر۱ عہ
- " نمبر۲ عہ
- احمدی کا من نظم پنجابی ار
- براہین احمدیہ حصہ اول ۵ر
- " دوم ۴ر
- " سوم ۱۰ر

- تذکرۃ الشہادتین اردو ۵ر
- " فارسی ۳ر
- تحفہ قیصرہ اردو ۲ر
- تحفۃ الندوہ " ۰ر
- تقریریں " ۲ر
- تقریروں کا مجموعہ " ۳ر
- سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب " ۲ر
- جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ ۶ر
- حمامۃ البشریٰ حصہ اول عربی ۸ر
- حجۃ الاسلام اردو ار
- خطوط شیعہ کا جواب " ۲ر
- خطبہ الہامیہ بمعہ ترجمہ فارسی اردو عہ
- خلافت راشدہ حصہ اول اردو ۸ر
- " دوم " ۴ر
- خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم ۴ر
- " سوم چہلم " ۸ر
- اعلام الناس حصہ دوم ۴ر
- دعوت [illegible] اردو ۴ر
- دعوت الندوہ " ۱۰ر
- راز حقیقت " ار
- براہین احمدیہ حصہ چہارم* ع
- کمل براہین احمدیہ اردو ۳ر
- سرمہ چشم آریہ " ۱۲ر
- مکتوبات و خطبات محمدیہ " ۴ر

- شہادۃ القرآن اردو ۴ر
- صیان القرآن " ۳ر
- کشف الغطاء " ۲ر
- لغات القرآن حصہ اول عہ
- " حصہ دوم ۸ر
- لیکچر سیالکوٹ اردو ۱۰ر
- " لاہور مہوتسو " ۴ر
- مشکوۃ الانوار عربی ۴ر
- مواہب الرحمن " ۴ر
- مبادی الصرف ۱۰ر
- نسیم دعوت اردو ۳ر
- نور القرآن حصہ اول " ۲ر
- " دوم " ۴ر
- ہدیہ سعدیہ عربی ۲ر
- فضل حق اردو ار
- سیرۃ المسیح " ۸ر
- آسمانی فیصلہ " ۲ر
- دافع البلاء ۴ر
- بغیۃ الطالب عربی ار
- شفاء السقام " عہ
- ست بچن اردو ۱۰ر

[illegible] برقول جمیل - ایک دلچسپ نظم مولوی خلیل سہارنپوری کے اعتراضوں کا جواب میں ۰ر

نوٹ - ان قیمتوں میں محصول ڈاک شامل نہیں۔

* براہین احمدیہ کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔

کمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اول کی چھپی ہوئی ہے ۳ر کو دفتر میگزین سے مل سکتی ہے۔

تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیئے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۹ء نمبر ۲

فہرست مضامین

خونی مہدی ۴۱ - ۶۷

مختصر نوٹ اور ریویو ۶۸ - ۸۰

کلکتہ میں جلسہ مذاہب ۶۸

تاریخی یسوع اور خیالی مسیح ۷۰

عیسائیت اور دوسرے مذاہب ۷۴

عیسائی مذہب کا نیا علم کلام ۷۶

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ ۸۰

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - فروری سنہ ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عوام کے عہ ر طلبار سے عہ

[illegible]

ضروری اطلاع

تفسیر القرآن کا حجم اس سال زیادہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی بجائے ساٹھ صفحے سہ ماہی کے قریباً نوے صفحے سہ ماہی ہوا کریں گے اور قیمت میں اسقدر اضافہ کیا گیا ہے کہ بجائے ۱۲ کے صہ سالانہ ہوگی چونکہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر اکثر احباب نے یہ شوق ظاہر کیا تھا کہ اسکے صفحوں کی تعداد بڑھائی جاوے تاکہ جلدی کوئی معتدبہ حصہ قرآن کریم کی تفسیر کا لوگوں تک پہنچ جاوے اس لیئے یہ تبدیلی کیگئی۔ اکثر احباب نے یہ بھی وعدہ فرمایا تھا کہ وہ نئے خریدار پیدا کرینگے۔ امید ہے کہ سب دوست توسیع اشاعت کی کوشش کر کے ان نادر مضامین کو جو اس تفسیر میں نکلتے ہیں دوسرے بھائیوں تک پہنچانیکا ذریعہ بنکر ثواب حاصل کرینگے۔

اوامر و نواہی:۔ ۳۰۰ سے زائد صفحوں کی کتاب ہے جس میں سید عبد المحیی صاحب عرب نے قرآن کریم کے احکام اور نہیان جمع کی ہیں۔ اصل آیات کے ساتھ اُردو ترجمہ بھی ہے۔ اسکے علاوہ چھ قسم کی اربعین اس کتاب کے ساتھ بڑھائی گئی ہے۔ اصل قیمت اس کتاب کی عہ تھی۔ مگر صدر انجمن احمدیہ نے عرب صاحب سے بہت سی جلدیں خرید کر قیمت قریباً نصف کر دی ہے یعنی ۹ر فی جلد۔ ایک نہایت مفید کتاب ہے۔ احباب اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ دیں۔ انجمن کے پاس جسقدر کتابیں ہیں وہ فروخت ہو جانیکے بعد یہ کتاب صرف اصل قیمت پر مل سکے گی۔

یسرنا القرآن۔ اس قاعدہ کی قبولیت اب ملک میں عام طور پر پھیل گئی ہے۔ اور اب چوتھی مرتبہ تعداد میں چھ ہزار شائع کیا گیا ہے۔ قیمت بھی کم کر دی گئی ہے۔ یعنی عربی حصہ کی قیمت جسے پڑھنے کے بعد بچہ قرآن شریف کو خود بخود پڑھنے لگتا ہے۔ ۱۰ر کر دی گئی ہے۔ پہلے ۲ر قیمت تھی۔

البیان۔ حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی لطیف تصنیف ہے جسمیں مس شیطان والی حدیث پر مبسوط بحث کیگئی ہے قیمت ۱ر

عمدۃ الاحکام۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفقہ حدیثیں مع ترجمہ۔ قیمت ۵ر

اسلام کی پہلی کتاب۔ مصنفہ ماسٹر عبد الرحمن صاحب قیمت صرف ۴۔ر فی جلد ہے۔

آئینہ صداقت۔ مصنفہ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر قیمت صرف ۲ر

مبادی الصرف۔ مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح مولنا حکیم نور الدین صاحب قیمت صرف ۲ر

مجموعہ فتاوی احمدیہ۔ مصنفہ مولوی محمد فضل خانصاحب چنگوی قیمت جلد اول ۶ر۔ جلد دوم ۸ر۔ جلد سوم عہ

الاستخلاف۔ مصنفہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکی قیمت صرف ۳ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خونی مہدی

اسلامی مہدی کو اسرائیلی مسیح کے ساتھ ایک عجیب مشابہت ہے۔ یہودیوں کو ایسے حلیم اور غریب مسیح کی انتظار نہ تھی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ برخلاف اس کے وہ یہ امیدیں باندھے ہوئے تھے کہ مسیح ہمارے لیے غازی کی شکل میں نمودار ہوگا اور اُس اجنبی سلطنت کو جو اُنپر حکومت کرتی تھی یعنی رومیوں کی سلطنت کو اس مقدس سرزمین سے نکال دیگا جو کہ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کا تخت گاہ رہ چکی تھی اور وہ غازی مسیح حضرت داؤد علیہ السلام کی قائم کردہ سلطنت کو پھر مضبوط کر دیگا اور وہ یہودیوں کا بادشاہ ہوگا۔ انکی یہ امیدیں غلط خیالات پر مبنی تھیں یعنی حضرت مسیحؑ کے متعلق جسقدر پیشگوئیاں تھیں انکے فہم میں انہوں نے سخت غلطی کھائی تھی۔ مگر یہ غلط فہمی سلطنت کے ہاتھ سے نکل جانے اور ایک غیر قوم کے ماتحت آجانے کی وجہ سے اور بھی زیادہ ترقی اور استحکام پکڑ گئی تھی۔ ایک طرف تو پیشین گوئی میں انہیں یہ لکھا ہوا ملتا تھا کہ مسیح داؤدؑ کے گھرانے میں سے ہوگا اور بادشاہ ہوگا اور دوسری طرف وہ اپنی حالت زار کو دیکھتے تھے کہ ہم ایک غیر اور بُت پرست قوم کے ماتحت ہیں اسلیئے وہ اس شکل سے رہائی اور مخلصی دینے والے کی انتظار بڑے شوق اور خواہش سے کر رہے تھے صرف یہی امید انہیں سہارا دئے ہوئے تھی اور یہی اُنکے لیئے ایک تسلّی بخش بات تھی۔ مگر جو مسیح انکی طرف آیا اس نے انکی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ بجائے اسکے کہ موعود بادشاہ کے رنگ میں آکر انکو غیر قوموں کی ماتحتی سے نجات دے وہ یہودیوں کی تمام امیدوں کے برخلاف ایک غریب

و مسکین واعظ کے رنگ میں ظاہر ہوا۔ اسلئے نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کی تحقیر کی اور انکے مسیح موعود ہونے سے انکار کیا۔

یہی امور اسلامی مہدی کے متعلق پیش آئے۔ یہودیوں کی طرح عام مسلمان بھی ایک غازی مہدی کے انتظار میں لگے ہوئے تھے جس نے بادشاہی رنگ میں ظاہر ہو کر انکو غیروں کے پنجے سے چھڑانا تھا اور اسلامی سلطنت کی دوبارہ بنیاد ڈالنی تھی۔ یہودیوں کی طرح پیشین گوئی کے سمجھنے میں انہوں نے بھی غلطی کی اور چونکہ انکی بھی ظاہری شان و شوکت جاتی رہی تھی۔ اور یہ دیکھ رہے تھے کہ سلطنت انکے ہاتھ سے نکل کر بُت پرست قوموں کے پاس چلی گئی ہے اسلئے وہ بڑے شوق سے اس دن کا انتظار کر رہے تھے کہ کب اسلام کا پہلوان مہدی موعود آئے اور زمین کو کافروں سے پاک کر دے۔ اور ایک ایسی اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالے جو پہلی اسلامی سلطنتوں سے ہزار ہا درجہ بڑھ چڑھ کر ہو اور ایسی ہو کہ جسکی نظیر محال ہو۔ اقتراب الساعۃ۔ حجج الکرامہ اور حدیث الغاشیہ کے مفصلہ ذیل عبارتوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مسلمان کیسے مہدی کا انتظار کر رہے تھے۔ اقتراب الساعۃ کا مصنف صفحہ ۴۹ پر مہدی موعود کے متعلق لکھتا ہے کہ "خدا کی طرف تلوار کے ذریعہ سے بلا وینگے۔ جو نہ مانیگا مارا جاویگا۔ جو انسے جھگڑیگا وہ کامیاب نہ ہوگا" پھر صفحہ ۸۰ پر لکھتا ہے "پھر تو زمین مہدی کے ہاتھ میں آجاویگی۔ اسلام اپنا کاندھا ڈالیگا سارے بادشاہ روئے زمین کے داخل اطاعت ہو جاوینگے۔ مہدی اپنا ایک لشکر طرف ہندوستان کے روانہ کرینگے۔ یہاں کے بادشاہ طوق بگردن ہو کر انکے پاس حاضر کیئے جاویں گے" پھر یہی مصنف صفحہ ۱۴۶ پر لکھتا ہے "انکے ہاتھ پر لڑائیاں ہونگی۔ یہ خزانے نکالیں گے شہر کے شہر فتح کریں گے۔ مشرق سے مغرب تک لے لیں گے۔ ہندوستان کے بادشاہوں کو گردن میں طوق ڈالکر انکے سامنے لاویں گے انکے خزائن بیت المقدس کا زیور ہوگا۔ میں کہتا ہوں۔ ہند میں ابتو کوئی بادشاہ بھی نہیں ہے۔ یہی چند رئیس ہنود یا مسلمان ہیں سو کچھ حاکم مستقل نہیں بلکہ برائے نام ہیں۔ بڑے بادشاہ اس ولایت کے یورپین ہیں۔ غالباً اسوقت تک بھی یہی حاکم یہاں کے رہیں گے انہیں کو انکے روبرو

لیجاوینگے - یا اُسوقت تک کسی اعدقوم کی حکومت اسجگہ قائم ہو جاوے اللہ ہی کو خبر ہے"
پھر بھی اقتراب الساعۃ کا مصنف سوڈانی مہدی کے ایک جرنیل کی ایک تحریر اپنی کتاب
میں شائع کرتا ہے - اس چٹھی کا خطاب انگریزوں کی طرف ہے جس کے آخری الفاظ یہ
ہیں "یاد رکھو جب تک زمین بھر میں پورا پورا اسلام قائم نہ ہوگا تب تک مہدی کی تلوار
میان میں داخل نہ ہوگی" اسی کتاب کا مصنف اس چٹھی پر حاشیہ چڑھاتے ہوئے
لکھتا ہے "مَیں کہتا ہوں کہ جو مضمون اس جواب کا ہے بے شبہ مہدی موعود یہی کام
کرینگے یعنی مسلمانوں کو اتباع کتاب وسنت پر - کفار کو اسلام پر مجبور کر دینگے - ساری دنیا
میں سوائے دین اسلام کے کوئی دین دوسرا باقی نہ رہے گا جو اُنکی مخالفت کریگا وہ ہلاک
ہو جائے گا خواہ نام کا مسلمان ہو یا اور کوئی ہو" بالکل یہی خیال صاحب حدیث الغاشیہ کا
ہے دیکھو صفحہ ۳۴۶ - اس کتاب کا مصنف صفحہ ۳۳۰ میں قرآن شریف کی ایک آیت کی
طرف اشارہ کر کے لکھتا ہے کہ "یہ آیت پوری مصداق ہے حکومت فرقہ ضالہ کی - جب مہدی
موعود آجائیں گے یا عیسیٰ علیہ السلام نزول فرماویں گے - اُسوقت حال اس سارے مرتبہ
وکمزوری فوج جرار کا معلوم ہو جاویگا - ابھی تو کوئی مدمقابل نہیں ہے" اس قول سے اچھی طرح
پتہ لگ سکتا ہے کہ گورنمنٹ کی نسبت بعض مولویوں کا کیا خیال ہے اور اس سے یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ اُنکے نزدیک اُنکا خیالی مہدی اور آسمانی مسیح جلدی ظاہر ہونیوالے ہیں - صاحب
اقتراب الساعۃ سے اس مصنف کا اس بات میں اتفاق ہے کہ غالباً انگریزوں کے عہد حکومت
میں یہ سب کچھ واقع ہوگا اور یہ کہ اسکا وقت بہت ہی قریب ہے - حجج الکرامہ کا مصنف صدیق حسن
خاں صفحہ ۳۷۴ میں لکھتا ہے "پیش تمام روئے زمین بقبضہ اقتدار مہدی علیہ السلام آید و اسلام
قرار گیرد وگردن اندازد و جمیع ملوک ارض حلقہ اطاعتش بگوش کشند ولشکرے بر ہندوستان
فرستد و فتح گردد و ملوک ہند را غل کردہ پیش او آرند - یعنی اسکے بعد تمام زمین مہدی علیہ السلام
کے ماتحت پورے طور سے آجائیگی - دنیا کے تمام بادشاہ مہدی کے ماتحت ہو جائیں گے ہندوستان
کی طرف بھی وہ ایک فوج روانہ کریگا - جو کہ اسکو فتح کرنے کے بعد اسکے حاکموں کو زنجیروں میں
جکڑ کر اسکے روبرو لیجائیں گے"

مہدی موعود کے متعلق جس قسم کے عقائد تمام مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں ان مذکورہ بالا فقرات سے انکا پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ عقائد اُن خیالات سے بالکل مشابہ ہیں جو یہودی حضرت مسیح کے متعلق ٹھانے ہوئے تھے۔ یہودیوں اور مسلمانوں ہر دو نے ان پیشگوئیوں کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ اور پھر جب اس غلط فہمی کے ساتھ جسمانی سلطنت کی خواہش مل گئی تو انکے خیالات اور بھی غلطی سے مملو ہو گئے۔ خدا نے اسرائیلی مسیح کو ایک غریب واعظ کے رنگ میں بھیجکر یہودیوں کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موعود مہدی اور مسیح آخر الزمان کو حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں بھیجکر مسلمانوں کے خیالات کا غلط ہونا ثابت کر دیا۔ احمدؑ ایسے وقت میں ظاہر ہوا جبکہ تمام نظریں اسکی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ سچے نبی کے تمام نشانات لیکر نازل ہوا۔ قرآن نے اس کی تائید کی۔ اور صحیح حدیثوں نے اسکی صداقت پر مُہر کر دی۔ خدا تعالیٰ نے اس کے لیئے نشان ظاہر کیئے۔ لیکن احمدؑ بجائے اسکے کہ مسلمانوں کے زعم کے مطابق تلوار کے ساتھ آتا آپنے جہاد کی ممانعت کا فتویٰ شائع کر دیا اور غازی مہدی کے عقیدہ کی ہمیشہ کے لیئے بیخکنی کر دی۔ اس لیئے غازی مہدی اور عقیدہ جہاد کی تردید کے لیئے صرف اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ خدا کا رسول جو پیشین گوئی کی تصدیق کے لیئے آیا اور جس نے اپنی سچائی ہزار ہا نشانوں سے ظاہر کی۔ یہانتک کہ اسکی سچائی پر آسمان اور زمین ہر دو نے گواہی دی۔ وہ خود غازی کے رنگ میں ظاہر نہ ہوا خدا نے اُن تمام نشانات کو ظاہر کر دیا جس سے اسکی سچائی ثابت ہوتی تھی۔ اور احمد کے دعاوی کی تصدیق میں اس نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔

الغرض جس طرح کہ اسرائیلی مسیح نے نہ بادشاہ کے رنگ میں بلکہ ایک واعظ کے رنگ میں ظاہر ہو کر یہودیوں کی امیدوں کو جھوٹا کر دکھلایا۔ اسی طرح احمدؑ نے مسیح موعود و مہدی معہود کے منصب پر سرفراز ہو کر مسلمانوں کی امیدوں کا بے بنیاد ہونا ثابت کر دیا۔ جو کہ وہ غازی اور خونی مہدی کے متعلق اپنے دلوں میں ٹھانے بیٹھے تھے۔ حضرت مرزا صاحب نے تمام نشانات اور دلائل کے ساتھ ظہور فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ جنگجو نہیں بلکہ امن پسند مہدی ظاہر ہونے والا تھا اور یہ پیشین گوئی حضرت صاحب کے وجود سے پوری ہوئی۔

قرآن شریف پر غور کرنیسے بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ قرآن نے کسی جگہ زبردستی اور ظالمانہ

طریقوں سے اشاعت دین کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ اس نے صاف طور سے فرما دیا ہے کہ دین کے معاملہ میں کوئی اکراہ نہیں کیونکہ قرآن شریف نے سیدھی راہ اور گمراہی کی راہ کو کھولکر بیان کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغي۔ کیا اسکے یہ معنے نہیں کہ کسی سے جبراً اسلام نہ منوایا جاوے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اسلام کے نور کو روز روشن کی طرح ظاہر فرما دیا ہے اور جس کسی کو ذرا بھی حق کی جستجو ہو اگر وہ تھوڑی سی بھی کوشش کرے تو اسکو سچائی کے پانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئیگی۔ خدا تعالیٰ مومنوں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اسلام کی خوبیوں کی طرف لوگوں کی توجہ کو مبذول کریں تاکہ وہ لوگ خود اپنی آنکھوں سے انکو دیکھیں اور مانیں۔ اور اسلام کی اشاعت کے لیئے جبر و اکراہ کو بالکل منع فرماتا ہے

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولو شاء ربك لآمن من فی الارض کلھم جمیعًا۔ افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مؤمنین۔ وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون یعنی اگر خدا تعالیٰ چاہے تو جسقدر مخلوقات روئے زمین پر ہے سب کو مسلمان بنا سکتا ہے پس جب خدا تعالیٰ ایسا نہیں کرتا تو پھر کیا تُو ترغیب اور تحریص سے لوگوں کو مسلمان ہونیکے لیئے مجبور کر سکتا ہے جب تک خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے اذن نہ ہو کوئی روح مومن نہیں بن سکتی پس خدا کی لعنت تو ان لوگوں پر ہوتی ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ پ^{۱۱} مذکورہ بالا آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مذہب قبول کروانے کے لیئے کسی قسم کا تشدد اور جبر نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر جبر کی اجازت خدا کی طرف سے ہوتی تو کیوں نہ خدا ہی جبراً تمام لوگوں کو مسلمان بنا دیتا۔ یہ آیات مسئلہ غازی مہدی اور جہاد کی کافی تردید کرتی ہیں۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو طرح طرح کے شرکوں اور بدعات میں مبتلا دیکھا تو آپکی روح درد سے کوفتہ ہو گئی اور آپ کو بہت ہی فکر لگی کہ کسی طرح لوگ سچائی کو دیکھیں اور اسلام قبول کریں۔ آپنے اس زور سے لوگوں کو ترغیب و تحریص دینی شروع کی کہ گویا وہ بھی لوگوں کو ایک طرح کا مجبور کرنا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپکو وحی کی کہ نہیں آپکا صرف اتنا کام ہے کہ آپ یہ پیغام لوگوں کو کھولکر پہنچا دیں اور اگر کوئی سچائی کو نہیں مانتا اور قبول نہیں کرتا تو آپ اس بات سے مغموم نہ ہوں اور کسی قسم کا غم نہ کھاویں۔ آپکا کام جبراً

منوانا نہیں۔ یہ ان لوگوں کی اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ سچائی کو قبول کریں یا اس کے ماننے سے انکار کریں۔ جس خدا کی یہ تعلیم ہو وہ اپنے نبی یا رسول کو پھر کس طرح کہہ سکتا ہے کہ تم تلوار کے ذریعے لوگوں کو اسلام میں داخل کرو۔ کیا تلوار کے ساتھ اشاعت اسلام مذکورہ بالا آیتوں کے رو سے کسی طرح جائز ہے۔ ہرگز نہیں۔ جبکہ خدا حد سے زیادہ ترغیب و تحریص دینے سے منع کرتا ہے تو وہ کس طرح ایک جنگی نبی کو بھیج سکتا ہے کہ جاؤ اور لوگوں کو جبراً مسلمان بناؤ۔ ان آیتوں میں تو نبی اور مومنوں کیلئے صرف اتنا حکم ہے کہ تمہارا کام پیغام پہنچا دینا ہے اور کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے سچائی کو روشن دلائل سے واضح کر دیا ہے۔ اور اسکے ماننے میں اب کوئی روک نہیں۔ جو کہ اسپر غور و خوض کرتے ہیں۔ وہ تو اسے قبول کر لیتے ہیں اور جو اتنی بھی پروا نہیں کرتے کہ ذرا بھی اس معاملہ میں سوچیں تو پھر خدا بھی انہیں ظلمت میں چھوڑ دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔ یعنی قرآن شریف غور اور فکر کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر جب ایک شخص کے سر پر ایک دوسرا شخص تلوار لیئے کھڑا ہے اور اسکو کہا جاتا ہے کہ یا تو اسلام قبول کرو یا موت تو ایسی حالت میں کوئی سوچے تو کیا سوچے اور کب سوچے۔ یہ بات خدا تعالیٰ کی نظر ... میں سخت مکروہ ہے۔ اور قرآن شریف کی صریح تعلیم کے برخلاف ہے۔ خدا تعالیٰ کو سچے ایمان کی ضرورت ہے لیکن سچا ایمان جبر و اکراہ سے پیدا نہیں ہوتا قرآن شریف میں کئی ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تو ہماری بات کو پہنچا دے۔ مثلاً قرآن شریف کی یہی آیت انما علیٰ رسولنا البلاغ المبین۔ (پارہ ۷، رکوع ۲) یعنی ہمارے رسول کا صرف اتنا کام ہے کہ بات کو کھول کر پہنچا دے۔ یہ آیت صاف طور سے بتلاتی ہے کہ اسلام میں جبر کی اجازت نہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کبھی نہیں چاہا کہ تم لوگوں کو اسلام قبول کرنیکے لیئے مجبور کرو۔ القصہ یہ عقیدہ کہ کوئی خونی مہدی ہوگا اور وہ آکر جہاد شروع کریگا۔ اور مسلمان بنانیکے لیئے لوگوں کو مجبور کریگا یہ ایک ایسا گندہ اور مفسد اصول ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم کے بالکل مخالف ہے اس لیئے قابل پذیرائی نہیں۔

اس کے علاوہ قرآن شریف میں اس قسم کی بھی آیتیں ہیں جن سے یہ پتہ لگتا ہے کہ یہودی

عیسائی اور بُت پرست قیامت تک دنیا میں رہیں گے اور کوئی ایسا وقت نہیں آئیگا کہ وہ سب مسلمان ہوجاویں عیسائیوں اور یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ یعنی ہم نے انکے درمیان بُغض اور عداوت ڈالدی ہے اور یہ روز قیامت تک رہیگی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ۔ یعنی میں تیرے متبعین کو تیرے مخالفوں پر قیامت تک غلبہ دونگا ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی اور یہود اور نیز دیگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر قیامت تک رہیں گے۔ یہ آیتیں اس خیال کا قلع قمع کرتی ہیں کہ مہدی تمام دنیا کا بادشاہ ہوگا اور تمام دنیا کو جبراً مسلمان بنائیگا۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ لوگ پھر مرتد ہوکر اپنے اپنے مذہبوں میں چلے جاوینگے۔ تو اس سے مہدی کی ناکامیابی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام دنیا کو مسلمان بنانیسے کیا فائدہ جبکہ یہ تمام دنیا پھر مرتد ہوجائیگی۔ اس لیئے قرآن شریف غازی اور خونی مہدی کے عقیدہ کے بالکل مخالف ہے اور ایسا ہی جہاد کا۔ قرآن کی رو سے نہ کوئی غازی مہدی ہوگا اور نہ جبراً لوگوں کو اسلام میں داخل کرنیکے لیئے کوئی جہاد ہوگا۔

ممکن ہے کہ کوئی سوال کرے کہ جس حالت میں اسلام میں جبر منع ہے تو نبی کریمؐ نے کیوں تلوار اُٹھائی۔ وہ آیۃ کریمہ ذیل میں لکھی جاتی ہے جن میں نبی کریم اور آپکے اتباع کو تلوار اُٹھانیکی اجازت دی گئی اور اسی آیت میں وہ وجہ بھی مذکور ہے جس کیلئے اجازت دی گئی :- اُذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع و صلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ یعنی ان لوگوں کو اجازت ہے کہ تلوار اُٹھائیں کیونکہ انکے برخلاف لڑائی کی گئی اور ان پر ظلم کیئے گئے اور تحقیق اللہ تعالیٰ انکی مدد کیلیئے بہت طاقت رکھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے وطنوں سے ناحق صرف اس بات پر نکالے گئے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر خدا اسطرح بعض کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا

رہتا تو البتہ ضرور ضرور ایسی جگہیں گرادی جاتیں جیسی کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے معبد اور گرجے اور مسجدیں جہاں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت ہوتا ہے۔ تلوار کے ذریعہ اسلام کو پھیلانے کی اجازت دینا تو کجا یہ آیتیں ایسے اکراہ کو بالکل منع کرتی ہیں کیونکہ انکی تعلیم یہ ہے کہ تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کی تعظیم کرنی چاہیئے۔ مذہبی آزادی پوری ہونی چاہیئے اور اگر کسی طرح یہ میسر نہ آسکے تو اس آزادی کے لیئے خون بہانے میں یا جان کے دینے میں کوئی حرج نہیں۔ مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کی اسلیئے اجازت نہیں دیگئی کہ وہ جبرًا کافروں کو مسلمان بنادیں بلکہ اس لیئے کہ کفار کی زیادتیوں اور تعدیوں سے بچ جاویں۔ کافروں نے مسلمانوں کو اسلام قبول کرنیکی وجہ سے بہت سی تکلیفیں دیں۔ انکو وطن سے نکال دیا اور جس جگہ ان غریبوں نے جاکر پناہ لی وہاں بھی انکا پیچھا نہ چھوڑا اور جو مکہ میں پیچھے رہ گئے تھے انکو سخت سخت آزار پہنچائے۔ یہ بات کب گوارا ہوسکتی تھی اگر ان کافروں کو انہی کے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور انکا کوئی مقابلہ نہ کیا جاتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مومنوں کا ایک چھوٹا سا گروہ دنیا سے بالکل نابود کردیا جاتا اور خدا کا نام لیوا پھر کوئی زمین پر نہ رہتا اور پھر اسلام اور اسکے پاک اور مقدس بانی کا کوئی نام تک نہ سنتا۔ کفار عرب اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ اسلام کی کلی کو کھلتے ہی مسل ڈالیں اور ایسا وقت آگیا تھا کہ اگر اسلام کو اپنی زندگی اور ترقی منظور تھی تو وہ ان تعدیوں کے روکنے کیلیئے کوشش کرتا اور جو ضروریات دفع مضرت ہیں انکو بہم پہنچاتا۔ وہ طوائف الملوکی کا زمانہ تھا ملک میں کوئی سلطنت موجود نہ تھی جو کمزور مسلمانوں کو زبردست ظالم اور خونخوار دشمنوں کے ہاتھ سے پناہ دیتی اور بچاتی۔ پس ایسے وقت میں جبکہ کافر ظلم کی حدود سے بھی باہر ہوگئے اور انہوں نے مستقل ارادہ کرلیا کہ اسلام کو ہمیشہ کیلیئے فنا کردیں تو اسوقت خدا تعالیٰ نے اجازت دی کہ مسلمان ظالم سے اپنا بچاؤ کریں۔ مگر یاد رہے کہ یہ اجازت انکو اسوقت ملی جبکہ انپر زیادتیاں کی گئیں انکو اپنے وطن مالوف سے نکالا گیا اور مال اور اسباب چھین لیئے گئے اور پھر جس جگہ انہوں نے پناہ لی وہاں بھی انکا پیچھا نہ چھوٹا۔ لیکن ابھی انکی تعداد بہت کم تھی اس لیئے خدا تعالیٰ نے اپنی مدد کا وعدہ بھی فرمایا۔ ایک چھوٹا سا گروہ کسطرح امید کرسکتا تھا کہ وہ عرب کے مغرور اور منتقم لوگوں کو جو انسے تعداد میں لاکھوں زیادہ تھے بزور شمشیر مسلمان بناسکیں گے

اسلیئے یہ ایک بالکل بیہودہ بات ہے کہ انہوں نے تلوار اسلیئے اُٹھائی کہ اس کے زور سے وہ دوسرونکو اسلام کے جھنڈے کے نیچے لاویں۔ انہوں نے تلوار اس لیئے اُٹھائی کہ انکو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے اور مخلصی کی کوئی راہ نہ سوجھتی تھی۔ اسلیئے اب اُنکی نظریں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ کسی طرح سے انکو اپنی جان بچانے کے لیئے تلوار اُٹھانیکی اجازت ملجائے۔ اور وہ اجازت آخر کار انکو ملگئی۔ خدا تعالیٰ نے اجازت دیدی کہ اب تم تلوار کے ذریعہ اپنی جانوں۔ اپنی بیکس عورتوں اور کمزور بچوں کی حفاظت کرو۔ اور دشمنوں کا مقابلہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظالم کے ہاتھ کو اب روک دینا چاہیئے کیونکہ اگر اسکو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تو کوئی بھی آزادی سے اپنے مذہب کی پیروی نہ کرسکے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسرے مذاہب کے عبادت خانے بھی گرا دیئے جائیں گے۔ پس اب مَیں اپنے مسلمان بھائیوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا مہدی اس لیئے آئے گا کہ وہ عیسائیوں یہودیوں ہندوؤں اور بدھ مذہب کے معبد خانوں کو گرا دے؟ کیا مہدی کے مبعوث کرنے سے خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہے؟ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ طاقتور کو اجازت نہیں دینی چاہیئے کہ کمزور پر ظلم کرے اور ایک مذہب کے پیرو دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں کو نہ گرا دیں خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ مسلمان ان معبد خانوں کی عزت کریں۔ اسکا تو یہ بھی حکم ہے کہ تم مٹی اور پیتل کی تصویروں کو بھی برا نہ کہو۔ اس صورت میں کس طرح اللہ تعالیٰ ایسا نبی یا رسول مبعوث کرسکتا ہے کہ جس کا صرف کام یہی ہو کہ تمام دنیا میں گھوم کر گرجوں صومعوں ہیکلوں اور مندروں کو گراتا پھرے اور بزور شمشیر غیر مسلمانوں سے اسلام کا زبانی اقرار لیتا پھرے؟ کیا مہدی اسلام کے اصولوں کو تہ وبالا کرنے کیلیئے آئیگا؟ کیا مہدی کے دنوں میں قرآن شریف کے احکام منسوخ کیئے جائیں گے؟ نبی کریم نے فرمایا تھا کہ مہدی علیہ السلام اسلیئے آئیں گے کہ اصل اسلام جسے لوگ بھول گئے ہوں گے اُسے دوبارہ زندہ کریں اور رونق دیں مگر جو کام مولوی لوگوں نے انکے ذمہ لگا دیئے ہیں انسے تو اسلام کے اصل اصولوں کی بیخکنی ہوتی ہے۔ قرآن شریف کی تعلیم ہے کہ مذہبی آزادی ہونی چاہیئے خواہ اسکے حاصل کرنیکے لیئے خون کیوں نہ بہانا پڑے اور مختلف مذاہب کے عبادت خانوں کو برقرار رکھنا چاہیئے اور انکی تعظیم کرنی چاہیئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع

وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرا۔ یعنی اگر ہم بعض کو بعض کے دفع کرنے میں نہ لگا دیتے تو عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے معبد اور مسلمانوں کی مسجدیں جہاں اللہ تعالیٰ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے ضرور گرا دیئے جاتے ” کیا یہ آیت صاف طور سے نہیں بتاتی کہ ان عبادت گاہوں کو ہرگز گرانا نہیں چاہیئے جس کے یہ معنے ہیں کہ دوسرے مذہب کے پیروؤں کو پوری مذہبی آزادی ہونی چاہیئے؟ کیا یہ امر تعجب خیز نہیں کہ حضرت مہدی کا دنیا میں آنے سے ایک ہی مقصد ہو اور وہ یہ کہ وہ دوسرے مذاہب والوں کے عبادت خانوں کو گراتے پھریں اور تمام غیر مسلموں کے قتل عام کا حکم دیدیں۔ اور طرہ یہ کہ ہو بھی قرآن شریف کی صریح تعلیم کے خلاف ایسی تعلیم اسلام کے لیئے ہتک آمیز ہے اور مسلمانوں کے لیئے جائے شرم ہے مگر تعجب پر تعجب ہے کہ مولوی لوگ اب بھی نہائت بے باکی سے اسی کا وعظ کیئے جاتے ہیں اور اپنی تصنیفوں میں یہی تعلیم شائع کرتے رہتے ہیں۔ پھر قرآن شریف میں یہ بھی ہے لاینھٰکم اللّٰہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللّٰہ یحب المقسطین۔ سورہ الممتحنہ یعنی خدا تعالیٰ تمھیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم ان لوگوں سے نیکی کا سلوک کرو اور انسے انصاف سے پیش آؤ جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں لڑائی نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے تمھارے گھروں سے تم کو نکالا ہے۔ یاد رکھو خدا تو عدل کرنیوالوں سے ہی محبت رکھتا ہے (سورۃ ۶۰) یہ آیت صاف طور سے بتلاتی ہے کہ مسلمانوں کو صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کی اجازت ملی تھی جنہوں نے ان پر ظلم کیئے تھے۔ انسے لڑائیاں کی تھیں اور پھر گھروں سے بھی نکال دیا تھا۔ مگر وہ لوگ جو مسلمانوں سے مزاحم ہی نہیں ہوئے اور نہ انہوں نے کسی طرح کی تکلیف ہی دی تھی ان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی کا سلوک کرو اور انصاف اور مہربانی سے پیش آؤ۔ یہ خدا کا حکم ہے اور اسی بات کو خدا پسند بھی کرتا ہے اس آیت کے ہوتے ہوئے حضرت مہدی کسطرح تمام غیر مسلم دنیا سے لڑائی کر سکتے ہیں۔

الغرض قرآن شریف بزور شمشیر اشاعت اسلام کے خیال کو رد کرتا ہے۔ اور اگر حضرت مہدی کے دنوں میں شریعت کا مدار قرآن شریف پر ہی رہنا ہے تو ہم مجبور ہیں کہ خونی مہدی کے عقیدہ کو رد کر دیں۔ کیونکہ خود قرآن شریف اس بات کی تردید کرتا ہے۔

اس عقیدہ کی تردید نہ صرف قرآن شریف ہی کرتا ہے بلکہ حدیثیں بھی کرتی ہیں۔ اگر ہم غور سے حدیثوں کا مطالعہ کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کافروں سے کوئی جہاد نہ کریں گے۔ بلکہ حدیثوں سے تو یہانتک پایا جاتا ہے کہ ان دنوں میں مذہبی لڑائیاں ہی بند ہو جائیں گی اور آنحضرتؐ اسلام کو صلح کے طریقوں سے پھیلائیں گے۔

مَیں مسیح اور مہدی کا ایک ہونا ثابت کر آیا ہوں کہ یہ دو مختلف شخصوں کے نام نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخص کے دو القاب ہیں۔ مسیح موعودؑ نے ہی مہدی موعود ہونا تھا۔ یعنی اس زمانہ کے مسیح کا نام ہی مہدی تھا۔ مسیح موعود کے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب یعنی مجھے اس ذات کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ وہ وقت قریب ہے کہ جب تمہارے درمیان ضرور ضرور ابن مریم ظاہر ہوگا جو حکمؔ عدل ہوگا۔ صلیب کو توڑیگا اور خنزیروں کو قتل کریگا اور لڑائی کو بند کردیگا (صحیح بخاری) پس ایک صحیح حدیث یہ بتلاتی ہے کہ آپ جنگوں کا خاتمہ کردیں گے جسکے دوسرے لفظوں میں صرف یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ وہ جنگ و جدال سے اشاعت اسلام نہیں کرینگے بلکہ امن اور آشتی سے کام کرینگے۔

پھر مسیح موعود کے متعلق ایک اور حدیث ہے۔ فبینما ھم کذلک اذ اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسی ابن مریم انی قد اخرجت عباداً من عبادی لا یدان لک بقتالھم فحرز عبادی الی الطور۔ یعنی وہ اسی حالت میں ہونگے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر وحی نازل کریگا کہ تحقیق اپنے بندوں میں سے بعض بندے ایسے پیدا کیے ہیں جنکا تو مقابلہ نہیں کرسکتا پس تو میرے بندوں کو لیکر طور میں لیجا اور وہاں پناہ دو۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۱) یہ حدیث صاف طور سے بیان کرتی ہے کہ مسیح موعود ایسے وقت میں مبعوث ہوگا جبکہ صفحہ زمین پر ایسی ایسی قومیں بھی ہونگی جن کے ساتھ مسلمان ہرگز مقابلہ کرنیکے قابل نہ ہونگے اس لیئے مسیح موعود کو کوئی لڑائی نہیں کرنی پڑیگی اسکو صرف اتنا حکم ہوگا کہ اپنے لوگوں کو مینا

پہاڑ میں لیجاؤ۔ یہ وہ پہاڑ ہے جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تجلیات موسیٰ علیہ السلام کی تھیں اور اس زمانہ میں یہ پہاڑ ان تجلیات کے لیئے ایک خاص تخت گاہ تھا کیونکہ اسی جگہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے لیئے بڑے بڑے نشانات اور خوارق ظاہر فرمایا کرتا تھا۔ اسی طرح اس آخری مسیح موعود کو بھی حکم ہوگا کہ تم اپنے لوگوں کو کوہ طور میں لیجاؤ یعنی جسطرح موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہ پہاڑ بسبب تجلیات الٰہی کے بنی اسرائیل کے ترقی ایمان کا سبب بنا اسی طرح اُن نشانات آسمانی اور خارق عادت امور کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ مسیح موعود کے لیئے ظاہر فرماویگا۔ اُسکی جماعت کے ایمان کو تقویت پہنچیگی اور جسطرح اللہ تعالیٰ نے اس پرانے زمانہ میں مقدس پہاڑ پر اپنی تجلّی ظاہر فرمائی اسیطرح وہ اپنی قدرت کے بڑے بڑے نشان دکھلاکر اپنا جلال مسیح موعودؑ کے زمانہ میں بھی ظاہر کریگا۔ جسطرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا اسی طرح اس نے مسیح موعود سے کلام کرنا تھا۔ یعنی مسیح موعود نے خدا کا تخت گاہ بنکر ظاہر ہونا تھا جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات اور قدرت اور جبروت بڑے بڑے نشانوں کے ساتھ ظاہر کرنی تھیں۔

یہ حدیث نہ صرف زمانہ کیحالت کا نقشہ کھینچکر تبلاتی ہے بلکہ موعود کے وجود پر بھی پوری روشنی ڈالتی ہے۔ اسنے ایسے وقت میں مبعوث ہونا تھا جبکہ دنیا میں ایسی قومیں موجود ہوں کہ جنکا بحری اور برّی طاقت میں کوئی قوم مقابلہ نہ کرسکتی ہو کیونکہ انکے پاس سامان ایسے موجود ہونگے کہ چاروں طرف ہلاکت ڈالنے والے ہوں۔ اور اس نے لوگوں کو للکار کر اپنے جھنڈے کے تلے صرف مرنے اور مارنیکے لیئے جمع نہیں کرنا تھا۔ بلکہ اس کا کام صرف یہ تھا کہ نشانات آسمانی دکھلاکر لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف لے آئے اور ظلمت سے نکالکر انوار الٰہیہ میں داخل کردے۔ یہ حدیث کافی اور وافی طور سے ثابت کرتی ہے کہ مسیح جنگی آدمی نہیں ہوگا بلکہ امن کا شاہزادہ ہوگا جس کا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ آسمانی نشان دکھلاکر لوگوں کو نور حق کی طرف بلائے۔ اور زمانہ کے فتن سے امن میں لائے۔

ایک اور بھی حدیث ہے جسکا ماحصل یہی ہے۔ نسائی اور احمد اس حدیث کو اسطرح بیان کرتے ہیں۔ عصابتان من امتی احرزھما اللہ من النار عصابۃ تغزو الھند

وعصابة تکون مع عیسی بن مریم۔ یعنی میری اُمّت کے دو گروہ ہونگے جنہیں اللہ تعالیٰ نار سے بچائیگا ایک تو گروہ وہ ہوگا جو ہند میں جہاد کریگا اور ایک گروہ وہ ہوگا جو عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ ہوگا۔" پہلا گروہ تو وہ ہے جس نے سید احمدؒ بریلوی کے ساتھ ہوکر جہاد کیا۔ وہ ایک بڑے راستباز تھے اور انکے مریدین میں بڑے بڑے مقدس اور متقی علما موجود تھے۔ آپ تیرھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوئے۔ جب آپنے یہ دیکھا کہ پنجاب کے مسلمانوں پر سکھ بڑا ظلم کر رہے ہیں جسکی وجہ سوائے احکام دینی کی بجاآوری کے اور کچھ نہ تھی۔ اور سکھوں کا ظلم یہانتک بڑھ گیا ہے کہ مسلمانوں کو مسجدوں میں آذان دینے کا حکم تک نہیں تو اسوقت آپنے ارادہ کیا کہ اپنے مظلوم بھائیوں کو سکھوں کے ظلم سے مخلصی دلوائیں آپنے اپنا وطن چھوڑا اور ایک چھوٹے سے گروہ کے ساتھ آپنے سکھ سلطنت پر حملہ کرنیکا ارادہ کرلیا آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس کام کیلیئے آپنے تلوار اُٹھائی ہے اس کام کو اللہ تعالیٰ اور ذریعہ سے پورا کرنیوالا ہے۔ لیکن تلوار اُٹھانیسے آپکا اور کوئی مطلب نہ تھا سوائے اسکے کہ غریب اور مظلوم مسلمانوں کو سکھوں کے پنجۂ ظلم سے رہائی دیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی اس مصیبت کو دیکھا اور اس نے اسکے لیئے ایک علاج تجویز کیا جو سید صاحب کے علاج سے بالکل مختلف تھا۔ خدا تعالیٰ جو تمام عالموں کا بادشاہ ہے اس نے انگریزوں کو بلایا اور سکھوں کے راج کو اُڑادیا اور ظلم کی جگہ مسلمانوں کو ایسی مذہبی آزادی دلادی جو شاید انکو مسلمان بادشاہوں کے وقت میں بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔ مہربان گورنمنٹ انگلشیہ کے سائے کے تلے مسلمان اس آزادی سے اسقدر بہرہ ور ہوئے اور ہو رہے ہیں کہ انکو سکھوں کے وقت کی تمام تکالیف بھول گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہربان گورنمنٹ کو مغرب اقصیٰ سے اس لیئے بھیجا کہ یہ مسلمانوں کو جاکر ظالم کے ظلم سے چھڑائے اور مسیح موعودؑ بھی اپنا کام انکے زیر سایہ کرسکے۔ اب اس گورنمنٹ نے وہ کام دیا ہے جو کام کسی مسلمان سلطنت سے بھی حاصل ہونا دشوار ہے۔

لیکن سید صاحب نے گورنمنٹ انگلشیہ کے برخلاف نہیں بلکہ سکھوں کے برخلاف جھنڈا کھڑا کیا۔ اگرچہ آپ کا وطن مالوف سرکار انگلشیہ کے علاقہ میں تھا مگر آپنے سرکار انگریزی کے برخلاف بغاوت کا جھنڈا کھڑا نہیں کیا۔ بلکہ آپنے اپنا وطن چھوڑا اور پنجاب میں تشریف لائے اور یہاں

اگر آپنے سکھوں پر وار کرنا چاہا۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ اس طرح کے غازی نہ تھے جیسا کہ اس لفظ کا عام مفہوم ہے یعنی کل کافروں کے قتل کا آپنے ارادہ نہ کیا۔ آپنے دیکھا کہ انگریزی عملداری میں مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہے اسلیئے آپ انگریزی گورنمنٹ کے ہمیشہ وفادار رہے اور کبھی آپنے سرکار انگلشیہ کے برخلاف نہ قولاً اور نہ فعلاً کسی طرح بغاوت وغیرہ کے لیئے لوگوں کو نہیں اُکسایا برخلاف اسکے آپنے اپنے مکتوبات میں کھلے الفاظ میں ظاہر کیا کہ چونکہ سرکار انگریزی کسی کے مذہب میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ اس لیئے انکے برخلاف جہاد کرنا ناجائز ہے۔ آپنے دیکھا کہ سکھوں کی عملداری میں ظلم ہو رہا ہے مسلمانوں کو مذہبی احکام بجالانیکی آزادی نہیں اسلیئے ایک سچے ہمدرد کی طرح آپنے اپنے مسلمان بھائیوں کو سکھوں کے ظلم سے بچانیکی کوشش کی۔ آخر آپ چند بہادر ساتھیوں سمیت اس کوشش میں شہید ہو گئے۔ چونکہ انکا مقصد اور مدعا بڑے اعلیٰ درجے کا تھا اس لیئے آپ خدا تعالیٰ کی نظروں میں شہید گردانے گئے۔ پس یہ وہی بہادر جاں نثاروں کا گروہ ہے جسکی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں اشارہ فرمایا کہ ہندوستان میں ایک گروہ ہو گا جسکو اللہ تعالیٰ نار جہنم سے بچائیگا اور وہ لوگ ہندوستان میں جہاد کرینگے۔ اور نبی کریم صلعم نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دوسرا گروہ ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نار جہنم سے بچائیگا وہ مسیح موعودؑ کے ساتھی ہیں۔ یہ مقابلہ صاف طور سے بتلاتا ہے کہ مسیح موعودؑ کی جماعت جہاد نہیں کریگی کیونکہ یہی ایک بات ہے جو ہر دو کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔ یعنی ایک تو جہاد کرنیوالے ہیں اور دوسرے مسیح کے ساتھی۔ اگر دونوں گروہ غازی ہوتے تو نبی کریمؐ اس طرح فرق بیان نہ فرماتے کہ ایک گروہ ہند میں جہاد کریگا اور دوسرا گروہ مسیحؑ کے ساتھ ہو گا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ مسیح کا گروہ جہاد نہیں کریگا۔

الغرض اس بات سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا کہ مسیح موعودؑ نے سپاہیانہ رنگ میں ہرگز نہیں آنا تھا............ بلکہ اُسنے ایسے رنگ میں آنا تھا کہ نشانات آسمانی اور صلح پسند طریقوں سے اشاعت اسلام کا کام کرے۔ صرف یہی امر اس بات کے لیئے کافی ثبوت ہے کہ اُس نے غازی بنکر نہیں آنا تھا کہ اسکو ابن مریم سے مشابہت دیگئی ایک غازی تلوار کے ساتھ لڑنیوالا ہرگز مسیح ابن مریم کا مثیل نہیں کہلا سکتا کیونکہ حضرت مسیح تو

ایک مسکین واعظ کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ غازی ابن مریم نہیں ہوسکتا جیسا کہ بھیڑیا یا چیتا بھیڑ کا مثیل نہیں کہلا سکتا۔ یَنے نواب صدیق حسن خاں کی کتاب سے یہ دکھلایا ہے کہ مسیح موعودؑ کے وقت میں کوئی لڑائی نہیں ہوگی۔ اور یہ بھی مَیں بیان کر آیا ہوں کہ مہدی اور مسیح کوئی دو جدا وجود نہیں۔ پس صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے ایک غازی کی طرح زرہ بکتر میں ظاہر نہیں ہونا تھا بلکہ آپنے امن سے دین کو پھیلانے کے لیئے ظاہر ہونا تھا۔

لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ مہدی اور مسیح دو مختلف شخص ہیں جسطرح کہ عوام کا خیال ہے پھر بھی مہدی علیہ السلام غازی ہوکر نہیں آسکتے۔ ہمارے مخالف اس بات کو مانتے ہیں کہ مسیح اور مہدی ایک ہی وقت میں ہونگے۔ اگر دونوں ہمعصر ہیں اور ایک ان میں سے صلح کا شہزادہ اور رسول ہے تو اس صورت میں دوسرا لڑائی اور جنگ وجدال اور خونریزی کا حامی نہیں ہوسکتا۔ اگر دشمن ایسا غالب تھا جسپر مسیح فتح نہیں پا سکتا تھا تو اسپر مہدی کسطرح غالب آسکتا تھا اور اگر خدا نے مسیح کو تلوار اُٹھانے سے منع کرنا تھا تو یہی ممانعت مہدی کیلئے بھی چاہیئے تھی یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ مہدی تو کافروں سے جنگ کرتا پھرے اور دنیا کے تمام شہروں اور قوموں پر قابض ہوتا جائے مگر حضرت مسیح کے پاس وحی اس مضمون کی لٹے کہ دشمن سے لڑائی اور جنگ کرنا نہیں چاہیئے۔

علاوہ اسکے مہدی موعودؑ کی نسبت صاف لکھا ہے کہ وہ جنگجو نہیں ہوگا بلکہ اسلام کو آشتی سے پھیلانیوالا ہوگا۔ حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۶۳ میں ابن حجر کا قول ہے بیدار نکند مہدی نائم را و نریزد خون را۔ یعنی مہدی نہ سوتوں کو جگائیگا اور نہ کسی قسم کا خون بہائیگا نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ مہدی عیسائیوں سے صلح کریگا۔ اسی حدیث کی بنا پر نواب صدیق حسن خانصاحب فرماتے ہیں کہ "مہدی با روم صلح امن کند" منقول از حجج الکرامہ صفحہ ۳۷۴۔ اور یہیں یہ بھی بتلایا جا چکا ہے کہ اسوقت تمام دنیا میں عیسائیوں کا زور ہوگا۔ اسطرح ثابت ہوگیا کہ مہدی علیہ السلام عیسائیوں سے جنگ نہیں کریں گے بلکہ ان سے صلح کرلیں گے اور یہی ایک قوم ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ زبردست ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ عیسائیوں سے صلح کرکے آپ جہاد کس سے کرینگے۔ کیا آپ یہودیوں ہندوؤں اور بدھ

مذہب والوں سے لڑیں گے؟ وہ تو آگے ہی مردہ ہیں۔ وہ کیا بات ہے جس سے آپ صلح کرنیکے
لیئے عیسائیوں کو دوسری قوموں پر ترجیح دیں گے اور دوسرے لوگوں سے لڑینگے؟ کیا آپ
کمزور اور بیکس و بے بس قوموں کے ساتھ لڑنے کیلیئے آئیں گے جنکے پاس اپنی حفاظت کا کوئی
سامان موجود نہیں؟ یہودیوں پر تو پہلے ہی ذلت برس رہی ہے۔ وہ کون بزدل ہے جو
انکے مارنے کیلیئے ہاتھ اٹھائیگا۔ ہندو آگے ہی ایک مفتوح قوم ہے انپر چڑھائی کرنیسے کوئی
شان نہیں بڑھنے کی بلکہ اغلب ہے کہ ایسا کرنیسے عیسائی انگریزوں سے مٹ بھیڑ ہو جائے
کیونکہ ہندوستان کے تو وہی مالک ہیں۔ اور اگر آپ عیسائیوں سے بوجہ انکے پورے
سامانوں کے ساتھ مسلح ہونیکے کنارہ کشی کرینگے اور صلح کریں گے۔ تو آپ کو جاپانیوں سے
ضرور کنارہ کرنا پڑیگا کیونکہ جاپانیوں نے روسیوں کو بری طرح پس پا کرنیسے ثابت کر دیا ہے
کہ وہ ایک طاقتور عیسائی سلطنت سے بڑھ چڑھکر ہیں۔ یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ جب
تلوار کے زور سے اسلام پھیلانا تھا تو پھر عیسائیوں سے صلح کیسی۔ اگر آپ کا مدعا بت پرستونکو
زبردستی مسلمان بنانیکا تھا تو آپکا پہلا کام چاہیئے تھا کہ اول جنگ عیسائی قوم سے چھیڑیں کیونکہ
یہی ایک قوم ہے جو اسوقت بہت زور والی ہوگی۔ اگر یہ کہا جاوے کہ عیسائیوں سے صلح
ہمیشہ کیلیئے نہیں ہوگی کیونکہ یہ بھی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ نو سال تک صلح رہیگی۔
تو یہ بات مان کر بھی اس نتیجہ میں کوئی فرق نہیں آتا جو ہم اوپر نکال چکے ہیں۔ کیونکہ اس
روایت میں یہ بھی ہے کہ عہد شکنی عیسائیوں کی طرف سے ہوگی نہ کہ مہدی کی طرف سے دیکھو
حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۷۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مہدی صلح کا عہد نامہ اس لیئے
نہیں کرینگے کہ بعد میں توڑ دیں۔ بلکہ آپ کی طرف سے تو صلح ہمیشہ کے لیئے ہوگی اور اگر کوئی
عہد شکنی ہوگی تو عیسائیوں کی طرف سے ہوگی کیونکہ حدیث کے رو سے تو حضرت مہدی انکو انہی کے
حال پر چھوڑ دیں گے۔ اگر آپنے زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانا تھا تو آپکو چاہیئے تھا کہ کسی
مشرک سے بھی صلح نہ کرتے صلح خواہ وقتی ہو یا دائمی ہو یہ اصول خونی مہدی کے عقیدہ کے
خلاف ہے۔ کیونکہ اسکی نسبت لکھا ہے کہ سب بادشاہ اسکے مطیع ہونگے اور کوئی شہر نہ ہوگا جسکو
وہ فتح نہ کریں گے۔

پھر یہ بھی لکھا ہے کہ مولوی لوگ آپ پر کفر کا فتویٰ دینگے نواب صدیق حسن خاں لکھتا ہے
گویند ایں مرد خانہ برانداز دین وملت ما است وبمخالفت برخیزند وحکم تکفیر وتضلیل وے کنند
یعنی وہ کہیں گے کہ یہ آدمی اسلام کی جڑ میں کھوکھلی کر رہا ہے۔ پس تمام آپکے برخلاف ہوجاینگے
اور آپ پر کفر والحاد کا فتویٰ لگائینگے۔منقول از حج الکرامہ صفحہ ۳۶۳۔ اس بات سے صاف طور پر
پتہ لگتا ہے کہ مولویوں کی خواہشات کے مطابق آپ کا آنا ہرگز نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر آپ انکی تمام امیدوں کو
بر لاتے یعنی جنگ کرتے۔ خون بہاتے۔ قوم کے بعد قوم فتح کرتے۔ اور مال غنیمت ملاؤں کے
درمیان بانٹتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ انکو کافر وضال ومضل کہتے۔ وہ کبھی بھی آپکی مخالفت
نہ کرتے اور آپ کو کافر وملحد کبھی قرار نہ دیتے۔ ایسے عظیم الشان انسان کے سامنے جو تمام دنیا میں
تہلکہ مچادیگا اور بادشاہوں تک زنجیروں میں جکڑ کر جس کے روبرو لائے جاویں گے غریب
ملاؤں کی حقیقت ہی کیا ہے۔ یہ مسکین ایسے بزدل ہوتے ہیں کہ انکی ہستی ہی کیا ہے کہ ایسے
عظیم الشان انسان کے برخلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور کوئی لفظ اس کی شان کے خلاف کہدیں
اسلیئے یہ بات کہ ان کمزور دل مولویوں کو بھی جرأت ہوجائیگی کہ وہ مہدی کے خلاف کھڑے
ہوجائیں اور اسپر کفر کا فتویٰ لگادیں اور اُسے ملحد قرار دیں یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ مہدی جنگجو
آدمی نہیں ہوگا۔

پھر مہدی کے متعلق یہ بھی روایت آئی ہے کہ وہ زمین کو عدل اور صلح سے بھر دیگا۔ یہ بات
بھی اس امر کی غلطی ظاہر کرتی ہے کہ مہدی لڑائیاں کریگا۔ ایک شخص جو اپنا مذہب زبردستی منوائے
اور زمین کو بےگناہوں کے خون سے بھرے اور جو ہر جگہ شہروں کو گراتا پھرے اسکو کسطرح کہہ سکتے
ہیں کہ وہ زمین کو صلح اور عدل سے بھر دیگا۔ بذات خود ایک مذہب اچھا بھی ہو مگر اگر زبردستی
سے اس مذہب کو منوایا جائے اور لوگوں پر سختیاں روا رکھی جائیں تو اسکو انصاف نہیں کہہ سکتے۔
وہ سمجھ کوئی بڑی ہی مردار سمجھ ہوگی اور وہ عقل بڑی ہی گری ہوئی ہوگی جو بےگناہوں کے قتل کو
عدل وانصاف گردانے۔ لیکن اس زمانہ کے مولویوں میں سے بہتوں کے خیالات ایسے ہی ہیں۔
پھر حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جسوقت ایمان ثریا پر چلا جائیگا تو اسکو ایک فارسی الاصل
شخص دوبارہ دنیا پر لائیگا۔ اور میں ثابت کرچکا ہوں کہ یہ فارسی الاصل مہدی موعود ہی ہوگا

پس یہ کام مہدی ہی کا ہے۔ ایمان کے ثریا پر جانیسے کیا مراد ہے؟ کیا اُس کے یہ معنے ہیں کہ مسلمان معدوم ہو جائیں گے اور مہدی انہیں دوبارہ زندہ کریگا؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو صاف ثابت ہے کہ مسلمان زمین پر موجود ہوں گے مگر وہ برائے نام مسلمان ہونگے۔ اصل ایمان واقعی مہدی کی بعثت کے وقت اُٹھ گیا ہوگا اور وہ اُسے دوبارہ ازسرنو تازہ کریگا۔ پس کیا تلوار کے ذریعہ نورِ ایمان اور نورِ یقین لوگوں کے دلوں میں بٹھایا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تلوار جسم کو تو کاٹ سکتی ہے مگر یہ ایمان اور یقین اندر داخل نہیں کر سکتی۔ ایک آدمی کو جبراً ایک مذہب منوا سکتے ہیں مگر اس مذہب کی سچائی کا یقین زور سے اسکے دل میں نہیں ڈال سکتے۔ تلوار لیکر کوئی مہدی بجائے اسکے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں ایمان کو واپس لائے۔ وہ تو رہے سہے ایمان کو بھی لوگوں کے دلوں سے نکالنے والے ٹھہریں گے۔ انسان ایک ذیعقل ذی فہم اور ذی شعور مخلوق ہے۔ اسلیئے اگر کوئی بات اُسے سمجھائی ہو اسکو عقل اور دلائل کے رُو سے سمجھانی چاہیئے نہ کہ سزا کی دھمکی دیجاوے۔ کسی مذہب یا عقیدے کے منوانے کیلیئے جو شخص زبردستی یا ناجائز طریقوں کو عمل میں لاتا ہے وہ اس عقیدے یا مذہب کی سچائی تو کیا ظاہر کریگا اُلٹا اسکا اثر یہ ہوگا کہ لوگوں کی نظروں میں اس مذہب یا عقیدے کے متعلق اور بھی بُرے خیالات دلیں بیٹھ جائیں گے دین کو ازسرِنو زندہ کرنے کے معنے ہی یہ ہیں کہ اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کے لیئے شمشیر سے کام نہیں لیا جائیگا۔ بلکہ لوگوں پر دلائل اور آسمانی نشانات سے حق ظاہر کیا جاوے گا۔ اور یہی انبیأ کا طریق ہے۔

اب سوال ہو سکتا ہے جبکہ حدیثوں میں غازی مہدی کا ذکر نہیں تھا تو مسلمانوں کے درمیان یہ عقیدہ کسطرح آگیا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس خیال کی زیادہ تر جڑھ متعصب ملّاؤں کی قوّت واہمہ ہے۔ کیونکہ یہ انہی کی بڑی خواہش تھی کہ بُت پرست اور کفار کو تہ تیغ کیا جاوے اور جبراً انسے اسلام قبول کرایا جاوے۔ اس لیئے وہ اس خیال کو ہمیشہ سے پکاتے چلے آئے ہیں۔ مگر تعجب انگیز امر یہ ہے کہ اگر ایسے لوگوں سے جو اپنے سامعین کو مہدی اور اسکی فتوحات کے متعلق بڑے بڑے لمبے قصّے سنایا کرتے ہیں۔ اگر انسے بڑی سنجیدگی سے پوچھا جائے کہ مہدی کی فتوحات کے متعلق جسقدر لمبی لمبی روایتیں ہیں انکی نسبت تمھارا کیا خیال ہے

تو یہ خود مان لیتے ہیں کہ یہ تمام حدیثیں مجروح ہیں۔ صدیق حسن خاں اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۸۴ پر لکھتا ہے اما شک نیست کہ مجموع اخبار و آثار کہ دربارۂ وجود وے و وقائع و حوادث و فتن و فتوح وغیرہا وارد شدہ افادہ صحت ظہور وے میکند کیف ما کان یعنی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ خروج مہدی کے متعلق بہت سی روایات ہیں۔ جن میں خروج مہدی علیہ السلام اور آپکے زمانہ کے واقعات اور حوادث اور آپکی فتوحات کا بہت ذکر ہے یہ سب اس بات کو ضرور ثابت کرتی ہیں کہ مہدی علیہ السلام ضرور تشریف لاویں گے خواہ کسی طرح سے اور کسی رنگ میں وہ ظاہر ہوں پھر ایک موقعہ پر آپ لکھتے ہیں مجموع ایں روایات ضعیفہ و مطعونہ افادۂ صحت و شہادت وجود وے در آخر زمان مے کنند اگرچہ خالص از انہا از نقد اقل قلیل باشد و اللہ اعلم یعنے یہ ضعیف اور مجروح حدیثوں کا مجموعہ کم سے کم اتنا تو ضرور ثابت کرتا ہے کہ آخر زمانہ میں امام مہدی صاحب ضرور تشریف لاویں گے اگرچہ ان میں سے خالص حصہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ منقول از صفحہ ۳۶۵۔ صدیق خاں کے ان قولوں سے بخوبی پتہ لگتا ہے کہ خونی مہدی کا مسئلہ کسی صحیح حدیث کی بنیاد پر نہیں اس کو یقین ہے کہ آمد ضرور ہوگی خواہ کسی رنگ میں ہو وجس طریقہ سے یہ چاہے واقع ہو۔ دوسرے الفاظ میں اسکے یہ معنے ہوئے کہ یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ مہدی زرہ بکتر پہنکر جنگ کرنے کے لئے ظاہر ہو یا جو روایتوں میں اسکی فتوحات کے متعلق ذکر ہے وہ سب کچھ واقع ہو کیونکہ فتوحات کے متعلق جسقدر حدیثیں ہیں وہ صدیق حسن خاں کی رائے میں معتبر نہیں۔ پس ان تمام باتوں کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو کیا یہ تعجب خیز امر نہیں کہ ایک طرف تو یہ مانا جاتا ہے کہ فتوحات اور لڑائیوں کے متعلق جسقدر حدیثیں ہیں سب مجروح اور ضعیف ہیں اور دوسری طرف منبروں پر کھڑے ہو کر باواز بلند یہ وعظ کیا جاتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام جب اس دنیا میں تشریف فرما ہونگے اسوقت آپ تمام قوموں کو فتح کریں گے اور اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلائیں گے۔

اور سب سے زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ ان روایات کی طرف ذرا توجہ اور التفات نہیں

کیجاتی جن میں یہ لکھا ہے کہ مہدی علیہ السلام خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہائیں گے یہانتک کہ آپ سوتوں کو بھی نہ جگائیں گے۔ لیکن اسکے علاوہ چند ایک اور امور ہیں جو مسئلہ غازی مہدی کے بہت ممد و معاون ہوئے ہیں۔ میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ چند ایک خاندانوں نے یہ دعویٰ کیا کہ مہدی ہم میں سے ہوگا۔ یہ خاندان ملک گیری کے لیئے کوشش کر رہے تھے اس لیئے انکے ان دعاوی سے سوائے اسکے اور کوئی غرض نہ تھی کہ ملک اور سلطنت ہاتھ میں آجائے۔ تخت شاہی ان سب کا مقصد تھا اس لیئے ان دعاوی سے وہ صرف اپنی غرض کو پورا کرنا چاہتے تھے ہر ایک گھرانا یہ چاہتا تھا کہ لوگ اسکے طرفدار ہوکر لڑیں اسلیئے اپنے مقاصد کو اسلامی مقاصد کے پیرایہ میں ظاہر کرتا اور لوگوں کو ترغیب دیتا کہ اس کے جھنڈے کے نیچے ہوکر اسلام کے یعنی اس خاندان کے دشمنوں سے لڑیں۔ پس اسطرح رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں میں مہدی کے متعلق غلط خیال جمنے شروع ہوگئے اور اُس کے متعلق یہ عقیدہ قائم ہونا شروع ہوا کہ وہ بادشاہ ہوگا اور جنگ کریگا۔

یہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ کسطرح ابومسلم نے عباسیوں کا ایجنٹ بنکر خراسان میں کام کیا اور اس خاندان کے لیئے مددگار جمع کرنے میں اس نے بہت ہی سعی کی خراسان میں جو جھنڈا کھڑا کیا گیا اس کا رنگ سیاہ تھا اور یہی رنگ فوجی لباس کا تھا۔ ذیل میں میں ایک حدیث لکھتا ہوں جو ان عباسی خاندان کے طرفداروں پر جو خراسان سے سیاہ لباس لیکر آئے اس خوبی سے چسپاں ہوتی ہے کہ بعض نے یہاں تک کہدیا ہے کہ یہ ایک وضعی حدیث ہے جو موقع اور محل دیکھ کر گھڑ لی گئی۔ اور جس سے لوگوں میں یہ خیال پیدا کرنے کی کوشش کیگئی کہ مہدی اس خاندان میں سے ہونیوالا ہے وہ حدیث اسطرح پر ہے

اذا رأیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فأتوها فان فیها خلیفة اللہ المھدی۔ یعنی جب تم سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف سے آتے دیکھو فوراً اس طرف جاؤ کیونکہ اس میں تمھیں خدا کا خلیفہ مہدی ملیگا۔ پس اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ مختلف گھرانوں نے بادشاہت اور سلطنت کے لیئے کوشش کی ہیں ہر ایک دعویدار نے

یہ کہا کہ مہدی ہم میں سے ہوگا اور اسکو نہ صرف روحانی خلیفہ ظاہر کیا بلکہ جسمانی بھی جس کا کام یہ تھا کہ وہ سلطنت حاصل کرنیکے لیئے پہلے اپنے تمام دشمنوں کو ہلاک کرے پھر اسکے بعد دنیا کو فتح کرے۔ اسلیئے ہر ایک مومن کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ وہ ان جنگوں میں اس کی مدد کرے

اس غلط خیال کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بعض ایسی حدیثیں ہیں جن کا اطلاق دوسرے شخصوں پر ہوتا ہے مگر غلطی سے وہ سب مہدی موعود پر لگا دی گئیں۔ مثلاً بعض حدیثوں میں فاتح قسطنطنیہ کو نبی کریم نے مہدی کہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔ یہ پیشین گوئی اسوقت کی کتابوں میں درج ہے جبکہ قسطنطنیہ ابھی عیسائیوں کے ہاتھ میں تھا اور ابھی اسکی فتح کا وہم وگمان تک نہ تھا۔ لیکن یہ پیشین گوئی اُسی وقت پوری ہو گئی جبکہ سلطان محمد ثانی غازی نے قسطنطنیہ کو ۱۴۵۳ء میں فتح کیا۔ مَیں پہلے بیان کر آیا ہوں کہ نبی کریم نے لفظ مہدی کا اطلاق صرف آخری اور موعود پر ہی نہیں کیا بلکہ اور شخصوں کا بھی یہی نام رکھا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ آپ نے کُل خلفاء راشدین کو مہدی کے نام سے یاد کیا ہے۔ چونکہ مہدی موعود نے آپکے خلیفوں میں سے سب سے بڑا ہونا تھا اس لیئے وہی سب سے بڑے مہدی ہوئے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ اور کوئی مہدی نہیں ہے۔ فاتح قسطنطنیہ کو آپ نے مہدی کہا ہے اس لیئے حدیث کے رُو سے سلطان غازی محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ بھی ایک مہدی ہے۔ اس کا نام اور نبی کریم کا اسم مبارک ایک ہی ہے یعنی محمد اور یہ بھی حدیثوں میں مذکور ہے کہ اس کا نام میرے نام پر ہوگا۔ الغرض غلط فہمی کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ مہدی موعود پر وہ حدیثیں بھی لگا دی گئیں جو ہرگز آپکے متعلق نہ تھیں بلکہ اوروں کے لیئے تھیں اور ایک عرصہ ہوا کہ وہ پوری ہو چکیں پس یہ بھی ایک وجہ ہے کہ مہدی موعود کو غازی ظاہر کیا جاتا ہے۔

پھر اس ایک غلطی کے ساتھ ایک اور غلطی مل گئی۔ یعنی آپ پر بعض ایسی حدیثیں بھی چسپاں ہونے لگیں جنکا مہدی سے ذرا بھی تعلق نہ تھا اور وہ آپکی طرف ذرا سا اشارہ بھی نہیں کرتی تھیں۔ صرف اسلیئے کہ ان میں ایک جنگ کرنیوالے کا ذکر ہے۔ اگر کسی حدیث میں لڑائی کا ذرا سا بھی ذکر ہو تو اسکی نسبت یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہ حدیث مہدی کے متعلق ہے۔

اس قسم کی حدیثوں میں سے ایک بڑی حدیث وہ ہے جسکا عبداللہ ابن زبیر کی طرف اشارہ ہے۔ اس حدیث پر میں ایک پہلے مضمون میں مفصل بحث کر چکا ہوں۔ اس میں مہدی کا نام تک نہیں۔ اور جن واقعات کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ بدیہاً عبداللہ ابن زبیر کے متعلق ہیں لیکن چونکہ اس میں لڑائیوں اور مال غنیمت کا ذکر ہے اس لیئے یہ حدیث بھی مہدی موعودؑ پر چسپان کی گئی اور اسطرح یہ اعتقاد پختہ ہوگیا کہ مہدی لڑائیاں کرے گا اور غنیمت کا مال تقسیم کرے گا۔

ایک اور وجہ غازی مہدی کے مسئلہ کے پیدا ہونیکی یہ بھی ہوئی کہ بعض پیشین گوئیوں کے سمجھنے میں غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ بعض ایسی حدیثیں ہیں جن میں مہدی کے متعلق لفظ مقاتلہ کا استعمال ہوا ہے۔ مثلاً مہدی کے متعلق ایک یہ روایت ہے المهدی من عترتی یقاتل علی سنتی یعنی مہدی میرے خاندان میں سے ہوگا اور وہ میری سُنّت کے لیئے مقاتلہ کریگا۔ لفظ یقاتل۔ مقاتلہ سے نکلا ہے جس کے لفظی معنے ہیں "وہ لڑیگا" لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ تلوار سے ہی لڑے۔ اگر مہدی نے سُنّت نبوی کے لیئے مقاتلہ کرنا تھا تو اس کے یہی معنے نہیں کہ وہ تلوار چلائے گا بلکہ اس کے یہ بھی معنے ہیں کہ وہ میری سُنّت کو تازہ کرنیکے لیئے بہت کوشش اور سعی کریگا۔ کسی مقصد کے لیئے مقاتلہ کرنا ضروری نہیں کہ تلوار ہی سے ہو یہی لفظ اور حدیثوں میں آیا ہے مگر وہاں اس لفظ کے معنے تلوار کے ساتھ محاربہ کرنیکے نہیں۔ مثلاً مسلم میں مفصلہ ذیل حدیث ہے لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة فینزل عیسیٰ بن مریم۔ یعنی میری امت میں سے ہمیشہ ایک گروہ حق کے لیئے لڑتا رہیگا اور قیامت تک وہ غالب ہی رہیگا یہانتک کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہو جائیں گے۔

یہ بالکل صاف ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں حقیقی لڑائی کا بالکل ذکر نہیں بلکہ یہ لفظ استعارۃً استعمال ہوا ہے چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور سے پہلے فرقہ اہل حدیث اسکو اپنے اوپر چسپاں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حق کی طرف سے ہو کر لڑنیوالا گروہ ہم ہی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقاتلہ کے معنے ضرور تلوار چلانا ہی نہیں ہے بلکہ کوشش اور سعی کرنا بھی اس لفظ کے

معنوں میں شامل ہے - اور حدیث یُقاتِلُ عَلٰی سُنّتی کے یہ معنے کرنا کہ مہدی تلوار چلائے گا ایک غلط خیال ہے۔

ایک اور لحاظ سے بھی لفظ یقاتل کے معنے اسجگہ تلوار کے ساتھ لڑنے کے نہیں ہوسکتے۔ حدیث میں یہ لکھا ہے کہ مہدی میری سُنّت کیلیے لڑیگا۔ اب اگر اسکے معنے تلوار سے لڑنیکے لیئے جاویں تو یہاں یہ معنے ہونگے کہ وہ تلوار پھر مسلمانوں کے ہی برخلاف اُٹھائی جائیگی اور انہیں پر چلے گی اور حضرت مہدی مسلمانوں کے خون سے زمین رنگ دیں گے دیکھو حضرت مرزا صاحب کیا فرماتے ہیں۔

ع - اب تو تم خود ہی مورد خشمِ خدا ہوئے ؛ اس یار سے بشامت عصیاں جدا ہوئے
اب غیروں سے لڑائی کے معنے ہی کیا ہوئے ؛ تم خود ہی غیر بن کے محلِ سزا ہوئے
پھر اپنے کفر کی خبر اے قوم لیجیئے ؛ آیت عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ یاد کیجیئے

مسلمان علماء کی رائے یہی ہے کہ اکثر حصہ مسلمانوں نے سُنّت نبوی کو چھوڑ دیا ہے پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مہدی علیہ السلام کا اعلان جنگ پہلے مسلمانوں ہی کے برخلاف ہوگا۔

الغرض اسجگہ یُقَاتِلُ کے معنے کسی طرح تلوار سے لڑنا نہیں ہوسکتے۔ پس ہر ایک سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آپ جنگ کرتے پھریں گے بلکہ اسکے یہ معنے ہیں کہ آپ سُنّت نبوی کے رواج دینے اور زندہ کرنے کے لیئے بہت جان توڑ کوشش فرماویں گے۔

اسی طرح سے چند اور بھی حدیثیں ہیں جن کے اسی طرح غلط معنے کر لیئے گئے ہیں اور مہدی موعود کو ایک جنگجو سپاہی کہا گیا ہے۔ مثلاً مہدی کے متعلق ایک یہ بھی روایت ہے کہ وہ نبی کریم کی قمیص تلوار اور جھنڈا لیکر نکلیگا۔ نبی کریم صلعم کی وفات کے بعد یہ جھنڈا کبھی کھولا نہیں گیا۔ جسوقت مہدی علیہ السلام آئیں گے اس وقت یہ جھنڈا کھولا جائیگا اور اسپر یہ لفظ لکھے ہونگے اَلْبَیْعَةُ لِلّٰہِ یعنی اس کی بیعت میں خدا کی رضامندی کے لیئے داخل ہو جاؤ اگر اسکو صحیح حدیث بھی مان لیا جاوے تو بھی اس سے یہ ظاہر نہیں

ہوتا کہ حضرت مہدی جنگ کے لیے نکلیں گے۔ اس سے تو صرف اتنا پتہ لگتا ہے کہ مہدی آپ کا نائب ہوگا۔ یہ کہنا بالکل بیہودہ ہے کہ وہ واقعی نبی کریمؐ کی قمیص پہنے۔ آپکی تلوار لگائے اور آپکا ہی جھنڈا لیئے ہوئے نکلیں گے۔ کیونکہ ان چیزوں کا اب کہیں وجود نہیں پایا جاتا۔ انکا دنیا میں نہ ہونا ہی ثابت کرتا ہے کہ حدیث کا مفہوم وہ نہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اور نہ ہی یہ الفاظ البیعۃ للّٰہ نبی کریمؐ کے جھنڈے پر کبھی لکھے گئے۔ یہ ایک طرز کلام ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ مہدی نبی کریمؐ کا نائب اور جانشین ہوگا اور یہ کہ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسکو مان لیں اور اسکی بیعت میں داخل ہو جائیں۔

حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ مہدی کے ساتھ گروہوں کے گروہ ہونگے مگر یہ صاف طور سے لکھا ہے کہ وہ گروہ فرشتوں کے ہونگے نہ کہ آدمیوں کے اور یہ فرشتے آپکے ساتھ اسلیئے ہونگے کہ آپکے کاموں میں مدد دیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ آپکی مدد کیلئے تین ہزار فرشتے بھیجے گا اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ فرشتوں کی فوج کے ہراول کا سردار حضرت جبرائیل علیہ السلام ہونگے اور میکائیل علیہ السلام دائیں دستہ کے ساتھ ہونگے اور تمام مخلوقات کو آپکی وجہ سے خوشی ہوگی یعنی جو لوگ زمین پر آباد نہیں اور جو فرشتے آسمانوں میں ہیں یہانتک کہ ہوا کے پرندے۔ جنگل کے درندے اور وحشی اور سمندر کی مچھلیاں سب آپکی آمد کی وجہ سے خوش ہونگے۔" پس اگر یہ حدیثیں صحیح ہیں پھر بھی یہ ایک بڑی خطرناک غلطی ہے کہ انسے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ معاذ اللہ آپ غازی بنکر آئیں گے اگر جبرائیل اور میکائیل ان فوجوں کے سردار ہونگے تو وہ فوجیں آدمیوں کی تو نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ بریں انہی حدیثوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ دنیا میں انکی آمد کی وجہ سے یہانتک خوشی ہوگی کہ جنگلوں کے وحشی درندا اور پرند بھی اس خوشی سے حصّہ لیں گے۔ اس سے نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ آپکے زمانہ میں بڑا امن ہوگا۔ لیکن جب آپنے تمام زمین پر خون کی ندیاں بہادینی ہیں تو پھر یہ خوشی اور یہ امن کسطرح ممکن ہو سکتا ہے؟

زمین کے بادشاہ مہدی کے مطیع ہو جائیں گے۔" اس سے بھی کہیں نہیں نکلتا کہ آپ غازی ہونگے۔ کیا زمین کے باشاہ حضرت مسیح کے غلام نہیں ہو چکے؟ کیا ایسے ایسے شہنشاہ

اور فاتحان زمانہ نہیں ہو چکے جو مسیح کی غلامی اپنے لیئے باعث فخر سمجھتے تھے؟ کیا اب اسوقت ایسے بادشاہ موجود نہیں جو مسیح کے سامنے اسطرح سر خم کیئے ہیں جسطرح غلام اپنے آقا کے آگے؟ کیا مسیح نے انہیں تلوار کے ذریعہ مطیع و منقاد کیا؟ اگر بغیر تلوار اُٹھانیکے بادشاہ پہلے مسیح کے غلام ہو چکے ہیں تو کیا ممکن نہیں کہ زمین کے بادشاہ اسی طرح اس دوسرے مسیح کے بھی غلام بنیں جو پہلے مسیح سے کہیں بڑھکر ہے۔ مہدی کے غلام تو یہ ضرور بنیں گے مگر اُسی طرح جسطرح مسیح ناصری کے بنے تھے۔ اب یسوع کی جگہ احمد آیا ہے اور وہ دن یقیناً آنیوالے ہیں کہ شہنشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوئے احمدؐ کی بھی ویسی عزت کریں گے جسطرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ حضرت مرزا صاحب کے پہلے الہاموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ **مَیں تجھے اسقدر برکت دونگا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے** پس بادشاہوں کی اطاعت کے یہی معنے ہیں۔

حضرت میرزا غلام احمد پہلا شخص ہے جس نے غازی مہدی کے مسئلہ پر ایک کاری حربہ چلایا خدا کا شکر ہے کہ اسلام کے چہرہ سے یہ بدنما داغ ہمیشہ کیلیئے اُٹھ گیا۔ غازی مہدی اور جہاد کے عقیدے اسلام کے لیئے موجب ہتک تھے۔ اس لیئے آپنے بنی نوع پر عموماً اور اسلام پر خصوصاً یہ ایک بڑا احسان کیا ہے کہ ان مفسد عقیدوں کی جڑھ و بیخ اُکھاڑ دی ہے۔ مسلمانوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے علی الاعلان اور بڑے زور سے شائع کر دیا کہ اشاعت مذہب کے لیئے تلوار سے لڑائی کرنا سخت جرم ہے اور غازی مہدی صرف مُلّاؤں کے توہمات کا نتیجہ ہے۔ اوائل سے ہی اسنے ان مسائل کے خلاف بڑے زور سے لکھنا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں آدمیوں کے خیالات سے یہ غلط اعتقادات نکل گئے۔ اس نے ثابت کر دیا کہ یہ باتیں قرآن کی تعلیم کے خلاف ہیں اور اسلام کے لیئے ہتک کا موجب ہیں۔ آپنے اپنے نمونہ سے یہ ظاہر کر دیا کہ آج اسلام کی بڑی سے بڑی خدمت قلم کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے اور اشاعت اسلام کا سب سے اعلیٰ ذریعہ یہ ہے کہ اس کی سچائیوں کو واضح اور مدلل طور سے بیان کیا جائے اور دنیا کے سامنے پیش کیجاویں۔ اس نے ثابت کر دیا کہ اسلام ہی سب سے بڑا مدلل اور پاکیزہ مذہب ہے۔ پس اسکی بڑی اشاعت صرف دلائل ہی سے ہو سکتی ہے۔ اور جو لوگ بزور شمشیر اسے پھیلانا چاہتے ہیں وہ

اسلام کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ کیونکہ انکی اس کارروائی سے دانا لوگوں کو یہ ظن کرنے کا موقع ملجاتا ہے کہ مذہب اسلام عقل کے خلاف ہے اور لوگوں کے عقل و فہم اور فراست سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کے منوانیکے لیئے جبر استعمال کیا جاتا ہے پھر آپنے اپنے نمونہ سے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ صرف اسلام ہی ہے جسکو زندہ مذہب کہہ سکتے ہیں۔ اور باقی تمام مردہ ہیں کیونکہ اسکے پیرو ایسا ہی خدا کا قرب اب بھی حاصل کر سکتے ہیں جیسا پچھلے زمانوں میں لوگوں کو نصیب ہوتا رہا ہے اور اسلام کے زندہ مذہب ہونیکا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خدا اب بھی اسلام کے سچے تابعین سے کلام کرتا ہے جسطرح کہ وہ پہلے اپنے رسولوں سے کرتا رہا ہے۔ لیکن وہ حربہ جو اس عقیدہ مہدی اور مسئلہ جہاد کے لیئے سخت ہی مہلک ثابت ہوا وہ آپکا دعویٰ مہدویت ہے۔ یہ صرف زبانی دعویٰ ہی نہیں تھا بلکہ اسکی تائید میں بڑے بڑے عظیم الشان نشانات ظاہر ہوئے اور بڑے مضبوط دلائل سے اسکو ثابت کیا۔ ایک طرف تو آپنے خونی مہدی کے عقیدہ کو بڑے بڑے دلائل سے پاش پاش کر دیا اور دوسری طرف اپنی ذات سے بتلا دیا کہ مہدی ایسا ہوگا اور اشاعت اسلام کے ذرائع یہ ہیں۔ آپنے اسیؔ کے قریب کتابیں لکھی ہیں جو کہ مصر ہند افغانستان ایران اور عرب میں شائع کیں اور ان تمام میں ان ہر دو عقائد کی خوب تردید کی اور انکی برائیوں کو ظاہر کیا۔ آپکے دلائل ایسے یقین بخش تھے کہ کوئی سمجھدار آدمی انہیں پڑھکر بے متاثر ہونیکے رہ نہیں سکتا۔ جنکا نتیجہ یہ ہوا کہ آپکی تصنیفات کی وجہ سے لاکھوں آدمیوں نے ان ہر دو اعتقادوں سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ بہت سے غیر احمدی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے صرف آپکی کوششوں اور ان عقائد کی تردیدوں کی وجہ سے ایسے عقائد سے توبہ کر لی ہے اور اب وہ ان باتوں کو ہرگز نہیں مانتے۔ کسقدر لوگ ہیں جن کے سینوں کو آپنے ان عقائد سے صاف کیا اور کتنے اس جماعت سے باہر لوگ ہیں جنہوں نے ان غلط عقائد کو چھوڑ دیا ہے اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی جو اول المکفرین ہے اور آپ کا سب سے بڑا دشمن ہے وہ اپنی ایک چٹھی میں جو اسنے سول اور ملٹری گزٹ میں شائع کروائی اس میں وہ علانیہ اقرار کرتا ہے کہ مہدی بزور شمشیر اسلام نہیں پھیلائیگا بلکہ

آسمانی نشانوں کے ذریعہ وہ تبلیغ دین کریگا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آپکے سب سے بڑے دشمن کا اقرار آپ ہی کی تعلیم کا اثر تھا۔

یا ایسے شخص کا نام لینا بالکل ناممکن ہے کہ جس نے آپ سے پہلے یہ تعلیم دی ہو کہ مہدی موعود اسلام کو بزور شمشیر نہیں بلکہ آیات بینات اور دلائل نیرہ سے پھیلائیگا۔ جبکہ آپ نے پہلے پہل یہ بات شائع کی۔ تو یہ بات دنیا کو بالکل نئی معلوم ہوئی۔ آپ سے پہلے کسی نے ایسے خیالات ظاہر ہی نہیں کیئے تھے۔ اور غازی مہدی کے خیال کا انکار ہی تھا جسکی وجہ سے آپ پر کفر کا فتویٰ لگا۔ اور یہ فتویٰ نام کے مسلمانوں نے لگایا۔ لیکن اس دنیا سے رخصت ہونیسے پہلے آپ اپنے سب سے بڑی دشمن کی زبان سے اس بات کا اقرار کروا گئے کہ جو آپ کہتے تھے وہی حق ہے۔

اب آپکا وصال ہو چکا ہے مگر آپ اپنے بعد لاکھوں آدمی ایسے چھوڑ گئے ہیں جن کے وہی صلح پسند خیالات ہیں جنکا آپ اپنی تمام عمر میں وعظ کرتے رہے اور ایک وقت آنیوالا ہے کہ جب یہ بیہودہ غلط اعتقاد اس دنیا سے بالکل اٹھ جائیں گے۔ جوں جوں آپکے مریدین کا حلقہ وسیع ہوتا جائیگا ان خیالات کا دائرہ تنگ ہوتا جائیگا یہانتک کہ یہ مرض مسلمانوں میں سے بالکل اُٹھ جائیگی۔ جہاں آپ کی تعلیم کی کثرت سے اشاعت ہوئی ہے وہاں تو قریباً یہ ابھی سے مفقود ہیں۔ کوئی سمجھدار آدمی آپ کی تصنیفات پڑھکر ان عقائد کی بیہودگی سے بیخبر نہیں رہ سکتا۔ اور آپکی تعلیم ان عقائد کو اسطرح اُڑا دیگی جسطرح روشنی تاریکی کو اُڑا دیتی ہے۔ آپکی تعلیم دُور دُور تک پہنچ چکی ہے یہانتک کہ کابل کی پہاڑیوں میں بھی داخل ہو چکی ہے۔ اور امید ہے کہ یہ تعلیم ان عقائد کو کابلی پٹھان اور سرحدی افغان جیسے متعصبوں کے سینوں سے نکال دیگی۔ کیونکہ تھوڑا عرصہ ہوا انہی میں سے دو شخصوں نے ان غلط عقائد کی تردید کی وجہ سے شہادت کا جام پیا ہے۔ ان غلط تعلیمات کے اُڑانے سے حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے نہ صرف اسلام پر ہی احسان کیا ہے بلکہ تمام دنیا پر آپکا احسان ہے کہ آپنے ان فتنہ انگیز عقائد پر وہ حربہ چلایا ہے کہ اب انکا جانبر ہونا دشوار ہے۔ اور دنیا اس محسنِ بنی نوع کا جسقدر احسان مانے اتنا ہی کم ہے۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

مختصر نوٹ اور ریویو

کلکتہ میں جلسہ مذاہب۔ ہندوستان میں مذہبی تفرقہ اور مذہبی بغض و عناد اس
حد تک بڑھا ہوا ہے کہ مذہبی جلسوں اور مذہبی کانفرنسوں کا وجود قریباً قریباً معدوم ہے۔
یوں تو مذہبی جلسے ہر ایک فرقہ اور ہر ایک مذہب کے ہوتے ہیں مگر میری مراد اسجگہ مذہبی جلسوں
اور مذہبی کانفرنسوں سے ایسے جلسے ہیں جن میں سب مذاہب اور سب فرقوں کے پیرووں کو
اپنے اپنے اصولوں کی خوبیاں بیان کرنیکا اور ہر قسم کے اہل مذاہب کا نام سے دسمبر ۱۸۹۶ء میں
بمقام لاہور ہوا تھا۔ جس میں ایک کثیر گروہ مخلوق نے مختلف مذاہب کے صاحبوں کے لیکچروں کو
بڑی دلچسپی سے سنا۔ ہمارے اس ملک میں اس قسم کے جلسوں کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس
کرنیوالا خدا کا وہ برگزیدہ بندہ تھا جو مسیح موعودؑ کے نام سے دنیا میں آیا۔ اور اپنا کام کرکے چلا گیا
حضرت مرزا صاحب اپنے اندر ایک سچا جوش اور تڑپ رکھتے تھے کہ مذاہب کے موجودہ دنگل کی
صورت کو جس میں ایک دوسرے کی دل آزاری کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ایسی صورت میں
بدلا جائے۔ کہ سب مذاہب اپنی اپنی خوبیاں لوگوں کے سامنے متانت اور شائستگی سے بیان
کریں۔ چنانچہ آپ نے کئی دفعہ اس قسم کی تجاویز پیش کیں۔ مگر آپکے خلاف لوگوں کا جوش تعصب
جیسا کہ ہمیشہ سے صادقوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔ ایسا تھا کہ آپکی ان نہایت مفید اور
قابل قدر تجاویز کی کوئی پرواہ نہ کی گئی۔ مگر اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ آپکے ارادوں کو کسی نہ کسی
رنگ میں پورا کرکے دکھاوے اس لیئے وہ کام جو آپ چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے دوسروں سے
پورا کرا دیا۔ ۱۸۹۶ء میں جب جلسہ مذاہب کا اعلان ہوا تو آپ نہایت خوشی سے اس میں شامل
ہوئے اور حالانکہ ان دنوں میں سخت بیمار تھے مگر باوجود اسکے اس موقعہ کو ہاتھ سے گنوانا آپ نے
مناسب نہ سمجھا۔ اور بیماری کی حالت میں ہی ایک مضمون قریباً سوا سو صفحہ کا لکھوایا۔ جسکے
متعلق قبل از وقت ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپکو یہ اطلاع بھی دی گئی تھی۔ کہ یہ مضمون
دوسرے تمام مضامین پر غالب رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب یہ مضمون پڑھا گیا تو

دشمن و دوست سب نے تسلیم کیا کہ واقعی یہ مضمون باقی مضامین پر غالب رہا۔

اس جلسہ مذاہب کے بعد دوسرا جلسہ مذاہب اسی رنگ کا کلکتہ کا مجوزہ جلسہ مذاہب ہے جو اسی ماہ فروری میں ہونیوالا ہے۔ آریہ سماج نے اپنے سالانہ جلسوں کے بعد ایک جلسہ مذاہب برائے نام تجویز کیا ہوا ہے۔ اور اس میں دوسرے مذاہب کے پیرووں کو گذشتہ سے پیوستہ سال میں مدعو بھی کیا گیا مگر اس کا نتیجہ جو ہوا وہ محتاج بیان نہیں۔ آریہ سماج نے اپنے دل آزاری کے طریق کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ مگر کلکتہ کا مجوزہ کانفرنس امید ہے اسی اعلیٰ پیمانہ پر ہوگا جس پر ۱۸۹۶ء کا جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں ہوا تھا۔ اس جلسہ کے بانی مبانی بابو سرداچرن متر ہیں جو ابھی تھوڑی دیر ہوئی کلکتہ ہائی کورٹ کی ججی سے پنشن پر آئے ہیں۔ جلسہ کے متعلقہ کاروبار کے انصرام کے لیئے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جسکے پریذیڈنٹ یہی بابو متر صاحب ہیں۔ اس کمیٹی کے اکیس [۲۱] ممبروں میں سے دو مسلمان بھی ہیں یعنی خان بہادر مولوی سراج الاسلام اور مولوی مرزا ابو الفضل۔ جو اعلان اس کمیٹی کی طرف سے شائع کیا گیا ہے اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جن جن مذاہب اور فرقوں پر کانفرنس کے اجلاسوں میں مضامین پڑھے جاوینگے ان میں مندرجہ ذیل مذاہب اور فرقے ضرور شامل ہونگے۔ (۱) ہندو مذہب (ا) بدھ مذہب (ب) جین مذہب (ج) شاکت مت (د) وشنوازم (ھ) شوازم (و) سکھ مذہب (ز) برہمو مذہب (ح) آریہ سماج (ط) تھیوصوفی۔ (۲) عیسائی مذہب (۳) اسلام (۴) زردشتی مذہب (۵) یہودی مذہب۔

اس اعلان میں یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ ہر ایک اہل مذہب یا اہل فرقہ اپنا وکیل خود منتخب کریں۔ جو اس مذہب یا فرقہ کے اصول کو جلسہ میں بیان کریگا۔ اور دوسرے مذاہب یا فرقوں سے اسکا امتیاز دکھاویگا۔ مگر کسی شخص کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ کسی دوسرے مذہب پر کسی قسم کا حملہ کرے خواہ ایسا حملہ کھلے الفاظ میں ہو یا اشارہ کنایہ کے طور پر۔ اس غرض کے لیے ۲۰ جنوری آخری تاریخ مقرر کی گئی تھی جسکے پہلے پہلے سب مضامین کمیٹی کے سکرٹری کے پاس پہنچ جانے چاہییں تاکہ کمیٹی انعقاد جلسہ سے پہلے اپنا اطمینان کرلے کہ ان میں کمیٹی کی شرائط مجوزہ کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ اعلان کلکتہ کے انگریزی اخباروں میں ۱۰ جنوری

کو شائع ہوتا ہے۔ جو مفصلات میں دو تین دن بعد پہنچ سکتے تھے اور پھر اتنی جلدی یعنی دو تین دن کے اندر ہی ہر ایک فرقہ کو یہ بھی چاہیئے کہ اپنا وکیل منتخب کرکے اور شرائط مذکورہ کے ساتھ اس سے مضمون لکھواکر ایسے وقت میں اسے روانہ کرے جو ۲۰۔ جنوری سے پہلے پہلے کلکتہ پہنچ جاوے۔ ہمیں خود اس جلسہ کی خبر ۱۴ جنوری کو پہنچی تھی۔ اسیوقت ایک تار سکرٹری کمیٹی کے نام دیا گیا کہ ہم احمدیہ فرقہ پر ایک مضمون اس جلسہ میں پڑھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف جلدی میں ایک مضمون لکھا گیا۔ اس تار کا جواب ۱۷۔ جنوری کو پہنچا اور اسی دن مضمون روانہ کردیا گیا۔ اسکے بعد بعض اخباروں کے لکھنے پر کمیٹی نے مضمون لینے کی آخری تاریخ بجائے ۲۰۔ جنوری کے ۳۱۔ جنوری کردی مگر ہم اس سے بھی کچھ فائدہ نہ اُٹھا سکے کیونکہ ایک تو مضمون روانہ ہوچکا تھا اور دوسری یہ اطلاع بھی ہمیں ۲۴ جنوری کو پہنچی۔ اور روانگی مضمون میں پھر وہی دو تین دن باقی تھے۔ ہر ایک مضمون کے لیئے صرف آدھ گھنٹہ وقت رکھا گیا ہے جو بہت تھوڑا وقت ہے۔ امید ہے یہ جلسہ ۱۵۔ فروری کو یا زیادہ سے زیادہ اخیر فروری میں ہو جائیگا۔ باوجود ان نقصوں کے کہ اعلان کے بعد کافی وقت نہیں دیا گیا اور ویسے بھی مضمون پڑھنے کے لیئے وقت بہت تھوڑا رکھا گیا ہے۔ تاہم سب اہل مذہب کو اس کمیٹی اور خصوصاً اس کے پریزیڈنٹ مسٹر مترا کا مشکور ہونا چاہیئے کہ انہوں نے ایک ایسا موقع پبلک کو دیا ہے کہ وہ ہر ایک مذہب کے اصول اور خوبیاں مختصر طور پر سُن سکیں۔

تاریخی یسوع اور خیالی مسیح پادری رابرٹس صاحب جو عیسائی مذہب کے کنگریگیشنل فرقہ کے عیسائی ہیں ولایت کے مشہور رسالہ ہبرٹ جرنل میں ایک مضمون بعنوان "یسوع یا مسیح" لکھکر زمانہ حال کے منقدین کو توجہ دلاتے ہیں کہ جب وہ مسیح کی ایک فرضی تصویر دل میں جماکر بعض خیالات کا اظہار کرتے ہیں تو انہیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ باتیں ایسی ہیں جو تاریخی یسوع پر صادق آتی ہیں زمانہ حال کی بڑی خوبی لفاظی سمجھی جاتی ہے۔ اور حقیقت اور واقعات کی طرف کم توجہ کیجاتی ہے۔ مسیح کے متعلق تعریفوں کے پل باندھ دینا تو آسان امر ہے لیکن یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ جو باتیں ہم مُنہ سے نکالتے ہیں وہ اس شخص پر صادق بھی آتی ہیں یا نہیں جسکا قصہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ دراصل یہ بالکل

یہ ہے کہ یا تو مسیح کی فرضی تصویر کو تاریخی یسوع سے بالکل علیحدہ رکھا جائے۔ اور یا اگر وہ باتیں جنکا تذکرہ تاریخی یسوع کے متعلق ہے مسیح کی فرضی تصویر پر چسپاں کی جاتی ہیں تو اس صورت میں یہ لازم ہے کہ مسیح کا ذکر کرتے ہوئے تاریخی یسوع کو مدنظر رکھا جائے اور اس حد سے آگے ہم نہ گذریں جو تاریخی یسوع کے لیئے ہمیں تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر چند فقرے اس مضمون کے ہم پادری صاحب کے اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں۔ ”مگر اسی سوال کے بعض اور پہلو بھی ہیں جنکے تسلیم کرنیکے لیئے دنیا کی موجودہ حالت جس میں وسعت خیال پیدا ہو گئی ہے ہمیں مجبور کرتی ہے۔ بھوتوں اور بدروحوں کا انسان پر تصرف کر لینا اور اسکو پورے طور سے قابو کر لینا ایسے عقائد ہیں جنکا رواج حضرت عیسیٰ کے زمانہ کے یہودیوں کی تہذیب کی ناقص حالت چاہتی ہی تھی۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ بدروحیں انسانی جسم کے اندر داخل ہو جاتی ہیں اور انکی موجودگی کی وجہ سے ہی بہت سی جسمانی اور دماغی امراض پیدا ہوتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ بھی عام لوگوں کی طرح یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ اس سے بھی گھبراہٹ میں ڈالنے والی بات اس زمانہ کے لیئے یہ ہے کہ آپنے اس مروجہ عقیدہ کو کہ عملیات کے ذریعہ سے بھوتوں اور چڑیلوں کو نکالا جاتا ہے تسلیم کیا۔ بلکہ خود اسقدر زور سے ان عملیات کو رواج دیا کہ آجتک مسیحی کلیسیا میں اسکا اثر باقی ہے۔ پھر دنیا کی عمر کے متعلق جو خیالات جلیل کی زندگی کے آخری حصہ کے واقعات میں پائے جاتے ہیں وہ بھی پورے نہ ہوئے اور دنیا کی عمر اس حد سے بہت آگے گذر گئی ہے...... ہر روز اب بھی ہم کھلی ہوئی قبروں کے کنارے پر کھڑے ہو کر ان شاندار اور سنجیدہ الفاظ کو رٹتے ہیں جو اسوقت بولے گئے تھے جب دنیا اپنے خطرناک انجام کے قریب پہنچی ہوئی فرض کر لی گئی تھی.... اور جس طرح دنیا کے انجام کے متعلق جو عقائد عہد نامہ جدید میں سکھائے گئے تھے انکو دنیا نے زندہ رہ کر جھوٹے ثابت کر دیا ہے اسی طرح اس نے کتاب کے ان عقائد کو بھی جھٹلا دیا ہے جو دنیا کی پیدائش اور آغاز کے متعلق اس میں لکھے گئے ہیں۔ نسل انسانی کا آغاز ایک کامل مکمل آدم سے نہیں ہوا نہ ہی عورت کی جنس پہلے انسان کی پسلی نکالکر اس سے بنائی ہے۔ دنیا میں مصائب کا آنا یا موت کا اپنا سیاہ سایہ انسانوں پر ڈالنا اس بات کا

نتیجہ نہیں ہوا کہ پہلے انسان نے کسی ممنوع پھل کو کھا کر نافرمانی کی تھی۔ یہ سب قصے ہیں جو دن کی روشنی کے سامنے خود بخود معدوم ہوتے چلے جاتے ہیں .... اب ایک ایسی سائٹی میں جس نے ان قصوں کا خاتمہ کر دیا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ ہم اس انجیل کو کیا کریں جسے زندگی اور موت کے اہم سوالات پر علم کا قول فیصل اور آخری حکم قرار دیا جاتا ہے۔ مگر جس نے صرف ابتدائی قصوں کو ہی بیان کر دیا ہے .... اگر حضرت عیسیٰ کی زندگی کے حالات کو جو ان کتابوں میں مذکور ہیں صحیح مانا جائے تو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ وہ خود بھی انہی عقائد کو صحیح مانتے تھے۔ اور آجکل کے واعظین جو بڑے بڑے دعوے انکی طرف سے کر رہے ہیں۔ مَیں انسے یہ سوال پوچھنے پر مجبور ہوں کہ کیا انہی قصوں کی امید ہمیں اس شخص سے رکھنی چاہیئے تھی جسے تمام قوموں کا مطلوب۔ انسانیت کا تاج اور اسکی اصل روح اور دنیا کا نجات دہندہ کہا جاتا ہے؟"

پھر یہی مضمون نویس حضرت مسیح کی بے اصل تعریف کا جو اسکے مداح اس زمانہ میں کر رہے ہیں ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ ہمیں کہا جاتا ہے کہ تم اس بات کو مان لو کہ دنیا کی تمام قوموں کے اعلیٰ سے اعلیٰ خیالات صرف مسیح کے الہام سے ہی پیدا ہوئے ہیں اور کہ دنیا کے تمام خیالات اور تمام افعال کا اصل اور سرچشمہ وہی ہے۔ اسی کی ذات کی برکت سے دنیا کی بے حد تحریکیں اور طاقتیں ایک ترتیب کے نیچے آتی ہیں۔ وہی ہے جس سے فلسفہ اپنے سچے معنے اور تاریخ اپنا اصل مطلب پاتی ہے۔ کائنات کا تخت ان مداحوں کے نزدیک خالی نہیں بلکہ اسپر انسان کا تاجدار شہنشاہ یسوع مسیح بیٹھا ہوا ہے جو گذشتہ حال اور مستقبل میں ہمیشہ کے لئے ایک سا ہی ہے۔ اور دنیا کے تمام پیغمبر۔ ولی۔ شاعر اور مصور اسی کے پاؤں پر اپنی اپنی کامیابیوں کو آدھرتے ہیں اور اسی کو سب کا سرتاج اور خداوند ٹھہراتے ہیں۔ ان تمام تعریفی کلمات کو نقل کرنیکے بعد پادری لابرٹس صاحب لکھتے ہیں کہ

" نسل انسانی یسوع سے پہلے بھی بہت کچھ حاصل کر چکی تھی۔ اگر وہی نسل انسانی کی زندگی میں روح پھونکنے والا اور اسے قوت دینے والا ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسکی پیدائش سے ہزارہا سال پہلے جو مذاہب۔ علوم۔ فنون۔ سائنس۔ فلسفے۔ دستکاریاں غرض کہ تہذیب کے مختلف شعبے ہم پاتے ہیں وہ کہاں سے آگئے۔ ہم یہ بھی جانتے

ہیں کہ اسی قسم کے دعوے گذشتہ زمانوں کی دوسری قوموں نے بھی اپنے اپنے خدایان نجات دہندہ کے متعلق کیئے ہیں۔ ہر ایک قوم نے اپنا اپنا کوئی نجات دہندہ قرار دے رکھا ہے۔ اور انپر اعتقاد رکھنے والے اپنے سے باہر کوئی دنیا ہی نہ سمجھتے تھے..... اور عجیب بات یہ ہے کہ جب ڈاکٹر فیر برن (جسکے تعریفی الفاظ اوپر نقل کیئے گئے ہیں) اور اسکے ہم مشرب دوسری قوموں کے نجات دہندوں کے دعووں کی اصلیت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اسوقت وہ معجزات کی شہادت اور ان واقعات کا جنکی بناپر وہ دعوے ہوتے ہیں جلدی ہی خاتمہ کر دیتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کے علمی اصول جو شہادت کا موازنہ کرنیکے لیئے اس علمی زمانہ میں قائم کیئے گئے ہیں انپر لگاتے ہیں" مگر مسیح کے متعلق دعوے کرتے وقت یہ علمی اصول ان لوگوں کو بھول جاتے ہیں۔

"اب اگر ہم علمی دائرہ کو چھوڑکر اخلاقی دائرہ کی طرف چلیں تو اس میں بھی یسوع کی طرف ایسی ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو غور کرنیوالے دل میں طرح طرح کے شکوک اور گھبراہٹ پیدا کرتے ہیں.... مقابلہ نہ کرنے پر اور قسم کھانے کے متعلق یسوع کی تعلیم میں قول فیصل موجود ہے مگر عیسائی ممالک نے ہمیشہ ہی اسکی خلاف ورزی کی ہے اور کھلے طور سے خلاف ورزی کی ہے ..... طلاق کے متعلق جو تعلیم یسوع نے دی ہے اس میں خاوند کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ خود ہی عورت پر الزام لگائے خود ہی حکم بنے خود ہی اسکے خلاف فتویٰ دے اور پھر اسے نکالدے مگر عورت کو خاوند کے خلاف طلاق کا کوئی حق نہیں دیا گیا..... انگریزی قانون نے اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ طلاق کے بعد مرد و عورت نکاح کر سکتے ہیں مگر اس بارے میں یہ اسنے جرأت کی ہے کہ نکاح کے متعلق یسوع کی اخلاقی تعلیم میں اصلاح کی ہے...... ایسا ہی یسوع کی تعلیم میں تو صاف لکھا ہے کہ کل کی فکر مت کرو۔ مگر.... عیسائی ممالک کی یہ حالت ہے کہ طرح طرح کی سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں جو عملی طور پر اس تعلیم کو جھٹلا رہی ہیں اور عیسائی سلطنتیں تو کل چھوڑ سال بھر پہلے اپنے بجٹ تیار کرتی ہیں"

غرضکہ جو راہ موجودہ زمانہ میں پرانے عقائد کی مشکلات سے نکلنے کے لیئے بڑے بڑے فاضل عیسائیوں نے اختیار کی تھی اسکی مشکلات کو پادری رابرٹس صاحب نے بیان کر کے یہ

اپیل کی ہے کہ حضرت مسیح کو انسانیت سے بڑھانا نہیں چاہیئے اور یہ دکھایا ہے کہ جبتک ہم حضرت مسیح کو پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر نہ مانیں اُسوقت تک ہم ان مشکلات سے نجات نہیں پا سکتے یہی وہ مشکلات سے نکلنے کی راہ ہے جسے قرآن کریم آج سے تیرہ سو سال پہلے پیش کر چکا ہے اور جسکی راستی کو آج بڑے بڑے عقلمند بہت غور و فکر کے بعد تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

عیسائیت اور دیگر مذاہب اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے سب سے پہلے اس عظیم الشان اصل کی دنیا میں منادی کی کہ ان من قریۃ الا خلا فیھا نذیر۔ ہر قوم اور ہر ملک میں خدا کے نبی ہو گذرے ہیں۔ اسلام سے پہلے تمام مذاہب خدا کے کلام کو اپنے ملک کی چار دیواری تک۔ اور اپنی ہی قوم تک محدود سمجھتے تھے۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ابتک رہا ہے کہ عیسائی اور یہودی مذہب کے سوا باقی تمام مذاہب جھوٹے ہیں اور انکی بنیاد ہی باطل پر ہے اور جن لوگوں نے سوائے قوم یہود کے جس میں عیسائیوں کا نجات دہندہ پیدا ہوا۔ خدائے تعالیٰ سے کلام پانیکا دعویٰ کیا ہے وہ سب محض مفتری تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ خود بخود اسلام کے اصول کی صداقت کو دلوں میں بٹھاتا جاتا ہے اور اب عیسائی میگزینوں اور عیسائیوں کے لکھے ہوئے مضامین میں یہ بات تسلیم کیجانے لگی ہے کہ خدا کا کلام ہر ملک اور ہر زمانہ میں نازل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ لندن کوارٹرلی ریویو جو ایک خالص عیسائی مذہبی پرچہ ہے اسکی گذشتہ سہ ماہی کے نمبر میں ایک مضمون نکلا ہے جس میں کھلے الفاظ میں دیگر مذاہب کی صداقت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں مسٹر بریلیسفورڈ لکھتا ہے۔ "خدا کے متعلق جو بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کا بنانیوالا ہے ہمارے خیالات اس زمانہ میں بہت وسیع ہو گئے ہیں۔ ہم نے اس بات کو محسوس کر لیا ہے کہ معمولی اور خارق عادت امور میں یعنی جسمانی اور روحانی عالموں میں اسکے کام کرنیکا طریق ایک ہی ہے یعنی وہ دونوں قوانین کے ماتحت ہیں اور انہیں قوانین کے مطابق یہ دونوں سلسلے چلتے ہیں۔ ہم نے اب اس بات کا علم حاصل کر لیا ہے کہ مذہبی تحریکات میں اللہ تعالیٰ کا ظہور ہر جگہ یکساں رہا ہے اور وہ کسی خاص قوم کا طرفدار نہیں۔ اور کہ ہر ایک ملک میں

طلب حق کی شمع روشن ہوئی ہے اور ہر ایک قوم میں نبی ہوئے ہیں۔ اور کہ اگرچہ ایک خاص مذہب یا خاص عقیدہ ہماری حدبندیوں کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے مگر ساری صداقت اس خاص مذہب یا عقیدہ میں ہی نہیں ہوتی۔

"اور کہ ہمیں یہ بات بھی اب معلوم ہو گئی ہے کہ صداقت ہمیشہ سے تدریجی طور پر ترقی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب طے کرتی چلی آئی ہے۔ ملاکی آخری نبی نہیں تھا اور نہ یوحنا آخری رسول تھا اور ہم اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ بائبل خدا کا آخری کلام نہیں۔ خدا گنگا نہیں کہ بائبل کے بعد اسنے کلام کرنا چھوڑ دیا ہو"

یہ الفاظ جنپر مینے خط کھینچدیا ہے کیسے دلکش ہیں۔ مگر کیا یہ بائبل کی کسی تعلیم کا نتیجہ ہیں یا عیسائی مذہب کبھی ایسے لفظ گوارا کر سکتا تھا۔ خود مُنہ سے ایسے لفظ نکالنا تو ایک طرف رہا۔ ایسے لفظوں کو کوئی دیندار عیسائی سُن بھی نہ سکتا تھا۔ یہ کفر اور ارتداد سمجھا جاتا تھا جسکی سزا آگ میں جلانا تھا۔ مگر آج عیسائیوں کو بھی اسلام کا یہ سچا اصل تسلیم کرنا پڑا کہ خدا کسی قوم کا طرفدار نہیں اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا نے اپنے نبی نہ بھیجے ہوں۔ مذکورہ بالا الفاظ جنکو مینے لندن کوارٹرلی ریویو سے نقل کیا ہے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ کے پیغام صلح سے لئے گئے ہیں۔ اور کم از کم اس بات سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ان پاک الفاظ کو کہ خدا گنگا نہیں ہو گیا کہ اب اس نے کلام کرنا چھوڑ دیا ہو۔ اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب نے ہی تازہ کیا ہے ورنہ قریب تھا کہ مسلمانوں کا اعتقاد بھی خدا کے کلام کے متعلق دوسری قوموں کی طرح ہی ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام اب معطل ہو چکی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں اس بات کو تسلیم نہ کیا گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام کسی زمانہ میں کسی انسان پر نازل کیا۔ مگر جب اِس زمانہ میں ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ اب بھی اپنا کلام مجھ پر نازل کرتا ہے تو اسکو ایسا استبعاد کی نظر سے دیکھا گیا کہ گویا خدا کا انسان سے کلام کرنا ایک محال امر تھا یا صرف گذشتہ زمانہ کا ایک قصہ۔ تعجب ہے کہ جس صورت میں اللہ تعالیٰ کی باقی تمام صفات کو معطل نہیں مانا جاتا تو اسکی صفت کلام کے ہر زمانے میں ظاہر ہونیکا کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ لوگ دنیا پر

اسقدر جُھک گئے کہ وہ خدا کی طرف سے بالکل غافل اور بیخبر ہو گئے پس جب انکا تعلق اپنے مالک سے نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنا تعلق ان سے چھوڑ دیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا اب آئندہ انسانوں سے کوئی تعلق ہی نہ رکھیگا۔ یہی ایمان تھا جو ثریا پر اُٹھ گیا کیونکہ یہی ایمان کی اصل روح ہے اور اسی ایمان کو اس زمانہ میں سلسلہ احمدیہ کا مقدس بانی واپس لایا اور ایک دراز عرصہ تک وہ اس بات کو لوگوں کے ذہن نشین کرتے رہے یہانتک کہ گو کھلے کھلے طور پر اس بات کا اعتراف کرنیوالے تھوڑے ہوں کہ انہوں نے اسی سرچشمہ سے یہ فیض حاصل کیا۔ مگر ہم دنیا میں عام طور پر ایک حرکت پاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انہی اصول کی قبولیت کی طرف جا رہی ہے۔

عیسائی مذہب کا نیا علم کلام

نیو تھیولوجی کے نام سے پادری کیمبل نے لندن میں ایک نیا عیسائی فرقہ قائم کیا ہے۔ یہ فرقہ برائے نام انہی مذہبی اصطلاحات کا استعمال کرتا ہے جو پُرانے عیسائی کرتے تھے مگر ان اصطلاحات سے مفہوم اور مراد لیتا ہے۔ اس فرقہ میں عموماً وہ لوگ شامل ہیں جو عیسائی عقائد سے بیزار ہو چکے ہیں مگر دہریہ نہیں۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں۔ انکی اصطلاح میں الہام الٰہی پُرانے عیسائیوں کی طرح بائبل کے لکھنے والوں یا بائبل کے چند پیغمبروں تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ مانتے ہیں کہ الہام الٰہی ہمیشہ سے اور ہر ملک میں ہوتا رہا ہے اور ہر وقت ہو سکتا ہے۔ گو وہ الہام الٰہی کو صرف اس حد تک صحیح سمجھتے ہیں کہ دل میں صفائی سے ایک بات ڈال دیجاتی ہے۔ اور خدا کے کلام کے قائل نہیں۔ بائبل کو بھی وہ خدا کا الہام انہی معنوں میں سمجھتے ہیں مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر ایک قوم میں انکے اپنے اپنے پیغمبر اور ولی گذرے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ سے وہ محبت رکھتے ہیں اور انکی تعظیم کرتے ہیں مگر اسی حد تک جو تاریخ سے ثابت ہو (گو پُرانا عقیدہ ایسا راسخ ہے کہ اس بات کے اقرار کے باوجود فرضی مسیح کی تصویر انکے خیالات میں غالب رہتی ہے) وہ نجات کا دار و مدار نہیں بلکہ انکی زندگی سے نیک اخلاقی سبق اسی طرح حاصل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ گذشتہ یا موجودہ زمانہ کے دوسرے نیک اور بڑے بڑے آدمیوں کی زندگی کے واقعات سے۔ انکی انجیل متی۔ مرقس۔ لوقا یا

یوحنا کی انجیل نہیں بلکہ انسان کے اندر جو ایک اخلاقی احساس صداقت کا اور اپنے غرض کو ادا کرنیکا موجود ہے اسی کو اپیل کرنا انکے نزدیک انجیل کی منادی ہے۔ وہ انجیل کے معجزات کو تسلیم نہیں کرتے مگر معجزات کو اس رنگ میں مانتے ہیں کہ کُل دنیا ہی ایک معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اعراض } وکاین من اٰیة فی السمٰوات والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون۔ اور کتنی نشانیاں آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ انپر لوگ گذرتے ہیں اور انسے مُنہ پھیر لیتے ہیں۔ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کیحالت پر افسوس ظاہر فرماتا ہے کہ وہ نشان بھیجتا ہے مگر لوگ انکی پروا نہیں کرتے۔ یہ حالت انسانوں کی کسی ایک خاص زمانہ سے مخصوص نہ تھی بلکہ ہمیشہ یہی حال رہا ہے جب جب اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی نبی بھیجا اور اسکے ذریعہ اپنے نشان لوگوں کو دکھلائے تب تب ہی ایک بڑی جماعت انسے مُنہ پھیرنیوالی رہی ہے۔ اٹلی کا زلزلہ جو ۲۸ دسمبر ۱۹۰۸ء کو آیا واقعی ایک قیامت کا نمونہ تھا اور ایسے زلزلے کیلیئے صریح الفاظ میں پیشگوئی خدا کے اس کلام میں موجود تھی جو اسنے اپنے برگزیدہ بندہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب پر اُتارا۔ ایک دو آدمیوں نے نہیں بلکہ کُل تاریخ سے واقف لوگوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ جسقدر آفت انسانوں پر اس زلزلہ میں آئی ہے اسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں پہلے نہیں ملتی چنانچہ رسالہ ریویو آف ریویوز میں بھی اسی بات کو تسلیم کیا ہے کہ "جب سے نسل انسانی اس زمین پر آباد ہوئی ہے بڑے بڑے زلزلے آتے رہے ہیں۔ مگر جسقدر زمانہ تک تاریخ کی شہادت پہنچتی ہے اس میں کوئی زلزلہ ایسا نہیں پایا جاتا جس سے چشم زدن میں اسقدر انسانی جانیں ضائع ہوئی ہوں" دوسری طرف جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کو دیکھتے ہیں تو ان میں بھی یہ بات بالصراحت پائی جاتی ہے کہ زلزلة الساعة یا ایک ایسا خطرناک زلزلہ دنیا میں آئیگا جسکی تباہی کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ہوگی۔

اب جب ایک طرف ہم اس واقعہ کو دیکھتے ہیں اور دوسری طرف پیشگوئی میں اس واقعہ کے متعلق ایسی صراحت دیکھتے ہیں۔ یعنی پیشگوئی کہتی ہے کہ ایسا زلزلہ آنیوالا ہے جسکی تباہی

کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کوئی نہ ہوگی اور دنیا نے خود شہادت دیدی کہ ایک ایسا زلزلہ آیا جسکی تباہی کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کوئی نہیں ملتی تو مَیں نہیں سمجھتا کہ وہ کونسا امر مشتبہ باقی رہ جاتا ہے جس سے ایک منکر کو اس نشان سے اعراض کرنیکی راہ مل سکے۔* مگر مَینے تعجب سے بعض اعتراض اس پیشگوئی پر پڑھے ہیں جو نہایت ہی بودے ہیں۔ مثلاً ایک اعتراض یہ ہے کہ حقیقۃ الوحی میں حضرت صاحب نے یہ لکھا تھا کہ جسطرح یورپ اور امریکہ میں زلزلے آئے اسی طرح ایشیا میں بھی آئینگے۔ مگر اس سے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ وہ زلزلہ نمونہ قیامت جسکی تباہی کی نظیر دنیا میں نہیں یا اگر ایسے زلزلے ایک سے زیادہ آنیوالے ہیں تو وہ سب کے سب ایشیا میں ہی آئیں گے۔ کتاب حقیقۃ الوحی میں صاف طور پر لکھا ہے ”یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہونگے“ اور پھر اسی پیشگوئی میں آخر پر یہ الفاظ ہیں ”اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کریگا مَیں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں“ اب کسقدر صراحت سے پیشگوئی کہہ رہی ہے کہ ایسے زلزلے یورپ میں بھی آنیوالے ہیں اور ایشیا میں بھی اور جزائر میں بھی گر کوئی جان بوجھکر آنکھیں بند کرے تو اسے راہ دکھانا مشکل ہے۔ پھر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ زلزلہ نمونہ قیامت ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء کا زلزلہ تھا۔ یہ بات صداقت سے بالکل بعید ہے۔ حضرت صاحب نے کسی اشتہار میں ہرگز یہ نہیں لکھا کہ زلزلۃ الساعۃ ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء کو آچکا بلکہ وہ ایک الگ پیشگوئی تھی ”پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی“۔ جو ۲۸ فروری کے زلزلہ سے پوری ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر دکھایا جاچکا ہے پیشگوئیوں میں ایک زلزلہ کی نہیں بلکہ کئی زلزلوں کی خبر ہے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ کم از کم ایک ایسا زلزلہ آتا جسے زلزلۃ الساعۃ کہا گیا ہے جسکی تباہی کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہ ہو۔ اور ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء کے بعد کے تو حضرت صاحب کے بہت سے الہامات ہیں جن میں زلزلۃ الساعۃ کی خبر دی گئی ہے کہ وہ ابھی آنیوالا ہے۔ ایسے اعتراض کرنیوالوں کی غرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈالیں۔ ایک ہی نشان نہیں اور بھی کئی نشان ہیں۔ مثلاً حیدر آباد کے طوفان کا نشان۔

ھو انسان کل کے کل ہلاک ہوجائینگے سوائے انکے جو خدا کی نظر میں متقی ہیں تو محلِ اعتراض تھا۔ البتہ مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری نے اپنے حلفی بیان میں عدالت میں متقی کی جو تعریف کی تھی اسکے رو سے تو پہلے ہی کُل دنیا متقی ہے۔ کیونکہ اس تعریف کے رو سے زنا کرنیوالا بھی ایک معنی میں متقی ہے۔ منہ

* یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت صاحب نے لکھا تھا کہ متقی بچائے جائیں گے پس جسقدر لوگ دنیا میں اس زلزلہ سے بچ رہے ہیں وہ سب اس پیشگوئی کے مطابق متقی ہوئے۔ یہ عجیب منطق ہے ہاں اگر پیشگوئی میں یہ لفظ ہوں کہ اس زلزلہ سے ساری روئے زمین پر رہنے والے م

اسی حقیقۃ الوحی والی پیشگوئی میں حضرت صاحب ہندوستان کو صاف الفاظ میں مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے "نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا" سو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حیدر آباد کے طوفان نے نوح کے زمانہ کو یاد نہیں دلایا۔ صرف اسوجہ سے کہ وہ عذاب انکے اپنے سروں پر نازل نہیں ہوا نادان مخالف اسکو ہنسی میں اڑانا چاہتے ہیں مگر جنکے سروں پر یہ مصیبت گذری ہے انسے پوچھو۔ اس مصیبت کا نقشہ جسنے اسے دیکھا ہے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ شب ہے شب قیامت دن ہے حساب کا دن ہوتا آگیا سزا کا عہد آگیا جزا کا۔

ایسا ہی ایران کی موجودہ بےچینی کے متعلق کیسے صاف الفاظ میں حضرت اقدس کی پیشگوئی موجود ہے۔ "تزلزل در ایوان کسریٰ افتاد" اس الہام کے شائع ہونیکے وقت ایران امن کی نیند سوتا تھا مگر اب کیسا تزلزل واقع ہوا ہے کہ خود کسریٰ کا جانشین دست بپا ہے۔ آج کی تاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری صوبہ خراسان میں انجمن نے بادشاہ کے خلاف اپنی سلطنت قائم کرلی اور انگریزی اور روسی سفارتوں کو اطلاع دیدی ہے کہ وہ بجائے شاہ کے انجمن سے خط و کتابت کریں۔ اور یہ تو ابھی مصائب کا آغاز ہے معلوم نہیں کہ یہ تزلزل جو اسوقت کسریٰ کے محلوں میں پڑا ہے کیا کیا نتیجے دکھائیگا۔ ایسے ہی اور بہت سے نشان ہیں مثلاً تقسیم بنگال کے متعلق حضرت صاحب کا یہ الہام تھا کہ تقسیم منسوخ نہیں ہوگی مگر گورنمنٹ بنگالیوں کی دلجوئی کریگی۔ اس دلجوئی کو ساری ہندوستان نے کیا ہندو اور کیا مسلمان کیا کانگریس والے اور کیا دوسرے لوگ سب نے محسوس کیا ہے اور اسپر خوشی کے نعرے بلند کیئے ہیں۔ درحقیقت اس پیشگوئی کا اثر تو اسیوقت سے شروع ہو گیا تھا۔ کیونکہ جن اصلاحات کا اعلان آج کیا گیا ہے انکے متعلق پہلی تجویز قریب اڑھائی سال آج سے پہلے گورنمنٹ کرچکی تھی۔ اور باہمی خط و کتابت میں یہ معاملات طے ہو رہے تھے جیساکہ آج کے پائونیر سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کیا کسی انسان کی طاقت میں تھا کہ ایسی بات تین سال قبل از وقوع بتا دیتا۔ اور پھر دیکھو بنگالیوں نے کسقدر زور لگایا مگر جیسے الہام الٰہی میں خبر دیجا چکی تھی تقسیم بنگالہ منسوخ ہوئی۔ یہ ایک دو نشان نہیں بلکہ ایسے کھلے کھلے نشانوں کی بہت سی مثالیں ہیں مگر اعراض کرنیوالے پہلے بھی ہوتے رہے اور اب بھی ہیں۔ انکا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ۔

میرا خیال ہے کہ آئندہ اس رسالہ کے ذریعہ سے ایک مختصر سی ماہوار رپورٹ انجمن کے کاموں کی احباب تک پہنچتی رہے۔ جنوری کے مہینہ میں مدرسہ تعلیم الاسلام میں تعداد طلباء میں کوئی معتدبہ ترقی نہیں ہوئی اور نہ ہی جن احباب نے جلسہ کے موقعہ پر اپنے بچوں کو یہاں بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ ابھی تک اسکا ایفا فرمایا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ مدرسہ دینیہ کی سکیم اور دیگر امور متعلقہ کیلئے انجمنوں کی خدمت میں درخواست کی گئی تھی اور بعض احباب کو خصوصیت سے خطوط لکھے گئے تھے کہ وہ اپنے مشوروں سے مستفید فرماویں مگر بہت تھوڑے احباب نے اس طرف توجہ فرمائی ہے۔ ۱۰ فروری ان مشوروں کے لئے آخری تاریخ رکھی گئی تھی۔ جسقدر رائیں پہنچ چکی ہیں ان پر غور کرنیکے لئے مجلس معتمدین نے ایک سب کمیٹی مقرر کی ہے جو امید ہے ۲۰ فروری تک اپنی رائے مجلس میں پیش کرنیکے لئے بھیجدیگی اور مجلس معتمدین فروری کے اخیر اس پر غور کریگی۔ میگزین کی خریداری میں ایام جلسہ کی تحریک سے خاصی ترقی ہوئی ہے۔ جسقدر رسالہ باہر بھیجا جاتا تھا وہ بدستور جاتا ہے۔ اسکے علاوہ انگریزی میں حضرت اقدس کے جلسہ مہوتسو والے لیکچر کا تین ہزار یا پانچ ہزار طبع ہونا منظور ہو چکا ہے اور یہ کام عنقریب شروع ہو جائیگا۔ قاعدہ یسرنا القرآن چھپکر تیار ہو گیا ہے کسیقدر مختصر اور عربی کے دونوں حصوں کو ایک جگہ کر دیا گیا ہے۔ قیمت بھی کم کر دیگئی ہے یعنی ۱/ مجلس معتمدین نے بعض احباب کی تحریک پر یہ منظور کیا ہے کہ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ مع کاروائی جلسہ جس میں سب تقریریں یکجا جمع کیجاویں ایک رسالہ کی صورت میں الگ شائع کیجاوے اور صرف لاگت پر فروخت کیجاوے۔

سب سے اہم کام جو اسوقت ہو رہا ہے وہ بورڈنگ ہوس اور مدرسہ کی تعمیر کا کام ہے۔ بورڈنگ ہوس کے نقشہ کے متعلق ضروری امور اپنی جماعت کے سات ماہرین عمارت کے مشورہ سے طے ہو چکے ہیں اور انکے مطابق اخویم منشی نورالدین صاحب نقشہ نویس لائل پور نقشہ تیار کر رہے ہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ بورڈنگ ہوس کے ایک حصہ کے لیئے پندرہ لاکھ اینٹ بکار ہوگی اس لیئے بھٹہ کا کام جو سال گذشتہ میں شروع کیا گیا تھا مگر بعض مجبوریوں کیوجہ سے وہ رکا رہا اسوقت بسرعت تمام شروع ہے۔ قریب تین لاکھ اینٹ پک چکی ہے۔ اور بارہ لاکھ اور کیلیئے اسوقت کم از کم بارہ ہزار روپے کی اور ضرورت ہے۔ فنڈ تعمیر میں اسوقت صرف پانچہزار روپے کے قریب باقی رہ گیا ہے جو فروری کے اخیر تک قریباً خرچ ہو جا ہو جائیگا پس سر دست سات ہزار روپیہ چاہیئے اور غالباً تین ہزار بنیادوں پر خرچ ہو جائیگا۔ یہ دسہزار روپیہ بہت جلد بکار ہے احباب خاص توجہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ کام درمیان میں رک جائے جو احباب پہلے وعدے کر چکے ہیں انہیں خاص توجہ کرنی چاہیئے۔ اگر بھٹہ کے کام میں روپیہ کے کم نہ ہونیکی وجہ سے کوئی روک واقع ہو گئی تو اس سے قوم کا بہت سا مالی نقصان ہوگا پس جسقدر کوشش اس موقعہ پر چندہ تعمیر کیلیئے احباب [illegible]

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

رسالہ ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ بابت ماہ مارچ ۱۹۰۹ء نمبر ۳

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
سکھ مذہب کا تعلق اسلام سے	۸۲-۹۸	کفارہ کا جدید ترین ثبوت	۱۱۱-۱۱۲
ہندوستان میں دہریت	۹۹-۱۱۰	قادیان میں دینی مدرسہ	۱۱۳-۱۳۶

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے [illegible] طلباء سے [illegible]

ضروری اطلاع

تفسیر القرآن کا حجم اس سال زیادہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی بجائے ساٹھ صفحے سالانہ کے قریباً نوسو صفحے سالانہ ہوا کرینگے اور قیمت میں اسقدر اضافہ کیا گیا ہے کہ بجائے ۱۲ر کے عہ سالانہ ہوگی چونکہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر اکثر احباب نے یہ شوق ظاہر کیا تھا کہ اسکے صفحوں کی تعداد بڑھائی جاوے تاکہ جلدی کوئی معتد بہ حصہ قرآن کریم کی تفسیر کا لوگوں تک پہنچ جاوے اسلیئے یہ تبدیلی کیگئی۔ اکثر احباب نے یہ بھی وعدہ فرمایا تھا کہ وہ نئے خریدار پیدا کرینگے۔ امید ہے کہ سب دوست توسیع اشاعت کی کوشش کر کے ان نادر مضامین کو جو اس تفسیر میں نکلتے ہیں دوسرے بھائیوں تک پہنچانیکا ذریعہ بنکر ثواب حاصل کرینگے

اوامر و نواہی:۔ ۳۰۰ سے زائد صفحوں کی کتاب ہے جس میں سید عبد الحیی صاحب عرب نے قرآن کریم کے احکام اور نہیان جمع کی ہیں۔ اصل آیات کے ساتھ اردو ترجمہ بھی ہے۔ اسکے علاوہ چھ قسم کی اربعین اس کتاب کے ساتھ بڑھائی گئی ہے۔ اصل قیمت اس کتاب کی عہ تھی۔ مگر عبد الحیی صاحب عرب نے بہت سی جلدیں خرید کر قیمت قریباً نصف کر دی ہے، یعنی ۹ر فیجلد۔ ایک نہایت مفید کتاب ہے۔ احباب اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ دیں۔ انجمن کے پاس جسقدر جلدیں ہیں وہ فروخت ہوجانیکے بعد یہ کتاب پھر اصل قیمت پر ملسکیگی۔

یسرنا القرآن:۔ اس قاعدہ کی قبولیت اب ملک میں عام طور پر پھیل گئی ہے۔ اور اب چوتھی مرتبہ تعداد میں چھ ہزار شائع کیا گیا ہے۔ قیمت بھی کم دی گئی ہے۔ یعنی عربی حصہ کی قیمت جسے پڑھنے کے بعد بچہ قرآن شریف کو خود بخود پڑھنے لگتا ہے۔ ۱۰ر کر دی گئی ہے۔ پہلے ۲ر قیمت تھی۔

البیان:۔ حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی لطیف تصنیف ہے جس میں مس شیطان والی حدیث پر مبسوط بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۱۰ر

عمدۃ الاحکام۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفقہ حدیثیں مع ترجمہ۔ قیمت ۵ر

اسلام کی پہلی کتاب:۔ مصنفہ ماسٹر عبد الرحمن صاحب قیمت صرف ۴ر فی جلد ہے۔

آئینہ صداقت:۔ مصنفہ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر قیمت صرف ۲ر

مبادی الصرف:۔ مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح مولٰنا حکیم نور الدین صاحب قیمت صرف ۲ر

مجموعہ فتاوی احمدیہ:۔ مصنفہ مولوی محمد فضل خانصاحب چنگوی۔ قیمت جلد اول۔ دوم۔ سوم۔ ہے۔ ۱ر ۸ر ۱ر

الاستخلاف:۔ مصنفہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکی قیمت صرف ۳ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سکھ مذہب کا تعلق اسلام سے

(بھائی بالا کی جنم ساکھی)

لغت اسلام مصنفہ ہیوز صاحب میں ایک لمبا مضمون سکھ مذہب کے متعلق ہے جس کا لکھنے والا ایک شخص مسٹر فریڈرک پنکوٹ ہے۔ جس نے سکھ مذہب اور اسلام کے تعلق پر ایک قابلانہ نظر ثانی کی ہے۔ اس مضمون کی بنیاد اور کتابوں کے علاوہ گرنتھ صاحب اور باوا نانک صاحب کی اس جنم ساکھی پر بھی ہے جو کہ پرانی پنجابی میں لکھی ہوئی ہے اور جس کا ایک پرانا نسخہ اب انڈیا آفس میں لنڈن میں موجود ہے۔ اسلام کی ڈکشنری میں سکھ مذہب پر کوئی مضمون لکھنا اس شخص کی نظر میں جسے موجودہ زمانے کے سکھوں سے کوئی واسطہ پڑا ہو یا جس نے انکے مذہب کی موجودہ ہیئت کو ہی دیکھا ہو اگر حد درجہ کی مہمل بات نہیں تو کم سے کم دونوں مذہبوں سے ایک ایسی جہالت اور ناواقفیت کا ثبوت ہے جس سے درگذر کرنا مشکل ہے۔ لیکن اگر سکھ مذہب کے بانی کی سوانح عمری کا اچھی طرح سے مطالعہ کیا جاوے تو پتہ لگ جائیگا کہ اسلام اور سکھ مذہب کے درمیان اس سے بھی بہت بڑھکر گہرا تعلق ہے جو کہ مسٹر پنکوٹ نے ثابت کیا ہے۔ اگر سکھوں کی پرانی روایتوں اور یادگاروں کی پوری اور کامل تحقیقات کیجاوے تو ہر ایک شخص کو ماننا پڑتا ہے کہ سکھ مذہب اسلام اور ہندو مذہب کے

بین بین کوئی چیز نہ تھی بلکہ اس نے اسلامی عقائد کو اس طرح اختیار کیا۔ اور ہندو عقائد سے اس طرح بیزاری ظاہر کی کہ اگر ہم یہ کہیں کہ ابتدا میں سکھ مذہب اسلام کا ہی ایک فرقہ تھا تو یہ کہنا حق اور حقیقت سے بہت قریب ہے، بہ نسبت اس کے کہ یہ کہا جاوے کہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبوں سے مل جلکر بنا ہے۔ سکھ مذہب کی اصل حقیقت کو ظاہر کرنیکے لیئے اس مضمون میں مَیں صرف اس شہادت پر بحث کرونگا جو ایک دوسری جنم ساکھی سے جسکا نام بالا کی جنم ساکھی ہے پیدا ہوتی ہے لیکن پیشتر اسکے کہ مَیں اصل مضمون پر بحث کروں مَیں بڑے اختصار سے ان واقعات کو بیان کرونگا جنسے یہ پتہ لگتا ہے کہ یہ شہادت جو بالا کی جنم ساکھی سے ملتی ہے ایسی شہادت نہیں جسکی تائید و دیگر ذرائع یا سکھ مذہب کے بانی کے دیگر حالات سے نہ ہوتی ہو۔ بلکہ دیگر تمام ذرائع کی مجموعی شہادت بالا کی جنم ساکھی کی مصدق ہے۔

سکھ مذہب کے بانی باوا نانک صاحب تھے جو پیدائشی ہندو تھے۔ لیکن ہندو مذہب کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ غالباً صرف عقائد کی بنا پر یہ کہنا مشکل ہے کہ اسکی حد کہاں ختم ہوتی ہے جس سے انسان کو پتہ لگ جاوے کہ اگر ایک شخص اس حد کو توڑے تو وہ اس مذہب سے خارج سمجھا جاوے۔ لیکن جو کمی عقائد اور مسائل میں رہ گئی ہے اسے رسم و رواج نے پورا کر دیا ہے قریب قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص جو چاہے اعتقاد رکھے یہانتک کہ مخفی طور سے اگر ان فرائض کو بھی ادا کرتا ہے جو ہندو مذہب کے سوا دیگر مذاہب میں پائے جاتے ہیں تو بھی وہ ہندو مذہب کے دائرہ سے خارج نہیں ہو سکتا۔ لیکن فرض کرو اس نے مسلمانوں سے میل جول شروع کر دیا ہے یہانتک کہ وہ اُنکے ساتھ کھانے پینے بھی لگ گیا ہے یا اگر وہ کھلے طور سے اسلامی فرائض کی پابندی کرے تو اسکو ہندو سوسائٹی میں ہرگز گھسنے نہیں دینگے۔ اب اگر کوئی چیز یقینی طور سے سکھ مذہب کے بانی حضرت باوا نانک صاحب علیہ الرحمۃ سے بذریعہ تعامل ثابت ہے تو وہ یہی ہے کہ اگرچہ آپ پیدائشی ہندو تھے مگر آپ مسلمانوں سے خلط ملط کرتے رہے اور عام طور سے اسلامی اعمال و فرائض بجالاتے رہے اور اسلامی عقائد کے پابند رہے۔ آپنے جو سفر بنارس کا کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر صورت میں آپ نے ہندو ہونیکا کوئی نشان بھی اپنے ساتھ نہ رکھا تھا۔ برخلاف اسکے آپ مسلمانوں کے

لباس میں رہتے اور تمام مسلمان فقیروں کے نشانات اپنی وضع قطع میں رکھتے تھے۔ آپکی اپنی
زندگی مشائخ اور فقرار کے ساتھ گذاری اور انہی کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔ آپ صرف مسلمان
صوفیار کے پاس الٰہی رازِ حقیقت سمجھنے کے لیئے جایا کرتے تھے مگر آپکی تمام زندگی میں ایک
واقعہ بھی ثابت نہیں کہ آپ کسی پنڈت سے فیض حاصل کرنیکے لیئے گئے ہوں۔ آپ کھلم کھلا
چلے کھینچتے جسطرح کہ مسلمان صوفیار کا قاعدہ تھا اور جہاں جہاں آپنے چلہ کشی کی ہے وہاں
اب تک آپکی یادگاریں موجود ہیں۔ آپنے مکہ کا حج کیا اور مسلمان ممالک میں سے ہوکر گئے۔
ان تمام سفروں میں اگر آپ کا کوئی ہمراز رفیق تھا تو وہ بھی ایک مسلمان ہی تھا۔ آپنے مسلمان
فقرار کی روش اور لباس اختیار کیا اور آپکے پہلے مرید بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ پانچویں گرو
ارجن کے زمانے تک جسقدر باوانانک صاحب کے جانشینوں کی تصاویر موجود ہیں وہ سب
اسطرح کی ہیں کہ گویا مسلمان فقیر ہیں جنکے ہاتھوں میں تسبیحیں ہیں۔ مگر گرو ارجن نے اپنے
پہلے آباؤ اجداد کی رسم و عادات کو بالائے طاق رکھدیا اور مسلمانوں کا دشمن بن گیا۔ پھر یہ
ایک اور عجیب بات ہے کہ باوانانک صاحب نے ایک مسلمان گھر میں شادی کی۔ یہ آخری بات
خاص کرکے زیادہ تر توجہ کے قابل ہے۔ کوئی شریف مسلمانوں کا خاندان ایسی بات
گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنی لڑکی ایک ہندو کو دیدے اسلیئے وہ باوانانک صاحب کو کسطرح
لڑکی دے سکتے تھے جبتک کہ انکو یہ پورا یقین نہ ہوگیا ہو کہ آپ واقعی مسلمان ہیں۔ وجہ
یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں مسلمان عورت کی غیر مسلمان مرد کے ساتھ شادی ناجائز ہے
اگرچہ مسلمان مردوں کو اختیار ہے کہ وہ غیر مسلمان عورتوں کے ساتھ شادی کرلیں ایسی بہت
سی مثالیں موجود ہیں جن سے یہ پتہ لگتا ہے کہ کئی ایک شریف مسلمانوں نے غیر مسلم عورتوں
سے نکاح کیئے مگر ایسی مثال کوئی نہیں جس سے یہ پتہ لگے کہ ایک ثقہ نجیب خاندان کی مسلمان
عورت نے غیر مسلم مرد سے نکاح کیا ہو۔ علاوہ ازیں باوانانک صاحب ایک ایسے ملک میں
رہتے تھے جو مسلمانوں کے ماتحت تھا اور جس جگہ یہ بات قانوناً کبھی برداشت نہیں کیجا سکتی
تھی کہ ایک مسلمان عورت کا نکاح ایک غیر مسلم مرد کے ساتھ شریعت کے خلاف روا رکھا جاوے۔
اگر ہم آپکی تعلیم کو دیکھیں تو صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ ہندو رسومات اور عقائد کے

برخلاف ہیں اور بڑے زور سے ان عقائد اور رسوم کی بیخکنی کی گئی ہے۔ آپ نے تفریق ذات کے برخلاف بڑے زور سے وعظ کیا اور ایسی رسومات کی سخت مذمت کی جیسی کہ زنار پہننا۔ بُت پرستی اور سوتک وغیرہ کی رسوم اور عقائد ہیں۔ اگرچہ یہ باتیں بھی اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ باوا صاحب نے ہندو مذہب کو ترک کر دیا تھا کیونکہ اس زمانے میں ہندو دھرم کے یہی بڑے بڑے نشان تھے۔ تاہم سکھوں کی مقدس کتابوں میں اس سے بھی زیادہ واضح ثبوت ملتا ہے کہ باوا صاحب نے واقعی ہندو مذہب کو بالکل ترک کر دیا تھا۔ خدا کی وحدانیت کو جس طرح آپ نے گرنتھ صاحب میں بیان کیا ہے وہ ہو بہو مسلمان صوفیوں کا طرز بیان ہے اور ہندو کتب میں اس کا نشان تک نہیں۔ آپ نے ہندوؤں کے مذہب کے اصل اصول یعنی اوتار کے عقیدہ کو رد کر دیا اور ہندو دکے اس خیال کو غلط قرار دیا کہ پرمیشر اوتار لیا کرتا ہے یا یہ کہ پرماتما شکل انسانی میں حلول کرتا ہے۔ برخلاف اسکے آپ نے مسلمانوں کے اس عقیدہ کو قبول کر لیا کہ انسان ہی روحانی ترقی کے ذریعہ خدا سے وصال حاصل کرتا ہے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں نے خدا کے وجود کو مانا ہے ان دونوں عقائد میں یہی ایک بڑا فرق ہے کہ ہندو خدا کا انسانی جسم میں حلول کرآنا مانتے ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک انسان خدا سے جا ملتا ہے۔ باوا نانک صاحب نے ہندوؤں کے عقیدہ کو رد کر دیا اور مسلمانوں کے عقیدے کو قبول کر لیا۔ اگرچہ آپ ہندی زبان میں وعظ فرماتے جو کہ اُسوقت عام طور سے رائج تھی اور یہی ایک زبان تھی جسکے ذریعہ آپ اپنے خیالات عوام تک پہنچا سکتے تھے مگر آپکا عقیدہ خدا کی ذات کے متعلق وہی تھا جو مسلمانوں کا تھا۔ نیز آپ نے اس بارہ میں مسلمان صوفیار کی اصطلاحیں تک وہی رکھیں۔ آپ خدا کو واحد احد کر کے پکارا کرتے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اصطلاحیں آپ نے مسلمان صوفیار سے سیکھیں جن کی صحبت میں آپ مُدّت دراز تک رہے۔ آپ خدا کو نور کے نام سے تعبیر فرماتے ہیں چنانچہ آپکے اقوال میں ہے کہ "خدا نور ہے جس کے نور سے تمام میں نور ہے۔" یہ بعینہٖ قرآنی آیت اللہ نور السمٰوات والارض کا ترجمہ ہے۔ مسٹر میکالف کا کہنا بالکل بجا اور درست ہے کہ دیہ اصطلاحات کی یگانگت جو صوفیوں اور باوا نانک کے اقوال میں پائی

جاتی ہے صرف خدا کی وحدانیت تک ہی محدود نہیں بلکہ صوفیوں کے اور اصطلاحی کلمات بھی سکھ مذہب میں پائے جاتے ہیں"

ہمارے پاس بہت سی مثالیں اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے موجود ہیں کہ باوا نانک صاحب نے ہندو مذہب کو ترک کر دیا تھا۔ اور یہ ہم آپکے اقوال سے اور ان روایات سے جو آپکی طرف منسوب کی گئی ہیں ثابت کر سکتے ہیں۔ مگر فی الحال ہم ایک مثال پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ہندوؤں کی الہامی کتابیں وید ہیں اس لیئے ایک شخص ہندو رہکر انکی مذمت اور تحقیر کرے یہ بات خیال سے باہر ہے۔ مگر باوا صاحب علی الاعلان ویدوں کی مذمت بیان کرتے تھے گرنتھ سے ثابت ہوتا ہے کہ باوا نانک صاحب نے ویدوں کو ایسا علوم اور معارف سے خالی پایا کہ آپنے "چاروں وید کہانی" بتلائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ وید سادھو یا خدا رسیدہ شخص کو پہچاننے سے بھی قاصر ہے یہ بھی فرمایا کہ بڑے سے بڑا جو معجزہ ویدوں نے دکھایا ہے وہ تناسخ کا مسئلہ ہے جس سے انکی مراد ویدوں اور مسئلہ تناسخ ہر دو کی تحقیر معلوم ہوتی ہے اصل بات یہ ہے کہ باوا نانک صاحب کی تعلیم یہ تھی کہ نجات اور ابدی زندگی ویدوں کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتی چنانچہ بہت سے اقوال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے

ایک اور شہادت جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باوا نانک صاحب نے ہندو مذہب قطعاً چھوڑ دیا تھا انکا چولہ ہے جسے چولہ صاحب کہتے ہیں۔ جو ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور میں آپ کا سب سے بڑا متقدس تبرک سمجھ کر محفوظ رکھا گیا ہے۔ اسی پرچے کی کسی پہلی اشاعت میں چولے کی مفصل کیفیت درج ہے۔ یہ ایک لمبا پیراہن ہے جو باوا صاحب اپنی زندگی میں زیب تن کیئے رہے اور انکے بعد انکے جانشین اسکو اسقدر متبرک سمجھتے تھے کہ انہوں نے ہر طرح اسکے محفوظ کرنیکی کوشش کی۔ کچھ عرصہ تو یہ چولہ باوا نانک صاحب کے جانشین جو گرو کہلاتے تھے انکے ہاتھ میں رہا۔ اور بعد میں یہی چولہ ایک سکھ کو بطور انعام کے دیا گیا کیونکہ اس نے اپنی تمام قوم کی ایک نہایت قابل قدر خدمت کی تھی۔ یہ چولہ اسقدر احتیاط سے اور اسقدر عزت و احترام سے محفوظ رکھا گیا ہے کہ آجتک باوا نانک صاحب کے کسی پیرو کے دل میں یہ شبہ نہیں گذرا کہ یہ وہی چولہ نہیں

جو خود باوا صاحب اپنی زندگی میں پہنتے تھے۔ جو اقوال باوا صاحب کے اب گرنتھ صاحب میں درج
ہیں وہ انکی زندگی میں جمع نہیں کیئے گئے بلکہ یہ کام پانچویں جانشین گرو ارجن کے وقت
میں کیا گیا اس لیئے سکھ مذہب کی حقیقت کے متعلق انپر ایسا اعتماد نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بالکل
صحیح ہوں کیونکہ اسوقت سکھوں نے اسلام کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ مگر یہ نقص اور
عیب چولہ صاحب میں ہرگز موجود نہیں کیونکہ یہ چولہ خود باوا صاحب نے اپنے ہاتھ سے دیا
اور اسی طرح اب تک چلا آتا ہے جس طرح یہ پہلے تھا۔ اس لیئے اس کی شہادت اعلیٰ درجہ کی معتبر
اور صحیح ہوگی۔ یہ شہادت خود چولہ پر لکھی ہوئی ہے مگر جیسا کہ اب تحقیقات سے ثابت ہوا
ہے اسپر سوائے قرآنی آیتوں کے اور کچھ نہیں لکھا اور وہ بات بالکل غلط ہے جو سکھوں کی
روایات میں درج ہے کہ چولے پر مختلف زبانوں اور مختلف مذہبی کتابوں کی آیتیں
لکھی ہوئی ہیں۔ کیونکہ وہاں سوائے قرآنی آیات کے اور کچھ درج نہیں۔ اور جو قرآنی آیتیں
اُسپر لکھی ہوئی ہیں وہ بڑے زور شور سے قرآن شریف کی صداقت اور مذہب اسلام کی
حقانیت کو ثابت کر رہی ہیں۔ باوا نانک صاحب اس چولے کو اس غرض کیلیئے پہنتے
تھے کہ آپ کے مذہب کے بارہ میں کسی شخص کو کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ باوا صاحب
کی تعلیم کی طرح چولہ کے متعلق بھی غلط فہمی ہی غالب آگئی یعنی جس طرح باوا صاحب کی تعلیم
جو شروع شروع میں بالکل اسلام ہی اسلام تھی۔ مگر بعد میں اسلام اور ہندو مت کے درمیان
ایک طرح کی مصالحت سمجھی گئی اسی طرح چولے کے متعلق بھی ہوا۔ چولہ کے اس قصہ نے
جو ان دنوں عام طور سے مقبول تھا (اور یہی وجہ ہے کہ اسکو جنم ساکھیوں میں درج کیا گیا)
یہ غلط فہمی پھیلائی کہ چولہ صاحب پر عربی آیتوں کے علاوہ سنسکرت کے اشلوک بھی درج
ہیں۔ پھر اور مشکل یہ ہوئی کہ خود چولہ صاحب کا متبرک ہونا سچائی کی راہ میں حائل ہو گیا
کیونکہ بسبب اُسکی عزت کے اسپر قیمتی غلاف چڑھنے شروع ہوئے جو کہ پوجاریوں نے ڈھیروں ڈھیر
جمع کرنے شروع کر دیئے۔ یہانتک کہ اصل تحریر نظروں سے پوشیدہ ہوگئی کیونکہ وہ غلافوں کے اندر
چھپ گئی اور غلط فہمی کو کام کرنیکا موقع اور ذریعہ مل گیا۔ علاوہ اس ثبوت کے جسکا پتہ چولہ صاحب
سے چلتا ہے کہ باوا نانک صاحب کا کیا مذہب تھا خود چولہ صاحب کی تاریخ اس بات کو

ثابت کرتی ہے کہ باوا صاحب کے مریدوں نے انکی تعلیم کے برخلاف ایک غلط راہ اختیار کی۔ غلافوں کے اندر جو تحریر چولہ صاحب پر درج ہے اسکو کھولکر پڑھنا تو آسان ہے گرچہ غلافوں نے اس تحریر کو کتنا ہی کیوں نہ چھپایا ہو مگر باوا صاحب کی اصل تعلیم پر جو پردہ ڈالدیا گیا ہے اسکا اٹھانا بہت ہی مشکل ہے کیونکہ گرنتھ اور جنم ساکھیوں میں صحیح کے ساتھ غلط کا اسقدر خلط ملط ہوگیا ہے کہ اب اسکا جدا کرنا ناممکن ہے اور یہ کام انہیں باوا صاحب کے پیرووں کا ہے جنہوں نے چولہ صاحب کے متعلق غلط فہمی کو پھیلایا۔

باوجود اس بات کے جسکا اظہار اوپر کیا گیا ہے گرنتھ صاحب اور جنم ساکھیوں میں ایسی ایسی باتیں موجود ہیں جنسے قطعی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ آپنے اسلامی عقائد کو قبول کیا اور مسلمان بنے۔ مگر جیساکہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اس مضمون میں ہم سکھ روایتوں کے صرف ایک ذریعہ پر بحث کریں گے یعنی بھائی بالا کی جنم ساکھی پر بالا باوا صاحب کا گہرا رفیق تھا اور جیساکہ دوسری جنم ساکھیوں میں لکھا ہے آپکے سفروں میں بھی وہ ساتھ ہی رہتا تھا۔ چونکہ باوا صاحب کا اکثر حصہ زندگی ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے میں ہی گذرا ہے اسلیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بانی سکھ مت سے اسے خوب واقفیت تھی۔ اور ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ آپکا ہمراز تھا۔ یہ وہی شخص ہے جسکی زبانی آپکے پہلے جانشین گرو انگد کو آپکی زندگی کے حالات کا پتہ لگا۔ یہ سچ ہے کہ بالا کی جنم ساکھی میں سچ کے ساتھ جھوٹ اور تاریخی واقعات کے ساتھ فرضی قصّے بہت سے ملے ہوئے ہیں لیکن چونکہ بالا خود ہندو تھا اور باوا صاحب کی وفات کے بعد سکھ مت اسلام سے بُعد ہی اختیار کرتا چلا گیا اسلیئے اسلام کے حق میں جو کچھ شہادت اسکی جنم ساکھی سے مل سکتی ہے اسکو ہمیں قطعی اور ناقابل جرح شہادت تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس شہادت کو فریق مخالف کی گواہی سمجھنا چاہیئے اس لیئے وہ بات جو دشمن بھی مانے اسکا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا ذیل میں وہ شہادت ہے جو بالا کی جنم ساکھی سے ہمیں ملتی ہے۔ ✤

✤ صفحات کے متعلق دیکھو جنم ساکھی بھائی بالا تیسری دفعہ کیکسٹن پریس انارکلی لاہور۔

صفحہ ۴۳ پر لکھا ہے کہ باوا نانک کو الہام ہوا "کہ تیس پارے قرآن شریف کے ہین اور چار کوٹ ورتائیے اور ایک ہی نام کی مہاکرو اور دوسرا میرا کوئی شریک نہیں سو تو جگت میں جاکر اسدا ڈھنڈورا پھیرؔ" خدا تعالیٰ کے اس حکم کے جواب میں کہتے ہیں کہ باوا صاحب نے بارگاہ الٰہی میں یہ التجا کی "کہ بولی ہورہے اس بولی کو لوں ہندو ڈردے ہین سمجھدے نہیں" کہ پھر خدا تعالیٰ نے باوا صاحب کو الہام کیا "کہ وڈیائی تسانوں تسبیح دی ملی ہے دیول دیوتے اور پراچین پتر تھ جو ہندواں دے ہین اوہناں نوں منسوخ کرو"

یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ مورد الہام ربانی تھے اور یہ بات ہندوؤں کے مسئلہ الہام کے بالکل مخالف ہے جو کہتے ہیں کہ خدا دنیا کے آغاز میں ایک ہی دفعہ بولا اور یہ کلام بھی چار رشیوں تک محدود رہی جنہوں نے وید بنائے اور اسکے بعد خدا کسی کے ساتھ نہیں بولا۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے رو سے خدا تعالیٰ اپنے برگزیدوں کے ساتھ ہر زمانے میں کلام کرتا ہے اگرچہ ساتھ ہی انکا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن شریف کے بعد کوئی نئی شریعت نازل نہیں ہوگی اور اس بات کو باوا نانک صاحب بھی تسلیم کرتے تھے مذکورہ بالا اقوال سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کیوں آپ نے ہندی میں پند و نصیحت کی اور اپنے وعظوں میں سنسکرت کے الفاظ یا سنسکرت سے نکلے ہوئے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ہندو عربی زبان نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اس سے ڈرتے تھے کیونکہ جو کچھ اس زبان میں کہا جاتا تھا وہ بالکل نہیں سمجھتے تھے۔ اسلیئے باوا صاحب نے بھی انہی لوگوں کی زبان وعظ کرنیکے لیئے اختیار کی۔ پس جب آپ ایسے ایسے الفاظ جیسے کہ ہری ہر پرمیشر وغیرہ خدا تعالیٰ کیلیئے استعمال کرتے تھے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ آپ نے ہنود کا عقیدہ خدا کے متعلق مان لیا تھا یا یہ کہ آپ ہندو اور مسلمانوں کے بین بین کوئی مذہب دونوں مذہبوں کی کاٹ چھانٹ کرکے بنانا چاہتے تھے۔ بالا کی جنم ساکھی سے جو اقوال ہم پیچھے لکھ آئے ہیں انکے رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ناموں کو اسلیئے استعمال کرتے تھے تاکہ سننے والیکے دلوں تک آپ اپنی باتوں کو ایک موثر پیرایہ میں پہنچا سکیں۔

بالا کی جنم ساکھی میں کلمہ طیبہ پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا اقرار توحید و ایمان اس کلمہ طیبہ میں ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ یعنی کوئی معبود نہیں مگر اللہ اور محمدؐ اسکا رسول ہے" اسکا نام کلمہ ہے اور اس میں ایمان کے دونوں بنیادی اصول شامل ہیں۔ کلمہ کے پہلے حصّہ میں توحید کا اقرار ہے جو اسلام کو تمام مذاہب سے متمیز کرتا ہے اور دوسرے حصّہ میں خدا کے مقدس رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ہے یہی دو اقرار ہیں جنسے ایک شخص اسلام میں داخل ہوجاتا ہے بالا کی جنم ساکھی میں اسی کلمہ کی خوبیاں مختلف جگہوں میں بیان کی گئی ہیں ذیل میں چند اشلوک لکھے جاتے ہیں "کلمہ اک پکار یاد وجاناہیں کوئی" "کلمہ گو نہ سٹر ہن ہوکے بے ایمان" "کلمہ پاک رسول پڑھ جھاڑے دے گناہ" "کلمہ پڑھیاں عذاب دین دنیا دا جائے" "کلمہ جس نے آکھیا پڑتاں کیوں ملے سزائے" "کلمہ آکھیاں ایہ گن ہوئے گناہ توں پاک" "نانک آکھے رکن دین کلمہ سچ پچھان۔ اکو روح ایمان دی جو ثابت رکھے ایمان" "کلمہ اک یاد کر اور نا بھابات۔ نفس ہوائی رکن دین تن سے ہو دین مات"

بالا کی جنم ساکھی سے معلوم ہوتا ہے کہ بانی سکھ مذہب کو نبی کریم صلعم کی رسالت کا اقرار تھا۔ صفحہ ۱۷۲ پر ذیل کا اشلوک درج ہے "ہندو کہن ناپاک ہے دوزخ جاون سوئی۔ کہدو اللہ اور رسول کو اور بوجھو کوئی" پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۴ میں ہم پڑھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ کو دنیا کے اودہار کے لیئے بھیجا" پھر صفحہ ۱۳۹ پر لکھا ہے "وہ پیغمبر ہویا اس دنیا کے مابین۔ نام محمد مصطفےٰ رب ڈاہڈا بے پروا ہے" صفحہ ۱۴۱ پر لکھا ہے "پاک پڑھیو کلمہ رب دا محمدؐ نال ملائے۔ ہوا معشوق خدائے دا ہوا تُل آہی" پھر اسی صفحہ پہ یہ لکھا ہے "ڈٹھا نور محمدی ڈٹھا نبی رسول۔ نانک قدرت دیکھکر خودی گئی سب بھول" حضرت باوا صاحب نہ صرف نبی کریمؐ کی رسالت ہی کے قائل تھے بلکہ وہ آپکو شفیع بھی مانتے تھے کیونکہ جنم ساکھی صفحہ ۱۹۵ پر لکھا ہے "حجبت راہ شیطان دی جنہاں کی قبول۔ سو درگہ ڈھوئی نہ ملے شفاعت بھرے رسول" آپکے نزدیک ہر ایک فرد بشر کیلئے ضروری ہے کہ نبی کریمؐ کو مانے کیونکہ جنم ساکھی صفحہ ۱۹۶ میں آپ فرماتے ہیں۔ "سے پیغمبر مصطفےٰ تس دے چار یار۔ عمر خطاب۔ ابوبکر عثمان علی دی چار"

"چاروں یار مسلمی چار مصلے کین۔ پنجواں نبی رسول ہے جن کیتا ثابت دین"
"اینہاں پچھے امام چار اعظم شافعی جان۔ مالک احمد آکھدے ثابت چار امام"
"چاروں یار مسلمی کدی نا آوے جا۔ جو اینہاں فرمایا اوہ چلائے راہ"
پھر آپ اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۴ پر فرماتے ہیں "پڑھیا خطبہ نبی دا ہویا سگل انند"
پھر صفحہ ۲۰۵ میں لکھا ہے "اک کرن دے کارے آیا نبی رسول۔ لالچ دے وچ لگ کے دنیا گئی ہے بھول"۔

قرآن شریف کی نسبت باوا صاحب کا ایسا ہی اعتقاد ہے جیسا ایک مومن مسلمان کا ہو سکتا ہے۔ اور آپ کے تمام اقوال میں کلام مجید کی شان کے خلاف کوئی کلمہ درج نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی نسبت جو آپ نے ادب اور عزت ملحوظ رکھی ہے وہ اور کسی کتاب کی نسبت نہیں پائی جاتی۔ اور جو الفاظ آپ نے ویدوں کی نسبت فرمائے ہیں ان میں اور قرآن شریف کے متعلق الفاظ میں ایک نمایاں فرق ہے اور اگرچہ آپ کے ہندو میلان طبع کے پیروؤں نے وید کے متعلق جو سخت الفاظ آپ کے تھے انکو بہت کچھ نرم کرنیکی کوشش کی ہوگی مگر تاہم جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں ویدوں کو آپ نے کوئی عزت نہیں دی۔ دنیا کی تمام الہامی کتابوں میں سے آپ صرف قرآن کریم کی عظمت اور قرآن شریف کے بابرکت اور ہدایت ہونیکے قائل تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ "توریت انجیل۔ زبور ترے پڑھ سن ڈٹھے وید۔ رہیا قرآن شریف کل جگ میں پروار" یعنی کہ توریت انجیل زبور اور وید پڑھ سنکر دیکھ لیے ہیں تمام جہان میں نجات کا ذریعہ صرف قرآن شریف ہی ہے۔ پھر صفحہ ۱۳۹ پر فرماتے ہیں "ڈٹھی ہیں چار کتاب اکس باجھ نہ کوئی۔ وحدہٗ لاشریک ہے دوجا ہوا نا ہوئی"، یعنی چار کتابوں کا مشاہدہ کیا مگر قرآن شریف کے بغیر دوسری کوئی کتاب نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے دوسرا اسکا کوئی ثانی نہیں۔

کہتے ہیں کہ آپ ہر طرح کی ظاہری رسم رسوم سے متنفر تھے۔ اور سچ بھی یہی ہے کہ آپ نے ہندوؤں کی تمام رسومات سے سخت بیزاری ظاہر کی ہے مثلاً زنار کا باندھنا۔ بچہ جننے کے بعد جو پاک ہونے کے لیئے رسومات ادا کیجاتی ہیں اور گنگا وغیرہ کا اشنان کرنا وغیرہ مگر آپ کے

حالات زندگی پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف ان رسومات کے مخالف تھے جو محض عبث اور بے جان تھیں۔ حالانکہ آپکے نزدیک بہت سی باتیں بہت ہی مفید تھیں۔ مثلاً آپ کا چلہ کشی کرنا چنانچہ پنجاب میں ایک جگہ ہے جس کا نام سرسہ ہے جہاں آپنے چلہ کشی کی تھی۔ وہ مقام ابتک چلہ بادا نانک کر کے مشہور ہے اور ساتھ ہی اسکے شیخ فرید علیہ الرحمۃ کا چلہ ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنکی صحبت اور خدمت میں باوا صاحب نے بارہ سال گذارے۔ اور جنکے آپ گہرے دوست تھے۔ اسطرح آپنے حاجیوں کا لباس پہنکر عصا۔ قرآن شریف مصلے اور کوزہ ساتھ لیکر مکہ کا حج کیا۔ یوروپین نقاد اور مورخین آپکے حج کعبہ کو ایک فرضی قصہ سمجھتے ہیں مگر اس حج سے انکار کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی کہدے کہ نانک دنیا میں کوئی شخص ہوا ہی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپکے حج کے واقعہ کے ساتھ بہت سی جھوٹی باتیں بھی ملائی گئی ہیں۔ مگر کہانیوں کی خاطر ایک انصاف پسند مورخ کے شایان حال نہیں ہے کہ بالکل واقعہ ہی سے انکار کر دے۔ یہ آپکی زندگی کا ایک ایسا واقعہ ہے کہ آپکی زندگی کی تمام تاریخوں کا اسپر اتفاق ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اسکی سچائی کا انکار کیا جاوے۔ شائد اس واقعہ کے انکار کی وجہ یوروپین مورخین کے نزدیک، صرف یہی ہے کہ اس سے آپ اسلام کے بالکل نزدیک ہوجاتے ہیں یعنی اس سے آپ کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے مگر میں پہلے بیان کر آیا ہوں کہ آپ کی زندگی کے بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ پکے مسلمان تھے۔ جو شخص چلہ کشی کرتا ہے اور ایک ایسا پیراہن پہنے پھرتا ہے جسپر یہ لکھا ہوا **ان الدین عند اللہ الاسلام** یعنی خدا کی نظر میں اگر کوئی دین ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ تو ایسے شخص کا حج کیلیئے جانا اور مکہ میں جاکر حج کرنا کوئی عجیب امر نہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ صرف مکہ دیکھنے کیلیئے گئے تھے حج کی خاطر نہیں گئے وہ نہیں سمجھتے کہ اس زمانے میں ایسی بات ناممکن تھی اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ اپنے عقائد پر خلوص دل سے ایمان رکھتے تھے اور مداہنت سے بہت دور رہتے۔ یعنی یہ آپکی فطرت کے خلاف تھا کہ ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ اور۔ مگر تعجب آمیز امر تو یہ ہے کہ یہ عام طور سے مانا ہوا ہے کہ جب آپ حج کے لیئے تشریف لے گئے تو لباس حاجیوں والا پہنکر گئے۔ عصا ہاتھ میں لیا۔ نماز پڑھنے کیلیئے مصلے اور نماز کیلیئے وضو کرنیکے لیئے ایک لوٹا

ہمراہ لیا۔ اور ایک قرآن شریف بھی۔ اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ آپ سچے حاجی بنکر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ یہ سب کچھ بالا کی جنم ساکھی اور دوسری تمام جنم ساکھیوں میں مذکور ہے مگر بالا کی جنم ساکھی سے اتنا اور پتہ لگتا ہے کہ آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ مکہ معظمہ کا حج کریں۔ چنانچہ صفحہ ۱۳۶ میں لکھا ہے "اے نانک مکہ مدینہ جا کر حج کر" اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ میں آپ قاضی رکن الدین سے ملے جو وہاں کا امام تھا اور اس سے آپنے بڑی بڑی لمبی گفتگوئیں کیں چنانچہ ان گفتگوؤں کے اثنا میں آپنے قرآن شریف اور سنت نبوی کی تصدیق کی۔ آپنے دوزخ اور شریروں کی سزا اور نیکوں کی نجات اور حشر اجساد کا اقرار کیا اور بھنگ اور شراب پینے کو بہت برا ابتلایا اور نبی کریم کی شفاعت کا اقرار کیا۔* اسطرح سے آپنے کل اسلامی عقائد کا اقرار کیا۔ یہ واقعات نہ صرف بالا کی جنم ساکھی میں مذکور ہیں بلکہ اس جنم ساکھی کے پرانے نسخہ میں بھی موجود ہیں جو انڈیا آفس لنڈن میں موجود ہے جس کی نسبت خیال ہے کہ وہ اسی زمانے کا لکھا ہوا ہے جس زمانے میں یہ واقعات ہوئے۔ اسطرح سے یہ نسخہ بھی بالا کی جنم ساکھی کی شہادت کی تصدیق کرتا ہے۔

حضرت باوا نانک صاحب نہ صرف اعتقادی طور سے مسلمان تھے بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت عملی پر بڑا زور دیتے تھے اور اسی طرح مانتے تھے جسطرح پر شریعت محمدی نے اسکو ضروری قرار دیا تھا۔ آپ اپنی تعلیم میں اسپر بڑا زور دیتے تھے۔ صفحہ ۹۲ اپر لکھا ہے۔

"نانک آکھے رکن دین سچے سنو جواب - صاحب دا فرمایا لکھیا وچ کتاب"

"دنیا دوزخ اوہ چڑھسے جو کہے نہ کلمہ پاک - مکروہ ترہیے روجڑے پنج نماز طلاق"

"لقمہ کھائے حرام دا سرتے چڑھسے عذاب - آتش دوزخ ہاویہ پایا تنہاں نصیب"

پھر اسی جنم ساکھی کے صفحہ ۱۴۷ پر لکھا ہے "تاسو کرم تریپنے روزہ نا نماز۔ عملاں باہجوں مومنوں دوزخ دُنی عذاب" یعنی جو روزہ اور نماز کے تارک ہیں بغیر اعمال صالحہ کے

---

* پھر نیلا جبہ پہن کر بیٹھے کے آن۔ اِکّو اِک خدا کہے آکھے موہوں کلام۔ نیلا باناں پہنکر دھر یا مصلےؔ پیں عصا کوزہ پاس رکھ پوری کی حدیث۔ عملاں اوتے نبڑے درگہ پوی قبول۔ جت حاجت ناکسو پر آکھی نبی رسول جت راہ شیطان دی جنہاں کی قبول۔ سو درگہ ڈھوئی نہ ملے شفاعت نہ بھرے رسول۔

بُرے لوگوں کو دوزخ کے عذاب میں ڈالا جاویگا۔ پھر صفحہ ۲۲۱ میں لکھا ہے۔
"راحت ایمان کی اوہو دیکھے جائے ۔ پنجو درجوہ رکن دین سائیں سوچت لائے"
یعنی ایمان کی راحت وہی محسوس کرتا ہے جو پانچوں نمازوں کا پابند ہو۔ جو تارک نماز ہیں انکو آپ برملا ملامت کرتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۲۲۲ پر آپ کہتے ہیں۔ "لعنت بر سر تنہاں جو ترک نماز کریں تھوڑا بہتا کھٹیا ہتھوں ہتھ گویں"۔ یعنی جو نماز ترک کرتے ہیں جو کچھ تھوڑا بہت کمایا ہے اسکو بھی دست بدست ضائع کر رہے ہیں۔ آپنے کبھی گوشت خوری کو بُرا نہیں بتلایا جس طرح کہ ہندو گوشت خوری کی مذمت کرتے ہیں۔ مگر سچے مسلمان کی طرح آپنے بھنگ اور شراب اور دوسری منشی چیزوں کی سخت مذمت کی۔ چنانچہ صفحہ ۲۲۲ پر آپ فرماتے ہیں۔
"نانک آکھے رکن دین لکھیا وچ کتاب ۔ درگاہ اندر مارئیں جو پیندو بھنگ شراب"
اور اس جنم ساکھی میں لکھا ہے کہ تمام اسلامی ہدایات پر آپ بذات خود عمل کرتے رہے۔ صفحہ ۱۹۸ پر لکھا ہے کہ "بابا جی اک برس تک وچ روزے رکھدے رہے"۔ صفحہ ۲۰۳ میں لکھا ہے کہ باوا صاحب نے اپنے کانوں میں انگلی دیکر جس طرح کہ مؤذن اذان دیا کرتا ہے اذان دی چنانچہ لکھا ہے "کن وچ انگلیاں پا کے بابے نے بانگ دتی" اور صفحہ ۲۰۴ پر لکھا ہے "پڑھیا خطبہ نبی دا ہویا سگل انند" یعنی جناب محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ پڑھا اور دل کو تسلی ہوئی۔

مذکورہ بالا چند اقتباس اس امر کے ثابت کرنیکے لئے کافی ہیں کہ باوا صاحب نے نہ صرف اسلام کی سچائی اور نبی کریم کی رسالت کا ہی اقرار کیا بلکہ آپنے شریعت محمدی پر خود عمل کرکے دکھایا اور دوسروں کو اس کام کے کرنیکی ترغیب و تحریص دلائی بلکہ حکم دیا۔ اب طبعاً سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مذہب جسے ایک طرح اسلام کی ایک شاخ سمجھنا چاہیئے کسطرح وہ ہندو مذہب سے مل جل گیا۔ جس شخص کو سکھ مذہب کی تاریخ سے پوری واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ یہ بات بالکل سچ ہے اور اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ سکھ مذہب کی زندگی میں ایسے ایسے اثر کام کر رہے تھے جنہوں نے اسکی روش اور طرز خیال کو بالکل بدل دیا۔ لیکن وہ اسباب جن کی وجہ سے یہ اثر پیدا ہوئے وہ پولٹیکل تھے مذہبی نہ تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سکھوں نے

فقیری کا جامہ چھوڑ کر سپاہیانہ لباس پہن لیا اسلیئے انکے اور مسلمان افسروں کے درمیان نزاعیں پیدا ہوگئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کوئی چھوٹے چھوٹے اختلاف پہلے کبھی موجود بھی تھے تو اب وہ رائی کا پہاڑ بن گئے۔ پانچویں گرو ارجن کے وقت سے جتنے گرو بعد میں ہوئے انکے زمانے میں پہلے پہل انکی دشمنی مسلمان حکام کے برخلاف آہستہ آہستہ بڑھنے لگی اور انجام کار عام طور سے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی سے مبدل ہوگئی اسطرح جوں جوں زمانہ گذرتا گیا سکھ اسلام سے جُدا ہوتے گئے۔ قریبًا ایک صدی کے چوتھے حصّہ کے اندر اندر سکھ قوم ان تمام ہندوؤں کا ملجا وماوا بن گئی جن کو کسی طرح مسلمانوں سے شکر رنجی پیدا ہوگئی۔ اس سے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ایسے حالات کے ماتحت یہ قوم مسلمانوں کی حیثیت سے کسطرح رہ سکتی تھی۔

مگر یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اسقدر تغیر عظیم جو سکھ مذہب کے اندر واقعہ ہوا اس کیلئے صرف پولیٹیکل سبب ہی عقدہ کشا نہیں یعنی اگر واقعی سکھ مذہب اسلام کی ایک شاخ ہے تو اسکے لیئے صرف پولیٹیکل سبب بتلانا کافی نہیں۔ اور اگر بانی سکھ مذہب واقعی پورا مسلمان تھا تو یہ پتہ بتانا چاہیئے کہ کسطرح اور کب یہ اختلاف واقع ہوا۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ پولیٹیکل وجوہات نے اس اختلاف کو بڑھا ضرور دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ بیان کرنا کہ کسطرح ایک پکے مسلمان کے پیرو ایسے رستے پر ہولیئے جو اسلام کے بالکل مخالف ہے بہت ہی مشکل امر ہے مگر کسی قوم کے مذہبی خیالات بدلنے کے اسباب عمومًا ایسے دقیق اور مختلف ہوتے ہیں کہ اسکی پوری وضاحت کرنی اور قابل تشفی طور سے بیان کرنا اکثر ناممکن ہوتا ہے۔ جو جو تغیر مذہب عیسوی میں واقع ہوئے ہیں ان میں بھی اگر اس سے زیادہ نہیں تو اسی قسم کی مشکل واقع ہوتی ہے۔ شروع شروع میں یہودی مذہب کی یہ ایک شاخ تھا مگر بعد میں یہ ایک ایسا سلسلہ بن گیا جو یہودی مذہب کے بالکل خلاف واقع ہوگیا حالانکہ وہاں کوئی پولیٹیکل اغراض بھی نظر نہیں آتیں۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ پولیٹیکل اغراض نے سکھ مذہب اور اسلام کے درمیان ایک بڑا اختلاف ڈالدیا۔ جس صفائی اور زور سے باوا نانک صاحب نے فرمایا تھا کہ نجات حاصل کرنیکے لیئے شریعت اسلام کی

پیروی کرنی ضروری ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ کی شریعت کو ہرگز نہ بدلا جاوے۔ مگر ایک نسل ہی گذرنے پائی تھی کہ ان احکام کی بالکل پروا نہ کیگئی گو وہ بدستور کتابوں میں درج ہے۔

سکھ مذہب کے اوائل ایام میں چند باتیں ایسی واقعہ ہوئی ہیں جنسے یہ نتیجہ نکال لیا گیا ہے کہ جس مذہب کی بنیاد باوا صاحب نے ڈالی تھی وہ اسلام سے بالکل مختلف تھا اور وہ یہ ہیں کہ اوائل ایام میں نہ صرف ہندو ہی باوا نانک صاحب کے پیروؤں میں داخل ہوتے تھے بلکہ مسلمان بھی داخل ہوتے تھے۔ مگر اس بات سے باوا نانک صاحب کے مسلمان نہ ہونیکا نتیجہ نکالنا غلطی ہے خصوصاً جب ہم ان صریح واقعات کو دیکھتے ہیں جنسے باوا نانک صاحب کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ باوا صاحب نہ صرف نومسلم ہی تھے بلکہ جیسا کہ بالا کی جنم ساکھی سے معلوم ہوتا ہے آپکو لوگ شیخ کے نام سے پکارتے تھے اور یہ امر آپ خود بھی محسوس کرتے تھے کہ دوسرے مسلمان صوفیوں کی طرح آپ دوسرے لوگوں کے روحانی رہنما بنیں اور انکو اپنے مریدین میں لیں کیونکہ یہ بات مسلمان صوفیاء میں عام طور سے رائج تھی۔ پس نانک کے مریدین میں مسلمانوں کا ہونا سکھ مذہب کو اسلام سے جدا کرنیکی بجائے کامل طور سے یہ بتلاتا ہے کہ جسطرح ہندوستان میں اُسوقت اور صوفیاء کے خاندانوں کے سلسلے موجود تھے اسی طرح آپ کا سلسلہ بھی تھا اور مسلمان باوا صاحب کے سلسلہ کو اُس وقت اسلام کا ایک سلسلہ سمجھتے تھے یہ کسی جگہ سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو مسلمان آپکے سلسلہ مریدی میں شامل ہوئے انہوں نے مسلمانی عقائد کو ترک کر دیا یا انپر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ اور وہ کسطرح سکتے تھے جبکہ وہ دیکھتے تھے کہ انکا شیخ خود چلہ کشی کرتا ہے نماز پڑھتا ہے۔ نماز کیلئے مصلےٰ اور کوزہ ساتھ ہے اور قرآن شریف بغل میں ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جنکا کرنا معمولی مسلمان کا کام نہیں۔ بلکہ ایک بڑے زاہد و عابد مومن مسلمان کا کام ہے اصل حقیقت یوں ہے کہ اگر ان مسلمانوں کو جو آپکی سلسلہ مریدی میں شامل ہورہے تھے۔ یہ پتہ کسی طرح سے بھی لگ جاتا کہ آپ کی تعلیم اسلام کے

ذرا بھی مخالف ہے تو وہ لوگ کبھی آپکے مرید نہ بنتے۔ جبتک یہ بات نہ ثابت کیجاوے کہ جو مسلمان آپکے سلسلہ میں داخل ہوئے انہوں نے اسلام کو ترک کر دیا تھا یا اسلامی احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا تبتک مسلمانوں کا آپکے مریدین کی جماعت میں موجود ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ سکھ مذہب مذہب اور اسلام کے بین بین کوئی مذہب تھا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باوانانک سچے مسلمان تھے۔

بعض ایسی باتیں ہمارے پاس موجود ہیں جنکی بنا پر ہم اس دُور دراز زمانے میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ باواصاحب کے مذہب کو اُس وقت کے مسلمان اسلام سے جدا نہیں سمجھتے تھے۔ پنجاب کے فرمانروا ان دنوں میں مسلمان تھے اور اسوقت کی اسلامی حکومتوں میں اسلام سے مرتد ہونا ایک ایسا گناہ تھا جسکی سزا موت تھی۔ مسلمان حکام دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اپنے ماتحت امن وامان سے رہنے کی اجازت دے سکتے تھے اور دیتے تھے اور ان حکام کا یہ فرض تھا کہ جو جو آزادیاں مسلمان رعایا کو میسر ہوں وہی آزادیاں غیر مذاہب کے لوگوں کو جو اُنکی رعایا میں شامل ہوں دیں۔ مگر جو شخص مسلمان رہ کر مرتد ہو جائے اسکو فوراً قتل کر دیا جاتا تھا اور روئے زمین پر پھر کوئی اسکو بچا نہیں سکتا تھا۔ جبتک کہ وہ مسلمانوں کے زیر حکومت رہے۔ اب ایک طرف تو ہمارے پاس ایک واضح اور یقینی ثبوت اس امر کا موجود ہے کہ مسلمان باوانانک صاحب کے سلسلہ میں ضرور شامل ہوئے اور دوسری طرف ہم یہ جانتے ہیں کہ کسی نے اُنسے پرسش تک نہ کی۔ اور قتل تو کجا اُنپر ظلم اور تعدی تک بھی روا نہ رکھی۔ پس چونکہ اُس زمانہ کی مسلمان حکومتوں کا عملدرآمد یہ تھا کہ مرتد کو فوراً قتل کر دیا جاوے اس لئے باواصاحب کے مریدین میں سے کسی سے بھی ذراسی پُرسش تک نہ کیا جانا صاف اور یقینی طور سے بتلاتا ہے کہ حکام باوانانک کے سلسلہ کو اسلام سے جُدا نہیں سمجھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دہلی کے مسلمان بادشاہ ابراہیم لودی نے باواصاحب کو کچھ عرصہ قید رکھا مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا ہے کہ آپ مسلمان نہ تھے۔ مسلمان بادشاہوں اور مسلمان حکومتوں کی طرف سے بعض وقت بڑے بڑے علمائے اسلامی کو تکالیف پہنچتی رہی اور

بہت سے معزز علمائے اسلام نے جنکا نام آج کل دنیا میں عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے اپنا وقت قید خانوں میں گذارا۔ اور اس امر کی ہمارے پاس بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کا ذکر اسجگہ ضروری نہیں کیونکہ وہ عام طور سے لوگوں کو معلوم ہیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی جنکے روضہ کی زیارت کے لیئے پچھلے سال امیر حبیب اللہ خاں صاحب والئ افغانستان تشریف لے گئے تھے انکو جہانگیر نے قید کر دیا تھا۔ اور بہت سے اولیاء مجدد اور مصلحین مسلمانوں میں گذرے ہیں جن کی اب تمام مسلمان عزت کرتے ہیں اور ساد سے یاد کرتے ہیں۔ انکے زمانے میں انکے ساتھ ایسا ہی یا اس سے بھی بدتر سلوک ہوتا رہا۔ پس باوا نانک صاحب اگر قید کیئے گئے تھے تو انکا قید ہونا اس بات کا ہرگز ثبوت نہیں کہ آپ مسلمان نہ تھے بلکہ یہ امر کہ آپکے مسلمان پیرووں میں سے کسی کو مرتد قرار دیکر سزائے موت نہیں دیگئی اس امر کی ایک صاف گواہی ہے کہ آپ کی تعلیم و تلقین اسلام کے خلاف بالکل نہ تھی۔

اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ہندو لوگ جو پرانی رسومات کے بالکل دلدادہ ہیں وہ کسطرح ایک مسلمان صوفی کی مریدی میں داخل ہو سکتے تھے گو کیسا ہی تعجب خیز امر کیوں نہ ہو مگر یہ معاملہ ہوتا رہا ہے کہ مسلمان صوفیاء نے ہندوؤں کو بغیر مسلمان کرنیکے اپنی سلسلہ مریدی میں لیا ہے اور اسپر انکو چنداں اعتراض نہیں ہوتا رہا ایسا ہی ہندوؤں نے ہندو رہ کر مسلمان صوفیوں کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کیا ہے۔ اس زمانہ میں بھی بعض ذی وجاہت ہندوؤں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے سلسلۂ مریدی میں داخل ہونے کی خواہش کی بشرطیکہ انکو اجازت دیجاوے کہ وہ اپنے ہی مذہب میں رہیں مگر آپ کا سلسلہ چونکہ خالی صوفیاء کی طرز کا نہیں تھا بلکہ نبوت کے رنگ میں تھا اسلیئے آپنے ایسی اجازت نہ دی مگر باوا صاحب کے حالات کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ انکا خیال تھا کہ اسلام کو لوگوں کی نظر میں قبولیت کے قابل آہستگی سے بنانا چاہیئے۔ اسلیئے آپنے انسے کبھی پورا اسلامی اقرار کروانیکی کوشش نہیں کی۔ بلکہ آپ آہستہ آہستہ تدریجاً انکو اسلام سکھلانا چاہتے تھے اسی غرض سے آپنے اپنے خیالات ایسی زبان میں ظاہر کرنے چاہے جو لوگوں کی نظروں میں بہت ہی کم وحشت اور غیریت رکھتی ہو یعنی پنجابی زبان میں۔ ایک ہندو کے لیئے مسلمان ہوجانا موت کے برابر ہے۔

کیونکہ تبدیلیٔ مذہب سے تمام تعلقات کو قطع کرنا اور اقربا کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور انسے قطع تعلق ہو جاتا ہے باوا صاحب اس امر کے آسان کرنے کی فکر میں لگے ہیں اسی لئے آپنے کام کو آہستگی سے اور تدریجاً شروع کیا۔

دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ کسطرح ہندوؤں کے خیالات اس قوم پر غالب آگئے اور کسطرح انہوں نے مسلمانی رنگ ڈھنگ کو بالکل ضائع کر دیا۔ آپکی زندگی میں مسلمان مریدین کی تعداد خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو مگر اس بات کے ماننے کیلئے کافی دلائل موجود ہیں کہ آپکی وفات سے مسلمانوں کا اس جماعت میں داخل ہونا بالکل بند ہو گیا۔ سکھوں کی تاریخ سے اس بات کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ باوا صاحب کی وفات کے بعد کوئی مسلمان اس سلسلہ میں داخل ہوا ہو اور یہ ہونا بھی چاہیئے تھا۔ وہ بات جس سے مسلمان باوا صاحب کی طرف کھچے چلے آتے تھے وہ آپ کا ذاتی جذب اور مقناطیسی قوت تھی اور انکو یہ یقین تھا کہ آپ پکے مسلمان ہیں۔ آپکی وفات سکھ مذہب کے لئے ایک تغیر عظیم پیدا کرنے کا موقعہ تھا۔ اسی وقت سے مسلمانوں کی شمولیت اس سلسلہ میں مفقود ہو گئی اور جب تمام کاروبار اس سلسلہ کا ہندوؤں کے ہاتھوں میں آگیا تو یہ ایک ضروری امر تھا کہ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا مسلمانی چال ڈھال جاتی رہی۔ اور یہ ایک قدرتی امر تھا کہ جو لوگ ہندوؤں میں سے سکھ مت میں داخل ہوئے وہ اسلام سے اسطرح جدا ہو کر کم و بیش اپنے مذہب کی طرف واپس چلے گئے۔ پولیٹیکل حالات نے جنکا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اس رفتار علیحدگی کو اور بھی تیز کر دیا اور سکھ مذہب جو اصل میں اسلام کی ایک شاخ تھا وہ ہندو مذہب کی ایک شاخ سمجھا جانے لگا آپکے مریدین کی جماعت میں سے مسلمانوں کے اسطرح نکل جانیسے نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ مذہب میں جو جو اسلامی تعلیمیں تھیں وہ سب بھلا دی گئیں یا گرو ارجن اور انکے بعد کے متعصب گروؤں نے جان بوجھکر انکو ایک طرف ڈالدیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی ایسی تعلیمات گرنتھ صاحب میں بہت کم پائی جاتی ہیں کیونکہ اسکا مؤلف گرو ارجن تھا۔ مگر یہ تعلیمیں بعض ان جنم ساکھیوں میں موجود ہیں جو کہ اس زمانے سے پہلے لکھی جا چکی تھیں۔

ہندوستان میں دہریّت

مذہبی لحاظ سے ہندوستان کو ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے جو شائد ہی دنیا کے کسی دوسرے ملک کو نصیب ہو بڑے بڑے مذہبی اعتقادات اور مذہبی خیالات کا شائد ہی کوئی ایسا پہلو ہو جو ہندوستان میں جاگزین نہ ہو۔ اسی سرزمین میں یہ نظارہ دکھائی دیتا ہے کہ ایک طرف اگر ذات و صفات باری تعالیٰ کے متعلق اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ خیالات اور عقل و فطرت کے مطابق اعتقادات پائے جاتے ہیں تو دوسری طرف پرلے درجہ کے وحشیانہ اور توہم پرستی کے خیالات کا غلبہ ہے۔ ہندوستان گویا ایک مذاہب کا دنگل بن رہا ہے اور یہ خصوصیت جو اس ملک کو دیگئی ہے مصلحت الٰہی سے خالی نہیں ہوسکتی۔ مگر یہاں ہماری غرض اس مصلحت کا ذکر نہیں۔ اس مذاہب کے دنگل میں جیسا کہ ضروری تھا مغربی تعلیم کے ساتھ ساتھ دہریت کے خیالات بھی پھیل گئے ہیں۔ مگر انکا اثر اندر ہی اندر خواہ لوگوں کے اعتقادات پر کیسا ہی ہو بظاہر اسکا غلبہ اس ملک میں ایسا نہیں جیسا یورپ اور امریکہ کے مہذب اور تعلیم یافتہ ممالک میں ہو رہا ہے۔ اس مضمون میں مَیں اس دہریت کا ذکر نہیں کرونگا بلکہ اسجگہ میں اپنے ناظرین کے سامنے اُس دہریت کا ایک مختصر سا نقشہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو سرزمین ہند میں ہی پیدا ہوئی ہے اور گو باہر سے آئے ہوئے خیالات کا بھی اسپر بہت کچھ اثر پڑا ہو مگر اسکی بڑی خصوصیت اب بھی اسے صاف طور پر ہندو مذہب کا ہی ایک شعبہ بتا رہی ہے۔ اس دہریت کے سلسلہ کا نام دیو سماج ہے۔ اور دیو دھرم اس دہریہ مذہب کا نام ہے جسپر اس سلسلہ کے پیرو چلتے ہیں۔

دیو سماج کے بانی پنڈت ستیہ نند اگنی ہوتری صاحب ہیں جو ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے ابتدائی عمر میں انہوں نے انجنیرنگ کا پیشہ اختیار کیا اور کچھ مدت تک گورنمنٹ ہائی سکول لاہور میں ڈرائنگ اور سرویئنگ ماسٹر رہے۔ مگر یہاں سے ۱۸۸۲ء میں استعفادیا اور پانچ سال بعد دیو سماج کی بنیاد رکھی۔ گو دیو سماج اپنی موجودہ حالت میں کھلے طور سے

دہریت کے عقائد کی تعلیم دیتا ہے اور نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار کرتا ہے بلکہ خدا اور خدا پرستوں اور خدا کے رسولوں کو گالیاں نکالنا اپنا فخر سمجھتا ہے مگر ابتدا میں جب پنڈت اگنی ہوتری نے اسکی بنیاد رکھی تھی تو یہ دہریت سے کوسوں دور تھا۔ اسوقت اس کے بانی کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ خدا کے ساتھ گویا ہمکلام ہوتا ہے۔ اور کہ اسکی پیروی کر کے ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر سکتا اور ہمکلام ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اقتباس پنڈت اگنی ہوتری کی ایک ابتدائی تصنیف "روحانی زندگی" سے لیا گیا ہے۔* "پرماتما کے پریمیوں کے لیئے بھی بعض دفعہ اس قسم کا خیال دامنگیر ہوتا ہے وہ کبھی یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس تنہائی میں وہ اپنے دل کی ساری کہانی ان کے سامنے پیش کریں اور انسے جواب چاہیں ہاں وہ ایک ایسی گہری تنہائی ڈھونڈتے ہیں جس میں وہ بلا تکلف پرماتما سے مل سکیں پرماتما کے ساتھ کچھ دیر ٹھہر کر باتیں کر سکیں کچھ انہیں کہہ سکیں کچھ انکی سن سکیں ..... یہ عجیب خلوت کی حالت ہے اس خلوت میں حواس نہیں۔ نفس نہیں۔ دنیا نہیں۔ پھر کون ہے پرماتما پر میشر اور انکا جوگی..... اس سمادھی میں جیونت پرش کا جیونت پرش سے میل ہے لیکن نہایت تنہائی کا میل ہے..... یہاں بات چیت کا مٹھاس بھی لاثانی ہے۔ یہاں وہ بات چیت ہوتی ہے اور وہ دلی بات ظاہر کیجاتی ہے کہ جو اور کہیں ظاہر نہیں ہوتی۔ اور اس دل کی کہانی کے کھلنے پر سچے محبوب کی طرف سے بھی ایسی بات کیجاتی ہے کہ جو اس تنہائی کے لیئے مخصوص ہے.... اس کی آنکھیں پربھو کے درشن کا مزہ لیتے لیتے آخر کار تھک کر رہ جاتی ہیں... آخر کار قطعی بے سدھ ہو جاتا ہے ہاں پرماتما اسے پھر

---

* یہ اقتباس اور ایسا ہی ذیل کے چند اقتباس آریہ سماج کے ماہوار رسالہ اندر سے لیئے گئے ہیں جس میں بڑی کوشش کے ساتھ اس دہریہ دھرم کی اصل حقیقت کھولکر دکھائی گئی ہے۔ گو اس رسالہ کی زبان ایسی نہیں جسے متین خواندہ آدمی پسند کر سکیں مگر واقعات کے اظہار کے لحاظ سے اندر کی یہ محنت قابل قدر ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ خود دیو سماج خدا پرستوں کے متعلق ایسی ہی زبان استعمال کرتا ہے

ہوش میں لاتے ہیں اور اسپر اپنے پیار کا ہاتھ پھیر کر اپنا آشیرباد دے کر اتنی دیر گود میں سلا یا رکھنے کے بعد پھر گود سے اُٹھا کر کھڑا کر دیتے ہیں اور منہ چوم کر کہتے ہیں جا کچھ دیر کھیل ،،

ایک طرف بانی دیو سماج کی اس تحریر کو دیکھو اور دوسری طرف آج کل کی کوئی تحریر جیون تت کے کسی نمبر سے لو تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ کہاں خدا کی گود میں لیٹنا اور خدا سے باتیں کرنا اور پربھو کے درشن کے مزے لینا اور کہاں خدا کی ہستی پر ہنسی اور ٹھٹھا اور ہر ایک قدرتی واقعہ سے خدا کی عدم ضرورت کا نتیجہ نکالنا۔ کسی ایک انسان کے خیالات میں ایسے تغیرات کا آنا تو کوئی عجیب بات نہیں مگر ایک سلسلہ میں ایسے انقلاب عظیم کا آنا اور پھر اس سلسلہ کا قائم رہنا ایک حیرت انگیز امر ہے۔ اس انقلاب عظیم میں سے دیو سماج اپنے بانی کی زندگی میں ہی ہو گذرا ہے۔ اور اب چند سال سے پنڈت اگنی ہوتری بجائے پربھو کے دیدار کی تعلیم کے پربھو کے انکار کی تعلیم دے رہے ہیں اور ایک عجیب و غریب سلسلہ دہریت کا قائم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک طرف تو مغربی مادی تعلیم سے متاثر خیالات کی تعلیم دیجاتی ہے اور دوسری طرف ہندو مذہب کے جاہلانہ توہم پرستی کے عقائد سکھائے جاتے ہیں اور اسطرح پر...... دیو دھرم میں ایسے عقائد کا اجتماع نظر آتا ہے جسکی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں مل سکتی۔ دیو سماج کی دہریت اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار تک محدود ہے اور روح کی فنا کے وہ قائل نہیں۔ مگر انکی حیات بعد الموت کا مسئلہ ہندوستان کے ان جاہلانہ خیالات پر مبنی ہے جو بھوتوں اور چڑیلوں کے متعلق ابھی تک عوام الناس میں بعض جگہ مروج ہیں۔ ذیل کے اقتباس جو بطور سوال و جواب ہیں دیو سماج کی روح کے بارے میں تعلیم پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سوال۔ کثیف جسم چھوڑنیکے بعد جو آتما لطیف جسم قبول کرنے لائق ہوتے ہیں وہ سب کہاں رہتے ہیں ؟

جواب (دیو دھرمی)۔ اپنی اپنی نیچ اور اونچ حالت کے مطابق کوئی اس زمین کے ساتھ بندھے

بستے ہیں اور کوئی پرلوک سے متعلق کسی لوک میں جا کر رہتے ہیں۔

سوال۔ پرلوک کہاں ہے؟

جواب۔ جسطرح پر ہمارے کثیف سورج منڈل کے ساتھ ہماری اس زمین کا تعلق ہے اور یہ زمین اس منڈل کا ایک حصہ ہے اسطرح اس سورج منڈل کے لطیف پرمانوؤں سے جو اور لطیف سورج منڈل بنا ہے اسکے ساتھ ہماری جیسی جس لطیف زمین کا تعلق ہے اسے پرلوک کہتے ہیں۔

سوال۔ اور جو درخت یا حیوان یا انسان یہاں سے مرنے کے بعد پرلوک کے کسی لوک میں بھی پہنچنے اور رہنے کے لائق نہیں ہو سکتے انکا کیا ہوتا ہے؟

جواب۔ وہ لطیف شکل قبول کر کے اس زمین میں رہ جاتے ہیں اور اس پرتھوی میں یا اسکے آس پاس گھومتے رہتے ہیں لہٰذا انکے اس قسم کے قیام کو ادھم لوک کہتے ہیں۔

سوال۔ بھلا ادھم آتماؤں کو خوراک کسطرح پر ملتی ہے؟

جواب۔ وہ ہم لوگوں کی خوراک اور اس زمین کے پھلوں وغیرہ سے لطیف حصہ نکالکر کھاتے ہیں موقع پا کر دودھ دینے والے حیوانوں اور ماں کا دودھ پی جاتے ہیں اسکے سوائے جو کمزور حیوان مرتے ہیں یا ہم لوگوں کے بھی جو چھوٹے چھوٹے یا کمزور بچے مرتے ہیں اور جنکا کوئی محافظ نہیں ہوتا انہیں بھی چٹ کر جاتے ہیں۔

سوال۔ بچوں وغیرہ کا چٹ کر جانا تو بڑی خوفناک حالت ہے؟

جواب۔ بیشک۔

سوال۔ کیا بھوت چڑیل وغیرہ انہی ادھم آتماؤں کو کہتے ہیں؟

جواب۔ ہاں اور یہ سب مہا نیچ اور جہنمی زندگی بسر کرتے ہیں۔

سوال۔ یہ ادھم آتما کتنے کتنے عرصہ تک اس مہا نرک میں پڑے رہتے ہیں؟

جواب۔ کوئی تھوڑے دنوں تک اور کوئی کئی کئی مہینے یا کئی برس تک اور کوئی سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو برس تک زندہ رہ کر اور بہت تکلیف پا کر اور نہایت دکھ اٹھا کر فنا ہو جاتے ہیں۔

سوال - کیا انہیں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جو اس زمین میں اس یا اُس دھرم یا مت کے ماننے والے کہلاتے ہیں ؟

جواب - ہاں اکثر سب ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں یعنی لاکھوں وہ جو پہلے عیسائی کہلاتے تھے - لاکھوں وہ جو مسلمان کہلاتے تھے لاکھوں وہ جو ہندو یا سکھ - جینی - کبیر پنتھی - داؤد پنتھی - بیشنو - شو - شاکت - جوگی - بیراگی - سادھو - سنیاسی اور عالم وغیرہ کہلاتے تھے -

سوال - کیا بڑے بڑے عالم لوگ بھی نرک سے نہیں بچتے ؟

جواب - ایک آدمی عالم ہوکر اور زیادہ سمجھدار بنکر اپنی سمجھ کے ذریعہ بے وقوفوں کی بہ نسبت اور بھی بڑھ چڑھ کر اپنی نیچ حالتوں میں اول نمبر ہوتا ہے - اس لیئے بار ہا بیوقوفوں کی بہ نسبت بہت بڑھ چڑھکر جنمی زندگی قبول کرتا ہے -

سوال - کیا ادھم لوک کی رہنے والی جنمی روحیں اپنی نیچتا کی وجہ سے ہم لوگوں کو بھی کسی طرح کا نقصان پہنچاتی ہیں ؟

جواب - کیوں نہیں - بہت سے بیمار اور کمزور بچوں اور بہت سے زیادہ بیمار لوگوں کی تکلیفوں کو بڑھا دیتی ہیں - مرتے ہوئے جن بچوں کا کوئی خبر گیراں نہ ہو انہیں پکڑ کر کھا جاتی ہیں -

یہ اس دہریہ مذہب کے اعتقاد ہیں جو عقل اور سائنس پر مبنی ہونیکا دعوی کرتا ہے اور اسکے پیرو بھوتوں اور چڑیلوں پر ایسا اعتقاد رکھتے ہیں جو اس ملکِ ہند کے جاہل سے جاہل طبقوں میں پایا جاتا ہے - وہ نہ صرف بھوتوں اور چڑیلوں کی ہستی کو مانتے ہیں بلکہ ان بھوتوں چڑیلوں کا معمولی دنیا کے کاموں میں پورا دخل سمجھتے ہیں اور انکو نقصان رسانی پر قادر جانتے ہیں - اس سے پہلے بھی جاہل لوگوں نے بھوتوں چڑیلوں کے متعلق بہت سے قصے بنا رکھے ہیں مگر ایسا خیال دیو سماج سے پہلے شاید کسی نے ہی ظاہر کیا ہو کہ بھوت اور چڑیلیں دودھ پلانیوالی ماؤں کا دودھ زبردستی آکر پی جاتے ہیں اور بیمار اور مرتے ہوئے بچوں کو کھا جاتے ہیں - جاہلوں میں ایسی باتوں کا ہونا تو چنداں قابل افسوس نہیں مگر جب ایک علمی زمانے میں خواندہ شخص ایسے گندے اعتقاد

قبول کرتے ہوئے اور پھیلاتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں تو اس ملک کی حالت پر واقعی افسوس آتا ہے۔ اور پھر تعجب پر تعجب ہے کہ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ یہ دھرم سائینس اور علم پر مبنی ہے! اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اعتقاد جسے بڑے سے بڑے سائینس دانوں اور فلاسفروں نے قبول کیا اسکو تو توہم پرستی کے نام سے پکارا جاتا ہے اور بھوتوں اور چڑیلوں کے مرتے ہوئے بچوں کو کھا جانے اور دودھ پلانیوالی ماؤں کا دودھ پی جانیکے اعتقاد کو سائینس اور علم پر مبنی کہا جاتا ہے۔ بھوت اور چڑیلیں اس دہریہ دھرم کے نزدیک دنیا کے کاموں میں دخل دے سکتی اور انکو بگاڑ سکتی ہیں مگر خدائے تعالیٰ کوئی دخل نہیں دے سکتا!

اسی تصویر کا دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے۔ جسطرح پر دیو سماج کی یہ تعلیم ہے کہ انسانی بیماریاں اور تکالیف بدروحوں اور بھوتوں کے ذریعہ سے آتی یا بڑھ جاتی ہیں اسی طرح انکا یہ بھی اعتقاد ہے کہ دیوگرو یعنی بانیٔ دیو سماج کے ذریعہ سے تکالیف دُور ہو سکتی اور بیماریاں اچھی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ دیو سماج کا ایک ممبر اپنے ایک خط میں اپنے گرو کی طاقت کا اظہار کرتا ہوا لکھتا ہے کہ مجھے بخار تھا میں نے آپ کا بھجن گانا شروع کیا تو بخار جاتا رہا۔ اور پھر خود بانیٔ سماج ایک عورت کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "ایک عورت ہیبنوں پاگل رہا کرتی تھی میں نے اسے کہا کہ تم میرا دھیان کرو اور مجھ سے پرارتھنا کرو اس سے اسکو بیماری سے نجات ملی"۔ مگر جیسا کہ ہر ایک ایسے مدعی کا حال ہوا کرتا ہے خود بانیٔ سماج طرح طرح کی امراض میں مبتلا رہتا ہے اور جن امراض سے دوسروں کو نجات دینے کا دعویٰ کرتا ہے انسے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔

پس دیو سماج کی دہریت صرف اسی حد تک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار کیا گیا ہے ورنہ وہ ایسے ہی باطل پرستی اور توہمات میں مبتلا ہیں جسطرح سے اور بہت سے جاہل لوگ اس ملک میں مبتلا ہیں۔ انکا سارا سائینس اور علم خدا کی ہستی کے انکار پر ختم ہو جاتا ہے اور اس انکار کے بعد وہ ایسے ذلیل اور گرے ہوئے اعتقادات کے پیچھے چلتے پائے جاتے ہیں جنہیں کوئی عقلمند انسان قبول نہیں کر سکتا۔ یہ بات تو قرین قیاس نہ تھی کہ دہریہ ہو کر پھر انسان عبادت میں بھی مشغول ہو کیونکہ عبادت کا مفہوم تو یہ ہے کہ انسان اپنے

سے برتر ایک ہستی کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ اور اپنے نقصوں اور کمزوریوں کا علاج ایک بے عیب اور کامل ذات سے چاہتا ہے مگر جو شخص کسی ایسی ہستی کا قائل نہیں وہ عبادت کس کی کر سکتا ہے۔ مگر جس قادر مقتدر خدا نے فطرت انسانی کو بنایا ہے اس نے اپنا نقش اسپر ایسا جمایا ہے کہ کوئی چیز اسکو مٹا نہیں سکتی۔ دیو سماج نے اس خدا کی ہستی پر ہنسی کی اور خدا کی عبادت سے انکار کیا تو ایک عاجز ضعیف انسان کی عبادت اسے کرنی پڑی۔ خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب انسان ایک اعلیٰ اور ارفع بات کو چھوڑتا ہے تو اسے ایک نہایت ذلیل اور گری ہوئی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔ ایک بیچگون اور بے عیب ذات کے سامنے تذلل اور عبودیت اختیار کرنا تو انسان کا فخر ہے اور یہی اسکی ترقی کا اصل ذریعہ ہے کیونکہ یہ تذلل اور عبودیت دراصل انسان کو اُس قدوس اور کامل خدا کے قریب لانیکا ذریعہ ہوتی ہے۔ مگر ایک عاجز گرے ہوئے اور ضعیف انسان کے سامنے عبادت میں جھکنا اور اس سے مرادیں مانگنا۔ اس سے جو خود بے علم ہے اپنے علم کا ازدیاد چاہنا اس سے جو خود ناپاکیوں اور گندوں میں پھنسا ہوا ہے پاکیزگی نفس کے لیئے استمداد کرنا انسان کو ذلت اور پستی کی طرف لیجانیوالی چیز ہے۔ دیو سماج نے جب اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار کیا اور اسکی عبادت پر ہنسی کی تو آخر اسے خود ایک اپنے جیسے انسان کی عبادت اختیار کرنی پڑی۔ چنانچہ دیوگرو کی پوجا کا طریق دیو سماج کا ایک ممبر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"(۱) سویرے اُٹھکر اور ایک شیش (خاص) کپڑے پر سر رکھکر آپ کو (یعنی دیوگرو) کو پرنام کرتا ہوں

(۲) آپ کی چھبی (تصویر) کے دوارا چندن سے آپکا ارچن کرتا ہوں۔

(۳) آپکی چھبی (تصویر) کے آگے کھڑا ہوکر بھجن اور دیو ستوتر کا گان کرتا ہوں

(۴) آپ کی وشیشتاؤں میں سے کسی وشیشتا (خصوصیت) کا پاٹھ کرتا ہوں

(۵) آپکے اوپکاروں کو سامنے لاکر اُنپر وچار کرتا ہوں"

ایک دوسرا مرید اس عبادت کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "ایک طشتری میں بہت سے

سندر پھول اور چندن رکھا۔ آپ کی چرن دھولی (پاؤں کی مٹی) کو ماتھے پر لگا کر دھن دھن ہوا ایک رومال کے ساتھ جو اس مقصد کے لیئے الگ رکھا ہوا ہے آپ کی اتینت سندر چھبی (تصویر) کو صاف کیا۔ چھبی کو سجا کر اسکے سنکھ پشپوں کی طشتری رکھی اور پھر شاشٹانگ پرنام کیا۔ ان سب کرپاؤں سے جو کچھ مینے اپلبدہ اور لابھ کیا وہ میرے ورنن (بیان) سے باہر ہے"

تیسرے کے الفاظ یہ ہیں۔ "پہلے کر اصاف کیا دھوپ جلائی آپکی چھبی کو دیدی کو ستھاپن کرکے پھولوں سے سجایا اور پھر آپ کو پرنام کیا" چوتھا اپنا طریق عبادت یوں بیان کرتا ہے۔ "پراتہ کال چارپائی سے اٹھنے کے ساتھ بھومی پر سر رکھکر آپ کو پرنام کرتا ہوں۔۔۔ پھر آپ کی چھبی کو سوئچھ (صاف) بستر سے صاف کرتا ہوں پھر ڈنڈوت پرنام کرکے آپ کی مہانتا اور اپنی تچھتا اور اپنے اپرادھی روپ کو سمرن کرتا ہوں کتنے کال ایسی اوستھا میں پڑا رہ کر آپکے مہاں روپ کا چنتن اور آپسے سہائے پرارتھنا کرتا رہتا ہوں"

یہ ایک دو شخصوں کا بیان نہیں بلکہ دیو سماج کا اخبار اسی قسم کے خطوط سے بھرا پڑا ہے جس میں ہر ایک مرد و زن جو اس سلسلہ میں شامل ہے یہی بیان کرتا ہے کہ وہ دیوگرو کی تصویر کی یوں پرستش کرتا ہے اور اسکی حمد کے گیت گاتا اور اسپر بھینٹ چڑھاتا ہے۔ گویا بانی سماج کی تصویر یا خود بانی سماج دیو سماج کا وہ بت ہے جسکی پرستش کیجاتی ہے۔ ایک بت پرست میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں سوائے اسکے کہ یہاں بت کا قائم مقام دیوگرو اور اسکی تصویر ہے۔ اور بت پرست خدا کی ہستی کا انکار نہیں کرتا مگر دیوگرو کا پرستار اپنے مالک حقیقی کا انکار بھی کرتا ہے اور پھر ایک نااہل کو اپنا معبود قرار دیتا ہے۔ یہ بھی عجیب دہریت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ہستی کا انکار کرکے وہ مرتبہ ایک عاجز انسان کیلئے تجویز کیا جاتا ہے۔ اور اس انسان سے اسی طرح دعا مانگی جاتی ہے اور اسی طرح اسکا تصور دل میں بٹھایا جاتا ہے جس طرح ایک بت پرست بت سے دعا مانگتا ہے اور اسکا دھیان کرتا ہے۔

اس رنگ میں کہا جاسکتا ہے کہ پنڈت اگنی ہوتری بانی دیوسماج نے ایک ترقی کی ہے کہ وہ ایک مذہبی پیشوا ہونیکے دائرہ سے نکلکر خود خدائی کا دعویدار بن بیٹھا ہے۔ ایک دو ورقہ اشتہار میں جو دیوسماج کی طرف سے شائع کیا گیا ہے یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ دیوگرو کے کام خدائے تعالیٰ کے کاموں سے بہت بڑھکر ہیں اور جہاں انسان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ڈھونڈنیکے خیال پر ہنسی کی جاتی ہے ساتھ ہی یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ دیوگرو کے ساتھ ایسا تعلق پیدا کرنا چاہیئے اور کہ اس تعلق کے بغیر نجات کی برکت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسطرح پر ابدی نجات کو دیوگرو پر ایمان لانے اور اسکی عبادت کرنے اور اسکی تصویر کی پوجا کرنیکے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے دیوسماج کی تعلیم کے مطابق اس دنیا میں دیوگرو کا ظہور ایک نادر واقعہ ہے جسکی نظیر نہ دنیا کی تاریخ میں پہلے کہیں ملتی ہے اور نہ بعد میں ملے گی۔ یعنی یہ مانا جاتا ہے کہ تمام انسانوں سے برتر یہ انسان دنیا میں پیدا ہوا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ جس دن دیوگرو پیدا ہوا تھا اس دن سورج اور چاند نے بڑی خوشی منائی اور خوشی کے گیت گائے کہ ہماری وہ امید برآئی جسکی انتظار ہم اپنی ابتدائے زندگی سے کررہے تھے۔ چنانچہ "شری دیوگرو بھگوان کا لاثانی ظہور" نام رسالہ میں مندرجہ ذیل گفتگو چاند اور سورج کی بیان کیگئی ہے جو دیوگرو کے جنم کے دن ہوئی:۔

"سورج نے دیکھا کہ اس دن یعنی پوش بدی پرتی پدا سمت ۱۹۰۷ بکرمی کو انسانی جماعت میں جس بچے نے جنم لیا ہے وہ بچہ ایک نادر اور نرالا ہے وہ اگرچہ انسانی ماں باپ سے پیدا ہوا ہے مگر وہ بدھی اور بھاشا شکتیوں کے علاوہ جن نئی دھرم شکتیوں کو لیکر ظاہر ہوا ہے انکے لحاظ سے وہ انسانی دنیا سے پیدا ہوکر بھی اسی طرح پر اس سے اوپر کی چیز ہے کہ جسطرح پشو جگت سے پیدا ہوکر انسان اس سے اوپر کی چیز سمجھا گیا ہے۔۔۔۔ سورج نے اس انوکھے بچے کے جنم کے لے چکنے پر چاند کی طرف دیکھکر کہا کہ تم نے بھی کچھ دیکھا چاند نے کہا ہاں کچھ تو دیکھا سورج نے کہا کہ تم نے تو اس بچے کو باہر سے ہی دیکھا ہے مگر میں اسکی ان خاص طاقتوں کو بیج روپ میں دیکھتا ہوں کہ جو ایک دن اسکے

بہتر سے پرکاش پاکر اسے دیو روپ میں ڈھال اور پہنچاویں گے .... سورج نے کہا چاند! جبتک انسانی دنیا کے اندر کسی ایسے مہا آتما کا ظہور نہ ہو کہ جو پرکاش پاکر ایک طرف جہاں جیون تت کے متعلق نہایت نایاب گیان کی روشنی سے منوّر اور بھرپور ہو... اور سب قسم کے غلط عقیدوں اور کلپت متوں اور مختلف قسم کے پاپوں اور دراچاروں سے مکتی حاصل کر کے .... ایکتا قائم کر سکتا ہو تب تک میری تمہاری اور اس زمین کی امید پوری نہیں ہو سکتی .... میں ہزاروں برسوں سے ایسے مہا آتما کے ظہور کی راہ دیکھ رہا تھا۔ انسانی دنیا بھی اپنے ہر ایک پہلو کے لحاظ سے ادھار اور کلیان کے لیئے ویسے ہی مہاآتما کی آرزو کر رہی تھی.... پرکاش کاری شکتیاں انسانی دنیا کے آتماؤں میں ایک ایسی لاثانی آتما کو ظاہر کرنیکے قابل ہوئی تھیں کہ جن کی ہم سب انتظار کر رہے تھے۔ چاند! آج کا دن کیسا مبارک دن! چاند آج ہماری ہزاروں برس کی امید پوری ہوئی ہے۔ چاند! آج کا دن کیسا آنند کاری دن۔ چاند! آج تمہاری اور میری موجودگی میں اس مہان اور لاثانی آتما نے اسی پورنانگ دھرم اوتار نے جنم لیا ہے۔ آؤ آج ہم سب پہلے اسکا درشن کر کے پرم سکھی اور کرتارتھ ہوں۔"

اس چاند اور سورج کی فرضی گفتگو سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بانی دیو سماج کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دوسرے انسانوں پر ایسی ہی فضیلت رکھتا ہے جیسے ایک انسان حیوانوں پر۔ یہ دعویٰ دیو سماج کے ہر ایک ممبر کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور غالباً اسی لیئے وہ عقل کو ان امور میں دخل دینا ٹھیک نہیں سمجھتے۔ یا شاید اس دعوی کا یہ مطلب ہو کہ دیو سماج کے ممبروں کو بانی سماج کے پیچھے اسطرح بلاچون وچرا چلنا چاہیئے جسطرح انسان حیوانوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسکی تصاویر کی پرستش کرتے اور اسی سے ہر قسم کی مدد چاہتے ہیں۔ دیو سماج میں رومن کیتھولک عیسائیوں کی طرح گناہوں کا اقرار بھی کیا جاتا ہے۔ اور بعض وقت ایسی تحریریں جو فحش کی حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں شائع بھی کی جاتی ہیں۔ اور کھلے الفاظ میں اپنی بدکرتوتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو بجائے مفید ہونیکے سخت مخرب اخلاق طرز ہے۔ بہرحال اس سماج کے حالات کو پڑھکر انسان کو

یہ پتہ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان ایک بڑی دولت ہے۔ اور اسکو چھوڑ کر انسان کو کن کن گندوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اور کیسے ذلیل اور شرمناک عقیدے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ در اصل انسان کی روح کے اندر اپنے مالک حقیقی کے لئے ایک تڑپ موجود ہے اور ایک اعلیٰ طاقت کے سامنے جھکنا اسکی فطرت میں منقوش ہے مگر جب ایک شخص اس زندہ اور طاقتور خدا کو جو سارے صفات حسنہ سے موصوف ہے چھوڑتا ہے تو اسے فرضی محبوبوں اور فرضی معبودوں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔ اسطرح پر دیو سماج کی دہریت میں بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک نشان نظر آجاتا ہے۔

یہ میں نے اوپر لکھا ہے کہ خواہ مغربی دہریت کے خیالات نے بانیٔ دیو سماج کے خیالات کو کتنا ہی متاثر کیا ہو مگر یہ سلسلہ در اصل ہندو مذہب کی ہی ایک شاخ ہے اور اسی مذہب کی ساری خصوصیتیں اپنے اندر رکھتا ہے جو جو تبدیلیاں اس فرقہ میں اسکی پیدائش کی تاریخ سے واقع ہوتی رہی ہیں وہ بھی یہی بتاتی ہیں کہ دیو سماج ہندو مذہب کی ہی فرع ہے۔ اور اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندو مذہب جو تعلیم اللہ تعالیٰ کے بارے میں دیتا ہے وہ خود ایسی ناقص اور بودی ہے کہ اگر کوئی چیز ہندوؤں سے اور خصوصاً ہندوؤں کے ایسے نئے فرقوں سے جیسے آریہ سماج ہے خدا منواتی ہے تو وہ صرف صدیوں کا جما ہوا اعتقاد ہے۔ ورنہ جن اوصاف کا خدا آریہ سماج پیش کرتا ہے اس قسم کے خدا پر اعتقاد دہریت سے صرف ایک ہی قدم ورے ہے۔ یہ بات آریہ سماج کے اصول مذہبی سے روشن ہے جنکے رو سے اللہ تعالیٰ مادہ یا روح کا خالق نہیں بلکہ مادہ اور روح خدائے تعالیٰ کی طرح ازلی ہیں اور اپنے صفات کے ساتھ اسی طرح ہمیشہ سے خود بخود چلے آتے ہیں جیسے خدا۔ اب اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اگر کوئی بڑی سے بڑی عقلی دلیل دیجا سکتی ہے تو وہ تو یہی ہے کہ وہ خالق کائنات ہے مگر جب اسکی خلق سے ہی انکار ہے تو پھر اسکے وجود کی ضرورت کیا باقی رہتی ہے کیونکہ مادہ اور روح کے صفات تو خود بخود ہوئے انہی صفات کے طرح طرح کے میل جول سے الگ الگ مخلوق خود ہی بن سکتی ہے اور خدا تعالیٰ کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ پس یہ آریہ مذہب کی تعلیم ہی ہے جس نے دیو سماج کے رنگ میں ایک دہریہ مذہب کو پیدا کیا

ہے۔ اصل اصول دونوں کے ایک ہیں صرف آریہ سماج ان اصول سے وہ نتیجہ نکالنے سے ڈرتی ہے جو دیو سماج نے نکالا ہے۔ اور جو واقعی ان دعاوی کا کہ روح اور مادہ اپنی تمام صفات کے ساتھ خدا کی طرح ہی ازلی اور خود بخود ہیں صحیح نتیجہ ہے۔

گو یہ سچ ہے کہ دیو سماج خدا کی ہستی کے انکار کے ساتھ ہی ویدوں کے مقدس یا منجانب اللہ ہونیکا انکار بھی کرتا ہے۔ مگر باایں خود ہندوؤں نے اس فرقہ کے پیروؤں کو اپنے سے کاٹ کر الگ نہیں کیا۔ یہ ہندو مذہب کے عجائبات میں سے ہے۔ اگر ایک ہندو عیسائی یا مسلمان ہوجاوے تو خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار ہی کرتا ہے اور خواہ وہ ویدوں کی اور ہندوؤں کے بزرگوں کی بھی عزت کرے مگر تاہم اسے ہندو مذہب سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ اسکے بعد اسکا کوئی تعلق نہ خویش و اقارب سے رہتا ہے اور نہ اپنے آشناؤں اور رفیقوں سے۔ وہ ہندو سوسائٹی سے خارج کردیا جاتا ہے اور ہندو نام اسپر کبھی اطلاق نہیں پاتا لیکن اگر وہی شخص دیو سماجی ہوجاوے اور خدا کی ہستی پر اور خدا کے کلام پر ہنسی اُڑاوے اور مقدس پیشوایانِ مذہب کو خواہ وہ ہندو مذہب کے ہی پیشواہوں بُرا کہے اور گالیاں نکالے اور خدا کی کتابوں کی خواہ ویدہی ہوں بے حرمتی کرے تاہم ایسے شخص کو ہندوؤں سے الگ نہیں سمجھا جاتا نہ وہ سوسائٹی سے نکالا جاتا ہے اور نہ ہی اسکے قدیمی تعلقات قطع ہوتے ہیں۔ اور اسپر وہی ہندو کا لفظ اطلاق پاتا ہے جو اسکے دوسرے بھائیوں پر جو ویدوں کو مانتے اور خدا کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس فرقہ نے جسقدر ترقی کی ہے وہ ہندوؤں کے اندر ہی کی ہے۔ ان تمام باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دیو سماج ہندو مذہب کا ایک فرقہ اور اسی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

اس فرقہ کے پورے حالات سے ناظرین کو آگاہ کرنیکے لیئے اسقدر بڑھانا ضروری ہے کہ دیو سماج ایک حد تک مفید تعلیمی کام بھی کر رہا ہے۔ اس بات پر ہم کوئی بحث کرنا نہیں چاہتے کہ کسقدر اخلاقی اور روحانی ترقی اس فرقہ کے پیروؤں نے کی ہے کیونکہ ایک طرف تو انکے دعوے ہیں اور دوسری طرف وہ شرمناک خطوط ہیں جو ایڈیٹر اندر نے چھاپکر یہ ظاہر کیا ہے کہ دیو سماج کے بڑے بڑے اراکین نہایت شرمناک سیہ کاریوں میں مبتلا ہونیکے

خود متقر ہیں۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ تعلیم کے پھیلانے میں جو کام دیو سماج نے کیا ہے اور ایسا ہی قحط یا زلزلہ کے موقعہ پر جو مدد عام مخلوقِ خدا کی اس فرقہ نے کی ہے وہ ایک مفید کام ہے۔

کفارہ کا جدید ترین ثبوت

امریکہ میں ڈاکٹر کیرل نے علم جراحی میں بعض حیرت انگیز نئے تجربے کر کے انکو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ مثلاً ایک تجربہ یہ ہے کہ ایک جاندار کے ایک عضو کو کاٹ کر اسی قسم کے دوسرے جانور کے ساتھ لگا دیا اور اس دوسرے کے اسی عضو کو کاٹ کر پہلے کے ساتھ لگا دیا تو دونوں جانور صحیح سلامت رہے۔ ایسا ہی ایک جاندار کی شریان کا کوئی حصّہ کاٹ کر اسی قسم کی دوسرے جاندار کی شریان کے ساتھ سی دیا گیا تو دوران خون میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ ڈاکٹر کیرل نے یہ بھی تجربہ کیا ہے کہ موت کے بعد گردہ یا دل یا ایسے اجزا کو نکالکر زندہ جاندار میں داخل کر دیا جائے تو وہ اپنا فعل شروع کر دیتے ہیں اور یہی تجربہ مردہ کی شریانوں اور عروق کے متعلق بھی کیا گیا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مردہ سے یہ شریانیں اور عروق نکالنے کے ایک مہینہ بعد بھی دوسرے جاندار میں انہوں نے کام دیا ہے۔ ایسے ہی ایک تجربہ کا ذکر ایک عیسائی اخبار نے کر کے اس سے ایک نئی دلیل کفارہ کی صداقت کی نکالی ہے۔ وہ تجربہ یہ تھا کہ ایک پانچ یوم کا بچہ اس وجہ سے کہ خون کی شریانوں سے اندر ہی اندر خون جسم کے ریشوں میں چلا گیا۔ جس سے زہرباد پیدا ہو گیا حالت نزع میں تھا کہ اس کے والد نے ڈاکٹر کیرل کو بلا کر اپنا خون بچہ کو دینے کی آمادگی ظاہر کی۔ ڈاکٹر کیرل نے چھ انچ تک اس نوجوان باپ کی شریان کو باہر نکالکر بچّے کی ٹانگ کے پیچھے کی شریان سے سی دیا اور گو اس تجربہ کے وقت بچہ قریباً مر ہی چکا تھا مگر شریانوں کے تعلق سے بچّہ میں دَورانِ خون پیدا ہو گیا۔ اور وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ اس عملی جراحی کے بعد باپ بیٹے کی شریانوں کو الگ کر دیا گیا۔ اس واقعہ کا ذکر کر کے اخبار مذکور لکھتا ہے یہ باپ کے

خون سے بچے کا تندرست ہونا اور دوسروں کے زندہ چمڑے کے لگانے سے جلے ہوئے زخم کے اچھا ہو جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی آدم ایک دوسرے کے عُضو اور ایک دوسرے کے محتاج اور ایک دوسرے کے فعلوں کے بھلے اور بُرے اثر کے ذمہ وار ہیں۔ ایسے حالات کی روشنی میں جہاں بنی آدم کا باہمی ایسا گہرا تعلق ظاہر ہوتا ہے وہاں انسان کے آدم کے گناہ سے گنہگار ہونے اور مسیح کے بنی آدم کے لیئے جان دیکر نجات حاصل کرنے کی تجویز کیسی صاف اور واضح ہو جاتی ہے۔"

یہ منطق اور استدلال واقعی قابل داد ہے۔ اور اسکی صفائی اور وضاحت ایسی ہی کھلی ہوئی ہے۔ جیسے ۱+۱+۱=۱ کی۔ امید ہے کہ آیندہ اس ایک ہی دلیل کی بدولت کفارہ اور تثلیث دونوں ہر قسم کے اعتراضوں سے فارغ ہو جائیں گے۔ لیکن اسقدر بات تشریح کے قابل ہے کہ انسان تو اپنے محدود علم کی وجہ سے ترقی کرتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ میں اگر اسے ایک بات کا علم نہیں تو دوسرے زمانہ میں اسکا علم حاصل کر لیتا ہے۔ مگر کیا خدا کا علم بھی محدود ہے اور وہ بھی انسانی گناہوں کی تشریح کے علم میں تجربے کرتا رہتا ہے۔ یہ کفارۂ مسیح کا مسئلہ جو عیسائی صاحبان کے نزدیک انسان کے گناہوں کا اصل علاج ہے صرف دو ہزار سال سے اسکا وجود دنیا میں آیا۔ اور اس سے پہلے معلوم نہیں کتنے ہزار نبی دنیا میں آئے اور کتنے ہزار سال نسل انسانی پر گذر گئے مگر گناہ کے اس علاج کا خدا کو پتہ نہ لگا اور وہ ہر ملک میں اپنے نبیوں کے ذریعہ گناہ کے لیئے توبہ و استغفار کو ہی علاج بتاتا رہا۔ کیا خدا کو بھی اسقدر تجربہ کے بعد ہی یہ پتہ لگا کہ اصل علاج وہ نہ تھا جسے وہ ہزارہا سال سے اپنے نبیوں کے ذریعہ دنیا پر ظاہر کرتا رہا بلکہ وہ اصل علاج کفارۂ مسیح تھا جو پولوس کو معلوم ہو گیا۔ ایسی حالتمیں تو یہ بھی ممکن ہو کہ کبھی نئے تجربہ سے یہ علاج بھی غلط ثابت ہو۔

قادیان میں دینی مدرسہ

(احمدی احباب کی خاص توجہ کے قابل)

قادیان میں ایک دینی مدرسہ ۱۹۰۶ء سے جاری ہے - ابتک یہ مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ایک شاخ تھی - مگر یکم مارچ ۱۹۰۹ء سے مجلس معتمدین نے اسے ایک الگ مستقل مدرسہ قرار دیکر اسکے لیئے ایک نیا نصاب تجویز کیا ہے قبل اسکے کہ میں اس نصاب کے متعلق کچھ ذکر کروں اس سارے سلسلۂ تعلیم کے متعلق جسکو ہمارے امام و مقتدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سلسلۂ احمدیہ کے لیئے ضروری سمجھا مختصراً چند باتیں پیش کرنی ضروری سمجھتا ہوں - تاکہ سب احباب کو معلوم ہو جائے کہ حضرت مسیح موعودؑ انکے بچوں کے لیئے کس کس قسم کی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے کیونکہ دراصل اس ساری تعلیم کی تہ میں سب سے پہلے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیئے جس مدرسہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے رکھی وہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ہے - اس مدرسہ کے لیئے ۱۵ ستمبر ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار حضرت اقدس نے شائع کیا - چونکہ یہ اشتہار آجکل ملتا نہیں اسلیئے احباب کی اطلاع کے لیئے میں اسے یہاں درج کرتا ہوں -

دینیات اور اشاعت اسلام کی کتب

نقل اشتہار

ایک ضروری فرض کی تبلیغ

اگرچہ ہم دن رات اسی کام میں لگے ہوئے ہیں - کہ لوگ اس سچے معبود پر ایمان لاویں جسپر ایمان لانے سے نور ملتا ہے - اور نجات حاصل ہوتی ہے - لیکن اس مقصد تک پہنچانے کیلیئے - علاوہ ان طریقوں کے جو استعمال کیئے جاتے ہیں ایک اور طریق بھی ہے - اور وہ یہ ہے - کہ ایک مدرسہ قائم ہو کر بچوں کی تعلیم میں ایسی کتابیں ضروری طور پر لازمی ٹھہرائی جائیں - جنکے پڑھنے سے انکو پتہ لگے کہ اسلام کیا شے ہے - اور کیا کیا خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے اور جن لوگوں نے اسلام پر حملے کیئے ہیں - وہ حملے کیسے خیانت اور جھوٹ

اور بے ایمانی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور یہ کتابیں نہایت سہل اور آسان عبارتوں میں تالیف ہوں۔ اور تین حصوں پر مشتمل ہوں۔

پہلا حصہ۔ ان اعتراضات کے جواب میں ہو۔ جو عیسائیوں اور آریوں نے اپنی نادانی سے قرآن اور اسلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیئے ہیں۔ اور دوسرا حصہ اسلام کی خوبیوں اور اسکی کامل تعلیم اور اُسکے ثبوت میں ہو۔ تیسرا حصہ۔ ان مذاہب باطلہ کے بطلان کے بیان میں ہو جو مخالف اسلام ہیں۔ اور اعتراضات کا حصہ صرف سوال اور جواب کے طور پر ہو۔ تا بچے آسانی سے اسکو سمجھ سکیں۔ اور بعض مقامات میں نظم بھی ہو تا بچے اسکو حفظ کر سکیں ایسی کتابوں کا تالیف کرنا میں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے جو طرز اور طریق تالیف کا میرے ذہن میں ہے۔ اور جو غیر مذاہب کی باطل حقیقت اور اسلام کی خوبی اور فضیلت خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر فرمائی ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ اگر ایسی کتابیں جو خدا تعالیٰ کے فضل سے میں تالیف کرونگا۔ بچوں کو پڑھائی گئیں تو اسلام کی خوبی آفتاب کی طرح چمک اُٹھیگی۔ اور دوسرے مذاہب کے بطلان کا نقشہ ایسے طور سے دکھایا جائیگا۔ جس سے انکا باطل ہونا کھل جائیگا۔

اے دوستو! یقیناً یاد رکھو!! دنیا میں سچا مذہب جو ہر ایک غلطی سے پاک اور ہر ایک عیب سے منزّہ ہے۔ صرف اسلام ہے۔ یہی مذہب ہے جو انسان کو خدا تک پہنچاتا ہے اور خدا کی عظمت دلوں میں بٹھاتا ہے۔ ایسے مذہب ہرگز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں جنہیں یہ تعلیم دی گئی ہے۔ کہ اپنے جیسے انسان کو خدا کر کے مان لو یا جنہیں یہ تعلیمیں ہیں کہ وہ ذات جو مبدء ہر ایک فیض ہے۔ وہ تمام جہان کا خالق نہیں ہے۔ بلکہ تمام ارواح خود بخود قدیم سے چلے آتے ہیں۔ گویا خدا کی بادشاہت کی تمام بنیاد ایسی چیزوں پر ہے۔ جو اسکی قدرت سے پیدا نہیں ہوئیں۔ بلکہ قدامت میں اسکے شریک اور اُسکے برابر ہیں۔ سو جس کو علم اور معرفت عطا کی گئی ہے۔ اُسکا فرض ہے جو ان تمام اہل مذاہب کو قابل رحم تصوّر کر کے سچائی کے دلائل اُنکے سامنے رکھے۔ اور ضلالت کے گڑھے سے اُنکو نکالے۔ اور خدا سے بھی دعا کرے۔ کہ یہ لوگ ان مہلک بیماریوں سے شفا پاویں۔ اسلیئے

مَیں مناسب دیکھتا ہوں۔ کہ بچوں کی تعلیم کے ذریعہ سے اسلامی روشنی کو ملک میں پھیلاؤں۔ اور جس طریق سے مَیں اس خدمت کو سرانجام دونگا۔ میرے نزدیک دوسروں سے یہ کام ہرگز نہیں ہوسکے گا۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ کہ اس طوفان ضلالت میں اسلامی ذریت کو غیر مذاہب کے وساوس سے بچانیکے لئے اس ارادہ میں میری مدد کرے۔ سو مَیں مناسب دیکھتا ہوں کہ بالفعل قادیان میں ایک مڈل سکول قائم کیا جائے۔ اور علاوہ تعلیم انگریزی کے ایک حصّہ تعلیم کا وہ کتابیں رکھی جائیں جو میری طرف سے اس غرض سے تالیف ہونگی۔ کہ مخالفوں کے تمام اعتراضات کا جواب دیکر بچوں کو اسلام کی خوبیاں سکھائی جائیں۔ اور مخالفوں کے عقیدوں کا بے اصل اور باطل ہونا سمجھایا جائے۔ اس طریق سے اسلامی ذریت نہ صرف مخالفوں کے حملوں سے محفوظ رہیگی۔ بلکہ جلد وہ وقت آئیگا کہ حق کے طالب سچ کی روشنی اسلام میں پاکر باپوں اور بیٹوں اور بھائیوں کو اسلام کیلئے چھوڑ دینگے۔ مناسب ہے۔ کہ ہر ایک صاحب توفیق اپنے دائمی چندہ سے اطلاع دیوے۔ کہ اس کار خیر کی امداد میں کیا کچھ ماہوار مدد کرسکتا ہے۔ اگر یہ سرمایہ زیادہ ہوجاوے تو کیا تعجب ہے کہ یہ سکول انٹرنس تک ہوجائے۔ واضح رہے۔ کہ اوّل بنیاد چندہ کی اخویم مخدومی مولوی حکیم نورالدین صاحب نے ڈالی ہے۔ کیونکہ انہوں نے وعدہ کیا ہے۔ کہ مَیں اس سکول کیلئے دس روپیہ ماہواری دونگا۔ اور مرزا خدابخش صاحب اتالیق نواب محمد علیخاں صاحب نے دو روپیہ ماہوار اور محمد اکبر صاحب ایک روپیہ ماہوار میر ناصر نواب صاحب نے ایک روپیہ ماہواری اور الہداد صاحب کلرک شاہپور نے ۸ ؍ ماہواری دینا قبول کیا۔

المشتہر مرزا غلام احمدؐ از قادیان۔ ۱۵ ستمبر ۱۸۹۷ء

اس اشتہار کے ساتھ ہی مخلصین کی طرف سے چندہ آنا شروع ہوگیا یہانتک کہ تین چار ماہ بعد ہی یعنی ۱۸۹۸ء کے ابتدا میں ہی پرائمری تک مدرسہ کھل گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی مدرسہ مڈل تک اور پھر بموجب منشائے حضرت صاحبؑ ہائی تک ترقی کرگیا۔ اور یونیورسٹی کے امتحان انٹرنس کیلئے اس سے طلبا جانے لگے۔ مگر اسکے ساتھ ہی اخراجات بھی بڑھ گئے اور وقتاً فوقتاً ادائگی اخراجات کے لئے دقتیں پیش آتی رہیں۔ ایک عرصہ تک مدرسہ کا روپیہ حضرت

مولوی نورالدین صاحب کے نام آتا رہا اور آپ ہی اس کمیٹی کے پریذیڈنٹ بھی تھے جسکے سپرد حضرت صاحب نے مدرسہ کا انتظام شروع میں کیا تھا۔ اسی کمیٹی میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بھی تھے۔ اور مالی دقتوں کے وقت آپ ہی احباب میں تحریک کیا کرتے تھے چونکہ آپ کا دل خاص اخلاص اور جوش سے پُر تھا آپ کی تحریک نہایت مؤثر ہوتی تھی اور مالی تکالیف کے رفع کرنیکے لئے حضرت صاحب کو تکلیف دینے کی ضرورت بہت کم پیش آتی تھی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں جب خانصاحب محمد علی خاں صاحب قادیان میں اقامت پذیر ہو گئے تو مدرسہ کا انتظام ۳۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء سے حضرت مسیح موعودؑ نے انکے سپرد کر دیا اور یہ تحریر فرمایا کہ "کام انتظام مدرسہ ہماری منشار اور خواہش اور تحریک کے موافق اخویم نواب صاحب محمد علیخاں صاحب تجویز فرما دیں گے" چنانچہ اسوقت سے ۱۹۰۴ء تک یہ کام نواب صاحب کے سپرد رہا۔ اس اثنا میں اخراجات کے بڑھ جانے اور بعض اور وجوہ سے مدرسہ کو مالی مشکلات کا سامنا زیادہ کرنا پڑا چنانچہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء میں نواب صاحب موصوف نے ان مالی مشکلات کو حضرت اقدسؑ کے سامنے پیش کیا۔ جس سے حضرت اقدسؑ کو بہت رنج ہوا اور آپ نے کتاب تذکرۃ الشہادتین میں جسکی تصنیف میں آپ اسوقت مشغول تھے ایک اعلان بعنوان "ایک ضروری امر اپنی جماعت کی توجہ کے لئے شائع کیا جس میں بڑے پُر زور الفاظ میں اس ہائی سکول کی تائید کے لئے ساری جماعت کو توجہ دلائی اور لنگرخانہ کے چندہ کی طرح اس مدرسہ کے چندہ کو ہر ایک احمدی کے لئے لازمی قرار دیا۔ اور اسی اعلان میں اس مدرسہ کی ضرورت کی طرف بھی اس سلسلہ کے مخلصین کو توجہ دلائی۔ حضرت اقدسؑ کا یہ اعلان ان الفاظ میں تھا۔ "اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ جماعت کے بعض افراد اب تک اپنی روحانی کمزوری کی حالت میں ہیں یہانتک کہ بعض کو اپنے وعدوں پر ثابت رہنا بھی مشکل ہے لیکن جب میں اس استقامت اور جانفشانی کو دیکھتا ہوں جو صاحبزادہ مولوی محمد عبداللطیف سے ظہور میں آئی تو مجھے اپنی جماعت کی نسبت بہت امید بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ جس خدا نے بعض افراد اس جماعت کو یہ توفیق دی کہ نہ صرف مال بلکہ جان بھی اس راہ میں قربان کر گئے اس خدا کا صریح یہ منشار معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت سے ایسے

افراد اس جماعت میں پیدا کرے جو صاحبزادہ مولوی عبداللطیف کی روح رکھتے ہوں...
...... اب ایک ضروری بات جو اپنی جماعت کے آگے پیش کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ لنگر خانہ کے لیئے جسقدر میری جماعت وقتاً فوقتاً مدد کرتی رہتی ہے وہ قابل تعریف ہے ،............... علاوہ لنگر خانہ اور میگزین کے جو انگریزی اور اُردو میں نکلتا ہے جسکے لیئے اکثر دوستوں نے سرگرمی ظاہر کی ہے ایک مدرسہ بھی قادیان میں کھولا گیا ہے اس سے یہ فائدہ ہے کہ نوعمر بچے ایک طرف تو تعلیم پاتے ہیں - اور دوسری طرف ہمارے سلسلہ کے اصولوں سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہیں - اسطرح پر بہت آسانی سے ایک جماعت طیار ہو جاتی ہے - بلکہ بسا اوقات اُنکے ماں باپ بھی اس سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں - لیکن ان دنوں میں ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات میں پڑا ہوا ہے - اور باوجودیکہ محبی عزیزی اخویم نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اپنے پاس سے اسی روپیہ ماہوار اس مدرسہ کی مدد کرتے ہیں - مگر پھر بھی اُستادوں کی تنخواہیں ماہ بماہ ادا نہیں ہو سکتیں صدہا روپیہ قرضہ سر پر رہتا ہے علاوہ اسکے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں جو ابتک طیار نہیں ہو سکیں - یہ غم علاوہ اور غموں کے میری جان کو کھا رہا ہے - اسکی بابت میں نے بہت سوچا کہ کیا کروں آخر یہ تدبیر میرے خیال میں آئی کہ میں اسوقت اپنی جماعت کے مخلصوں کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہوں کہ پوری توجہ سے اس مدرسہ کے لیئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کریں تو چاہیئے کہ ہر ایک اُنہیں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جسکے لیئے وہ ہرگز تخلف نہ کرے مگر کسی مجبوری سے جو قضاء و قدر سے واقع ہو اور جو صاحب ایسا نہ کر سکیں انکے لیئے بالضرورت یہ تجویز سوچی گئی ہے - کہ جو کچھ وہ لنگر خانہ کے لیئے بھیجتے ہیں اس کا چہارم حصہ براہ راست مدرسہ کے لیئے نواب صاحب موصوف کے نام بھیجدیں لنگر خانہ میں شامل کر کے ہرگز نہ بھیجیں - بلکہ علیحدہ منی آرڈر کرا کر بھیجیں - اگرچہ لنگر خانہ کا فکر ہر روز مجھے کرنا پڑتا ہے - اور اسکا غم براہ راست میری طرف آتا ہے - اور میری اوقات کو مشوش کرتا ہے - لیکن یہ غم بھی مجھ سے دیکھا نہیں جاتا - اس لیئے میں لکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کے جوانمرد لوگ جنکے میں ہر طرح امید رکھتا ہوں کہ وہ میری اس التماس کو ردی کی طرح

نہ پھینک دیں، پوری توجہ سے اسپر کاربند ہوں۔ میں اپنے نفس سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا تعالیٰ میرے دل میں ڈالتا ہے۔ میں نے خوب سوچا ہے۔ اور بار بار مطالعہ کیا ہے میری دانست میں اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اسکے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیم یافتوں کی ہماری طرف آسکتی ہے۔ اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اکثر طالب علم نہ دین کے لیئے بلکہ دنیا کے لیئے پڑھتے ہیں۔ اور انکے والدین کے خیالات بھی اسی حد تک محدود ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی ہر روز کی صحبت میں ضرور اثر ہوتا ہے۔ اگر بیس طالب علموں میں سے ایک بھی ایسا نکلے جسکی طبیعت دینی امور کی طرف راغب ہوجائے۔ اور وہ ہمارے سلسلہ اور ہماری تعلیم پر عمل کرنا شروع کرے۔ تب بھی میں خیال کروں گا کہ ہم نے اس مدرسہ کی بنیاد سے اپنے مقصد کو پالیا۔"

یہ اشتہار ہائی سکول کے جاری ہونیسے قریباً چھ سال بعد نکلا اور اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر تحریر فرما دیا کہ آپنے اس مدرسہ کے چندہ کو جو ساری جماعت کے لیئے ضروری قرار دیا تو یہ محض اپنے خیال سے نہ تھا بلکہ خدائے تعالیٰ نے آپ کے دل میں یہ ڈالا تھا کہ اس مدرسہ کا قیام اس سلسلہ کیلیئے بڑی برکات کا موجب ہوگا۔ اس بات پر حضرت صاحبؑ بڑی مضبوطی سے قائم تھے چنانچہ اس اشتہار کے قریب ایک سال بعد جب پھر جناب نواب صاحب کو اسی قسم کی مالی مشکلات کا سامنا پیش آیا تو انہوں نے لاہور سے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ایک خط لکھا جسکو پڑھکر حضرت اقدسؑ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ نواب صاحب اس مدرسہ کو توڑنیکی صلاح دیتے ہیں، چنانچہ حضرت صاحبؑ نے اسیوقت حضرت مولوی نورالدین صاحب اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور خاکسار راقم کو بلاکر اور اس خط کا ذکر کرکے فرمایا کہ ہمارا منشاء اس مدرسہ کو توڑنیکا کسی صورت میں نہیں اور پورے جوش اور ہمت سے اسکو چلانا چاہیئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ نواب صاحب تو اب لاہور میں ہیں اور شائد مدرسہ کی مالی مشکلات کی وجہ سے وہ گھبرا بھی گئے ہیں اسلیئے آپ تینوں ہی اس مدرسہ کو چلانے کا انتظام کریں۔ یہ واقعہ ۱۹۰۴ء کا ہے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم

نے عرض کیا کہ آپ اسکے لیئے دعا کرتے رہیں اور ہم لوگ کوشش کرینگے ۔ اگرچہ جہانتک مجھے یاد ہے اسوقت حضرت اقدسؑ نے کوئی تحریک پھر جماعت میں نہیں فرمائی مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپنے بہت جوش سے اس مدرسہ کے لیئے دعائیں کیں کیونکہ اسکی آمد میں بعد ازیں ایسی ترقی ہوئی کہ باوجود بڑھے ہوئے اخراجات کے تھوڑے ہی دنوں میں تین چار ہزار روپے کی اراضی بھی باہر مدرسہ کیلئے خرید لی گئی کیونکہ مدرسہ کیلیئے بہت سی عمارتوں کی ضرورت تھی جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے اشتہار میں ان الفاظ میں اسکا تذکرہ فرمایا تھا کہ "مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں، جو ابتک تیار نہیں ہو سکیں۔ یہ غم علاوہ اور غموں کے میری جان کو کھا رہا ہے" مگر اللہ تعالیٰ نے آپکے کسی ارادہ کو پورا کیئے بغیر نہیں چھوڑا اور آپ کی زندگی میں ہی مدرسہ کیلیئے زمین خریدی جاکر اسپر عمارت کی تیاری شروع ہو گئی۔ جسکا ذکر میں آگے چلکر کرونگا۔

اسی اثنا میں بعض ایسے واقعات پیش آگئے جو اس جماعت کیلئے نہایت غم کا موجب تھے یعنی حضرت مولوی عبد الکریم صاحب اور مولوی برہان الدین صاحب کی وفات واقع ہوئی ...... جس سے علاوہ اور غموں کے یہ غم بھی حضرت اقدسؑ کو پہنچا کہ اس جماعت میں ایسے علماء کی کمی ہو گئی۔ کیونکہ انکی جگہ کوئی اور آدمی ہنوز جماعت میں اس علم و فضل کا پیدا نہیں ہوا تھا۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں چونکہ انگریزی مروجہ تعلیم کا دیا جانا ضروری تھا اسلیئے وہاں سے ایسے علماء کے نکلنے کی امید نہ ہو سکتی تھی پس آپنے اسوقت ان احباب کو جمع کر کے جو قادیان میں موجود تھے انسے یہ دریافت کیا کہ اس انگریزی مدرسہ سے ایسے علماء جو صرف دین کی خدمت کیلیئے زندگیاں وقف کریں نہیں نکلے اور نہ نکل سکتے ہیں تو پس کیا صورت ہونی چاہیئے کہ اس جماعت میں ایسے علماء پیدا کیئے جاویں جو ان لوگوں کے قائم مقام ہوں جو عالم جاودانی کی طرف انتقال کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ مدرسہ میں ایسی اصلاح ہونی چاہیئے کہ یہاں سے مولوی اور واعظ پیدا ہوں اور اس بات پر افسوس کیا کہ آریہ سماج میں تو وہ لوگ پیدا ہوں جو باطل کے لیئے اپنی زندگیاں وقف کریں مگر ہماری قوم سچے خدا کو پاکر پھر دنیا کی طرف جھک رہی ہے

اور یہاں کے موجود احباب کو فرمایا کہ سب اپنی اپنی رائے پیش کرو۔ اسپر بعض ہمارے دوستوں نے جنہوں نے ان امور کے متعلق ایسی باریک نظر نہ کی جیسی کرنی چاہیئے تھی یہ بھی رائے دی کہ ہائی سکول کو توڑ دیا جاوے اور اسکی جگہ صرف ایک دینی مدرسہ قائم کیا جاوے۔ مگر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اس رائے کی سخت مخالفت کی کیونکہ آپ اپنی فراست سے اسبات کو جانتے تھے کہ حضرت صاحب کا منشاء موجودہ مدرسہ کا توڑنا نہ تھا بلکہ کوئی ایسی صورت اصلاح پیدا کرنا تھا جس سے واعظ اور علماء جماعت میں تیار رہوں۔ اور آپ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ اس سے پہلے جب جناب نواب صاحب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا تو حضرت صاحب نے اسکو بہت ناپسند فرمایا تھا۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب نے بھی احباب کو قرآن شریف کی اس آیت کی طرف توجہ دلائی وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مسلمان سارے کے سارے نکل کھڑے ہوں تو ایسا کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل آتے تاکہ دین کا علم سیکھتے اور اس میں سمجھ پیدا کرتے اور اس سے یہ استدلال کیا کہ جس صورت میں خود قرآن شریف فرماتا ہے کہ علم دین سیکھنے کے لیئے ہر جماعت میں سے چند اشخاص کو نکلنا چاہیئے اور سارے کے سارے مسلمان نہیں نکل سکتے۔ تو اس صورت میں موجودہ مدرسہ کیونکر توڑا جاسکتا ہے ہاں اسکے ساتھ علم دین سکھانے کیلئے ایک علیحدہ مدرسہ قائم ہونا چاہیئے۔ حضرت اقدسؑ نے اس بحث کے آخری فیصلہ کو دسمبر کے جلسہ تک ملتوی کیا تاکہ سب احباب ملکر اسپر غور کریں چنانچہ جلسۂ دسمبر میں یہ سوال پیش ہوکر اسکے متعلق آخری فیصلہ کیا گیا۔ اسوقت جو فیصلہ قوم نے کیا اور جسے حضرت اقدسؑ نے پسند فرمایا وہ اگر مجھے یادداشت سے لکھنا پڑتا تو شائد کچھ مشکلات پیش آتیں مگر وہ اس سے پہلے شائع ہوچکا ہے اور گو تمام جماعت اسکو اس سے پہلے پڑھ چکی ہے لیکن چونکہ اسپر عرصہ قریباً تین سال کا گذر گیا ہے۔ اس لیئے میں اس فیصلہ کو ناظرین کی اطلاع کے لیئے پھر یہاں نقل کرتا ہوں۔ یہ فیصلہ اخبار الحکم مورخہ ۲۴۔ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں صفحہ ۶ پر شائع ہوا ہے۔ اور البدر پر

ہے۔

"مدرسہ کے متعلق نئی تجاویز"

"سال کے اخیر میں مدرسہ کی حالت خاص طور پر زیر بحث آچکی تھی پہلا سوال یہ درپیش تھا کہ آیا جس صورت میں ہمارے سلسلہ کی اصل غرض اشاعت و تبلیغ اسلام و اظہار دین ہے تو موجودہ مدرسہ کا قیام جس میں مروّجہ تعلیم انٹرنس تک دیجاتی ہے کہاں تک اس سلسلہ کے مقاصد کی تکمیل کا مؤید ہے۔ اور دوسرا سوال یہ تھا کہ آیا اسی مدرسہ کے ذریعہ سلسلہ کی اصل غرض بھی پوری ہوسکتی ہے یا نہیں۔ یعنی یہ کہ یہاں سے ایسے اشخاص نکلیں جو اعلیٰ درجہ کے علوم عربیہ و دینیہ سے واقفیت رکھتے ہوں اور دوسری طرف یورپ کی کوئی سی زبان مثلاً انگریزی یا فرانسیسی یا جرمن وغیرہ جانتے ہوں تاکہ انکے ذریعہ سے تبلیغ اسلام نہ صرف ہندوستان میں رہے بلکہ ہندوستان سے باہر بھی ہوسکے ان دونوں سوالوں پر جماعت احمدیہ قادیان میں خوب بحث ہوچکی تھی مگر اخیر فیصلہ بموجب منشائے حضرت امام علیہ السلام ایام تعطیلات دسمبر تک ملتوی رکھا گیا تھا تاکہ اسوقت جب مختلف احباب مختلف احمدی جماعتوں کے جمع ہوں تو اُن میں بھی ان ہر دو سوالوں کو پیش کرکے انکی رائے لیجاوے اور ان سوالوں کے ہر ایک پہلو پر غور کرنیکے بعد کوئی فیصلہ کیا جاوے۔ چنانچہ یہ امر تین دن برابر جلسہ میں پیش ہوتا رہا۔ اور بہت سے احباب نے اسپر بحث کرنے میں حصہ لیا۔ سوال اوّل کے متعلق یہ امر قرار پایا کہ اگرچہ مروّجہ تعلیم اس سلسلہ کی خاص اور ممتاز اغراض میں سے ایک غرض نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ اس سلسلہ کے چھوٹے بچّوں کو ایسے طور پر تیار کرنا کہ وہ زمانہ کی طرح طرح کے زہریلے اثروں سے محفوظ اور اصول اسلام پر مضبوط اور قرآن شریف اور مسائل دینیہ سے واقف اور مخالفین کے اعتراضوں کے جواب دینے کے قابل اور باطل اصولوں کی تردید پر قادر ہوں۔ اور پھر ساتھ ہی اسکے عملی زندگی انکی ایک سچے مسلمان کی ہو۔ یہ اس سلسلہ کی ایک خاص غرض ہے کیونکہ یہ بچے جب یہاں سے تعلیم پاکر نکلیں گے۔ تو خواہ وہ واعظ نہ ہوں اور زبان عربی میں کامل مہارت نہ رکھتے ہوں لیکن اسمیں شک نہیں کہ وہ ایسے مسلمان ہونگے جو دوسرے مسلمانوں کیلئے اور غیر مسلمانوں کیلئے نمونہ ہونگے۔ احمدی جماعت کا اور خود انکا وجود ہی دوسروں کے لیئے واعظ ہوگا۔ علاوہ ازیں جماعت احمدی کی یہ ایک بڑی اور عظیم الشان ضرورت ہے۔ کہ جس صورت میں یہ سلسلہ دن بدن ترقی کر رہا ہے اور خدائے تعالیٰ کا اسکو بڑی بڑی ترقیاں دینے کا

وعدہ ہے تو اس صورت میں اس سلسلہ کا اپنا ایک مدرسہ بھی ہونا چاہیئے بلکہ کالج بھی ہونا چاہیئے کیونکہ جس صورت میں دین کے لیئے ایک جماعت کی ہی ضرورت ہے اور کل کی کل جماعت ایک ہی کام میں نہیں لگ سکتی۔ تو اس صورت میں اپنے مدرسہ کے نہ ہونے کی حالت میں جماعت مجبور ہوگی کہ اپنے بچوں کو دوسرے مدرسوں میں بھیجے جیسے مشن کے مدرسے یا سرکاری مدرسے جہاں نہ وہ تعلیم دین پا حاصل کرسکتے ہیں اور نہ ہی زہریلی ہواؤں کے اثر سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور یہ امر ایک اتنی عظیم الشان جماعت میں سخت قابل افسوس ہوگا بلکہ اس جماعت کو تو ابھی اس کام کیلئے تیار رہنا چاہیئے کہ جیسے جیسے اسکی تعداد میں ترقی ہوتی جائے جابجا مدرسے تعلیم کیلئے قائم ہوتے چلے جاویں اور مرکزی مقام میں ایک کالج یا یونیورسٹی ہو۔ پس ساری جماعت میں ایک مدرسہ کا بھی نہ ہونا ایک ایسا امر ہوگا جو اس جماعت کے لیئے سخت افسوس کا موجب ہوگا۔ لہذا باتفاق رائے جلسہ یہ امر قرار پایا کہ ضروری ہے کہ دارالامان میں ایک مدرسہ سرکاری تعلیم دینے کیلئے اور سرکاری قواعد کے موجب چلنے والا ہو۔ مروجہ تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ احمدی جماعت کے بچے یہاں رہ کر سچے احمدی بنکر دکھاویں اور دنیا کے ساتھ دین میں بھی ترقی کریں۔ چنانچہ اسکی عملی نظیر اسوقت بھی موجود ہیں کہ جو طالب علم یہاں سے انٹرنس پاس کر کے گئے ہیں وہ وہ اپنی عملی زندگی میں اور اپنی دینی ترقی میں کالجوں میں ایک ایسا نیک نمونہ دکھا رہے ہیں جو واعظ سے بڑھکر کام دے رہا ہے۔ مگر اس ضرورت کو تسلیم کرنیکے ساتھ ہی منتظمین مدرسہ نے توجہ دلانے پر کہ باوجودیکہ پانچ سال کے عرصہ میں جماعت چند ہزار سے دو تین لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ مگر تعداد طلباء میں ایسی ترقی نہیں ہوئی جسکی وجہ کسیقدر جماعت کی بے توجہی ہے۔ ان امور کے پیش کرنے پر کل جماعت نے باتفاق اس ضرورت کو بھی تسلیم کیا کہ کل کی کل احمدی جماعت کا اور ہر فرد واحد کا جو اپنے آپکو اس جماعت میں سمجھتا ہے یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کسی دوسرے مدرسہ میں تعلیم نہ دیں بلکہ کل کے کل اسی جگہ تعلیم کے لیئے بھیجیں۔ کیونکہ جس صورت میں ضرورت قیام اس مدرسہ کی یہی ہے کہ احمدی جماعت کا اپنا مدرسہ ہو تو پھر اگر احمدی جماعت کل کی کل اپنے بچوں کو اسجگہ بھیجنے کے لیئے تیار نہیں تو اصل غرض ہی مفقود ہو جاتی ہے چنانچہ جس قدر حاضرین اس جلسہ میں موجود تھے۔ اُن سب نے اس ضرورت کو تسلیم کر کے یہ عہد کیا کہ وہ اپنے

بچوں کو اسی مدرسہ میں تعلیم کے لئے بھیجنے کا انتظام کریں گے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ترغیب دیں گے۔ اور مجبور کرینگے کہ وہ اپنے بچوں کو انٹرنس تک تعلیم کیلئے اسی جگہ بھیجیں۔

اب میں ساری جماعت کو متوجہ کرتا ہوں اور ہر ایک شہر کی جماعت میں اسکے اعلیٰ ارکان اور کارکن ممبروں کی خدمت میں خاص طور پر عرض کرتا ہوں کہ جس غرض سے اس مدرسہ کا قیام محض اسلئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جماعت کے بچے اس جگہ تعلیم حاصل کریں۔ اور اس مدرسہ کو جماعت احمدی کی اہم ضروریات میں سے ایک ضرورت قرار دیا گیا ہے تو اس ضرورت کو اب عملی طور پر تسلیم کرنا چاہیئے زبان سے صرف اتنی بات کہدینے سے کہ اس مدرسہ کا قیام جماعت کے لئے نہایت ضروری ہے کچھ نہیں بنتا اب عمل کا وقت ہے۔ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ آپکے بچے سچے مخلص احمدی اور عملی زندگی میں دنیا کیلئے نمونہ بنیں۔ تو انکی عمروں کو ضائع نہ کریں اسوقت آپکے اہم فرائض میں سے جو اولاد کے متعلق ہیں یہ ہے کہ آپ انکی تعلیم اور تربیت کے اس پہلو کو اختیار کریں جس سے وہ آئندہ نسلوں کے لئے ہادی بنیں اگر آپنے ان فرائض کو اسی حد تک محدود سمجھ لیا ہے کہ آپ انسے اسقدر محبت کریں کہ وہ آپ سے جدا نہ ہوں تو آپنے سخت غلطی کھائی ہے۔ ایک قوم جو اسوقت ہمہ تن دنیا میں مصروف اور دنیا پر جھکی ہوئی ہے وہ بھی اپنی اولاد کی تعلیم اور تربیت کو اسقدر مقدم سمجھے ہوئے ہیں کہ ایک ماں کا اپنے چھوٹے سے پیارے بچہ کو تعلیم کی خاطر جدا کرنا کچھ بھی اسکو دشوار معلوم نہیں ہوتا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اولاد سے ایسی محبت کرو جس سے انکی آئندہ زندگی سنورے اور ایسی محبت نہ کرو جو ہمیشہ کے لئے انکو تباہ کرنیوالی ہو۔ یہ تو وہ وقت تھا کہ اگر یہاں دنیوی تعلیم کا کوئی انتظام نہ بھی ہوتا تو بھی آپ لوگ اپنے بچوں کو اسجگہ بھیجتے۔ ان دنوں کو غنیمت سمجھو کہ خدا کا برگزیدہ مسیح ابھی تمھارے اندر ہے۔ وہ تمھارے بچے کیسے خوش قسمت ہوں گے۔ جو آئندہ یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے مسیح کے زیر سایہ رہکر تعلیم پائی ہوئی ہے اور اسکی مجلسوں میں اکثر بیٹھے ہیں اور اسکی پر حکمت گفتگوؤں کو سنا اور اس کے کامل نمونہ کو دیکھا ہے۔ دوستو! میں سچ کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے صدق دل سے کہتا ہوں کہ یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئیگا۔ پھر اسوقت قادیان میں وہ عجیب انسان موجود ہے جس کے درس قرآن کے سننے پر آئندہ نسلوں کو فخر ہو گا۔ پس خدا کی ان نعمتوں کی قدر کرو اور سستی اور

کاہلی اور جھوٹی محبتوں سے اپنی اولاد کی عمر کو ضائع مت کرو۔ اگر تم نے اولاد کے بارے میں یہ فرض ادا کر دیا تو وہ اولاد تمہارے لیئے ابدی خوشی کا موجب ہوگی۔ ورنہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے پیچھے تمہاری اولاد کیسی نکلے اور کیا کام کرے اپنی طرف سے کوشش کرو۔ اور پوری سعی کرو کہ تمہاری اولاد نیک بنے نیک صحبت میں رہے پھر دل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس طرح پر چاہے انکو چلا دے۔

اخیر میں مَیں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ ابتدائے سال ہے اور یہی وقت ہے جو لڑکوں کو یہاں بھیجنا زیادہ مفید ہے تاکہ شروع سال سے انکی تعلیم ہمارے کورس کے موافق ہو اور تاکہ انکی دینی تعلیم کی کمی پورا کرنیکے لیئے کافی وقت ملے۔ نیز صاحب انسپکٹر کا معائنہ مدرسہ بھی ۱۴۔ فروری کو ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اسوقت تک احمدی جماعت کے تین چار سو لڑکے یہاں موجود ہوں اس سے جماعت کی عمدہ حالت کا اثر ہر دل پر پڑتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب مَیں ایک حد تک تو دے آیا ہوں یعنی واعظین اور مبلغین کی ایک جماعت پیدا کرنیکے لیئے یہ مدرسہ کہانتک کام دے سکتا ہے۔ اسکے لیئے یہ تجویز کیگئی ہے کہ پنجم پرائمری تک تو تعلیم مشترک رہے۔ اسکے بعد دو شاخیں مدرسہ کی ہوں ایک مروجہ تعلیم کی شاخ جسکے ساتھ لڑکوں کی برداشت کے موافق عربی اور دینیات کی تعلیم لازم ہوگی اور دوسری دینیات کی شاخ اس دینیات کی شاخ کو ہم بہت ترقی دینا چاہتے ہیں۔ اور اسکے متعلق یہ تجویز ہے کہ یہاں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو علم دینیات کو پورے طور پر حاصل کریں اصول علم کلام سے پورے واقف ہوں اور عربی زبان میں اسقدر مہارت رکھتے ہوں کہ اس زبان میں لیکچر دے سکیں۔ اور مضمون لکھ سکیں پھر اسکے ساتھ دو صورتیں ہوں جو لوگ صرف اس ملک کے لیئے بطور واعظ تیار کیئے جاویں انکو اسقدر عربی اور دینیات کی تعلیم کے ساتھ طب سکھائی جاوے یا بعض اور پیشے اور سنسکرت وغیرہ زبانیں بھی سکھائی جاویں اور جو لوگ بیرونی ممالک کے لیئے تیار کیئے جانے ہوں۔ انکو کوئی ایک یورپ کی زبان جیسے انگریزی یا فرانسیسی یا جرمن وغیرہ یا جو لوگ جاپان کے لیئے تیار کیئے جانے ہوں۔ انکو جاپانی علیٰ ہذا القیاس لیکن ان سب تجویزوں کی تکمیل کیلیئے بہت سا وقت اور روپیہ اور کارکن آدمی درکار ہیں جنکی ہم خدا کے فضل سے یہ امید رکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ہمیں میسر آجاویں گے۔ اگر جماعت نے اس طرف پوری توجہ کی تو یہ امور چنداں مشکل نہیں ہیں۔ بالفعل کام کو ہم نے شروع کر دیا ہے

یعنی اول جماعت دینیات کی کھولدی ہے - اگر خدائے تعالیٰ قوم کے دل نہیں ڈالے اور وہ ہمہ تن اس مدرسہ کی اعانت میں مصروف ہوجائیں - کیا مالی امداد سے اور کیا بچوں کے بھیجنے سے - تو امید کی جاتی ہے کہ ان سب تجاویز کی تکمیل چند ہی سال میں ہوجاوے - وما توفیقنا الا باللہ"

اس فیصلہ کے بعد قوم نے اپنے وعدہ کو ایسی مضبوطی سے پورا کیا کہ ۱۹۰۶ء میں بورڈرول کی تعداد یک لخت دوگنی اور ۱۹۰۷ء میں تگنی ہوکر سوا سو تک پہنچگئی - گو اسوقت پھر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تعداد بورڈران اس تعداد سے نصف کے قریب رہ گئی ہے اور ۱۹۰۸ء میں بہت سی کمی ہوگئی ہے - میں اپنے احباب کو ۱۹۰۶ء کے جلسے کا وعدہ یاد دلاتا ہوں اور پھر اس سال کے جلسے میں جو وعدے کیئے گئے تھے انکو بھی یاد دلاتا ہوں جبتک قوم یک زبان ہوکر اس کام کے لیئے تیار نہ ہوگی کہ اپنے بچوں کو جو قادیان بھیجنے کے قابل ہیں دوسری جگہ تعلیم دینا روا نہ رکھے اسوقت تک اس مدرسہ کے اجرا کی اصل غرض حاصل نہیں ہوتی - شاخ دینیات کا افتتاح بھی اُسی وقت یعنی ۱۹۰۶ء میں ہی ہوگیا - اسی سال میں مدرسہ کی نئی عمارت کے لیئے (کیونکہ تعداد طلباء کے بڑھ جانے پر پہلی عمارت بالکل ناکافی ثابت ہوئی) چالیس گھماؤں اراضی بھی گاؤں کے متصل ہی باہر خریدی گئی - اور حضرت اقدس ؑ نے اسکو از بس پسند فرماکر یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ کیا اچھا ہو کہ ہائی سکول سے کالج بنجاوے - چنانچہ آپکے یہ پاک کلمات اخبار الحکم مورخہ ۲۴ - فروری ۱۹۰۶ء کے صفحہ ۶ پر عنوان "مدرسہ تعلیم الاسلام کی ضرورت" کے نیچے محفوظ ہیں - چنانچہ اس مضمون میں ایڈیٹر صاحب الحکم نے بڑے پُرزور الفاظ میں مدرسہ کی عمارت کے لیئے تحریک کرکے حضرت اقدس ؑ کی اس خواہش کی طرف قوم کو توجہ دلائی - چونکہ اسوقت بھی عمارت کا بڑا بھاری کام درپیش ہے اس لیئے ان الفاظ کا نقل کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا - خریداراضی کا ذکر کرتے ہوئے ایڈیٹر صاحب نے لکھا ہے "اس عمارت جو صرف سکول کیلیئے تیار ہو تیس پینتیس ہزار سے کم خرچ نہیں ہوگا بات تو کچھ بھی نہیں صرف ہماری احباب کو ہمت اور حوصلہ سے کام لینا ہے اگر تیس پینتیس آدمی بھی یہ عزم کرلیں کہ وہ ہزار ہزار روپیہ جمع کرکے بھیجدیں گے تو معمولی بات ہے اسوقت قوم کے سربرادردہ اور معزز اصحاب کو ہمت کرکے بڑھانا چاہیئے وہ اپنی آئندہ نسلوں کے تعلیمی انتظام کا بنیادی پتھر رکھنے کو ہیں - جو ذی مقدرت ہیں وہ اس قومی سکول میں اپنے نام سے کمرے تیار کرائیں خود چندہ دیں دوسروں سے دلائیں -

مَیں تمہیں ایک عجیب بات سناتا ہوں کہ جس روز اس زمین کا بیعانہ دینے کی تجویز کی تو حضرت حکیم الامۃ کے مشورہ سے مَیں اور مخدومی مولوی محمد علی صاحب اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور اس امر کو عرض کرنے اور آپ سے اجازت لینے کے واسطے گئے تو آپ نے جہاں اس اراضی کا خریدنا پسند فرمایا اور اجازت دی وہاں یہ بھی فرمایا کہ کیوں کالج نہیں بنایا جاتا؟ ہماری جماعت کی تعداد اسوقت بہت بڑھ رہی ہے اگر کوئی شخص ایک لاکھ تک شمار کرے اور ہر شخص سے ایک روپیہ بھی وصول کرے تو ایک لاکھ روپیہ ہو جاتا ہے اور یہ کچھ بات نہیں۔ حضرت اقدسؑ کے اس فقرہ پر غور کرو۔ اور آپکی آرزو کو سوچو آپ چاہتے ہیں کہ کالج بناؤ۔ اور قوم کے افراد سے توقع کرتے ہیں کہ وہ اگر ایک ایک روپیہ بھی جمع کریں تو کالج بنجاوے۔ یہ قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنے محبوب و آقا کی خواہش کو پورا کرے۔ ورنہ اسمیں تو کوئی شک نہیں کہ خدا کے مامور کے مُنہ سے آجتک کوئی بات ایسی نہیں نکلی جو پوری نہ ہوئی ہو اور نہ آئندہ کوئی بات ایسی ہو سکتی ہے جو پوری نہ ہو۔ پس کالج تو بنے گا اور ضرور بنے گا لیکن مبارک ہونگے وہ شخص جو خدا کے موعود کے ارادوں میں تکمیل کیلیے سعی کریں گے۔

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ حضرت صاحب کی یہ خواہش جو ہائی سکول کو قائم رکھنے کے فیصلہ کے بعد آپنے ظاہر فرمائی پوری ہو کر رہیگی کہ اپنی جماعت کا ایک کالج ہو۔ کیونکہ ان لوگوں کے مُنہ سے کوئی بات نہیں نکلتی جبتک کہ خدا کا ارادہ اسکے متعلق نہ ہو۔ ہاں عمارت کے متعلق اسقدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ بجائے مدرسہ کے پہلے بورڈنگ ہوس کا باہر بنانا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اور اس کا تخمینہ بھی قریب چالیس ہزار روپے کے ہے مجلس معتمدین نے قوم کے بوجھ کو ہلکا کرنیکے لیے یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ خام عمارت بنوائی جاوے مگر باہر کی زمین میں دیمک اسقدر ہے کہ خام عمارت ایسے وسیع پیمانے پر ہمیشہ خطرے کیحالت میں رہتی اور اسکی مرمت پر چند سال میں ہی پختہ عمارت کے صرف سے زیادہ روپیہ خرچ ہو جاتا۔ اسلیئے بہت سے غور کے بعد اور مختلف جماعتوں اور ماہرین عمارت کے سامنے اس سوال کو پیش کرنیکے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کل عمارت پختہ ہو۔

اس مدرسہ تعلیم الاسلام سے جو طالب علم اتبک نکلے ہیں گو اسمیں شک نہیں کہ انمیں سے بہت سے اپنے دنیا کے کاروبار میں لگ گئے ہیں مگر پھر بھی ایک امتیاز انمیں نظر آتا ہے جو انکے غیروں میں بہت کم پایا جاتا ہے یعنی فرائض اسلامی کی پابندی اور اشاعت اسلام کا جوش۔ ہائی سکول

کی دینی تعلیم کا انتظام خدا کے فضل سے بہت اچھا رہا ہے۔ اور ایڈیٹر صاحب الحکم وقتاً فوقتاً اپنے اخبار میں ایسے واقعات کا ذکر کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ کا ذکر میں اسوقت بھی ضروری سمجھتا ہوں جو الحکم مورخہ ۳۱۔ مارچ کے صفحہ ۳ پر بزیر عنوان "تعلیم الاسلام سکول کی عظمت" درج ہے یہ واقعہ قادیان کے ہائی سکول کے ایک طالب علم کا جو قادیان سے ہی ایف اے کا امتحان پاس کرکے علیگڈھ کالج میں بی اے کی تعلیم حاصل کرنے گیا تھا۔ کالج میں امتحان دینیات میں اول رہنا اور پورے کے پورے نمبر حاصل کرنا اور اسکے استدلال اور واقفیت پر مدرسین کالج کا خاص طور پر ریمارک کرنا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر کرکے ایڈیٹر صاحب الحکم لکھتے ہیں "قوم کو معلوم رہے کہ قادیان سکول کی مذہبی اور دینی تعلیم کی عظمت کا یہ کوئی چھوٹا سا ثبوت نہیں کہ علی گڈھ جیسے کالج میں سب سے اول اپنی جماعت میں اور سب سے اعلیٰ تعریف کے لحاظ سے کل کالج میں اول نمبر رہنے والا ایک قادیانی سکول کا سابق طالب علم ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ دینی تعلیم کا کہانتک انتظام قادیان سکول میں ہے" دوسری طرف یونیورسٹی کے نتائج خود یہاں کی تعلیم کی عمدگی پر شاہد ہیں پس ان دین حالات میں نہیں سمجھتا کہ ہماری قوم نے کیوں مدرسہ کی طرف سے پھر سستی اختیار کی ہے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کے فوائد کو میں صرف طلباء تک ہی محدود نہیں سمجھتا بلکہ ایک بڑا بھاری کام جو اس مدرسہ نے کیا ہو وہ اپنی جماعت کے ایک لائق مستعد اور محنتی گروہ کا جو دین کی خدمت اور اشاعت کے لیئے جوش رکھتا ہے یہاں جمع کر دینا ہے یہ ایک بڑا بھاری احسان اس مدرسہ کا جماعت پر ہے اور ہم میں سے جو شخص اس احسان کا اعتراف نہ کرے وہ بڑا ناشکر گذار ہے ہماری دونوں اخباروں کے ایڈیٹروں کو بھی مدرسہ یہاں لانیکا باعث ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم اس مدرسہ کی ملازمت کے تعلق سے یہاں آئے شیخ صاحب کا اخبار پہلے امرتسر میں نکلنا شروع ہوا تھا مگر اسکے اجرا پر ابھی تین ماہ ہی گذرے تھے کہ قادیان میں تعلیم الاسلام سکول پرائمری تک کھل گیا اور ناظم پرائمری کی حیثیت میں شیخ یعقوب علی صاحب کو کمیٹی نے یہاں بلایا گو شیخ صاحب نے بہت تھوڑا عرصہ مدرسہ میں کام کیا کیونکہ اخبار کی ایڈیٹری کا فرض بھی ایک ذمہ واری کا بوجھ تھا۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ یہی تعلق اخبار الحکم کو امرتسر سے قادیان منتقل

کرنیکے اسباب میں سے ایک سبب بنگیا۔ ایسا ہی میرے مکرم اور صادق دوست مفتی محمد صادق صاحب پہلے بہ تعلق ملازمت مدرسہ ہی یہاں تشریف لائے تھے مولوی شیر علی صاحب بی اے جو اسوقت میگزین میں ایک ایسی مدد دے رہے ہیں جسکے لیئے دوسرا آدمی کا ملنا مشکل ہے اس مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر ہیں اور اب عنقریب یعنی یکم اپریل تک مخدوم اور مکرم مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی پروفیسر ٹریننگ کالج مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر ہو کر آنیوالے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کی قابلیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ بڑی کوشش سے ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم سے ہم نے آپکی خدمات کو مستعار لیا ہے اور پرنسپل صاحب ٹریننگ کالج اپنے سٹاف میں ایسے قابل آدمی کو دینے پر راضی نہ تھے۔ ہمارے مدرسہ میں مولوی صاحب انسپکٹر تھے اور موسم گرما کی تعطیلوں میں قریب ایک ماہ کا عرصہ یہاں ٹھہر کر انہوں نے مدرسہ کیحالت میں بہت سی اصلاحیں کیں اور بہت سے مدرسین کو طریقہ تعلیم سے واقف کیا۔ اب میں اپنے دوستوں کے آگے درد دل سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ خواہ مدرسہ کی تعلیمی حالت کیسی ہی ہوتی انکا فرض تھا کہ اپنے بچوں کو تعلیم کیلیئے یہاں بھیجتے۔ ساری قوم دسمبر ۱۹۰۸ء کے جلسہ میں مضبوط وعدہ اس بات کا حضرت اقدس کی زندگی میں اور آپکے سامنے دے چکی ہے۔ دوسری قوموں کو دیکھو کہ محض قومیت کے قائم رکھنے کیلیئے اپنی انسٹیٹیوشنوں کی کیسی قدر کرتی ہیں مگر یہاں باوجود اسقدر فوائد کے بچوں کو بھیجنے کی طرف ہمارے دوست توجہ نہیں کرتے مروجہ تعلیم کیلیئے قابل مدرسین مہیا کرنیکا عمدہ سے عمدہ انتظام جو ہو سکتا تھا انجمن نے کیا ہے اور ایک ایسے قابل آدمی کی خدمات کو اپنے مدرسہ میں لیا ہے جسپر اگر یہ کہا جائے کہ سررشتہ تعلیم کو ناز تھے بالکل بجا ہے ہمارے امتحانوں کے نتائج ہمیشہ اعلیٰ درجے رہے ہیں۔ ورزش جسمانی اور کھیلوں میں بھی دوسرے مدرسوں سے پیچھے یہ مدرسہ نہیں بلکہ امرتسر کے سارے سرکل میں شہرت حاصل کر چکا ہے اور فٹ بال کے میچ میں اس مدرسہ کی ٹیم نے شیلڈ کو حاصل کیا اور باوجود ان سب باتوں کے اسقدر دینی تعلیم دیجاتی ہے کہ جسکے لیئے کم از کم میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مروجہ تعلیم کے ساتھ اسقدر دینی واقفیت کے لڑکے اور کسی مدرسہ سے خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی ہرگز نہیں نکلتے۔ اور ان سب باتوں کے ساتھ بچوں کی اخلاقی تربیت ہے جسکے لیئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس مدرسہ کو ایک خصوصیت

حاصل ہے۔ اور یہانتک اسکا اثر ہے کہ غیر احمدی احباب بھی محض اس دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کی خاطر اپنے بچوں کو یہاں بھیجتے ہیں۔ ابھی سال گذشتہ میں ہی گورداسپور کے ایک معزز سرکاری عہدہ دار اپنے بچے کو یہاں تعلیم کیلئے لائے اور انہوں نے فرمایا کہ جیسی دینی تعلیم علمی اور عملی رنگ میں یہاں دیجاتی ہے اسکی نظیر کسی دوسرے اسلامی مدرسہ میں نہیں ملتی۔ مگر مدرسہ کی ان خوبیوں جو غیروں کے دلوں کو بھی کھینچ رہی ہیں۔ اپنوں کی بے اعتنائی کا وہ حال ہے کہ جسکو دیکھکر بہت ہی رنج پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی دلوں کا مالک ہے اور اسی کے اختیار میں ہے کہ وہ قلوب میں ایک تحریک کرے کہ ہمارے دوست حضرت اقدسؑ کی اس آرزو کو پورا کرنیکے لیے تڑپ اٹھیں کہ آپ احمدیہ قوم کا کالج یہاں بنانا چاہتے تھے مگر یاد رکھو کہ یہ صرف مالی اعانت پر منحصر نہیں وہ تو اپنے وقت پر موقوف ہے بلکہ جبتک قوم اپنے سارے کے سارے بچوں کو اسجگہ تعلیم کیلئے نہ بھیجیگی مدرسہ کا قائم رہنا بھی اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہو جائیگا۔ چہ جائیکہ کالج بنے ہاں اس بات کو خوب سوچ لو کہ تم حضرت مسیح موعودؑ کے قائم کردہ سلسلۂ تعلیم کو جو دراصل اسی سلسلہ کی تعلیم کیلئے اور احمدی قوم کے بچوں کو سچے دیندار بنانیکی غرض سے آپنے قائم کیا تھا کہاں تک مضبوط کرنیکی کوشش کر رہے ہو۔ ہاں اگر آپ لوگوں کو اپنے بچے ایسے عزیز ہیں کہ انکی جدائی آپکو گوارا نہیں۔ مگر یہ گوارا ہے کہ وہ دینی تعلیم کو حاصل نہ کریں اور اسلام پر اور اس سلسلہ کی تعلیم پر مضبوط نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کان اٰباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض دوست ہم میں سے فوت ہو گئے جنکا اخلاص اس سلسلہ سے حد درجہ کا تھا مگر چونکہ انہوں نے اپنی اولاد کی تربیت اس سلسلہ میں نہ کی اسلئے وہ قریباً قریباً سلسلہ سے بے تعلق ہی ہو گئی۔ پس اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ ہم اپنے پیچھے ایسی اولاد چھوڑیں جو اس نعمت سے محروم ہو جسے ہمنے خود بڑی محنتوں سے اور دنیا کی طرف سے مصائب اٹھا کر حاصل کیا ہے۔ اسی غرض کیلئے یہ مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ آؤ اور سب ملکر اپنے پیارے مسیح کی اغراض کو پورا کرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ اگر سستی سے تم نے اسوقت کو گنوا دیا تو تم الزام کے نیچے ہو۔ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب کی خدمت میں جو اسوقت دورہ پر ہیں یہ بھی میری

التماس ہے کہ وہ علاوہ اور نیک تحریکوں کے جو کر رہے ہیں تعلیم الاسلام ہائی سکول اور نئے مدرسہ دینیہ کے لئے بھی ضرور تحریک کریں۔

یہ مضمون کسی قدر لمبا ہو گیا۔ مگر ضروری تھا۔ اور دینی مدرسہ کی نئی تجویز کے ساتھ اسکا ذکر اور بھی ضروری تھا۔ کیونکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہمارا ہائی سکول بھی ایک دینی مدرسہ ہی ہے گو اس میں بڑا حصہ طلباء کے وقت کا مروّجہ تعلیم میں ہی صرف ہوتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو یہ سب علوم دین کے خادم ہی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ہمارا ہائی سکول بھی اشاعت اسلام کا کام کر رہا ہے اور کریگا گو یہ اشاعت اور رنگ میں ہے۔ اور اس طرز میں نہیں جس طرح پر ان علماء و فضلاء کے ذریعے ہو سکتی ہے جو ایک اعلیٰ درجہ دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے نکلیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اکثر بچے جو اس مدرسہ میں تعلیم پائیں گے انکی غرض غالباً دنیاوی ہی ہو گی یعنی اکثر ان میں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے معاش کی فکر میں ہی لگ جائیں گے مگر جس صورت میں انہیں یہاں تعلیم دیجاتی ہے اور جیسا کہ واقعات بتا رہے ہیں اس دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اور اس ظاہری دنیوی غرض کے اندر ہی اندر ایک ایسا بیج دین کا ان میں بویا جاتا ہے جو آخر کار انکی دنیا کو بھی دین ہی بنا دیتا ہے۔ اور یہ بیج اگر اسکی پرورش اچھی ہو اور کافی نشو و نما بچوں کے یہاں سے نکلنے تک پالے تو آخر کار ایک بڑا درخت بنکر دنیا کے لئے مفید ہنیگا۔ یہی بات ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا نے میرے دل میں ڈالا ہے کہ یہ مدرسہ دنیا کیلئے بڑی برکتوں کا موجب ہو گا۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ان صداقتوں کو پھیلانیوالے اکثر وہی لوگ تھے جو اپنے دنیوی اشغال میں متفرق جگہوں میں پھیلے ہوئے تھے آخر جب صداقت کا بیج انکے اندر بویا گیا تو انکی دنیا ہی دین بن گئی اور جہاں ایک آدمی تھا اسنے اپنی گرد ایک جماعت بنا لی۔ پس ہم امید کرتے ہیں کہ اسی طرح جو طلباء یہاں سے نکلیں گے اور اس سلسلہ کی تعلیم میں پکّے ہو کر نکلیں گے وہ اشاعت اسلام کا ایک اہم کام اپنے اپنے رنگ میں کرینگے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی قانون وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ دنیا کے کاموں کو بالکل چھوڑ کر کل کے کل ہی دین کی تعلیم میں مشغول ہو جائیں۔ پس اس غرض کیلئے تو ہر جماعت میں سے چند اشخاص کافی ہیں۔ باقی سب کو چاہیئے کہ وہ دنیا کے کام بھی کریں اور

ساتھ اسکے دین سے بھی کچھ واقفیت پیدا کریں اور ہر ایک اپنی کوشش کے مطابق لوگوں کو حق کی طرف بُلاوے۔

اب میں اس دینی مدرسہ کے متعلق چند باتیں عرض کرنی چاہتا ہوں جو مدرسہ احمدیہ کے نام سے سابقہ شاخ دینیات کی جگہ اور اسی کے سلسلہ میں قائم کیا گیا ہے۔ بڑی بدقسمت وہ قوم ہے جس میں ایسے لوگ نہ ہوں جنہوں نے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہو اور جو دن رات دین کی تعلیم اور دین کی اشاعت کی فکر میں لگے ہوئے ہوں۔ علماء اور فضلاء کا گم ہو جانا قوم کیلئے ماتم کا دن ہے۔

مدرسہ احمدیہ حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اور آپکی ہی یادگار میں قائم کیا گیا ہے اور ہر ایک احمدی جماعت کا فرض ہے کہ وہ بحکم قرآنی لولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ کے منشاء کے مطابق چند لوگوں کو منتخب کر کے صرف تعلیم دینی کے حصول کیلئے اسجگہ بھیجیں اور دوسری یہ عرض ہے کہ اس مدرسہ کے اخراجات جو اسوقت قریباً تین سو روپے ماہوار تک ہونگے اور علاوہ ازیں عمارت اور ایک بڑی لائبریری بکار ہے انکا فکر کریں اور چندہ یادگار کے لیئے ہر ایک جماعت کوشش کرے۔ جبتک اسے دوسرے تین چندوں یعنی لنگر۔ مدرسہ اور اشاعت اسلام کی طرح ضروری سمجھکر سب احباب اس چندہ میں شریک نہ ہونگے اس مدرسہ کے چلنے میں بہت سی مشکلات ہونگی۔ مدرسہ دینیہ کا ہفت سالہ نصاب اخبارات میں اور علیحدہ بھی شائع ہوگا اصل اصول اس مدرسہ میں تعلیم کے مندرجہ ذیل رزولیوشن نمبر ۱۶۲ مجلس معتمدین میں ہیں جسکو میں باصلہ نقل کرتا ہوں۔

حسب رزولیوشن نمبر ۵۰۷ مجلس معتمدین منعقدہ ۳۱۔ جنوری ۱۹۰۹ء مندرجہ ذیل احباب کی ایک سب کمیٹی ۱۳۔ فروری سے ۱۸۔ فروری تک مختلف وقتوں میں مدرسہ عربی کی سکیم وغیرہ کے متعلق غور کرنیکے لیئے ہوتی رہی۔ مولوی شیر علی صاحب۔ سید سرور شاہ صاحب قاضی امیر حسین صاحب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب صاحبزادہ محمود احمد صاحب۔ سکرٹری مجلس معتمدین اس سب کمیٹی نے مدرسہ عربی کے متعلق ایک مکمل سکیم و رپورٹ مرتب کر کے مجلس معتمدین میں بغرض منظوری پیش کی۔ جو ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ اس رپورٹ وغیرہ کے پیش ہونے پر قرار پایا۔ کہ یہ سکیم (مرحمہ

حسب مشورہ حضرت مولوی صاحب اس تبدیلی کے ساتھ منظور ہے۔ کہ جو لڑکے پرائمری پاس (اینگلوورنیکولر) داخل ہوں لکھنے لیئے انگریزی لازمی ہوگی۔ اور ہفتہ میں تین گھنٹے انگریزی کے رکھے جاویں۔ رپورٹ سب کمیٹی بھی اسی تغیر کے ساتھ منظور ہے یکم مارچ سے مدرسہ کھولا جاوے اسکے متعلق سکرٹری مناسب انتظام کرکے رپورٹ کرے۔

رپورٹ سب کمیٹی منعقدہ ۱۳۔ فروری ۱۹۰۹ء

(۱) مدرسہ دینیات کے متعلق باہر سے آئی ہوئی مختلف راؤں کا خلاصہ سنایا گیا اور حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی رائے متعلق نصاب مدرسہ دینیات جسکا نام احسن النظام لمدارس تعلیم الاسلام ہے سنائی گئی۔ سب کمیٹی کے سب ممبروں نے بالاتفاق ان اصول تعلیم دینی کو تسلیم کیا۔ جس پر حضرت مولوی صاحب کی رائے بنی ہے اور قرار پایا۔ کہ سکیم یعنی نصاب مدرسہ تیار کرنیکے وقت ان اصول کو مدنظر رکھا جاوے۔

(۲) مختلف آرائے پر غور کرنیکے بعد سب کمیٹی اس نتیجہ پر پہنچی ہے۔ کہ سردست ایک ایسا دینی مدرسہ قائم کیا جاوے جس سے اس ملک کے لیئے مبلغین اور علمائے احمدی کا گروہ پیدا کیا جاوے اسلیئے اس مدرسہ کی غرض کوئی یونیورسٹی کا امتحان پاس کرانا یا غیر ممالک کے لیئے مبلغین پیدا کرنیکی نہ ہوگی اور اسی لیئے اسکے نصاب میں انگریزی تعلیم بھی داخل نہ ہوگی۔

(۳) بعض احباب نے جو ایک تجویز انگریزی عربی کالج بنانیکی پیش کی ہے اس سے یہ کمیٹی بوجوہات ذیل موجودہ حالت میں متفق نہیں۔

(۱) سردست اسقدر سرمایہ صدر انجمن کے پاس نہیں جس سے ایسا کالج قائم ہوسکے۔

(ب) جو اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ دین کے خادم بننے کا یا غیر ممالک میں تبلیغ کا شوق رکھتے ہوں وہ بعد تکمیل تعلیم انگریزی مدرسہ دینیہ میں اعلیٰ درجہ کی عربی اور دینیات کی تعلیم حاصل کرسکتے ہیں

(ج) انجمن کے لیئے مقدم یہ امر ہے کہ پہلے ہندوستان جیسے وسیع ملک میں احمدی اسلامی واعظین کا انتظام کرے۔ اور اپنی جماعت میں ایسے علماء پیدا کرے جو آئندہ نسلوں کے لیئے موجب ہدایت ہوں

(د) جو اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ غیر ممالک میں تبلیغ کیلیئے نکلیں گے انکے لیئے انجمن کو بعد میں اخراجات بھی بہت زیادہ کرنے پڑینگے۔ اور جو گروہ مبلغین یا علماء کا اس ملک کے لیئے ہوگا۔ ان کیلیئے

بعد میں انجمن کو خرچ بھی تھوڑا کرنا پڑیگا- اور بہت سے کام بھی انسے لیئے جا سکتے ہیں-

(۸) حالات موجودہ کے نیچے خالص دینی مدرسے کے لیئے بھی قابل سٹاف کا ملنا مشکلات سے ہے- اور انگریزی عربی کالج کے لیئے پروفیسروں کا ملنا تو اور بھی مشکل امر ہے-

(۹) مجوزہ مدرسے کے لیئے طلبار کا ملنا کالج کے لیئے طلبار کے ملنے سے آسان ہے-

نوٹ- سب کمیٹی کا یہ منشار نہیں ہے کہ ایسا کالج نہ بنایا جائے- بلکہ اسکی رائے میں سردست ایسے مدرسہ دینیات کا بنانا مقدم ہے جسکی تجویز سب کمیٹی نے کی ہے اور بعد میں جسوقت اللہ تعالیٰ اور کشائش کی راہیں کھولدے اور دوسری مشکلات کا بھی انتظام ہوسکے تو اسی مدرسہ کو ترقی دیکر کالج بنایا جاسکتا ہے-

(۴) مولوی شیر علی صاحب نے تجویز کیا- کہ اس مدرسہ کا نام مدرسہ احمدیہ ہو- اور سب کمیٹی نے اسے ذیل کے وجوہات پر پسند کیا ہے-

(الف) اس مدرسہ کی تحریک اوّلاً حضرت اقدسؑ نے ہی کی تھی- (ب) اب یہ مدرسہ آپ ہی کی یادگار میں قائم ہوتا ہے- (ج) اسکی غرض احمدیہ علم کلام کو سکھانا اور احمدی مبلّغین اور احمدی علمار کا پیدا کرنا ہے

(۵) اس مدرسہ میں گیارہ سال سے کم عمر کا لڑکا داخل نہ کیا جاویگا-

(۶) معیار قابلیت مروجہ پرائمری کا امتحان ہوگا-

(۷) جن لڑکوں نے پرائمری کا امتحان پاس نہ کیا ہو- انہیں اس مدرسہ میں داخل ہونیکے لیئے ایک داخلہ کا امتحان دینا ہوگا-

(۸) سکیم یعنی نصاب مدرسہ احمدیہ سات سال کیلیئے تیار کیا گیا ہے-

(۹) مجوزہ ہفت سالہ نصاب میں دو درجے ہونگے- درجہ ادنیٰ کا امتحان پانچویں سال کے بعد اور درجہ اعلیٰ کا امتحان ساتویں سال کے بعد ہوگا- اور کوئی طالب علم درجہ ادنیٰ سے درجہ اعلیٰ میں ترقی نہ کرسکیگا- جبتک وہ درجہ ادنیٰ کے امتحان کو پاس نہ کرے اور نہ کسی طالب علم کو تکمیل تعلیم کی سند دیجائیگی جبتک وہ اعلیٰ درجہ کا امتحان پاس نہ کرے-

(۱۰) درجہ اعلیٰ میں کامیاب ہونیکے بعد جن طلبار کو مجلس خصوصیت سے اس قابل سمجھیگی انکی دو سال کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کریگی- ان دو سال میں طالب علم کو معقول وظیفہ دیا جاویگا-

(۱۱) دو سال کی خاص تعلیم میں طرز تعلیم حسب ذیل طریق سے ہو گی۔
اوّل۔ مندرجہ ذیل چھ مضامین میں سے ہر ایک دن ایک خاص مضمون پر طلباء کو ایک گھنٹہ کیلئے لیکچر دیا جاویگا۔ فضائل اسلام۔ مقابلۂ مذاہب عالم مخالفین اسلام کے اعتراضوں کا جواب۔ فلسفہ قدیم و جدید۔ استنباط مسائل جمیع مذاہب اسلام ادب و لغت۔
دوئم۔ اس لیکچر کے علاوہ ایک گھنٹہ روزانہ پڑھائی کا ہوگا۔ جس میں حسب ذیل کتب عبور کرائی جاوینگی۔ الجواب الصحیح۔ رد شبہہ منہاج ابن تیمیہ اعلام الموقعین ابن قیم۔ ائمہ ثلاثہ کی تین کتابیں۔ فصوص الحکم۔ احیاء العلوم۔ زرقانی۔ اشباہ و النظائر۔
سوم۔ چھ مضامین مذکورہ ضمن اول میں سے ایک ایک مضمون پر ہر پندرہ روز میں طالب علم خود ایک مضمون لکھیگا۔ مضمون کا عنوان اس مضمون کا پروفیسر تجویز کریگا۔ یہ مضامین محققانہ ہونگے۔ اور طالب علم بطور خود مطالعہ کتب کر کے ایسے مضامین تیار کریگا۔
چہارم۔ انکے علاوہ ہر ایک مضمون کے پروفیسر کا فرض ہوگا۔ کہ اپنے اپنے مضامین کے متعلق ضروری کتابوں کے مطالعہ کی طلباء کو ہدایت کرے اور حسب ضرورت انکے مطالعہ میں انکو مدد دے۔
(۱۲) جن طالب علموں کو مجلس درجہ خاص کی تعلیم کے قابل سمجھے گی انہیں سے بعض کو بطور واعظ مقرر کر کے باہر بھیجا جائیگا۔ اور بعض کو مولوی فاضل کے امتحان کیلئے تیار کیا جائیگا۔
(۱۳) جو طالب علم بطور واعظ باہر بھیجے جانے ہوں۔ انکے لئے ضروری ہوگا۔ کہ کم از کم ایک سال شفاخانہ میں عملی طور پر طبابت اور جراحی کا کام سیکھیں اور وہ شفاخانہ میں اس ڈاکٹر کی زیر نگرانی تعلیم اور تجربہ حاصل کریں گے۔ جسکی نگرانی میں شفاخانہ ہو اور علاوہ ازیں انسے وعظ بھی کرایا جاویگا۔ اور مضامین لکھوائے جاویں گے۔
(۱۴) جن طلباء کو مولوی فاضل کے امتحان کیلئے طیار کیا جاویگا۔ انکو ایک سال میں مولوی فاضل کے امتحان کی ایسی کتابیں جو نصاب ہفت سالہ میں شامل نہیں عبور کرائی جاویں گی۔
(۱۵) ان دونوں قسم کے طلباء کو اس سال کی پڑھائی کیلئے وہی وظیفہ دیا جاویگا۔ جو وہ ساتویں سال لیتے رہے ہیں
(۱۶) علاوہ ان امدادی وظائف کے جو سکین فنڈ سے دینیات کے طلباء کو اسوقت دیئے جاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل وظائف خاص مدرسہ احمدیہ کے فنڈ سے اس مدرسہ کے طلباء کو دیئے

جاویں گے۔جو مقابلہ کے وظائف کہلائیں گے۔ جماعت دوم۔سوم ایک،ایک وظیفہ سات روپے ماہوار کا۔اور دو دو وظیفے چھ چھ روپے ماہوار کے۔ جماعت چہارم پنجم ایک ایک وظیفہ آٹھ روپیہ ماہوار کا۔ اور دو دو وظیفے سات سات روپے ماہوار کے۔جماعت ششم وہفتم ایک ایک وظیفہ دس روپے ماہوار کا اور دو دو وظیفے آٹھ آٹھ روپے ماہوار کے اور درجہ خاص کی تعلیم میں دو سال کیلیئے ہر ایک طالب علم کو پندرہ روپے ماہوار وظیفہ دیا جاویگا۔

(۱۷) مقابلہ کے وظائف جو مدرسہ احمدیہ سے دیئے جاویں گے انکے لیئے حسب ذیل شرائط ہونگی (اوّل) ایسے طالب علم نے درجہ ادنیٰ کی چار جماعتوں میں پچاس فیصدی سے اور درجہ اعلیٰ کی دو جماعتوں میں ساٹھ فیصدی سے کم نمبر سالانہ امتحان میں نہ لیئے ہوں یعنی کل میزان کے لحاظ سے۔اور ہر ایک مضمون میں پاس ہوا ہو۔(دوم) اسکے اُستاد اور افسران اسکے چال چلن سے خوش ہوں۔ (سوم) ہر ایک جماعت میں سب سے بڑا وظیفہ اس طالب علم کو دیا جاویگا جو اول رہے۔اور باقی دو وظیفے انکو جو دوم اور سوم رہیں۔ (چہارم) کوئی طالب علم جسکو ان شرائط سے وظیفہ ملیگا۔ وہ امدادی وظیفہ کا حقدار نہ ہوگا۔ مگر جملہ ان شرائط کا پابند ہوگا۔جو امدادی وظیفہ کے لیئے معاہدہ میں دے چکا ہے۔

(۱۸) موجودہ طالب علمان مدرسہ دینیات کا خاص امتحان لیکر وہ جس جماعت میں چلنے کے قابل ہوں۔اس میں داخل کیئے جاویں۔"

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

اس مہینہ کی بڑی کارروائی مدرسہ احمدیہ یعنی نئے دینی مدرسہ کا قائم ہونا ہے جسکا مفصل ذکر دوسری جگہ ہو چکا ہے۔یہ مدرسہ یکم مارچ سے کھلکر چار جماعتیں اسوقت زیر تعلیم ہیں اور پچیس کے قریب طلبار کی تعداد ہے۔ ہائی سکول میں انٹرنس کے طلبار کے چلے جانیکی وجہ سے تعداد بورڈران میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے۔اگر وہ احباب جنہوں نے جلسہ کے موقعہ پر وعدے فرمائے تھے اور دوسرے احباب توجہ فرماویں تو تعداد طلبار ترقی کرسکتی ہے۔ مدرسہ کے ہیڈ ماسٹری کا چارج اس ماہ کے

اخیر تک امید ہے مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی ہو جاوینگے۔ ایسے لائق ہیڈ ماسٹر کی خدمات کا ملجانا بڑی خوش قسمتی ہے۔ مگر انکی دینی و دنیوی قابلیت سے اس صورت میں فائدہ ہو سکتا ہے کہ سب احمدی اپنے بچوں کو تعلیم کے لیئے قادیان میں بھیجیں۔ انگریزی ترجمہ لکچر ہوتسود کے چھپوانے کے لیئے یہ تجویز سوچی گئی ہے کہ ولائیت میں چھپوا کر وہاں کی ایجنسیوں کی معرفت اسکی اشاعت کا انتظام کیا جاوے اور کچھ کاپیاں یہاں بھی منگوالی جاویں۔ سالانہ جلسہ کی رپورٹ قریب الاختتام ہے جس میں جہانتک ہو سکا ہے سب تقریروں اور لکچروں کو جمع کیا گیا ہے۔ اور صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ اور جلسہ کے مختصر حالات درج کیئے گئے ہیں قریباً ڈیڑھ سو صفحہ کی کتاب ہو جائیگی اور نہایت ارزاں قیمت یعنی قریباً تین آنے یا اڑھائی آنے پر فروخت ہو گی۔ جو صاحب جسقدر کاپیاں خریدنی چاہیں بک ڈپو میں آرڈر بھیجدیں۔ بڑی بڑی انجمنیں اگر کافی تعداد اکٹھی منگوالیں تو شائد خریداروں کو اور بھی سہولت ہو جائیگی۔ یہ رپورٹ نہایت قیمتی تقریروں کا مجموعہ ہے۔ اور قوم کے حالات کا نقشہ ہے اور ہر ایک ہاتھ میں اسکا ہونا ضروری ہے۔

بھٹہ کا کام جاری ہے۔ پانچ لاکھ سے زیادہ اینٹ پک چکی ہے۔ امید ہے کہ تین ماہ میں اور پندرہ لاکھ اینٹ ہو جائیگی۔ اور اس سے ایک حصہ بورڈنگ ہوس کا مکمل ہو سکیگا۔ مگر روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔ ماہ گذشتہ میں بھی تحریک کی گئی تھی مگر افسوس ہے کہ ابتک احباب نے کچھ توجہ نہیں کی۔ اس کام میں تھوڑی سی روک سے بھی بہت سے روپیہ کا نقصان ہو جائیگا۔ صدر انجمن نے ایک ڈیپوٹیشن بھی احباب کی خدمت میں حاضر ہونیکے لیئے تجویز کیا ہے۔ لیکن اگر مختلف انجمنیں خود ہی سعی کر کے رقم مطلوبہ بھجوادیں تو ڈیپوٹیشن کے اخراجات کی تخفیف ہو جاویگی اور وہ احباب جنکے ذمہ یہ کام لگایا گیا ہے اسوقت میں کوئی اور نیک کام کر سکیں گے۔

مکرمی مفتی محمد صادق صاحب اسوقت ہر ایک قسم کی تکلیف اٹھا کر مختلف جماعتوں کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ مفتی صاحب کی جسمانی بناوٹ پہلے ہی کمزور ہے۔ مگر میں انکی اس ہمت پر حیران ہوں کہ وہ بڑا ایسا سفر کر رہے ہیں جو مضبوط سے مضبوط آدمی بھی بمشکل برداشت کر سکتا ہے۔ ہر جگہ جماعت کو وعظ فرماتے ہیں۔ اور جہاں انجمنیں نہیں وہاں انجمنیں بناتے ہیں۔ مفتی صاحب صدر انجمن کے ناظر ہیں اور جہاں انجمنیں ہیں وہاں وہ انکے حساب کتاب کی پڑتال بھی کرینگے۔ جسطرح وہ ہمت سے احباب

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ — بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۹ء — نمبر ۴

فہرست مضامین

صلیب کے صحیح واقعات ... ۱۲۷-۱۵۵

تناسخ ... ۱۵۶-۱۶۲

انسانی روح کے متعلق ویدک فلاسفی ۱۶۲-۱۶۷

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۶۷-۱۶۸

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا ۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلبا سے عہ

اطلاع برائے خریداران تفسیر القرآن

آئندہ کیلئے یہ انتظام کیا گیا ہے۔ کہ جو احباب رسالہ اردو اور تفسیر ہر دو کے خریدار ہیں۔ انکی خدمت میں تفسیر ماہوار ریویو کے ضمیمہ کے طور پر رسالہ کے ساتھ بھیجی جایا کریگی۔ اور جو صاحب صرف تفسیر کے یا تفسیر اور انگریزی پرچہ کے طور پر علیحدہ ٹائٹل پیج کے اندر ارسال ہوا کرے گی۔ امید ہے۔ کہ خریدار صاحبان اس اطلاع کا خیال رکھیں گے۔

ایک اور اطلاع

اس رسالہ کے آخر میں صدر انجمن احمدیہ کی ماہواری رپورٹ کے ماتحت یہ اطلاع دی گئی تھی۔ کہ سکرٹری صاحب خواجہ صاحب کے ساتھ کلکتہ میں مضمون سنانیکے لیئے گئے ہیں۔ اب بڑی خوشی سے اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ ہر دو صاحبان ۱۵۔ اپریل کی شام کو واپس تشریف لے آئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ کہ جلسہ بڑی رونق سے ہوا۔ ہر طرف سے ڈیلیگیٹس آئے ہوئے تھے۔ احمدیہ فرقہ کی طرف سے ۱۰۔ اپریل ۱۹۰۹ء کو مضمون پڑھا گیا۔

یسرنا القرآن:۔ اس قاعدہ کی قبولیت اب ملک میں عام طور پر پھیل گئی ہے۔ اور اب چوتھی مرتبہ تعداد میں چھ ہزار شائع کیا گیا ہے قیمت بھی کم کر دیگئی ہے۔ یعنی عربی حصہ کی قیمت جسکو پڑھنے کے بعد بچہ قرآن شریف کو خود بخود پڑھنے لگتا ہے۔ ۱/ کر دیگئی ہے پہلے ۲/ قیمت تھی۔

عمدۃ الاحکام ۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفقہ حدیثیں مع ترجمہ۔ قیمت ۵/

اسلام کی پہلی کتاب:۔ مصنفہ ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب نو مسلم قیمت صرف ۴/ فی جلد ہے۔

نوٹ:۔ مندرجہ بالا کتب کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب بک ڈپو میں فروخت کے لیئے موجود ہیں۔ فہرست مفصل علیحدہ طلب کرنے پر مل سکتی ہے۔

تمام خط و کتابت بنام مینیجر میگزین ہونی چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

صلیب کے صحیح واقعات

"صلیب کے چشم دید واقعات" ایک کتاب ہے جس کو "انڈو امریکن بک کمپنی" نے ۱۹۰۷ء میں شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں صلیب کے متعلق وہ صحیح واقعات بیان کیے گئے جن کی بنیاد ایک خط ہے جو ایک ایسینی کو حضرت مسیح کے ایک دوست نے واقعہ صلیب سے سات سال بعد لکھا۔ اور وہ شخص جسے وہ خط لکھا گیا اسکندریہ کا رہنے والا تھا۔ ذیل کی تحریر سے جو کتاب کی تمہید کے طور پر ہے یہ پتہ لگتا ہے کہ کس طرح یہ پرانا نسخہ مترجم کے ہاتھ لگا جس نے اسکا انگریزی میں ترجمہ کیا جو خود جرمنی کا رہنے والا تھا۔

"ابی سینیا کی تجارتی کمیٹی کے ایک ممبر کو اسکندریہ میں ایک پرانے مکان کا پتہ لگا جس میں پہلے یونانی راہب رہا کرتے تھے۔ اس کے کتب خانہ میں جو اسوقت بالکل ویران حالت میں پڑا تھا ایک پرانا نسخہ ملا۔ ایک فرانسیسی عالم نے جو اتفاقاً وہاں موجود تھا اسکا ترجمہ شروع کیا۔ مگر ایک پادری نے مجنونانہ مذہبی حمیت کے جوش سے اس پرانے نسخے کے تباہ کرنیکی کوشش کی۔ لیکن اس پادری کی کوششیں معلوم ہوتا ہے کہ کامیاب نہیں ہوئیں کیونکہ اصل کی ایک نقل لاطینی زبان میں ہو چکی تھی۔ اور فری میسنوں کے ذریعہ یہ نسخہ جرمنی میں پہنچا۔"

جرمن مترجم نے جو ترجمہ لکھا ہے اسکے دیباچہ میں وہ لکھتا ہے کہ وہ گھر جس میں یہ نسخہ پایا گیا۔ وہ علم آثار قدیمہ کی تحقیقات کی رو سے ثابت ہو گیا ہے کہ فرقہ ایسینز کے

قبضے میں تھا۔ مگر یہ نسخہ اس مذہبی اور حقیقت شناس فرقے کی اس لائبریری کا اکیلا بقیہ تھا جو کسی زمانہ میں بڑی عظیم الشان تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اصل نسخہ ابی سینین اور فیثا غورث سوسائٹیوں کے ذریعہ سے فری میسنوں کی موجودہ جماعت کے ہاتھ آگیا۔ اور وہ نسخہ اب تک جرمنی کی فری میسنری سوسائٹی کے قبضے میں ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اصل لاطینی نسخہ کا ایک جرمن نے انگریزی میں ترجمہ کیا اور ۱۸۷۳ء میں شائع کیا گیا۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ اسکے شائع ہونیکے بعد سعا اسکی اشاعت کو دبا دیا گیا۔ چھاپنے کی پلیٹوں اور پتھروں کو تباہ کر دیا گیا اور یہی حال اس کتاب کے شائع شدہ نسخوں کا ہوا۔ لیکن ریاست مسچوزٹس کے فری میسنوں میں سے ایک کے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ رہ گیا۔ جس کی لڑکی نے اتفاقیہ طور پر اپنے باپ کے کتب خانہ میں اسے دیکھکر موجودہ شائع کنندہ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ دیکھے کہ آیا یہ نسخہ کچھ کام کا ہے یا نہیں۔

اس شخص کا بیان ہے کہ اسنے فوراً اس امر کے لیئے تحقیقات شروع کر دی کہ آیا اس کا کوئی اور نسخہ بھی ہاتھ آسکتا ہے یا نہیں۔ اس بات کے لیئے بھی جستجو کی گئی کہ کسی طرح کانگرس کی لائبریری سے اس کتاب کا سرکاری نسخہ مل جائے۔ مگر کوئی نسخہ دستیاب نہ ہوا کیونکہ کانگرس کے لائبریرین کے پاس کوئی نسخہ تک نہ چھوڑا گیا حالانکہ یہ ایک قاعدہ ہے کہ ہر ایک کتاب کا ایک نسخہ وہاں ضرور رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے بغیر کاپی رائٹ نہیں مل سکتا۔

یہ بیانات اس قسم کے ہیں کہ ان کی تصدیق کسی طریق سے نہیں ہو سکتی۔ سوائے اسکے کہ ہم ایڈیٹر یا مصنف کے قول کو سچا مان لیں۔ اور اگر یہ بیانات بھی صحیح ہوں تو بھی اصلی نسخہ کی صحت کے لیئے ثبوت کی ضرورت ہے۔ چونکہ ہم اس کہانی کی صحت کے متعلق کسی قسم کی تنقید نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم اس بحث میں پڑ سکتے ہیں کہ اصلی اور صحیح نسخہ کونسا ہے۔ اس لیئے ہم صرف اسی بات پر کفایت کرتے ہیں کہ ہم صلیب کے متعلق جو واقعات اس کتاب میں درج ہیں ان کو بیان کر دیں۔ اگرچہ نسخہ کی صحت اور اصلیت کے متعلق ہم کوئی کھلا ثبوت ایسا نہیں کر سکتے ہیں مگر جو واقعات بیان کیئے گئے ہیں وہ ایسے صاف بمضبوط اور مسیح کی زندگی کے واقعہ سے اس طرح ملتے جلتے ہیں کہ بالکل صحیح معلوم ہوتے ہیں اور وہ ان نقائص

سے بالکل بری اور پاک ہیں جن سے انجیلیں مملو ہیں جنکا ایک بیان دوسرے کی تردید کرتا ہے اسلیئے باوجود ان تمام ثبوتوں کی عدم موجودگی کے جو اس نسخہ کی صحت کے لیئے درکار ہیں جسپر ان تمام بیانات کا دارومدار ہے۔ وہ اپنی سچائی کی ایک ایسی وزندار شہادت اپنے اندر رکھتے ہیں جس سے انجیلی بیانات بالکل معرّا ہیں۔ عام واقعات میں یہ نسخہ انجیلی بیان کی تردید نہیں کرتا مگر ان واقعات کے متعلق بہت سی باتیں جو انا جیل میں ایک راز کے طور پر بیان کی گئی ہیں اور عام انسانی واقعات کے خلاف بتائی گئی ہیں انکے بڑے حصہ کو اس نسخہ کے بیان کردہ واقعات نے صاف کر دیا ہے اور جس جگہ انجیل نویسوں نے توہمات کو اپنی کہانی کی بنیاد قرار دیا ہے اس جگہ یہ ایسینی مورخ عقلی دلائل دیتا ہے اور توضیح کرتا ہے۔ اور اسطرح یسوع کی زندگی کے متعلق جسقدر واقعات معجزانہ رنگ میں انجیلوں میں بیان کیے گئے ہیں انکو ایسی سادگی سے بیان کیا گیا ہے کہ انجیلی بیانات کے مقابلہ پر ہر ایک سمجھدار انسان کے نزدیک وہ بہت زیادہ قابل اعتبار ہیں۔

انجیلوں کے پڑھنے والوں اور محققین کیلیئے بعد از صلیب یسوع کا ظاہر ہونا ایک مشکل سے مشکل سوال رہا ہے ایک پکا عیسائی تو ہر ایک چیز کو بغیر کسی چون وچرا کے مانتا چلا جاتا، اور کبھی ایسے واقعات کے امکان اور مدلل ہونے پر شک نہیں لاتا مگر اصل محقق کے لیئے حضرت مسیح کا صلیب کے واقع کے بعد نمودار ہونا ایک بڑا مشکل امر ہے۔ اعلیٰ تنقید کرنے والوں نے مجبور ہوکر بہت سی انجیلی باتوں کو رد کر دیا ہے صرف اسوجہ سے کہ وہ یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح کا نمودار ہونا صرف کشفی طور سے تھا مگر اسطرح اس سوال کا حل کرنا انجیلوں کی صحت اور قابل اعتبار ہونیکو بالکل اٹھا دیتا ہے۔ حتٰی کہ ان منتقدین کو یہانتک سوال کرنا پڑا ہے "کہ کیا انجیلوں میں کوئی قابل یقین و قابل اعتبار امر بھی موجود ہے یا نہیں؟" جو لوگ حضرت مسیح کے کشفی طور پر نمودار ہونیکے قائل ہیں وہ انکو عورتوں اور شاگردوں کے سامنے نمودار ہونیوالے واقعات کو بالکل رد کرتے ہیں اور اسی طرح وہ اس بات کے بھی قائل نہیں کہ مسیح کو کسی نے چھوا ہو یا آپنے کسی سے ملکر کھانا کھایا ہو یا خالی قبر دیکھی گئی ہو جیسا کہ انجیلوں سے ثابت ہوتا ہے۔ وہ نتیجے ہیں جو انجیل کے واقعات

سے اخذ کئے گئے ہیں یا کئے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت مسیح صلیب پر ہی مر گئے اور اس واقعہ کے بعد صرف خواب میں ہی آپ دوسرے لوگوں کو نظر آئے اور دوسرا یہ کہ آپ واقعی طور سے اسی جسم کے ساتھ لوگوں پر ظاہر ہوئے اور اس حالت میں آپ کی وفات صلیب پر نہیں ہوئی انہیں سے پہلا نتیجہ اعلیٰ تنقید والوں نے اختیار کیا ہے مگر اس میں انجیل کے بیان کردہ واقعات کے بہت سے حصہ کو فرضی اور غلط ماننا پڑتا ہے اور اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ بالکل ناقابل اعتبار ہیں جسکے ماننے سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ انجیل نویسوں نے بعض ایسی دور دراز کی کہانیاں لکھی ہیں جن کی بنیاد ہی کوئی نہیں۔ اور وہ محض بے سروپا اور لغو باتیں ہیں۔ حالانکہ دوسرے نتیجہ کے رو سے جس پر اس کتاب کا دارومدار ہے جو ہمارے ریویو کے نیچے ہے حضرت مسیح کا واقعہ صلیب کے بعد ظاہر ہونا تمام ضروری تفصیلات کے ساتھ بالکل صحیح ٹھہرتا ہے۔ صرف اتنی بات پہلے مان لینی پڑتی ہے کہ حضرت مسیح حقیقۃً صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ انکی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ لوگوں نے انہیں مردہ سمجھ لیا۔

خود انجیلوں میں مفصلہ ذیل واقعات درج ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صلیب پر وفات پا جانے کی نسبت بیہوشی اور غشی کی حالت میں آپ کا ہو جانا زیادہ قرین قیاس اور اغلب ہے۔ اوّلاً حضرت مسیح پیشگوئی کے طور پر فرماتے ہیں کہ میری حالت بعینہٖ حضرت یونسؑ کی طرح ہو گی جنکی نسبت بائبل میں مذکور ہے کہ آپ کو ایک مچھلی نگل گئی تھی اس حالت میں کہ آپ زندہ تھے اور زندہ ہی اسکے پیٹ سے نکل آئے۔ اس طرح آپنے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ آپ کو لوگ مردہ سمجھ لیں گے جس طرح حضرت یونسؑ کو مردہ خیال کر لیا گیا تھا۔ مگر حقیقت میں آپ زندہ ہی ہونگے۔

(۲) حضرت مسیحؑ صلیب پر صرف چند گھنٹوں کے لیئے لٹکے رہے حالانکہ صلیب پر موت بہت دیر سے واقع ہوتی تھی۔ صلیب پر مرنے کے اصلی اسباب بھوک پیاس اور جسم کے ایک خاص حالت میں رہنے کی وجہ سے تشنج کا پیدا ہونا تھا مگر یہ سارے عوارض ایسے ہیں کہ انکی وجہ سے انسان چند گھنٹوں کے اندر نہیں مر سکتا۔ اس بات کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ دو چور جنکو آپکے ساتھ صلیب پر چڑھایا گیا تھا انکو جب اتارا گیا تو وہ

زندہ ہی تھے اسلیئے انکی ہڈیاں توڑی گئیں۔ (۳) حضرت مسیح ہڈیاں تڑوانے کی اذیت سے
بچے ہے جو ان مجرموں کے لیئے استعمال کیجاتی ہے جو صلیب پر بہت عرصہ نہ رہیں۔ (۴)
جب آپکے پہلو میں چھید کیا گیا تو اس میں سے خون نکلا جو زندہ ہونے کی نشانی ہے (۵)
پلاطوس کو اس بات کا یقین نہ آیا کہ مسیح اس تھوڑے سے عرصے کے اندر مرگیا۔ دیکھو باب ۱۵ آیت ۴۴
(۶) حضرت مسیح کو دوسرے مجرموں کی طرح دفن نہ کیا گیا۔ بلکہ آپ کو آپکا ایک حواری جو بڑا
مالدار آدمی تھا لے گیا اور آپ کی ہر طرح خبرگیری کی گئی اور زمین کے نیچے دفن کرنے کی
بجائے آپکو ایک ایسی فراخ جگہ میں رکھا جو خاص طور سے کاٹ کر چٹان کے اندر بنائی گئی تھی۔

پھر انکے علاوہ چند اور بھی باتیں ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی حرکات و سکنات واقعہ
صلیب کے بعد زندوں کی تھیں نہ مردوں کی سی (۱) جب تیسرے دن قبر کو دیکھا گیا تو اس کے
منہ پر سے پتھر سرکا ہوا پایا گیا۔ (۲) آپنے ایک باغبان کا بھیس بدلا دیکھو یوحنا باب ۲۰ آیت ۱۵
(۳) آپنے اپنے شاگردوں میں سے ایک کو بلایا اور اس کو کہا کہ اپنی انگلی آپکے زخم میں ڈالے۔
(۴) آپ کو بھوک لگی اور شاگردوں کے ساتھ ملکر آپنے کھانا کھایا۔ (۵) آپنے جلیل کے ملک
کی طرف ایک لمبا سفر کیا اور دو شاگرد آپکے ہمراہ تھے (۶) صلیب کے واقع کے بعد جتنی دفعہ
آپ ظاہر ہوئے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی جسطرح ایک شخص ڈرتا ہے کہ کہیں پکڑا نہ جائے

معلوم ہوتا ہے کہ پولوس کا خود عقیدہ تھا کہ آپ صلیب کی موت سے بچ گئے تھے۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ آپ یہ تکلیف برداشت کرنیکے لیئے تیار تھے اس لیئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے
کہ گویا آپ مر کر زندہ ہوئے مگر آپ کا موت کے منہ سے بچایا جانا آپ کا ذاتی کام نہ تھا وہ کسی اور
ذریعہ سے عمل میں آیا۔ انجیلوں میں اس دعا کا ذکر ہے جو آپنے پکڑے جانے سے پہلی رات
مانگی اور عبرانیوں کے خط باب ۵ آیت ۷ میں آپکی اس دعا کا قبول ہونا صاف طور
سے مانا گیا ہے۔ چنانچہ عربی انجیل کے یہ الفاظ ہیں کہ فسمع لتقوٰہ یعنی آپکے تقویٰ کے
سبب سے آپ کی وہ دعا قبول کی گئی۔ جو آپنے موت سے بچنے کے لیئے کی تھی
اور اگرچہ آپ واقعی طور سے بچائے گئے مگر یہ ابتلا اسقدر عظیم تھا کہ موت کی سی
حالت پہنچ گئی تھی۔ اور جب آپکو نجات ملی تو آپکے حواریوں نے غالباً یہ خیال کیا کہ گویا

وہ یہ بات کہدیں کہ مردوں میں سے جی اُٹھے تو بجا ہے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ایسے الفاظ جان بوجھکر اسلیئے استعمال کیئے کہ اس ۔۔۔ کے متعلق کوئی باقاعدہ تحقیقات نہ ہو سکے۔ اور حکام اس بات کی جستجو میں نہ پڑ جائیں۔

وہ ایسینی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی یہ چٹھی ہے اپنے آپ کو واقع صلیب کا چشم دید گواہ بتلاتا ہے۔ اسی خط سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ چٹھی اسکندریہ کے دوسرے ایسینیوں کی چٹھی کے جواب میں لکھی گئی۔ ایسینی ایک قسم کا یہودیوں میں راہبوں کا فرقہ تھا اور عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ فلسطین کے اندر ہی محدود تھے۔ اگر یہ بات سچ ہو تو یہ کہانی بالکل غلط ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ یہ چٹھی اسکندریہ کے ایسینیز کی طرف انکی چٹھی کے جواب میں لکھی گئی مگر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ کیوں اس فرقہ اور برادری کو ملک فلسطین کے اندر ہی محدود کیا جاوے اس سلسلہ کے وجود کا پتہ مسیح سے دو سو سال پہلے تک چلتا ہے اور یوسیفس پہلے پہل انکا حال یکبیین عہد میں بیان کرتا ہے۔ یہ بات ماننے میں نہیں آسکتی کہ دو سو سال کا عرصہ گذر جائے اور پھر ملک فلسطین کے باہر اس سلسلہ کا نشان تک قائم نہ ہو۔ ایسینی ازم کا خاص نشان یہ تھا کہ ان لوگوں کے دل کا پاکیزگی کی طرف بڑے زور سے رجحان ہوتا تھا۔ اور یہ بات اس زمانہ میں عام ہو گئی تھی کیونکہ خشک یہودی مُلاؤں کے مذہب یعنی فریسی ازم سے لوگ بالکل اُکتا گئے تھے اور اس کے برخلاف ہو گئے تھے اس لیئے یہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کی شاخیں دور دراز ملکوں میں یہودیوں کے اندر پھیلی ہوئی تھیں۔ پولوس کے چند خطوط کے حوالجات سے بعض لوگ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ سلسلہ کولوسی اور روما میں موجود تھا۔ مصری تھیراپیوٹس بھی اسکندریہ کے ایسینیز میں سے سمجھے جاتے ہیں اگرچہ انسائیکلو پیڈیا ببلیکا اسکا بڑے زور سے انکار کرتا ہے۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس بات کے ماننے کیلیئے ہمارے پاس کوئی ثبوت موجود نہیں کہ اسکندریہ میں ایسینیز کا کوئی سلسلہ موجود نہ تھا۔

چٹھی اس مضمون سے شروع ہوتی ہے کہ واقعی اسکندریہ کے ایسینیز نے جو حضرت

مسیح کے متعلق خصوصیت سنی تھیں وہ سب صحیح ہیں یعنی کہ حضرت مسیح اس فرقہ کے ایک ممبر تھے جس میں آپ جوانی کے وقت ہی سے داخل تھے اور اس امر میں یوحنا بپتسمہ دینے والا بھی آپکے ساتھ تھا۔ یہ ذکر کہ یوحنا اور حضرت مسیح فرقہ ایسینیز کے ممبر تھے صرف اسی چٹھی میں موجود نہیں بلکہ بہت سی ایسی باتیں بیان کیجاتی ہیں جو ان ہردو نبیوں سے ظاہر ہوئیں جن کا اصل اور خاص تعلق ایسینی تعلیم سے تھا۔ یہ لوگ کسی ذاتی اور علیحدہ علیحدہ افراد کی جائداد کے قائل نہ تھے۔ انکے درمیان کسی اکیلے شخص کی کوئی جائداد نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک ممبر کی جکمائی ہوتی تھی وہ ایک ایسے خزانہ میں جمع کردیجاتی تھی جس میں ہر ایک کا حصہ ہوتا تھا اور جس خزانہ سے تمام ممبروں کے اخراجات لیئے جاتے تھے۔ لوگوں کی جائداد اور مال اموال کے متعلق حضرت مسیح کے خیالات بھی انہیں لوگوں کے قریب قریب پہنچے ہوئے تھے۔ چنانچہ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی آسمانی بادشاہت میں داخل ہونیکی سچی خواہش کرتا تو آپ اس سے یہی فرماتے کہ جو جائداد تمہارے پاس موجود ہے وہ سب بیچ دو اور اسکی قیمت کو بیت المال میں داخل کرو۔ ایسینی مذہب میں بڑا اصول خدائے تعالیٰ اور اسکی مخلوق سے محبت کرنا ہے اور حضرت مسیح کا خدا کے باپ ہونے اور انسان کے بھائی بھائی ہونے پر زور دینا اسی اصول پر زور دینا تھا۔ انکے نزدیک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ دل کی پاکیزگی حاصل ہو اور غالباً اسی خیال کی وجہ سے کہ زن و مرد کے باہمی تعلقات پاکیزگی اور تطہیر نفس کے خلاف ہیں وہ نکاح وغیرہ کرنے سے بہت بچتے تھے اور مجردانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوحنا اور حضرت مسیح دونوں نے تمام عمر شادی نہیں کی۔ اس میں بھی اس فرقہ کی تعلیم کا واضح اثر معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک لکھا ہے کہ "وہ یعنی ایسینی اپنے کھانے کے وقت روٹی کو توڑتے اور پیالے کو چلاتے اور یہوداہ کی حمد کرتے تھے" ظاہر حالات پر خیال کرکے کہا جاسکتا ہے کہ اس امر میں بھی حضرت مسیح نے انکی رسم کو لیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں اصطباغ لینے کی بھی رسم موجود تھی۔ لیکن ان تمام مشابہتوں کے ساتھ ہی ایک اور واقعہ ہے کہ اس فرقہ کے لوگ ظاہری پاکیزگی پر بھی بہت زور دیتے تھے یہانتک کہ وہ کسی کنجنی سے چھونا بھی پسند

نہ کرتے تھے مگر انجیلوں میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح گناہ گاروں کے ساتھ بیٹھکر کھاپی لیا کرتے تھے یہانتک کہ آپنے بعض فاحشہ عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے سے بھی پرہیز نہ کیا مگر یہ ایسینی مورخ ایسی باتوں کو نہیں مانتا کیونکہ اسکے نزدیک "بہت سے آپکے شاگردوں نے آپکی موت و حیات کا قصہ رد ایتوں کے ذریعہ سنا جو ایک شخص دوسرے شخص سے نقل کرتا تھا" اور اسطرح پر یہ روایات قابل اعتبار نہیں۔

راقم خط بیان کرتا ہے کہ حضرت مسیح کا بچ جانا انہی لوگوں یعنی ایسینیوں کی خفیہ مدد اور حفاظت کی وجہ سے تھا۔ یہ لوگ آپکے شاگردوں تک کو پتہ نہ دیتے یہاں تک کہ انجیل نویسوں کو بھی انکا علم نہ تھا۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے راز کسی شخص پر ظاہر نہ کرتے تھے جبتک کہ وہ باقاعدہ انکے زمرے میں داخل نہ ہوگیا ہو اور جب تک اس سے یہ قسم نہ لی گئی ہو کہ وہ اس سلسلہ کا سچا وفادار رہیگا۔ چونکہ ان لوگوں کا اصول تھا کہ جہانتک ہوسکے جھگڑوں اور تنازعوں سے بچیں اور اپنے حاکموں ہمسایوں کے ساتھ امن چین سے زندگی بسر کریں اس لیئے راقم کہتا ہے کہ ہم نے چپکے چپکے کام کرلیا اور قانون کے پورا ہونے میں کوئی ظاہری روک نہیں ڈالی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم نے اپنے دوست کی خفیہ مدد کیلیئے تدابیر کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور ایسی طرز اختیار کی کہ جس سے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یعنی ہم نے مسیح کو بھی بچا لیا اور ملک کے قوانین اور حکام کے خلاف بھی نہ ہونے دیا۔ انکا یہ بھی دعویٰ ہے کہ جب یوسف نجار مصر میں پناہ لینے کی خاطر گیا تھا۔ تو ایسینی بھائیوں نے ہی اس کی مدد کی تھی اور حفاظت کی تھی۔ وہ ان لوگوں کے اسقدر زیر اثر تھا کہ اس نے بچپن سے ہی حضرت مسیح کے دل میں یہ نقش کردیا کہ ایسینی فرقہ حق پر ہے۔

اس چٹھی میں جو کتاب مذکور میں درج ہے حضرت مسیح اور یوحنا کا باقاعدہ اس سلسلہ میں داخل ہونا بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے قسم کھائی کہ وہ دنیا کی چیزوں سے بے تعلق رکھیں گے اور سلسلہ کے فرمانبردار رہیں گے اور سلسلہ کی باتوں کو خفیہ رکھیں گے۔ اسکے بعد جس طرح انکی رسم تھی اس سلسلہ کے لوگ ان ہردو یعنی مسیح اور یوحنا کو

ایک علیحدہ غار میں رہے گئے اور تین دن تین رات انکے امتحان اور آزمائش میں مصروف رہی۔ سلسلہ میں داخل ہونے کے تمام درجوں کو طے کرکے حضرت مسیح نے تو یہ پسند کیا کہ دنیا میں لوگوں کو وعظ کرتے پھریں اور انکی جسمانی بیماریوں کو اچھا کریں اور حضرت یوحنا نے "تھیرا پیوٹ" مایا سلسلہ کا بزرگ ہونا پسند کیا۔ کیونکہ اس سلسلہ کے قواعد میں سے یہ بھی تھا "کہ اپنی برادری کے ساتھ خفیہ طور سے محبت کریں اور انکے ساتھ رہیں یا دنیا میں جائیں اور لوگوں کو چنگا کریں اور تعلیم دیں" زندگی بسر کرنے کیلئے جو راہ حضرت مسیح نے اختیار کی اسپر کاربند ہونے کیلئے آپ ناصرہ کو واپس آئے۔ "یہاں آپنے بڑی شان وشوکت کے ساتھ اپنی نیکی اور راستبازی کا ثبوت دیا۔ اور اس قسم کو پورا کیا جو آپنے سلسلہ میں داخل ہوتے وقت کھائی تھی۔ آپ کا ایک دوست لعزر نامی تھا جسکی ایک بہن مریم تھی جو حضرت مسیح سے بہت محبت کرتی تھی۔ اور آپ بھی سچے دل سے اس سے محبت کرتے تھے۔ مگر سلسلہ کے قوانین کے ماتحت کسی ایسینی کو اجازت نہ تھی کہ وہ اپنی مرضی سے بیاہ کرے مبادا اس مقدس کام میں کسی طرح کی کاہلی اور غفلت اور سستی واقع ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت مسیح اس سلسلہ کے قوانین کی سچی پیروی کرنے کی وجہ سے عورتوں کی محبت پر غالب آگئے مگر جو تکلیف آپکو برداشت کرنی پڑی اور اپنے نفس سے جو مقابلہ پڑا وہ بہت ہی سخت تھا۔ اور جس گھڑی آپ مریم سے جدا ہوئے تو ہر دو زار و نظار روئے۔"

پھر صلیب کا قصہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ ذیل کے واقعات ہم مختصر طور سے اس کتاب سے اخذ کرکے پیش کرتے ہیں۔ حضرت مسیح اور دو چور جن کیلئے صلیب کا حکم جاری ہو چکا تھا بڑی ہجوم میں اپنے صلیبیں اُٹھائے صلیب دینے کی جگہ پر لیجائے گئے جسکا نام گلگوتھا تھا یعنی کھوپریوں کی جگہ۔ حضرت مسیح کی صلیب دونوں چوروں کی صلیبوں کے درمیان قائم کی گئی جسکا مطلب یہ تھا کہ آپکا جرم ان ہر دو کے جرموں سے بہت بڑا ہے۔ صلیب کے ساتھ میخوں سے گاڑنے سے پہلے سپاہیوں نے ان مجرموں کو پینے کیلئے شراب دی تاکہ وہ بیہوش ہو جائیں لیکن حضرت مسیح نے اس خیال پر اسکے پینے سے انکار کر دیا کہ آپ شرابی ہو کر اپنے دین کیلئے جان دینا اچھا نہ سمجھتے تھے اور اس روحانی اور جسمانی قربانی کو

شراب پینے سے داغدار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ آپکو ایسینی لوگوں نے پہلے ہی بتلا دیا تھا کہ یہ شراب ہے جو پینے کے لیئے دیجاتی ہے اور اسکا پینا منع ہے۔ تب حضرت مسیح کو اس چوب کے ساتھ جکڑ کر باندھ دیا گیا جو صلیب کے آگے ہوتی ہے جس کی وجہ سے آپ کا دَوران خون بند ہو گیا۔ لوہے کی میخیں آپکے ہاتھوں میں ٹھونکی گئیں مگر پاؤں میں نہیں کیونکہ پاؤں میں چھید کرنے کی رسم نہ تھی۔ جبکہ حضرت مسیح سورج کی اس جُھلسا دینے والی گرمی میں پڑے ہوئے تھے اور اسپر مصیبت یہ تھی کہ صلیب نے جان کنی وارد کی ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں سپاہیوں نے عادت کے موافق آپکے کپڑوں پر قرعہ اندازی کر کے بانٹ لیئے اور فقیہی اور فریسی آپ پر ہنسی ٹھٹھا اور تمسخر کرتے تھے۔ اور حضرت مسیح درد اور غم کے مارے سرنگوں تھے۔ قیافاس جو یہودیوں کا بڑا سردار کاہن تھا وہ بھی اسجگہ خدا کے بیٹے، پر ہنسی ٹھٹھا کرنے کیلیئے آیا۔ اسوقت اچانک اندھیرا ہو گیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے لیکن حضرت مسیح کے حواری اور ایسینی برادری کے لوگ وہیں اس گلگوتھا کی جگہ میں ٹھہرے رہے۔ کیونکہ انکی سوسائٹی کی جگہ بہت ہی نزدیک تھی۔ اسوقت حضرت مسیح کو سخت پیاس لگی۔ ایک رومی سپاہی نے آپکو ایک اسفنج سرکہ میں بھیگا ہوا چوسنے کیلیئے دیا جس سے آپنے اپنی پیاس بجھائی۔ جسوقت رات قریب ہوئی تو حضرت مسیح کی درد اور تکلیف کی حد نہ رہی۔ اور جونہی آپنے ایک چیخ ماری کہ ایک گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی جس طرح کہ زلزلہ سے پہلے سنائی دیا کرتی ہے۔ جتنے یہودی وہاں باقی رہ گئے تھے وہ بھی ڈر کے مارے بھاگ گئے کیونکہ انہوں نے خیال کیا کہ زمین و آسمان ہمارے مخالف ہوتا جاتا ہے اور وہ روحیں جو زمین اور آسمان کے درمیان رہتی ہیں وہ قریب ہے کہ زمینی لوگوں کو بسبب اس گناہ کے کہ انہوں نے خدا کے ایک راستباز کو تکلیف پہنچائی سزا دینا چاہتی ہیں۔ اسلیئے وہ اسجگہ سے فوراً بھاگ گئے۔ اسکے بعد معاً زمین ہلنی شروع ہوئی اور زلزلہ آنے لگا جسکے جھٹکوں کے سامنے ہیکل کی دیواریں بھی سر بسجود ہو گئیں یہانتک کہ بہت سی چٹانیں پھٹ گئیں۔ .... اور بہت سی قبریں جو چٹانوں کو کھود کھود کر بنائی گئی تھیں وہ پھوٹ پڑیں۔ غالباً اسی بنا پر تمثیل پرست

قصہ نویس نے یہ افسانہ بنا مارا ہے کہ مردے زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل آئے۔ مگر یہ خطرناک زلزلے اور خوفناک گڑگڑاہٹیں ایسے وقت میں واقع ہوئیں کہ بڑی آسانی سے انکا تعلق حضرت مسیح کی تکالیف کیطرف منسوب کیا جا سکتا تھا۔ ان عجائبات قدرت کے واقع ہونیسے یہودی تو ڈر ہی چکے تھے مگر رومی فوجی افسر کا دل بھی دہل گیا اور وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کے آگے دعا مانگنے لگا کیونکہ اسکا خیال یہ تھا کہ یہ بلائیں جو دنیا پر وارد ہو رہی ہیں وہ ایک راستباز کے دُکھ دینے کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ اس بڑے زلزلہ کا فوری اثر یہ ہوا کہ سوائے حضرت مسیح کے دوستوں اور حواریوں اور سلسلہ ایسینی کے آدمیوں کے جنکی اجتماع کا مقام وہیں نزدیک ہی واقع تھا اور سب بھاگ گئے جس وقت حضرت مسیح نے چیخ ماری تو لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ شائد آپکی جان ہوا ہو گئی۔ فوراً یہ خبر سلسلہ ایسینی کے آدمیوں کو پہنچی جو کالوری کے نزدیک ہی ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور انہیں دو ممبر یوسف ارمتیا کا رہنے والا اور نقودیمس فوراً اسجگہ آئے جہاں آپ کو صلیب دیگئی تھی کیونکہ وہ حیران تھے کہ اتنی جلدی جان کسطرح نکل سکتی ہے یوسف ارمتیا کا باشندہ دراصل ایک بڑا مالدار یہودی تھا اور اگرچہ بظاہر کسی فریق سے تعلق نہ رکھتا تھا تاہم پوشیدہ طور سے وہ سلسلہ ایسینی میں شامل تھا۔ وہ ایک بڑا دانا آدمی تھا اور ممبر کونسل بھی تھا۔ حکام اور لوگ اسکی بہت تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ وہ اس سلسلہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ ممبروں میں سے تھا اور بیماروں کو اچھا کر دینے کے فن کو خوب جانتا تھا۔ وہ سلسلہ کے رازوں سے خوب واقف تھا۔ یہ خبر سنکر کہ حضرت مسیح کی جان صلیب پر نکل گئی ہے وہ ہر دو اسجگہ آئے جہاں آپ مصلوب ہوئے تھے۔ اور جب انہوں نے آپکے جسم کا ملاحظہ کیا تو نقودیمس نے یوسف کو ایک طرف الگ لیجا کر کہا کہ ابھی وقت ہے اور آپکی جان کوشش سے بچ سکتی ہے۔ اس نے یوسف کو کہا کہ تم فوراً پلاطوس کے پاس جاؤ اور اس کی اجازت حاصل کر کے آپ کی لاش (بظاہر) کو حاصل کر لیا جاوے پیشتر اسکے کہ آپ کی ہڈیاں توڑی جاویں۔ وہ دونوں وہاں سے اسیوقت روانہ ہوئے یوسف تو پلاطوس کے پاس گیا تا کہ وہ حضرت مسیح کی لاش اس سے مانگ لاوے

اور خود نقودیمس ضروری دواؤں وغیرہ کی تلاش کیلئے چلا گیا جو زخموں کے اچھا کرنیکے کام آسکیں تاکہ حضرت مسیح کو دوبارہ ہوش میں لایا جاوے۔ کیونکہ اسکو یقین تھا کہ آپ فوت نہیں ہوئے بلکہ بالکل بیہوشی کی حالت میں ہیں۔

سبت کی رات کے پہلے کسی لاش کو صلیب پر نہیں رہنے دیتے تھے اور وہ وقت آگیا تھا کہ مصلوبوں کو صلیبوں پر سے اُتارا جائے اور دفن کیا جائے۔ چونکہ یہودیوں کو یہ علم تھا کہ اتنے تھوڑے عرصہ میں مجرمین مر نہیں سکتے لہٰذا انکی کونسل نے پلاطوس سے یہ درخواست کی وہ انکی ٹانگیں توڑ دینے کا حکم نافذ کرے۔ اور یوسف اور نقودیمس کے جانیکے تھوڑا عرصہ بعد فوجی افسر کے پاس جسکا وہاں پہرا تھا پلاطوس کی طرف سے ایک ایلچی یہ حکم لیکر آیا کہ لاشوں کو اُتار لیا جاوے اور انکی ٹانگیں توڑ کر انہیں دفن کیا جائے اسپر حضرت مسیح کے دوست اور بہی خواہ جنہیں اس چٹھی کا لکھنے والا بھی تھا بہت ہی گھبرائے اور پریشان ہوئے کیونکہ انہوں نے خیال کیا کہ پیشتر اسکے کہ یوسف پلاطوس کی طرف سے کوئی حکم لکھوا کر لائے اسوقت تک حضرت مسیح کو صلیب پر سے اُتار لیا جاویگا اور دفن کر دیا جائے گا۔ آپکے تمام دوستوں کو یہ علم بھی نہ تھا کہ آپکی جان بچانیکے لئے کوششیں ہو رہی ہیں اور جو بات انکے لئے سخت تکلیف دہ اور رنج دہ تھی وہ یہ تھی کہ انکو نظر آرہا تھا کہ حضرت مسیح کے ساتھ وہی ذلت کا سلوک ہوگا جو معمولی مجرموں کے ساتھ ہوتا ہے اور آپ کو ذلت کے ساتھ دفن کیا جاویگا۔ کیونکہ انکا خیال تھا کہ حضرت مسیح وفات پاگئے ہیں۔ پھر یہی شخص اس رومی فوجی افسر کے پاس گیا اور اس ایلچی سے پوچھا کہ آیا پلاطوس نے تمھیں بھیجا ہے یا کسی اور نے تو معلوم ہوا کہ اسے پلاطوس کے سکرٹری نے بھیجا ہے۔ جب اُسے یہ حال معلوم ہوا تو اس نے اس فوجی افسر کی منت و سماجت کی کہ آپ اس حکم کے ماننے میں ذرا توقف کریں۔ جب تک یوسف ارمتیا جو پلاطوس کے پاس گیا ہوا ہے واپس نہ آلے کیونکہ اس کی خواہش ہے کہ وہ حضرت مسیح کی لاش کو لیلے اور بڑی عمدگی سے تجہیز و تکفین کرے۔ اس افسر کا دل آگے ہی اس طرف مائل ہوا ہوا تھا۔ کیونکہ ان عجائبات قدرت کے ظاہر ہونے سے اس کے دل پر حضرت مسیح کی بے گناہی اچھی طرح

اثر کر گئی تھی اسلیئے اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ حضرت مسیح کی ہڈیاں نہ توڑیں باقی
دو چوروں کی ہڈیاں وہ ابھی توڑ چکے تھے۔ لیکن حضرت مسیح کے متعلق اسی خیال
تھا کہ مر چکے ہیں اس لیئے ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی وہ اسی گفتگو میں
تھے کہ یوسف ارمتیا اپنا کام کر چکا تھا۔ پلاطوس نے ایک ایلچی اس امر کی تحقیقات
کیلیئے بھیجا کہ آیا یہ امر واقعی طور سے سچ ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر وفات پا گئے ہیں کیونکہ
اسکا خیال تھا کہ صلیب پر اتنی جلدی آدمی نہیں مر سکتا۔ جب یہ آدمی موقعہ صلیب پر پہنچا
تو یقین کو اور بھی پکا کرنے کیلیئے ایک سپاہی نے حضرت مسیح کے پہلو میں ایک برچھا
چبھو دیا۔ جب دیکھا کہ کوئی تشنج واقع نہیں ہوا تو اس رومی افسر نے نتیجہ نکالا کہ آپ
واقعی مر گئے ہیں اسلیئے وہ فوراً پلاطوس کو اطلاع دینے کے لیئے چلا گیا اور اس نے اس
جلدی میں یہ بھی نہ دیکھا کہ جہاں برچھا لگا ہے وہاں سے خون نکل رہا ہے۔ مگر آپکے
دوستوں میں سے ان لوگوں کو جنہیں ان پوشیدہ معاملات کی خبر تھی اس حالت نے
اور بھی یقین دلایا اور انکی امید بندھ گئی کہ شائد آپ کی زندگی بچ جاوے۔ اسکے
جلدی ہی بعد یوسف اور نقودیمس پلاطوس کا حکم لیکر دوڑے آئے کہ حضرت مسیح
کی لاش یوسف کو ملجائے۔ کیونکہ گورنر صاحب اسکی بہت عزت و تکریم کرتے تھے
جب نقودیمس نے دیکھا کہ زخم سے خون بہ رہا ہے۔ تو اسکی افسردہ امیدیں پھر
ترو تازہ ہوگئیں۔ اور اب اسے یقین کامل ہوگیا کہ وہ حضرت مسیح کو بحال کرے گا۔
ہوش میں لانے اور تقویت دینے کیلیئے پہلے ہی وہ دوائیاں لایا ہوا تھا اسلیئے
اب اس نے یوسف کو یقین دلایا کہ حضرت مسیح مرے نہیں مگر ساتھ ہی اسنے جتلا دیا
کہ اس بات کا علم کسی اور کو نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی خوشی میں پھولے
نہ سمائیں اور اس راز کو ظاہر کر دیں۔ نقودیمس نے بہت سی ایسی ادویات اور مرہمیں
استعمال کیں جو فوری اثر کرنیوالی تھیں۔ اس نے ان چیزوں کو کپڑے پر لگا کر حضرت
مسیح کے زخموں پر باندھ دیا۔ تب اس نے گل حنا زخمی شدہ ہاتھوں پر لگا دی جہاں
جہاں میخیں لگی ہوئی تھیں۔ مگر اس نے اس زخم کو بند کرنا مناسب نہ سمجھا جو پہلو

میں تھا کیونکہ خون اور پانی کا بہنا تنفس کے لیئے بہت ممد تھا۔ (اس بیان سے انجیل کے وہ بیانات صاف طور پر سمجھ میں آجاتے ہیں کہ آپ نے اپنے پہلو کا زخم تھوما کو دکھایا مگر ہاتھوں کے زخم نہ دکھائے) اب آپکے جسم کو صلیب دینے کے مقام سے بہت دُور اُٹھا کر لے گئے اور اس تہ خانہ میں رکھدیا جو چٹانوں میں بنایا ہوا تھا اور یوسف کے قبضہ میں تھا۔ ان باتوں سے یہودیوں کو شک پیدا ہوگیا تھا اسلیئے انکے بڑے سردار کاہن نے خفیہ سپاہی اس امر کے دریافت کرنیکے لیئے روانہ کیئے کہ آیا حضرت مسیح کے خفیہ دوست کون سے ہیں۔ اس نے اپنے نوکروں کا ایک مسلح دستہ بھیجا تاکہ وہ کسی پوشیدہ جگہ سے دیکھتے رہیں کہ اس قبر پر کیا ہو رہا ہے جہاں کہ حضرت مسیح کو رکھا گیا تھا۔ اور انکی مدد کے لیئے ہیکل کے پہرہ دار وہیں موجود رہیں۔ اس لیئے قبر کی حفاظت کرنے کیلیئے بجائے رومی سپاہیوں کے سردار کاہن کے نوکر اور ہیکل کے پہرہ دار آن موجود ہوئے۔ اب نقودیمس نے باقی ممبروں سے مشورہ کیا کہ حضرت مسیح کو ہوش میں لانے کے لیئے کونسے وسائل عمل میں لانے چاہیئیں چنانچہ تمام اس بات پر متفق ہوئے کہ ایک ممبر کو بھیجدیا جاوے۔ یہ آدمی ایک اعلیٰ درجہ کی سفید پوشاک پہنکر ایک خفیہ راستہ کے ذریعہ قبر پر گیا۔ سردار کاہن کے آدمی زلزلے کے آنیکی وجہ سے پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ انھوں نے اس سفید پوشاک والے کو ایک فرشتہ سمجھا اور بھاگ اُٹھے۔ تھوڑی دیر بعد یوسف اور نقودیمس دوسرے ممبروں کی ہمراہی میں آپہنچے چونکہ حضرت مسیح کو اب ہوش آچکی تھی اور حواس درست ہوگئے تھے لہٰذا انہوں نے تمام ایسینی احباب کو پہچان لیا۔ پھر یوسف نے تمام ماجرا آپ کو کہہ سنایا کہ کسطرح آپ کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہوگئے تھے اور اس بیہوشی کو موت سے تعبیر کیا گیا تھا پھر کسطرح اور دوستوں نے آپکے بچانیکے لیئے کوششیں کی تھیں جن کی وجہ سے آپکی جان بچ گئی تھی۔ اسکے بعد اسنے آپکو کچھ کھجوریں اور شہد میں بھگویا ہوا ٹکڑا روٹی کا کھلایا۔ لیکن اتنے عرصہ میں مرہم اپنا اثر کر گئی تھی اس لیئے پٹیاں کھولدی گئیں۔ چونکہ وہاں ٹھہرنا خطرناک امر تھا لہٰذا آپکو ایسینی احباب کے کمیٹی گھر میں اُٹھا کر لے گئے جو وہیں ایک باغ کے نزدیک تھا۔ ان تمام باتوں نے حضرت مسیح پر اتنا اثر کیا کہ آپ نے موت کے مُنہ سے بچ جانا ایک معجزہ

سمجھا اور آپکے خیال کیا گویا آپ سچ مچ مُردوں میں سے جی اُٹھے ہیں۔
دو ایسینی نومریدوں کو تمام احباب نے روانہ کیا کہ وہ جا کر قبر کو درست کردیں اور پٹیاں وغیرہ سب نکال ڈالیں جب کہ وہ دونوں اُسی تہ خانہ میں بیٹھے ہوئے کام کر رہے تھے تو ایک عورت آئی اور قبر کے مُنہ پر سے پتھر کو ڈھلکا ہوا پاکر ڈر گئی اور انہی قدموں یروشلم کو واپس چلی گئی۔ اسکے بعد یروشلم کی اور عورتیں قبر کو دیکھنے کے لیئے آئیں اور سفید پوش آدمیوں کو دیکھکر انہوں نے سمجھا کہ کوئی فرشتے ہیں اس لیئے وہ سجدے میں گر گئیں۔ ان دونوں آدمیوں کو پہلے سے سمجھا دیا گیا تھا کہ اگر حضرت مسیح کے وہ دوست قبر پر آویں جنکو ان باتوں کا بالکل علم نہیں۔ تو انکو یہ کہدیں کہ آپ مُردوں میں سے جی اُٹھے ہیں۔ اسلیئے آپکے شاگردوں اور احباب کو چاہیئے کہ آپ جلیل کی طرف گئے ہیں وہاں جا کر ملیں۔ چونکہ ان دنوں یروشلم میں مخالفت بہت بڑھی ہوئی تھی اسلیئے یوسف نے حضرت مسیح کی ملاقات اپنے دوستوں کے ساتھ اسجگہ کرانی مناسب سمجھی۔ لیکن حضرت مسیح اپنے دوستوں کو تسلّی دینا بہت ضروری سمجھتے تھے اور آپکو اب طاقت اور قوّت بھی آ گئی تھی۔ لہٰذا آپنے اپنے ایسینی بھائیوں سے اس بات کے لیئے اجازت حاصل کی کہ آپ جائیں اور اپنے دوستوں سے ملیں۔ اسلیئے آپنے ایسینیوں کا وہ بھیس بدلا جسمیں وہ کام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ باغبانوں کے بھیس میں نکلے اور اس چٹان کی طرف گئے جس میں آپکی قبر تھی۔ مریم جو سب سے پہلے قبر پر آئی تھی وہ اب بھی قبر پر موجود تھی اور حضرت مسیح کو قبر میں نہ پاکر نوحہ کر رہی تھی۔ آپ اسکے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ لیکن بسبب باغبانی لباس کے اس نے نہ پہچانا اور آپکو باغبان ہی سمجھا۔ لیکن جب آپنے اس سے گفتگو کی تو اس نے آپکو پہچان لیا اور آپسے بغلگیری کی درخواست کی۔ چونکہ آپکو یہ ڈر تھا کہ ذرا کشمکش سے کہیں زخم نہ کھل جائیں اسلیئے آپ پیچھے ہٹ گئے اور اس کو کہدیا کہ آپکو چھوئے نہیں۔ جبکہ وہ آپکے سامنے عاجزانہ طور سے جھکی ہوئی تھی آپکے قدموں کی کھڑکھڑاہٹ کو سنا اسلیئے آپ فوراً باغ کے پچھواڑے کی طرف تشریف لے گئے۔ اسطرح جب پطرس اور یوحنا اس موقع پر پہنچے تو انہیں سوائے خالی قبر کے اور کچھ نہ دکھائی دیا۔ اگرچہ آپ چند ہی قدم چلے تھے مگر آپ کی کمزوری بہت

بڑھی ہوئی تھی۔ اسلیئے یوسف اور نقودیمس پھر آپ کو اُسی گھر میں لیگئے جہاں کہ پہلے آپ کے زخموں کی پٹی وغیرہ کی گئی تھی۔ انہوں نے آپکو کچھ انگور کا رس پینے کے لیئے بھی دیا اور تاکیداً منع کر دیا کہ کچھ عرصہ تک آپ ذرا بھی حرکت نہ کریں۔ اس اثنا میں شہر میں کئی ایک افواہیں اُڑ چکی تھیں۔ ہیکل کے پہرہ دار جو سفید پوشاک ایسینی نوجوان کو دیکھکر ڈر گئے تھے اب اپنے خوف اور بزدلی کے چھپانے کیلیئے بہت سی بے سروپا باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ یہ یہ خطرناک عجائباتِ قدرت وہاں ظہور پذیر ہوئے ہیں اور اتنی روحیں اپنی قبروں کو پھاڑ کر نکل آئیں۔ سردار کاہن نے اس خوف سے کہ مبادا ان معجزات کی وجہ سے لوگ حضرت مسیح کے طرفدار نہ ہوجائیں۔ ان پہرہ داروں کو روپیہ دیکر چُپ کرا دیا اور کہا کہ لوگوں میں یہ مشہور کرو کہ حضرت مسیح کی لاش کو انکے دوست چورا کر لے گئے ہیں۔ اسی اثنا میں حضرت مسیح اس انگوری رس کے خمار کی وجہ سے نیند بھر کر سوئے۔ اور شام کے قریب جاگے۔ چونکہ آپ بھوکے تھے۔ آپنے کھانا کھایا اور اپنے اندر کافی طاقت پاکر آپنے یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ اپنے دوستوں میں جاکر اپنے کام کو شروع کریں۔ لیکن احباب نے اصرار کیا کہ ایسا ارادہ آپ ہرگز خیال میں نہ لاویں وجہ یہ کہ آپ بہت کمزور ہو رہے تھے اور یہ بھی ڈر تھا کہ کوئی آپ کو پکڑ نہ لے اور پھر سولی پر چڑھاوے۔ لیکن حضرت مسیح نے کہا کہ خدا کا حکم میرے لیئے زیادہ طاقتور ہے بہ نسبت خوف کے اور آخرکار اپنے دوستوں سے منوالیا کہ آپ باہر دنیا میں جائیں۔ اس سلسلہ کے بزرگوں نے چند احتیاطیں آپسے کروائیں۔ انہوں نے ایک چغہ آپکو دیا کہ اسمیں اپنے آپ کو لپیٹ لیں تاکہ لوگ آپکو پہچان نہ سکیں اور ایک نو مرید کو پیچھے پیچھے روانہ کیا کہ وہ آپ کی خبرگیری رکھے اور راستہ میں جو جو اس فرقہ کا آدمی ملے اُنکو اس امر سے خفیہ اطلاع دے۔ اسکو حکم دیا گیا کہ سوائے اپنے فرقہ کے لوگوں کے اور کسی کے پاس نہ ٹھہرے اور شاہ راہ پر سفر نہ کرنے دے۔ ان ہدایات پر عمل کرکے حضرت مسیح ایماؤس کی طرف چل نکلے۔ یہ جگہ یروشلم سے کچھ ہی فاصلہ پر واقع تھی۔ اس سڑک پر آپنے اپنے شاگردوں کو پہچان کر انسے گفتگو کرنی شروع کر دی۔ مگر جب تک کہ آپ اُنکے ساتھ ایک شخص کے گھر میں نہ ٹھہرے انہیں یہ پتہ نہ لگا۔

کہ آپ انکے اُستاد و مرشد ہیں۔ اور چونکہ آپ اپنا راز لوگوں پر کھولنا نہیں چاہتے تھے اس لئے آپ چپکے سے دروازے میں سے نکل گئے اور ایک ایسینی کے گھر جا ٹھہرے۔ یہ دونوں شاگرد فوراً یروشلم کو واپس ہوئے تاکہ دوسرے شاگردوں کو بھی اس امر کی اطلاع دیں جو انکے ساتھ واقع ہوا۔ حضرت مسیح نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ آپ یروشلم کو واپس ہو لیں تاکہ اپنے شاگردوں کی مُردہ امیدوں کو از سرِ نو تازہ کریں۔ آپکے ایسینی دوستوں نے ایک گدھا آپکی سواری کیلئے دیا اور وہ نومرید اس واپسی کے سفر میں آپکے ساتھ ہو لیا۔ جبکہ آپ شہر میں داخل ہوئے تو آپکے داخل ہونیسے کچھ عرصہ پہلے ایک ایسینی کے مکان پر آپکے شاگرد جمع ہوئے ہوئے تھے۔ اور دروازے بند کرکے آپکے مردوں میں سے زندہ ہو جانیکے امکان پر بحث کر رہے تھے۔ اس خفیہ کونسل کے درمیان حضرت مسیح ایک چور دروازہ کی راہ سے داخل ہوئے اور تمام شاگرد آپکو دیکھکر حیران ہو گئے لیکن حضرت مسیح انسے باتیں کرنے لگے۔ انکو تسلّی دی اور اچھی طرح سے انکو ثابت کرکے بتلایا کہ میں وہی انسان ہوں جو پہلے تھا اور اُسی گوشت پوست کا بنا ہوا ہوں۔ تب آپنے کھانا مانگا اور روٹی شہد اور مچھلی جو شاگردوں نے مہیا کی تھی ان میں سے سیر ہو کر کھایا تب آپنے انکو بتلایا کہ میں تم میں اب نہیں ٹھہر سکتا اور نہ ہی میں بتلا سکتا ہوں کہ میں کہاں جاؤں گا۔ یہاں سے پھر اُسی گدھے پر سوار ہو کر آپ ایک ایسینی بزرگ کے گھر تشریف لے گئے جو زیتون کے پہاڑ کے بالکل نزدیک رہتا تھا۔ اور وہ جوان جو ان سفروں میں آپکے ہمراہ رہ چکا تھا نقودیمس اور یوسف کے پاس گیا اور انکو جو کچھ واقعہ ہوا تھا سب کہہ سنایا۔

حضرت مسیح کی آئندہ حفاظت کے لئے فوراً ایسینی بھائیوں کی ایک کمیٹی کی گئی۔ اس مجلس میں یہ امر قرار پایا کہ حضرت مسیح کو فوراً ایک وادی میں پہنچایا جائے جو جو تھا اور مسیڈ احسن کے پاس ہی تھی۔ یہاں حضرت مسیح حضرت یحییٰ کے ساتھ رہ چکے تھے جبکہ ہر دو صاحبان ایسینی فرقہ میں داخل ہوئے تھے اور چونکہ اسجگہ اس سلسلہ کے لوگ اکثر موجود تھے لہذا اسجگہ کو آپکے لئے مناسب سمجھا گیا۔ یہاں آپ کا سات روز تک قیام رہا۔ اسکے بعد آپ کو خبر پہنچی کہ آپکے شاگردوں میں سے ایک تھوما نامی اس بات سے انکار کرتا ہے کہ آپ کبھی زندہ

ہوئے ہوں۔ اسلیئے اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان شاگردوں کے جوش پر پانی پھر جائے۔ آپنے اپنے شاگردوں میں جانے کی خواہش کی۔ جب انکے پاس آئے تو آپنے یقین نہ لانیوالے تھوما کے شکوک شبہات کو رفع کیا اور انکو اپنا پہلو کا زخم دکھایا۔ یہاں سے آپ لعزر کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں آپ اپنی والدہ اور ہمشیروں سے ملے۔ لیکن جسوقت آپ بیتھنیا میں بیٹھے ہوئے تھے اسوقت ایک مصیبت آپکے لیئے تیار ہو رہی تھی سردار کاہن کو پتہ لگ گیا تھا کہ حضرت مسیح بازاروں میں چلتے پھرتے دیکھے گئے ہیں حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے بعد اسکو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ کسی طرح یوسف کو گرفتار کروائے جب یہ خبر تمام سلسلہ کو پہنچی تو انکو ڈر ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ حضرت مسیح بھی ساتھ ہی گرفتار ہو گئے ہوں۔ اسلیئے دو ممبروں کو انکی تلاش میں روانہ کیا گیا جنہوں نے کہ آپکو لعزر کے گھر پایا۔ اب یہ مناسب سمجھا گیا کہ آپ جلیل کی طرف چلے جاویں۔ آپکے شاگرد پہلے ہی سے جا چکے تھے۔ کیونکہ اس امر کیلیئے انکو ہدایات پہلے ہی مل چکی تھیں۔ کوہ کارمیل کے دامن میں ان ایسینیوں کی ایک جگہ تھی اسلیئے ملاقات کے لیئے یہی جگہ چنی گئی کیونکہ یہاں دشمن کا کوئی خطرہ نہ تھا اور آبادی سے یہ جگہ بہت دور اور بے تعلق پڑی ہوئی تھی۔ کئی ایک دن امن چین سے گذرے جن کی اثنا میں آپ اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتے رہے اور وعظ و نصیحت کرتے رہے لیکن دشمن کے جاسوس یہاں پیچھے لگے ہوئے تھے لہذا آپکو مجبوراً یہ جگہ بھی چھوڑنی پڑی۔ پس اسکے بعد آپنے اپنے شاگردوں سے کہا کہ تم بیتھابارا کو جاؤ وہاں میں تمہاری انتظار کرونگا۔ اسطرح آپ اپنے دن گذارتے رہے۔ بعض دفعہ تو شاگرد آپکے ساتھ ہوتے تھے اور بعض دفعہ آپکو تنہا رہنا پڑتا تھا۔ اس عجیب کہانی کا آخری حصہ اسطرح سے بیان کیا گیا ہے۔

"اسپر آپنے تمام شاگردوں کو اکٹھا کیا اور شہر میں سے ہوتے ہوئے دروازہ سے نکلکر اس وادی میں چلے گئے جسکا نام جوزافت (یوز آسف) ہے ...... اسکے بعد پھر حضرت مسیح اپنے شاگردوں کو اس جگہ لے گئے جو انکو بہت پیاری تھی۔ یعنی زیتون کے پہاڑ کی چوٹی کے نزدیک اور جہاں سے تقریباً تمام ملک شام کا نظارہ بخوبی ہو سکتا ہے .... چیدہ چیدہ شاگردوں کا یہی خیال تھا کہ آپ انکو بے تھنیا لے جائیں گے لیکن بعض ایسینی بزرگ پہاڑ کی دوسری

طرف اکٹھے ہوئے ہوئے تھے۔ اور حضرت مسیح کا انتظار کر رہے تھے جیسا کہ پہلے انکے درمیان یہ امر طے ہو چکا تھا۔ .... اس کے بعد آپنے اپنے شاگردوں کو نصیحت کی کہ تسلی رکھو اور ایمان میں مضبوط رہو۔ .... آپ انہی باتوں میں ہی مشغول تھے کہ اس سلسلہ کے بزرگان نے کہلا بھیجا کہ وقت تنگ ہو گیا ہے۔ اور وہ آپ کی انتظار میں کھڑے ہیں۔

جبکہ تمام شاگرد سر سجود ہو گئے تو انکی نظریں سب زمین کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ حضرت مسیح اُٹھے اور جلدی سے اُترتی ہوئی دُھند میں سے ہو کر دوسری طرف چلے گئے۔ جبکہ تمام شاگرد سجدہ سے اُٹھے تو انکے سامنے اس فرقہ کے دو آدمی سفید پوشاک پہنے ہوئے کھڑے تھے۔ انہوں نے ان حواریوں کو بتلایا کہ حضرت مسیح کی اب انتظاری مت کرو کیونکہ وہ چلے گئے ہیں۔ یہ کہکر وہ ہر دو بھی جلدی سے پہاڑ کے نیچے اُتر آئے ...... لیکن تمام شہر میں یہ مشہور ہو گیا۔ کہ حضرت مسیح کو بادلوں نے اُٹھا لیا ہے۔ اور آپکو جنت میں لے گئے ہیں۔ آپکے شاگردوں نے اس امر کی تردید نہ کی کیونکہ اس سے انکے اعتقاد اور ایمان کو زیادہ تقویت پہنچتی تھی اور ان لوگوں پر خاص طرح کا اثر ہوتا تھا جنکو ایمان لانیکے لیئے ایک معجزہ کی ضرورت ہوتی تھی

واقعہ صلیب کے قریباً چھ مہینے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کی وفات کا بھی ذکر ہو رہا ہے۔ خواہ یہ مذکورہ بالا بیان صحیح ہو یا غلط ایک فہیم شخص کے لیئے اور کوئی راہ ہی نہیں۔ اور انجیلوں کے اندر جو واقعات مذکور ہیں انکو پڑھکر سوائے اس نتیجہ کے اور کسی نتیجہ پر ایک دانا شخص نہیں پہنچ سکتا۔ یہ واقعہ ایسے طور سے بیان کیا گیا ہے کہ انجیلوں میں بظاہر جس قدر متضاد باتیں ہیں ان سب کو واضح اور صاف کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس چٹھی کا وہ حصہ جس میں یہ لکھا ہے کہ واقعۂ صلیب کے بعد آنحضرت بہت جلد وفات پا گئے کچھ بے بنیاد سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت مسیح کی قبر ابھی تک سری نگر کشمیر میں موجود ہے جسکو لوگ یوز آسف کی قبر کہتے ہیں ممکن ہے کہ آپ کا اپنے وطن مالوف سے ہجرت کر جانا ہی موت کے برابر سمجھا گیا ہو۔ اس چٹھی کا یہ فقرہ کہ یوز آسف نام وادی میں آپ چلے گئے۔ آپ کا تعلق یوز آسف نام سے ظاہر کرتا ہے۔

تناسخ

دسمبر کے انگریزی رسالہ میں جو مضمون "ویدوں کا خدا اور تناسخ" شائع ہوا ہے اس پر ڈاکٹر ایل۔پی۔ورما صاحب چند اعتراض لکھتے ہیں۔ خاص اعتراض تین ہیں۔

(۱) یہ خیال کہ خدا تعالیٰ نئی روحیں اور نیا مادہ پیدا نہیں کر سکتا ویدوں کی کسی شرتی پر مبنی نہیں بلکہ مضمون نویس کے خیال کی ایجاد ہے۔

(۲) ہندوؤں کا یہ عقیدہ نہیں کہ نجات دائمی نہیں۔

(۳) ویدوں کے رو سے اگر انسان سچے طور سے توبہ کرے تو اسکے گناہ یا تو بالکل معاف ہو جاتے ہیں یا اسکو بہت ہی ہلکی سی سزا دیجاتی ہے۔ اور تناسخ کے رو سے جو یہ پایا جاتا ہے کہ ہر گناہ کی سزا ابدی ہے اور کوئی عفو نہیں یہ صرف ان گناہ گاروں کے لیئے ہے جو اپنے گناہوں سے باز نہیں آتے بلکہ انپر مصر ہیں۔

معترض کا یہ خیال ہے کہ ہم نے بغیر کسی مستند ہندو کتاب کے دیکھنے کے یہ آرٹیکل شائع کر دیا ہے اسلیئے آپ چاہتے ہیں کہ ہم کسی وید کی شرتی یا کسی اور مستند کتاب کا حوالہ دیں جس سے ہمارا مطلب ادا ہوتا ہو۔ اسلیئے یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ اصل میں وہ آرٹیکل حضرت مسیح موعودؑ کی جدید تصنیف چشمۂ معرفت کے ایک حصہ کا ترجمہ تھا۔ خود آرٹیکل میں اس امر کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ اور ہم مسٹر ورما کو یقین دلاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کا ہرگز ہرگز یہ منشا نہ تھا کہ وہ دل آزاری اور عیب جوئی کے طور پر مضمون لکھیں۔ آپ ویدوں کی بڑی تکریم کرتے تھے۔ اور انکی اسقدر عزت آپکے دل میں تھی کہ آپ انکو خدا کا کلام سمجھتے تھے اگرچہ آپکا یہ بھی خیال تھا کہ جسطرح قرآن کریم کو مستثنےٰ کر کے اور آسمانی کتابوں میں تبدیل و تحریف ہوئی ہے ویسی ہی ان میں بھی ہوئی ہے "پیغام صلح" جو چشمۂ معرفت کے قریباً دو ہفتہ بعد لکھی گئی اسکے پڑھنے سے پتہ لگتا ہے کہ آپکے دلمیں ہندوؤں کی آسمانی کتابوں کی کسقدر قدر و منزلت تھی۔ لیکن وقت یہ آپڑی ہے کہ بہت سے ہندوؤں کے

عقائد ہیں جو بالکل ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ ہم کس کو ویدوں کے مطابق اور کسے ویدوں کے خلاف کہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ابھی تک کسی زبان میں ویدوں کا مکمل اور مستند ترجمہ شائع نہیں ہوا لہٰذا ہمیں انہی کتب سے سند لینی پڑتی ہے جس کو ہندوؤں کے ایک اعلیٰ اور روشن خیال طبقہ نے مان لیا ہو آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی تصنیف ستیارتھ پرکاش ایک ایسی کتاب ہے جسکو ویدوں کا عکس کہا جا سکتا ہے کیونکہ تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ایک بڑے طبقہ نے اسکو مستند کتاب مان لیا ہے۔ واقع میں اس کتاب کو انہوں نے بغیر کسی قسم کے نقص کے مانا ہے اور اسکو ایسا ہی کامل خیال کیا جاتا ہے جیسے کہ وید خود ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ پرانے خیال کے ہندو سوامی صاحب کے بعض خیالات سے متفق نہیں جیسے کہ نیوگ جسے سوامی صاحب تو خالص وید کی تعلیم قرار دیتے ہیں لیکن دوسرے لوگ بالکل انکار کرتے ہیں۔ باوجود ان تمام باتوں کے جب تک کہ ویدوں کا کوئی اور مستند ترجمہ شائع نہیں ہوتا اسوقت تک ستیارتھ پرکاش وید کی تعلیم کے متعلق سب سے زیادہ مستند اور معتبر تفسیر سمجھی جاوے گی۔ اور جو شخص وید کی تعلیم کو تنقیدی طور سے دیکھنا چاہیگا اس کا یہ حق ہوگا کہ ہندو مذہب کے متعلق معلومات بڑھانے کیلئے یا تحقیقات کرنے کیلئے ہندو مذہب کے اس نئے شعبے کی سب سے معتبر کتاب کی طرف توجہ کرے۔ یہ بھی بیان کر دینا ہمارا فرض ہے کہ چشمۂ معرفت خاص طور سے سوامی دیانند اور ستیارتھ پرکاش کے رد میں لکھی گئی تھی۔ جیسا کہ خود آرٹیکل مذکور کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے۔

ہمیں یہ علم نہیں کہ مسٹر ورما آریہ سماج میں داخل ہیں یا نہیں لیکن جو کچھ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اس سے صاف طور سے پتہ لگتا ہے کہ مصنف نے اگر یہ متنازعہ فیہ مسائل ویدوں کی طرف منسوب کیا ہے تو وہ حق بجانب ہے کیونکہ ستیارتھ پرکاش میں ایسا ہی لکھا ہے۔ کچھ ہی ہو یہ مصنف کے خیال کا نتیجہ نہیں۔ اب ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ جو جو باتیں اس آرٹیکل میں ہندو مذہب کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور جن کی سچائی پر مسٹر ورما کو کچھ شک ہے۔ وہ سب باتیں ستیارتھ پرکاش میں درج ہیں اور ستیارتھ پرکاش والے اپنی باتوں کے ثبوت کے لیئے ویدوں کے حوالے دیتے ہیں۔

عارضی نجات کا عقیدہ اور خدا تعالیٰ کا نئی روحوں کا پیدا نہ کر سکنا دو دوں لازم وملزوم ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرا نہیں ٹھہر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ستیارتھ پرکاش نے ان ہر دو باتوں پر ایک ہی جگہ بحث کی ہے۔ تمام ستیارتھ پرکاش سوال وجواب کے طور پر لکھی گئی ہے اور ذیل کا سوال نجات کی مدت کے متعلق نویں باب صفحہ ۲۷۱ پر اسطرح درج ہے۔

"جیو مکتی پاکر پھر کبھی پیدا ہونے اور مرنے کے دُکھ میں آتے ہیں یا نہیں؟ چندوگیا اپنشد میں لکھا ہے کہ جیو کبھی بھی مکتی پاکر پھر اس دنیا میں واپس نہیں آتی۔ گیتا کہتی ہے "کہ وہ اعلیٰ درجہ کی حالت جس میں پہنچکر جیو پھر نہیں گرتی (یعنی اس دنیا میں واپس نہیں آتی) وہ میں ہوں" ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ روح کی نجات یافتہ حالت صرف وہی ہے جس سے یہ اس دنیا کی طرف پھر واپس نہیں آتی۔ اب آپکی اس میں کیا رائے ہے؟"

اس سوال کا جواب سوامی دیانند رگوید۔ ا؍۲۴؍۱ و۲ نقل کرکے یوں دیتے ہیں "یہ غلط ہے کہ مکتی یافتہ روح پھر اس دنیا کی طرف واپس نہیں آتی کیونکہ وید اس کے مخالف ہیں۔ *

"ہم لوگ کس کا نام پاک سمجھیں۔ کون غیر فانی اشیاء کے درمیان جلوہ گر دیوتا ہمیشہ نور مطلق ہے اور ہم کو مکتی کا سکھ بھگوا کر پھر اس دنیا میں جنم دیتا اور ماں باپ کا دیدار دکھاتا ہے ...... ہم اس منور بالذات قدیم دائماً مکت پرماتما کا نام پاک سمجھیں جو ہمکو مکتی میں آنند بھگوا کر پھر زمین میں ماں باپ کے تعلق سے جنم دیکر ماں باپ کا دیدار دکھاتا ہے وہی پرماتما مکتی کی آئین بندی کرنیوالا اور سب کا مالک ہے اسوقت جو بندھ اور مکت ہیں ویسے ہی ہمیشہ رہتے ہیں۔ بندھ اور مکتی کا غایت انقطاع ہرگز نہیں ہوتا یعنی بندھ اور مکتی ہمیشہ نہیں رہتے۔"

پھر اسکے بعد اس مکتی کے زمانہ کا حساب کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مکتی کا زمانہ ۳۶ کھرب گیارہ ارب اور چار کروڑ سال تک رہنا ہے۔ (۳۱۱۰۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰)

* یہ عبارت جو آگے آتی ہے رگوید کی ہے۔ جسکا حوالہ اوپر درج ہے۔ منہ

پھر اسکے بعد اعتراض کرنیوالا کہتا ہے کہ دائمی مکتی کو تمام دنیا مانتی ہے جس سے روح پھر اس دنیا میں نہیں آتی۔ سوامی جی اسکو یہ کہکر رد کر دیتے ہیں کہ ویدوں کے علاوہ یہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ معترض کے اعتراض کے جواب میں آپنے تین دلائل لکھے ہیں جن میں آخری جواب اسطرح ہے "اور اگر مکتی سے لوٹ کر کوئی بھی جیو اس دنیا میں نہ آوے تو دنیا کا سلسلہ منقطع ہو جانا چاہیئے یعنی جیو ختم ہو جانے چاہئیں"۔

اس جواب سے پھر معترض کو سوال اُٹھتا ہے اور وہ کہتا ہے "جسقدر جیو مکت ہوتے ہیں ایشور اُسی قدر نئے پیدا کر کے دنیا میں رکھدیتا ہے اس لیئے خاتمہ نہیں ہوتا" اسی سوال کے جواب میں سوامی جی صاف لفظوں میں ایشور کے خالق ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ آپ ذیل کے دلائل اپنی بات ثابت کرنیکے لیئے دیتے ہیں (۱) "اگر ایسا ہے تو جیو غیر مدامی ہو جاویں کیونکہ جس کی پیدائش ہوتی ہے اسکی فنا ضرور ہوتی ہے"۔

(۲) "نیز مکتی کے مقام پر بہت سی بھیڑ بھاڑ ہو جاویگی کیونکہ آمد زیادہ اور نکاس کچھ بھی نہ ہونے کیوجہ سے وہاں افزونی کا کچھ وار پار نہ رہیگا" بہشت کی ماہیت کو سوامی جی نے خوب سمجھا ہے گویا بہشت نہ ہوا ایک باڑا ہوا جو چند ہی بھیڑوں (آدمیوں) کے لیئے کافی ہوگا"۔

(۳) "دُکھ کے احساس کے بغیر سُکھ کبھی نہیں ہو سکتا جیسے کڑوا نہ ہو تو میٹھا کیا"۔ لیکن اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ سُکھ کے ساتھ ساتھ ہی دُکھ رہے یعنی ایک ہی وقت میں سُکھ اور دُکھ دونوں ہو رہے ہوں۔ سوامی جی کے مسلمات کے مطابق جو شخص تین کھرب سے زیادہ عرصہ تک مکتی کا مزہ اُٹھا سکتا ہے اور اسکو کسی قسم کا دُکھ لاحق ہونیکی کوئی ضرورت نہیں ہوتی تو وہی شخص ہمیشگی کے لیئے اس راحت کا مزا اُٹھا سکتا ہے۔

(۴) دائمی مکت کو عمر قید کے نام سے یاد کیا ہے اور کہا ہے کہ تھوڑی قید عمر قید سے اچھی ہے۔

(۵) لیکن سب سے اعلیٰ اور بڑی دلیل جو دی ہے وہ یہ ہے "نیز اگر پرمیشور نئے جیو پیدا کرتا ہے تو جس مادے سے پیدا ہوتے ہیں وہ ختم ہو جائیگا کیونکہ چاہے کتنا ہی بڑا خزانہ ہو اس میں اگر خرچ ہے اور آمد نہیں تو اس کا کبھی نہ کبھی دیوالہ نکل جاتا ہی

اس لیئے یہی آئین صحیح ہے کہ مکتی میں جانا پھر وہاں سے واپس آنا اور یہی اچھا ہے "۔

ہم امید کرتے ہیں کہ مسٹر ورما اب اچھی طرح سے سمجھ جائیں گے کہ وہ باتیں جو ہماری طرف منسوب کیجاتی ہیں وہ مصنف کے اپنے خیالات کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اصول ہیں جن کو آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اپنی تائید کے لیئے جا بجا وید کی شرتیوں کا حوالہ دیا ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ ان ستونوں کے سوا تناسخ ارواح کا مسئلہ بھی قائم نہیں رہ سکتا اگر یہ ثابت ہو جائے اور مان لیا جاوے کہ پرمیشور روحوں کو خلق کر سکتا ہے تو پھر اسکا لازمی نتیجہ یہ بھی ماننا پڑیگا کہ جس حالت میں وہ چاہے روحوں کو رکھے۔ لیکن اگر اسکو مانا جاوے تو تناسخ ارواح کا انکار کرنا پڑیگا کیونکہ تناسخ کا مسئلہ اس لیئے دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے تا دنیا میں جو اختلاف ہے اسکی وجہ بیان کر دیجائے۔ دوسرے الفاظ میں تناسخ کے ماننے والا کہتا ہے کہ دنیا میں اختلاف کے ہونیکی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی جبتک یہ نہ مانا جاوے کہ یہ پہلے جنم کے کرموں کا پھل ہے۔ اگر وہ یہ مانتا کہ خدا تعالیٰ روحوں کا خالق ہے تو پھر اُسے پہلے جنم کے کرموں کے پیش کرنیکی ضرورت نہیں۔ اسطرح تناسخ ارواح کا عقیدہ خدا کے خالق ہونیکے انکار پر مبنی ہے اس لیئے تناسخ کو ماننے والے کا یہ کہنا کہ خدا نئی روحیں پیدا کر سکتا ہے یا وہ خالق ارواح ہے بالکل پوچ ہے اور جب یہ مان لیا کہ خدا نئی ارواح پیدا نہیں کر سکتا تو محدود زمانہ تک مکتی کا ماننا ایک ضروری نتیجہ ہے کیونکہ اگر دائمی مکتی دیجاوے تو ایک زمانہ ایسا بھی آجاویگا کہ خدا کے ہاتھ ایک بھی روح نہ رہے گی جسپر وہ حکومت کر سکے۔

ہمیں بڑے افسوس سے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں مسٹر ورما کی اس بات سے اتفاق نہیں کہ ویدوں کی رو سے یہ ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص سچے طور سے توبہ کرے اور اپنے گناہوں سے پشیمان ہو تو اس کے گناہ بخشے جا سکتے ہیں نہ صرف اس لیئے کہ یہ مسئلہ تناسخ ارواح کے مخالف پڑا ہوا ہے بلکہ اسلیئے بھی کہ سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں صاف طور سے اس امر کا انکار کیا ہے اور انہوں نے اپنے دعوے کے ثابت کرنیکے لیئے وید کی شرتیوں کا حوالہ دیا ہے۔ قرآن شریف کی اس تعلیم پر نکتہ چینی کرتے ہوئے جس میں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی

شخص سچے طور سے توبہ کرے اور اپنے پچھلے گناہوں سے نادم ہو۔ یہ اسکی توبہ اصلاح کی غرض سے ہو تو خدا تعالیٰ اسکے گناہ بخش دیتا ہے سوامی جی ریمارک کرتے ہیں کہ اگر کوئی خفیف سا گناہ بھی بغیر سزا کے چھوٹ جائیگا تو وہ چھوٹا سا گناہ تمام دنیا کو گناہوں سے بھر دے گا۔ ستیارتھ پرکاش کے ساتویں سملاس میں لکھا ہے کہ رحم اور انصاف ایک ہی معنے رکھتی ہیں۔ اسکے خلاف امر خدا کی شان کے خلاف ہے کیونکہ یہ انصاف کے قواعد کے بالکل خلاف ہے۔ اس سے آگے سوامی جی اپنے پیرووں کو بتلاتے ہیں کہ ایشور کے حضور اس طرح پرارتھنا کرنی چاہیئے اور ان دعاؤں میں جو لفظاً لفظاً ویدوں سے نقل کرکے وہاں لکھی گئی ہیں ایک لفظ بھی ایسا درج نہیں جس سے گناہوں کی معافی کا استدلال ہو سکے اور نہ ہی کوئی دعا گناہوں کی معافی کے لیئے وید سکھلاتے ہیں صفحہ ۲۰۵۔ اسکے چند صفحے آگے چلکر سوامی صاحب ایک سوال کا جواب دیتے ہیں۔

سوال۔ "ایشور اپنے بھگتوں کے پاپ معاف کرتا ہے یا نہیں؟"

نوٹ:۔ اس سوال میں بھگتوں اور خدا کے برگزیدہ لوگوں کے گناہوں کی معافی کا ذکر ہے اور ایسے فاسقوں کے گناہوں کا ذکر نہیں جو اپنے گناہوں پر مصر رہنے والے ہوں یہاں گیانیوں یا پوں کا ذکر ہے جو ایشور کے سچے پرستار ہیں۔ مگر جنہیں بشری نقص ضرور موجود ہیں لیکن باوجود اسکے وہ ہمیشہ اپنے گناہوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ مگر سوامی جی کا جواب قابل غور ہے۔

جواب۔ "نہیں اگر وہ پاپ معاف کرے تو اسکا انصاف جاتا ہے اور تمام انسان سخت پاپی ہو جاویں کیونکہ درگذر کے سنتے ہی انکو پاپ کرنے میں بے خوفی اور حوصلہ پیدا ہو جاوے ...... اس لیئے تمام اعمال کا مناسب نتیجہ دینا ایشور کا کام ہے نہ کہ معاف کرنا"

پس معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ورما صاحب کا یہ خیال کہ ویدوں کے رو سے خدا ان لوگوں کے گناہ معاف فرماتا ہے جو سچے دل سے توبہ کریں اور سزا صرف انہی کے لیئے مقدر ہے جو اپنے گناہوں پر اصرار کریں بالکل غلط ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ انسانی فطرت

اسی بات کو چاہتی ہے۔ اور سلیم فطرت انسانی کا یہ تقاضا ہے کہ اس عقیدہ کو قبول کرے مگر وہ زندہ کتاب جو اس انسانی فطرت کے اس سچے تقاضا کو پورا کرتی ہے وہ قرآن کریم ہے نہ وید۔ طالب حق کی غرض تو حق بات کو قبول کرنا ہونی چاہیئے نہ کسی خاص کتاب کی پاسداری اور ہم امید کرتے ہیں کہ ڈاکٹر درما ویدوں میں ان باتوں کو نہ پاکر جنکو انکی سلیم فطرت نے حق قرار دیا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی زندہ کتاب قرآن شریف کی طرف رجوع کرنے میں مضائقہ نہ کریں گے۔

انسانی روح کے متعلق ویدک فلاسفی

تناسخ یعنی اواگون کے ماننے والے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ پرمیشور نے کسی روح کو خود پیدا نہیں کیا بلکہ اُس کے پاس ازلی ابدی روحوں کا ایک ذخیرہ ہے جنکو وہ انکے اعمال کے انوسار (مطابق) بار بار مختلف انسانی یا حیوانی اجسام میں بذریعہ تناسخ داخل کرتا رہتا اور دنیا کے سلسلہ کو چلاتا رہتا ہے اگر خدا کو روح کا خالق نہ مانا جاوے اور اُسکے ساتھ ہی روحوں کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں جانیکا عقیدہ بھی رکھا جاوے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس طریقہ سے روح ایک جسم کو چھوڑ کر دوسرے نئے جسم کو اختیار کرتی ہے اور وہ اتنا عرصہ جو کہ ایک قالب سے دوسرے قالب میں جانیکے لیئے لگتا ہے کہاں اور کسطرح گذارتی ہے۔ یہ ایک سوال ہے جس نے کہ اس عقیدہ کے قائلین کو سخت ہی پریشانی اور مشکلات میں ڈالا ہوا ہے اور اسکے حل کرنیکے لیئے انہوں نے بہت کوشش کی ہے مگر وہ تمام بیفائدہ اور بے سود۔ چنانچہ سوامی دیانند نے جسکو کہ ہندوؤں کا ایک بڑا گروہ یعنی آریہ سماج اس موجودہ زمانہ میں ویدوں کا سب سے اعلیٰ مفسر اور اُنکے ٹھیک اور صحیح معنے کرنیوالا یقین کرتا ہے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش (ایڈیشن ۱۸۷۵) کے صفحہ ۲۶۳ آٹھویں سمولاس میں بحوالہ وید اسطرح سے اسکی حقیقت کو بیان کیا ہے جو اپنی لغویت میں بے مثل ہے اس سوال کے جواب میں کہ جنم اور موت

وغیرہ کس طرح سے ہوتے ہیں سوامی صاحب نے لکھا ہے وہ لنگ شریر یعنی جسم دقیق (روح) اور ستھول شریر یعنی جسم کثیف ملکر جب ظاہر ہوتے ہیں تب اُسکا نام جنم یعنی پیدائش ہوتا ہے اور دونوں کی علیحدگی سے غائب ہوجانیکو موت کہتے ہیں سو اسطرح سے ہوتا ہے کہ روح اپنے اعمال کے نتائج سے گردش کرتی ہے اور اپنے افعال کی تاثیر سے گھومتے ہوئے پانی یا کسی اناج یا ہوا میں ملتی ہے پھر جب وہ پانی یا کسی بوٹی کے ساتھ مل جاتی ہے تو جیسے جسکے افعال کا اثر یعنی جتنا جسکو سُکھ یا دُکھ ہونا ضروری ہے خدا کے حکم کے موافق ویسی جگہ اور ویسے ہی جسم میں مل کے شکم مادر میں داخل ہوجاتی ہے پھر جب حیوان یا انسان میں وہ غذا کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اُسکے جسم کے حصہ کی کشش سے اسکا جسم بنتا ہے اسی طریقہ سے جو پرمیشر نے مقرر کر رکھا ہے روح نکلنے کے بعد آفتاب کی کرنوں کے ساتھ اوپر کو کھینچی جاتی ہے اور پھر چاند کے نور کے ساتھ داوس کی طرح زمین پر کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے پھر بموجب طریقہ مذکورہ بالا جسم اختیار کرتی ہے" دیانند کے مذکورہ بالا طریق کے مطابق روح گویا جب جسم کو چھوڑتی ہے تو سورج کی گرمی سے رقیق ہوکر بخارات کی شکل اختیار کرکے آسمان کی طرف چلی جاتی ہے اور اوپر ہوائی طبقات میں اُڑتی رہتی ہے یہانتک کہ جب رات ہوتی ہے تو پھر چاند کی ٹھنڈی کرنوں سے سرد ہوکر شبنم کی طرح زمین کی سطح پر نباتات یا درختوں کے پتوں پہ گر پڑتی ہے جسکو پھر کوئی اسی جنس کا مادہ آکر کھالیتا ہے جس جنس میں اس نے اپنے سابقہ اعمال کے بموجب جنم لینا تھا خواہ وہ کھانیوالی عورت ہو یا کتی ہو یا بلی ہو وغیرہ وغیرہ۔ اگر روح کے اعمال اس لائق ہوں کہ وہ گدھی کا جسم دھارن کرے تو وہ گھاس پر پڑی ہوئی روح فوراً انکار کردیگی اگر کوئی گھوڑی یا دوسرا جانور اُسکو کھانیکے لیئے آئیگا۔ پھر اسپر بھی طرفہ یہ کہ کوئی نر اس گھاس کو ہرگز نہیں چکھ سکتا بلکہ یہ نعمت بے بہا ویدوں نے عورتوں کو ہی عطا کی ہے ہندو شریعت کے مطابق جبکہ ایک ادنےٰ سے جانور کو بھی ماردینا گناہ خیال کیا جاتا ہے تو پھر ہم نہیں سمجھتے کہ یہ لوگ کیوں گھاس پر سے گذرتے اور ہزاروں روحوں کا خون کرجاتے ہیں انکو چاہیئے کہ جب سیر کو نکلا کریں تو جہاں کہیں گھاس پات ہو

وہاں بہت ہی احتیاط سے قدم رکھا کروں مبادا کوئی غریب روح کچلی جائے کیونکہ جب کہ روح کو ایک عورت کھا سکتی ہے تو کیا وجہ کہ وہ پھر پاؤں کے نیچے آکر کچلی نہ جاوے پھر ایک اور لطیفہ سنیئے وہ یہ کہ جبکہ صرف چاندنی راتوں میں ہی چاند کی کرنوں سے روحیں زمین کی سطح پر آ کر گرینگی تو ان راتوں میں جن میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے اور آسمان بادلوں سے گھرا ہوا ہوتا ہے یا چاند نہیں چڑھتا کوئی روح بھی زمین پر نہیں آئے گی بلکہ وہ کہیں آسمان اور زمین کے درمیان ہوا میں ہی بھٹکتی پھریگی تو پھر ایسی حالت میں تو چاہیئے کہ جتنی پیدائیش ہوتی ہے وہ سب کی سب چاندنی راتوں کے بعد ہی ہوا کرے اور اندھیری راتوں کے بعد کا وقت پیدائیش سے بالکل خالی رہے حالانکہ اگر پیدائیش کی رپورٹوں کو دیکھا جاوے تو کوئی ہفتہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں کوئی پیدائیش نہ ہوئی ہو۔

ان سب باتوں کو چھوڑ کر اگر ہم تھوڑی دیر کے لیئے اس بات کو بھی تسلیم کرلیں کہ واقعی سورج کی کرنیں ہی روح کو اپنی طرف کھینچتی ہیں تو پھر ساتھ ہی لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دنیا میں کبھی کوئی انسان یا حیوان پیدا ہی نہ ہو حالانکہ مشاہدہ صریح اسکے خلاف بتلاتا ہے۔ رات کو جب روح زمین پر کسی گھاس پات پر گرتی ہے تو وہ ساری رات تو وہیں پڑی رہتی ہے مگر جب صبح ہوتی ہے اور سورج نمودار ہو کر اپنی کرنوں کو چاروں طرف پھیلاتا ہے تو اس حالت میں آریوں کے ماننے ہوئے اصول کے مطابق کیا کوئی روح زمین پر رہے گی ہرگز نہیں بلکہ سورج کی کرنیں اسی طرح اسکو کھینچ لیں گی جسطرح کہ انہوں نے اسکو پہلے جسم چھوڑنے پر کھینچ لیا تھا اگر کوئی یہ کہے کہ سورج کی کرنیں اتنی تو ایسی تیز نہیں ہوتی ہیں کہ وہ روحوں کو اپنی طرف کھینچنے کے قابل ہوسکیں اور ہم انکے تیز ہونے سے پہلے ہی سبزی وغیرہ کو گھروں میں لاکر کھا لیتے ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ آخر پکا کر ہی کھاتے ہونگے کیونکہ ایسا کم دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی انسان کچی سبزی کھاتا ہو اور پکانے کی حالت میں روح یقیناً آگ کی حرارت سے جل جاتی ہوگی۔ اور اگر ایسا بھی مان لیں کہ وہ نہیں کٹتی ویسی ہی رہتی ہے تو پھر کیا وجہ کہ وہ آگ

کی گرمی سے جو سورج کی گرمی سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہے آبی بخارات کے ساتھ ملکر ہوا میں نہیں اُڑ جاتی۔

اس عقیدہ کی لغویت اس وجہ سے بھی بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ یہ بالکل عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے تمام عقلمند آدمی جانتے ہیں کہ روح کا تعلق صرف بچے کی والدہ سے نہیں ہوتا بلکہ والدہ اور والد دونوں سے ہوتا ہے اور روحانی اخلاق کا خمیر بچّے کے وجود میں باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہوتا ہے نہ ان میں سے ایک کی طرف سے۔ مگر سوامی صاحب فرماتے ہیں کہ روح صرف عورت میں داخل ہوتی ہے مرد میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ہاں اگر سوامی صاحب یہ کہتے کہ روح دو ٹکڑے ہو کر کسی بوٹی پر گرتی ہے جسکو مرد اور عورت دونوں کھا لیتے ہیں اور پھر دونوں کے میل کے ذریعہ مخلوط ہو جاتی ہے تب بھی کچھ بات تھی اگرچہ اسجگہ پھر دو مشکلات پیش آتے ہیں اول تو یہ کہ اس سے لازم آتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہو کر گرے۔ دوسرے یہ ضروری ہے کہ جس روح کا نصف حصہ عورت کھاتی ہے ضروری ہے کہ اسی روح کا دوسرا نصف مرد کھائے۔ اور وہ مرد بھی اس عورت کا خاوند ہو یا نیوگ کی صورت میں اُس کا بیرج داتا ہو۔ پھر آجکل یہ بھی ممکن ہے کہ عورت مثلاً لاہور میں رہتی ہے اور خاوند یا نیوگ کی صورت میں بیرج داتا دہلی میں رہتا ہو اور دونوں ایک ہی دن روانہ ہو کر راستہ میں کسی مقام پر اکٹھے ہوں اور عورت کو حمل ٹھہر جاوے تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ شبنمی روح کا ایک نصف لاہور میں گرے اور دوسرا نصف دہلی میں گرے اور ان دونوں ٹکڑوں کو وہ مرد اور عورت کھالیں۔

ایک سوال اور بھی پوچھنا باقی رہ گیا ہے وہ یہ کہ جب کوئی انسان رات کے وقت جبکہ سورج کی کرنوں کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا مرتا ہے تو روح ایسی حالت میں اُسوقت تک جبکہ سورج نکلکر اُسکو اپنی طرف کھینچ لے کہاں رہتی ہے کیا وہ اُس گھر کے ارد گرد چکر لگاتی رہتی ہے یا اس مردہ شخص کی لاش کے ساتھ چمٹی رہتی ہے۔

ایسے ایسے بیہودہ اور لغو عقیدوں میں جیسا کہ ہم اوپر ظاہر کر آئے ہیں ویدوں کے پیرؤں نے اپنے تئیں پھنسا رکھا ہے کہ ان سے اب نکلنا ان کے لیے مشکل ہو رہا ہے۔ یہ سب مشکلات اسی واسطے انکو پیش آرہی ہیں کہ وہ خداوند تعالیٰ کو روح کا خالق ماننے سے انکار کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے پرمیشر کو بے رحم۔ کینہ ور۔ بے انصاف اور ایسا کمزور ماننا پڑتا ہے کہ اپنے کسی وہ سچے پرستار کو دائمی نجات نہیں دے سکتا۔ کیونکہ دائمی نجات دینے سے روحوں کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے اور کارخانہ دنیا بند کرنا پڑتا ہے کیونکہ پرمیشر نئی روحیں پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لیئے مجبوراً پرانی روحوں کو مکتی خانہ سے نکالکر پھر دنیا میں لے آتا ہے۔ اگر وہ ایک دفعہ بھی ارواح اور مادہ کا خالق خداوند تعالیٰ کو مان لیویں تو پھر انکو ان تمام گندے عقیدوں کے اختیار کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اپنے پرمیشر پر سے وہ تمام الزامات اُٹھا دیں جو کہ نہ ماننے کی صورت میں وہ لگا رہے ہیں۔

اس عقیدہ کا لغو اور بیہودہ ہونا اسی بات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ آخر دیانند کے پیرووں کو بھی آئندہ اڈیشنوں میں سے شبنمی روح کا مسئلہ نکالدینا پڑا مگر انکا ستیارتھ پرکاش میں سے اس عقیدہ کا نکالدینا انکو بری نہیں ٹھہرا سکتا جبتک کہ وہ اس امر کا اعلان نہ کر دیں کہ ہمارے گرو دیانند نے ویدوں کے سمجھنے میں سخت غلطی کھائی ویدوں میں ایسی تعلیم ہرگز نہیں اور ساتھ ہی وہ اسکی جگہ پیدائش کی کوئی اور حقیقت لکھیں جو ہو بھی ویدوں میں سے اور ہو بھی اس سے اعلیٰ۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ آریہ سماج نے بہت ہی اخلاقی بہادری سے کام لیا ہے جو اُس نے ایسے گندے اور بیہودہ عقیدے کو اپنی کتاب سے خارج کر دیا ہے تاہم یہ عقیدہ کوئی ایسا نہ تھا جسکے رہنے سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچ سکے یا امن عامہ میں کوئی فرق آسکے بلکہ اس میں ایسے اور بہت سے مقامات ہیں جنکو ایسی کتاب میں سے خارج کر دینا ضروری اور لازمی ہے جس نے کہ لوگوں کی راہنمائی کا ٹھیکہ اُٹھایا ہوا ہو۔

مثال کے طور پر حکومت کا بھی مسئلہ ہے۔ ستیارتھ پرکاش میں کچھ ایسی تعلیم دی گئی ہے جو سلطنت کی وفاداری اور جاں نثاری کے خیالات پر برا اثر ڈالتی ہے۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہم دیانند کی نیک نیتی پر کوئی چوٹ کریں بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ اس تعلیم کا اثر ان نوجواں طالبعلموں پر جن کو آریہ سکولوں میں یہ کتاب ضرور پڑھنی پڑتی ہے بہت برا پڑیگا۔

آریہ سماج کا سلطنت برطانیہ پر ایک بڑا بھاری احسان ہوگا اگر وہ ایسی تعلیم کو اس میں سے بالکل نکال دینگے اسی طرح دوسرا مسئلہ نیوگ کا ہے جس نے کہ تمام اخلاقی تعلیموں کا ناش کر دیا ہے۔ میں نہیں یقین کرتا کہ کوئی باغیرت آریہ نیوگ پر عمل کر سکے اگرچہ وید اور ستیارتھ پرکاش ہر دو کے رو سے ایسا کرنے کی اُسکو اجازت حاصل ہو پھر جب اس تعلیم پر کوئی معزز اور باغیرت آریہ عمل نہیں کر سکتا۔ تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ایسی ناپاک تعلیم سے ستیارتھ پرکاش کے صفحوں کو گندہ کیا جاوے۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

مدرسہ تعلیم الاسلام - مولوی صدرالدین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی پروفیسر ٹرینگ کالج لاہور سکول کی ہیڈ ماسٹری کے لیئے آ گئے ہیں۔ حکام سررشتہ تعلیم نے ایک عرصہ کے لیئے آپکی خدمات ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ اسکے لیئے انکا شکریہ ادا کیا جاتا ہے احباب کو اپنے بچے یہاں بھیجکر مولوی صاحب کی خدمات کی قدر کرنی چاہیئے۔ امتحان انٹرنس میں طلباء چلے جانیسے مدرسہ اور بورڈنگ میں لڑکوں کی کمی ہو گئی ہے۔ مگر خوشی کی بات ہے۔ کہ اب احمدی احباب اپنے بچوں کو یہاں بھیج رہے ہیں جس سے امید ہو رہی ہے کہ انشاء اللہ اس کمی کے پوری ہونیکے علاوہ سکول میں طلباء کی خاص ترقی ہوگی۔ جن احباب نے جلسہ دسمبر پر وعدے کیئے تھے۔ انہیں پھر متوجہ کیا جاتا ہے دراصل انہیں بھی سکول کی اعانت ہے۔ کیونکہ طلباء کی کثرت سے سکول کو سرکاری امداد میں خاص

فائدہ ہے۔

مدرسہ احمدیہ:۔ مدرسہ احمدیہ کا کام بفضلِ خدا خوب چل رہا ہے۔ اسوقت تک چار جماعتیں کھولی گئی ہیں۔ اور حسب ضرورت اُستاد مقرر کیئے گئے ہیں۔ احباب اس مدرسہ کیلئے بھی مالی طور پر اور طلباء بھیجکر مدد فرما دیں۔ بہتر ہو کہ ہر جماعت اپنے ہاں سے ایک ہونہار قابل طالبعلم کو اس مطلب کے لیئے یہاں بھیجدیں۔ جو بعد حصول تعلیم وہیں جاکر انکو فائدہ پہنچاوے۔

سالانہ رپورٹ:۔ سالانہ رپورٹ صدر انجمن چھپ چکی ہے۔ جسکی قیمت صرف ۳/ ہے اور حجم ۱۴۰ صفحے ہے۔ مینجر میگزین سے طلب فرماویں۔

بھٹہ۔ بھٹہ کا کام جاری ہے۔ اور بڑے زور شور سے ہو رہا ہے۔ قریباً ۹ لاکھ اینٹ پک چکی ہے۔ فصل کی کٹائی کے ایام میں کام بند ہونیکا اندیشہ تھا۔ اس لیئے مختلف مقام پر احباب سے خط و کتابت کی گئی۔ کہ اگر انکے علاقوں سے پتھیرے مل سکیں تو یہاں بھجوا دیں۔ مگر کسی جگہ سے نہ مل سکے۔ لیکن چونکہ کام بند ہونے میں نقصان تھا۔ اسواسطے موجودہ پتھیروں کو ہی زیادہ اُجرت دیکر رکھا گیا۔ اب بھی اگر کسی جگہ سے پتھیرے دستیاب ہو سکتے ہوں۔ تو احباب راقم سے خط و کتابت کریں۔ روپے کی بہت ضرورت ہے۔ اسواسطے احباب بہت جلد چندہ تعمیر کے بقائے وصول کر کے ارسال فرما دیں۔

کنونشن کلکتہ۔ کلکتہ میں ایسٹر کی تعطیلات میں یعنی ۹ - ۱۰ اور ۱۱۔ اپریل کو مذاہب کی تحقیقات کے لیئے ایک جلسہ ہونیوالا ہے۔ ہماری طرف سے بھی مدت سے مضمون بھیجا گیا ہے۔ جسکے سنانے کے لیئے راقم اور خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے پلیڈر ۶۔ اپریل کی شام کو کلکتہ میل میں سوار ہو کر ۸۔ اپریل کی صبح کو کلکتہ پہونچینگے۔ خدائے تعالیٰ کامیابی کے ساتھ واپس لاوے۔ آمین۔

سکرٹری

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۹ء | نمبر ۵

فہرست مضامین

اسلام کی تعلیم جو سلسلہ احمدیہ پیش کرتا ہے ۔ ۱۶۹ - ۱۹۵

آریہ سماج کے اندرونی اور بیرونی جھگڑے ۱۹۵ - ۱۹۹

صدر انجمن احمدیہ کی ماہواری رپورٹ ۱۹۹ - ۲۰۰

مدرسہ تعلیم الاسلام ۔ ۱۹۹

جلسہ مذاہب ۔ ۱۹۹

واعظین کے متعلق ۱۹۹

تعمیر مدرسہ ۔ ۲۰۰

اردو پنجابی ۔ ۲۰۰

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا ۔ چندہ سالانہ عوام سے ۲؍ ۔ طلباء سے ۱؍

ضروری اطلاع

(مندرجہ ذیل کتابیں مینیجر بک ڈپو سے طلب کرو)

رپورٹ سالانہ۔ صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ چھپکر تیار ہو چکی ہے جسمیں سالانہ رپورٹ کے علاوہ وہ مضامین بھی درج ہیں جو سالانہ جلسہ پر سنائے گئے تھے۔ ۲۴ صفحہ کی کتاب ہے قیمت باوجود اتنی بڑی کتاب کے صرف ۳؍ ہے جو اصل لاگت ہے۔

مقامی انجمنوں کے لئے رجسٹر و رسید بک مقامی انجمنوں کے لئے حساب کو باقاعدہ رکھنے کیلئے ضروری رجسٹر چھپوا کر تیار کروائے گئے ہیں اسی طرح رسید بکس بھی تیار ہیں جس سے معطی کو رسید دینے اور اسکا مثنیٰ دفتر میں رکھنے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ قیمت ۵۰ صفحے کی مجلد رجسٹر کی عہ اور غیر مجلد کی ۴؍ اور ہر ایک رسید بک کی جس میں ۱۰۰ رسیدیں ہوتی ہیں ۴؍ ہے۔

اوامر و نواہی۔ ۲۰۰ سے زائد صفحوں کی کتاب ہے جسمیں سید عبد الحیی صاحب عرب نے قرآن کریم کے احکام اور نواہی جمع کی ہیں اصل آیات کیساتھ اردو ترجمہ بھی ہے اسکے علاوہ چھ قسم کی اربعین اس کتاب کیساتھ بڑھائی گئی ہیں اصل قیمت اس کتاب کی عہ تھی مگر صدر انجمن احمدیہ نے عرب صاحب سے بہت سی جلدیں خرید کر قیمت قریباً نصف کر دی ہے یعنی ۹؍ فی جلد ایک نہایت مفید کتاب ہے احباب اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ دیں انجمن کے پاس جسقدر جلدیں ہیں وہ فروخت ہو جانیکے بعد یہ کتاب پھر ۹؍ اصل قیمت پر ملسکے گی۔

یسرنا القرآن۔ اس قاعدہ کی قبولیت اب ملک میں عام طور پر پھیل گئی ہے اور اب چوتھی مرتبہ تعداد میں چھ ہزار شائع کیا گیا ہے قیمت بھی کم کر دیگئی ہے یعنے عربی حصہ کی قیمت جس کے پڑھنے سے بچہ قرآن شریف کو خود بخود پڑھنے لگتا ہے ۱؍ کر دیگئی ہے پہلے ۲؍ قیمت تھی۔

البیان۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کی لطیف تصنیف ہے جسمیں مس شیطان والی حدیث پر مبسوط بحث کیگئی ہے قیمت ۱؍ **عمدۃ الاحکام**۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفقہ حدیثیں مع ترجمہ قیمت عہ

اسلام کی پہلی کتاب۔ مصنفہ ماسٹر عبد الرحمن صاحب۔ قیمت صرف ۱؍ فی جلد ہے

آئینہ صداقت۔ مصنفہ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر قیمت صرف ۲؍

مبادی الصرف۔ مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح مولانا حکیم نور الدین صاحب قیمت صرف ۲؍

مجموعہ فتاوی احمدیہ۔ مصنفہ مولوی محمد فضل خان صاحب چنگوی قیمت جلد اول جلد دوم جلد سوم ہے

الاختلاف۔ مصنفہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکی قیمت صرف ۳؍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اسلام کی تعلیم جو سلسلہ احمدیہ پیش کرتا ہے

[یہ اس انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے جو ۱۰- اپریل ۱۹۰۹ء کو کلکتہ کے مذہبی جلسہ یعنی کانونشن آف ریلیجنز ان انڈیا میں پڑھا گیا۔]

اسلام اور دوسرے مذاہب:- سب سے پہلے میں چند الفاظ میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی تعلیم جیسا کہ سلسلہ احمدیہ اسے پیش کرتا ہے۔ دوسرے مذاہب اور انکے مقدس بانیوں کے متعلق کیا ہے۔ سو واضح ہو کہ اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ خدا تمام دنیا کا خدا ہے نہ کسی ایک خاص فرقہ یا خاص قوم کا۔ اسلیئے اس نے اپنے کلام سے جو ہر ایک ہدایت کا سرچشمہ ہے دنیا کے تمام حصوں کو منور اور مستفیض کیا ہے۔ اور کسی قوم سے بخل نہیں کیا اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن امور پر جسمانی حیات کا مدار ہے جیسے زمین پانی آگ ہوا سورج چاند ستارے اناج وغیرہ یہ تمام چیزیں تمام انسانوں اور تمام ملکوں اور قوموں میں پائی جاتی ہیں حالانکہ وہ چیزیں محض اس زندگی کیلیئے ہیں جو صرف چندروزہ ہے۔ پھر کس طرح یہ خیال کیا جائے کہ وہ امور اور وہ ہدایتیں اور وہ آسمانی برکتیں جو روحانی حیات کا مدار ہیں جو جاودانی حیات ہے وہ کسی خاص قوم اور خاص ملک کو عطا ہوں اور دوسرے اس سے بے خبر رہ کر ہلاکت کے گڑھے میں گریں۔ ہر ایک عقل جو تعصب اور بخل سے پاک ہے ہرگز اسکو قبول نہیں کریگی اور خدائے پاک کو جو رب العالمین ہے اس تہمت سے بری سمجھے گی کہ وہ کسی خاص قوم کا

رب ہو اور دوسروں سے کنارہ کشی کرے۔ خدا نے کسی قوم سے فرق نہیں کیا مثلاً جو جو انسانی طاقتیں اور قوتیں آریہ ورت کی قدیم قوموں کو دیگئی ہیں وہی تمام قوتیں عربوں اور فارسیوں اور شامیوں اور چینیوں اور جاپانیوں اور یورپ اور امریکہ کی قوموں کو بھی عطا کی گئی ہیں۔ سب کے لیئے زمین فرش کا کام دیتی ہے اور سب کے لیئے اسکا سورج اور چاند اور کئی اور ستارے روشن چراغ کا کام دے رہے ہیں۔ اور دوسری خدمات بھی بجالاتے ہیں اسکی پیدا کردہ عناصر یعنی ہوا اور آگ اور پانی اور خاک سے اور ایسا ہی اسکی دوسری تمام پیدا کردہ چیزوں اناج اور پھل اور دوا وغیرہ سے تمام قومیں فائدہ اٹھا رہی ہیں پس اسی جسمانی سلسلہ پر روحانی سلسلہ کو بھی قیاس کر لینا چاہیئے۔

خدا نے قرآن شریف کو جس آیت سے شروع کیا ہے وہ یہ ہے کہ الحمد للہ رب العلمین یعنی تمام کامل اور پاک صفات خدا سے خاص ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے۔ عالمین کے لفظ میں تمام مختلف قومیں اور مختلف زمانے اور مختلف ممالک داخل ہیں اور اس آیت سے جو قرآن شریف شروع کیا گیا یہ درحقیقت اس خیال کا رد ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ربوبیت اور فیض کسی ایک قوم تک محدود ہو۔ اور دوسری قوموں کو ایسا خیال کر لیا جائے کہ گویا وہ خدائے تعالیٰ کے بندے ہی نہیں اور گویا خدا نے انکو پیدا کر کے پھر ردی کی طرح پھینک دیا ہے یا ان کو بھول گیا ہے اور یا نعوذ باللہ وہ اسکے پیدا کردہ ہی نہیں۔ پس ان خیالات اور ایسے عقائد کے رد کرنیکے لیئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کو اس آیت سے شروع کیا کہ الحمد للہ رب العلمین اور جا بجا اسنے قرآن شریف میں صاف صاف بتا دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ کبھی خاص قوم یا خاص ملک میں خدا کے نبی آتے رہتے ہیں بلکہ خدا نے کسی قوم اور کسی ملک کو فراموش نہیں کیا اور قرآن شریف میں طرح طرح کی مثالوں میں بتلایا گیا ہے کہ جیسا کہ خدا ہر ایک ملک کے باشندوں کے لیئے انکے مناسب حال انکی جسمانی تربیت کرتا آیا ہے ایسا ہی اسنے ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کو روحانی تربیت سے بھی فیضیاب کیا ہے چنانچہ ایک جگہ قرآن شریف میں صاف الفاظ میں فرمایا ہے وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ یعنی کوئی ایسی قوم نہیں

جس میں کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا گیا۔
سو قرآن شریف کی یہی تعلیم ہے کہ وہ سچا اور کامل خدا جسپر ایمان لانا ہر ایک بندہ کا فرض ہے وہ رب العالمین ہے اور اسکی ربوبیت کسی خاص قوم تک محدود نہیں اور نہ کسی خاص زمانہ تک اور نہ کسی خاص ملک تک بلکہ وہ سب قوموں کا رب ہے اور تمام زمانوں کا رب ہے۔ اور تمام مکانوں کا رب ہے اور تمام ملکوں کا رب ہے اور تمام فیضوں کا سرچشمہ ہے اور ہر ایک جسمانی اور روحانی طاقت اسی سے ہے اور اسی سے تمام موجودات پرورش پاتی ہیں اور ہر ایک وجود کا وہی سہارا ہے خدا کا فیض عام ہے جو تمام قوموں اور تمام ملکوں اور تمام زمانوں پر محیط ہو رہا ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ تا کسی قوم کو شکایت کرنے کا موقعہ نہ ملے اور یہ نہ کہیں کہ خدا نے فلاں فلاں قوم پر احسان کیا مگر ہم پر نہ کیا یا فلاں قوم کو اسکی طرف سے کتاب ملی تا وہ ہدایت پاویں مگر ہم کو نہ ملی۔ یا فلاں زمانہ میں وہ اپنی وحی اور الہام اور معجزات کے ساتھ ظاہر ہوا مگر ہمارے زمانہ میں مخفی رہا۔ اور قرآن شریف نے اسی امر کو نبی کی صداقت کا معیار قرار دیا ہے کہ جن نبیوں کی عام طور پر کروڑہا لوگوں میں قبولیت پھیل جاتی ہے اور دلوں میں انکی نہایت درجہ محبت اور عظمت بیٹھ جاتی ہے۔ اور نصرت الٰہی بارش کی طرح انپر برستی ہے وہ ہرگز جھوٹے نہیں ہوتے۔ اس اصل کو تسلیم کرنیکے بعد ہم کھلے طور پر اس امر کا اعلان کرتے ہیں اور اپنے اس اقرار کو دنیا میں شائع کرنا اپنی ایک سعادت سمجھتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبی سب کے سب پاک اور بزرگ اور خدا کے برگزیدہ تھے۔ ایسا ہی خدا نے جن بزرگوں کے ذریعہ سے پاک ہدایتیں آریہ ورت میں نازل کیں اور نیز بعد میں آنیوالے جو آریوں کے مقدس بزرگ تھے جیسا کہ راجہ رامچندر اور کرشن یہ سب کے سب مقدس لوگ تھے اور ان میں سے تھے جنپر خدا کا فضل ہوتا ہے۔ پس وہ صلح کی تعلیم جو تمام قوموں کو ایک قوم کی طرح بنا سکتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ تمام قومیں دوسری قوموں کے بزرگوں اور مقدس بانیوں کو عزت سے یاد کریں۔ انہی اصول پر سلسلہ احمدیہ کے مقدس بانی نے اپنے

آخری ایام میں پیغامِ صلح نام ایک کتاب لکھی تھی جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتفاق اور صلح کے لیئے ایک تجویز پیش کی گئی تھی۔

سلسلہ احمدیہ کی اصل حقیقت:۔ سلسلہ احمدیہ اسلام میں اس تحریک کے بالمقابل واقع ہے جو یہودی مذہب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شروع ہوئی۔ جس سے مراد وہ عیسائی مذہب نہیں جو آجکل حضرت عیسیٰؑ کے نام پر پھیل رہا ہے بلکہ وہ تعلیم ہے جس کو قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچی تعلیم بیان فرماتا ہے۔ سلسلہ عیسویہ کا خاص نشان جو اسکو یہودیوں کے باقی تمام فرقوں سے ممتاز کرتا تھا یہ تھا کہ اس سلسلہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کا مسیح موعود تسلیم کر لیا تھا اور بنی اسرائیل میں جسقدر پیشگوئیاں اور امیدیں مسیح کے نام سے وابستہ چلی آتی تھیں ان سب کا حضرت عیسیٰؑ کے ظہور سے پورا ہونا مان لیا تھا۔ اسی طرح پر سلسلہ احمدیہ کا امتیازی نشان جو اسکو مسلمانوں کے دوسرے تمام فرقوں سے ممتاز کرتا ہے یہ ہے کہ یہ سلسلہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ سلسلہ کو مسیح موعودؑ اور مہدی معہودؑ تسلیم کرتا ہے اور جسقدر پیشگوئیاں اسلام کی آئندہ کامیابیوں اور غلبہ کے متعلق مسیح اور مہدی کے نام سے وابستہ ہیں۔ ان سب کا آپکے ظہور سے پورا ہونا مانتا ہے۔ مگر ان دونوں سلسلوں یعنی سلسلہ عیسویہ اور سلسلہ احمدیہ کے ابتدا میں ہی ایک بڑا بھاری فرق بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ چونکہ سلسلہ موسویہ یعنی یہودی مذہب صرف ایک قوم بنی اسرائیل کے لیئے تھا ایسا ہی حضرت عیسیٰ بھی صرف اسی قوم بنی اسرائیل کے لیئے ہی مبعوث ہوئے تھے۔ اور وہ صرف اسرائیلیوں کے مسیح تھے نہ کسی اور قوم یا مذہب کے۔ نہ ہی انکے متعلق کسی دوسری قوم یا مذہب میں کوئی پیشگوئی موجود تھی۔ مگر چونکہ مذہب اسلام کل دنیا کے لیئے آیا اور کسی ایک قوم سے مخصوص نہ تھا اسی طرح سلسلۂ احمدیہ بھی ابتدا سے سب قوموں کے لیئے ہی ہے چنانچہ بانیٔ سلسلہ کا دعویٰ صرف یہی نہیں کہ وہ ان پیشگوئیوں کے مطابق آئے ہیں جو اسلام میں مسیح یا مہدی کے متعلق ہیں بلکہ انکا یہ بھی دعویٰ ہے کہ جسقدر قوموں کو آخری زمانہ میں کسی مصلح کے آنیکی امیدیں دی گئی ہیں ان سب کی امیدیں آپکے

ظہور سے پوری ہوئیں اور ہونگی جیسا کہ مثلاً عیسائیوں کو بھی مسیح کے دوبارہ آمد یا ایک دوسرے مسیح کے آنیکی خبر دیگئی ہے اور ہندوؤں کو کرشن اوتار کی آخری زمانہ میں ظہور کی خبر دیگئی ہے۔ اور ایسا ہی بدھ مذہب والوں کو بھی اس آخری زمانہ میں ایک عظیم الشان مصلح کی خبر دی گئی ہے یہ اس لیئے ہوا کہ تا اس آخری زمانہ میں آنیوالا مصلح اور مامور تمام قوموں کو ایک کردے اور انکے باہمی تفرقوں اور اختلافوں کو مٹا دے۔ پس وہ مسلمانوں کیلئے مہدی۔ عیسائیوں کے لیئے مسیح اور ہندوؤں کیلئے کرشن ہوکر آئی۔

سلسلہ کی مختصر تاریخ :۔ سلسلہ احمدیہ کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ بانی سلسلہ کے ملہم من اللہ ہونیکا دعویٰ ۱۸۸۰ء میں ہی جب آپکی پہلی کتاب براہین احمدیہ شائع ہوئی عام طور پر ملک میں شائع ہوچکا تھا۔ اور پھر اسی کتاب کے ذریعہ آپکا دعویٰ مجددیت بھی بموجب حدیث ان اللہ یبعث علیٰ رأس کل مائۃ من یجدد لہا دینہا شائع ہوکر عام قبولیت پاچکا تھا۔ اور خود کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ دعاوی موجود تھے اور جس میں بہت سی پیشگوئیوں کا جو پوری ہوچکی تھیں اور بہت سی پیشگوئیوں کا جو آئندہ ظہور میں آنیوالی تھیں ذکر تھا تمام اہل اسلام میں مقبول ہوئی یہانتک کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو اب اس سلسلہ کے سخت ترین دشمنوں میں سے ہیں اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں ان سب باتوں کو تسلیم کیا یعنی پیشگوئیوں کا پورا ہونا اور آپ کا منجانب اللہ ملہم اور مامور ہونا لیکن باوجود اس قبولیت کے آپ لوگوں کو بیعت میں لینے سے انکار کرتے تھے۔ پھر بمقام لدھیانہ خدائے تعالیٰ سے امر پاکر آپنے یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو یہ اشتہار شائع کیا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے کا حکم فرمایا ہے اس اعلان پر بہت سے لوگ آپکی بیعت میں داخل ہونے شروع ہوئے پھر ۱۸۹۱ء میں آپنے اللہ تعالیٰ سے تصریح پاکر یہ اعلان کیا کہ مسیح بنی اسرائیلی فوت ہوچکے ہیں اور جس مسیح کے آنیکا وعدہ دیا گیا ہے وہ میں ہی ہوں اس دعویٰ پر مخالفت کا وہ شور اٹھا جسکا بیان کرنا مشکل ہے۔ ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے ہر طرح سے اس سلسلہ کی بیخکنی کی کوشش کی

مگر باوجود ان تمام مخالفتوں کے سلسلہ دن بدن ترقی کرتا گیا یہانتک کہ مئی گذشتہ میں جب اس سلسلہ کے مقدس بانی نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال کیا تو چار لاکھ کی جماعت کا اندازہ تھا۔ یہ مخالفت بھی اس سلسلہ کی صداقت کا ہی ایک ثبوت تھی کیونکہ ایسی مخالفت ہمیشہ سے خدا کے برگزیدوں کی ہی ہوتی چلی آئی ہے اور یہ اسلیئے ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ لوگوں کو اپنا ہاتھ اسکی تائید میں کام کرتا ہوا دکھادے۔ ہر ایک چیز اپنی پیدائش کیوقت بڑی خبر گیری اور حفاظت کی محتاج ہوتی ہے مگر الٰہی سلسلے عین اپنی پیدائش کے وقت سخت سے سخت مخالفتوں کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہیں پاؤں کے نیچے روندے جاتے ہیں انکو جڑھ سے اُکھاڑنیکی کوششیں کیجاتی ہیں۔ اب جائے غور ہے کہ اگر کوئی ہستی جو ان تمام طاقتوں سے بالاتر اور زبردست ہو اور جسکی مرضی کے بغیر دنیا کی کوئی طاقت اپنا کام نہ کرسکتی ہو اگر ایسی کوئی ہستی ان سلسلوں کی خاص حفاظت اور تائید اپنے خاص ارادہ سے نہ کر رہی ہو تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ نہ صرف زندہ رہیں بلکہ خارق عادت طور پر بڑھتے چلے جاویں اور مخالفتیں انکا کچھ بگاڑ نہ سکیں۔

احمدیہ نام کی حقیقت:۔ احمدیہ نام اس سلسلہ کا نومبر ۱۹۰۰ء میں اختیار کیا گیا۔ اور اسکے وجوہ ایک اشتہار میں جو اُسوقت شائع کیا گیا بیان کیئے گئے تھے۔ وہ وجوہ یہ ہیں کہ قرآن شریف اور حدیث نبوی پر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں یا دو ظہور ہیں اور آپکے دو ناموں محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں انہی دو بعثتوں کی طرف اشارہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلالی نام تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان کامیابیوں کی طرف اشارہ تھا۔ اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم جمالی نام تھا جس میں اس صلح اور اخوت کی طرف اشارہ تھا۔ جو آپکے ذریعہ دنیا میں پھیلنی تھی۔ آپکے پہلے نام کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں ہوا اور دوسرے نام کا ظہور مکی زندگی میں۔ گویا احمدیہ نام رکھنے میں اصل غرض اس امر کو ظاہر کرنا ہے کہ یہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت جمالی کے ظہور کا ہے۔ اور انہی معنوں میں

غلام احمد بروز احمد صلی اللہ علیہ سلم سے۔

شرائط بیعت:۔ شرائط بیعت دس ہیں جو اول مرتبہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو شائع کی گئیں۔ اور ہر ایک شخص کو جو اس سلسلہ میں داخل ہو ان شرائط کا پابند ہونا ضروری ہونا ہے اور وہ یہ ہیں۔ **اوّل**۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے۔ کہ آئندہ اسوقت تک کہ قبر میں داخل ہوجائے شرک سے مجتنب رہیگا۔ **دوم**۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور فسق وفجور ظلم اور خیانت فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا۔ اور نفسانی جوشوں کے وقت انکا مغلوب نہ ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔ **سوم** یہ کہ بلا ناغہ پنجوقت نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہیگا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کریگا اور دلی محبت سے اللہ تعالی کے احسانوں کو یاد کرکے اسکی حمد اور تعریف کو ہر روزہ اپنا ورد بنائیگا۔ **چہارم**۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہ دیگا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔ **پنجم**۔ یہ کہ ہر حال رنج و راحت عسر و یسر اور نعمت و بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کریگا اور بہر حالت راضی بقضاء ہوگا۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنیکے لیے اسکی راہ میں تیار رہیگا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہ پھیریگا بلکہ قدم آگے بڑھائیگا۔ **ششم**۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا وہوس سے باز آجائیگا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرلیگا۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دیگا۔ **ہفتم**۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دیگا۔ اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔ **ہشتم**۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردئ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھیگا۔ **نہم**۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہیگا اور جہانتک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائیگا۔ **دہم**۔ یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت

معض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اسپر تا وقت مرگ قائم رہیگا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ کہ اسکی نظیر دنیوی رشتوں اور ناطوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

اہم مقصد :- سلسلہ احمدیہ کا اہم مقصد اور اس مشن کی اصل غرض دنیا میں یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ پر ایمان کو از سر نو زندہ اور تازہ کرکے انسان کو پاکیزگی کی راہوں پر چلاوے اور گناہ سے نجات پانیکی راہ بتاوے۔ اس سلسلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف اسی میں شامل ہو کر انسان ان راہوں کو پا سکتا ہے۔ اور اس دعوے کی تشریح یوں کیجاتی ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ پر ایمان صرف منہ کی ایک بات ہے جب تک کہ دل اس صداقت کے تیقن سے بھرا ہوا نہ ہو جس کا اقرار منہ سے کیا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی ہستی پر قدرت کے ملاحظہ سے بھی دلائل پیدا ہوتے ہیں مگر یہ دلائل صرف اس منطقی نتیجہ تک انسان کو پہنچا سکتے ہیں کہ خدا ہونا چاہیئے۔ مگر اس خدا کو پہچاننا اور یقین سے جان لینا کہ واقعی وہ ہے بھی یہ ایک بالکل الگ امر ہے اور اس کا حصول صرف اسی طرح سے ہو سکتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور علم کے خارق عادت نمونے دیکھے جاویں جنکا اظہار صرف انبیاء و رسل کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے اور قدیم سے یہی سُنت الٰہی چلی آئی ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے اوقات میں جب زندہ ایمان لوگوں کے دلوں سے نیست و نابود ہو جاتا ہے اپنے انبیاء کے ذریعہ اپنی عظیم الشان قدرتوں کا اظہار بذریعہ خارق عادت نشانوں کے کرکے اپنی ہستی کا یقین لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے جس سے انکی زندگی میں ایک پاک تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ ایسی ہی ضرورت اس زمانہ میں ہے کیونکہ گذشتہ انبیاء کے نشان بطور قصوں کے ہو گئے ہیں۔ اور انسے دلوں کے اندر وہ زندہ اور قوی ایمان پیدا نہیں ہوتا جو گناہ سوز ایمان کہلا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی حالتیں اس درجہ تک گر گئی ہیں اور روحانیت سے لوگ بے بہرہ ہو گئے ہیں۔ اس لیئے اسوقت میں خدائے تعالیٰ نے اپنا ایک مامور بھیجا اور وہ وہی مامور ہے جسکا اخیر زمانہ میں آنیکا ابتدا سے وعدہ دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ جس نے وعدہ دیا تھا وہ اس بات کو جانتا تھا کہ آخری

زمانہ میں ایک مامور کی ضرورت ہوگی۔ پس اسی وعدہ اور ضرورت کے مطابق ایمان اور مذہب کو زندہ کرنیکے لیئے اللہ تعالیٰ نے ایک مامور کو مبعوث فرمایا ہے تا کہ خدا کی ہستی کا یقین وہ دلوں میں پیدا کرے اور انکو خدا کی قدرتوں کے وہ نمونے دکھاوے جو انسے پہلے انبیاء کے وقتوں میں لوگوں نے دیکھے۔ کیونکہ جبتک ایسا زندہ ایمان دل میں پیدا نہ ہو گناہ کی غلامی سے انسان نجات نہیں پا سکتا۔ یقین کے بغیر انسان گناہ سے نجات نہیں پا سکتا۔ اور خدائے تعالیٰ کی قدرت اور علم کی تازہ بتازہ تجلیات کے مشاہدہ کے بغیر یقین کا پیدا ہونا ناممکن ہے اور تازہ نشان خدا کی قدرت کے بغیر وساطت مامور من اللہ اور نبی کے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہی ایک مامور (جسکے ذریعہ سے دلوں میں نور ایمان پیدا ہوتا ہے) بانیٔ سلسلہ احمدیہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ انکے پیچھے چلتے ہیں وہ حسب استعداد بتدریج طہارت اور پاکیزگی اور تعلق باللہ میں ترقی کرتے ہیں۔ ان معنوں میں یہ سلسلہ ہی ایک سلسلہ ہے جو دنیا میں مذہب کو زندہ کرنیوالا ہے۔

ایک بڑی غلطی کی اصلاح:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ صلیب پر فوت ہوئے اور پھر تیسرے دن جی اُٹھے اور اب آسمان پر زندہ ہیں۔ عام مسلمانوں کا اسکے برخلاف یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ زندہ ہی آسمان پر اُٹھا لیئے گئے۔ سلسلہ احمدیہ کی تعلیم کے رو سے یہ دونوں خیال غلط ہیں اور قرآن شریف ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ مسیح زندہ نہیں بلکہ فوت ہو چکے اور کہ انکی موت بذریعہ صلیب واقع نہیں ہوئی۔ نیز بہت سی تاریخی شہادت اناجیل اور دیگر ذرائع سے ایسی ملتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے مگر زندہ ہی غشی کی حالت میں اتارے گئے پھر وہ صحت پاکر افغانستان اور کشمیر کی طرف آ گئے اور آخر ملک کشمیر کے شہر سری نگر محلہ خانیار میں مدفون ہوئے جہاں انکی قبر ابتک موجود ہے۔ اور یوز آسف اور نبی صاحب کی قبر کہلاتی ہے۔ تاریخی شہادت ان امور کے متعلق حسب ذیل پیش کیجاتی ہے۔

اول۔ اناجیل کی شہادت۔ (۱) حضرت مسیح نے پیشگوئی کے طور پر اپنے آپ کو

یونسؑ سے مشابہت دی (متی ۱۲ باب ۔ ۳۹ و ۴۰ آیت ۔ لوقا ۱۱ باب ۔ ۲۹ و ۳۰ آیت)
لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں مرے نہیں تھے بلکہ صرف مردہ
سی حالت انکی ہوگئی تھی۔ اسلئے حضرت عیسیٰؑ کی پیشگوئی کا منشاء یہ تھا کہ وہ بھی اگرچہ کالمیت
ہوجائیں گے مگر یونسؑ کی طرح زندہ ہی رہیں گے اور مریں گے نہیں (۲) حضرت مسیحؑ
نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کی گم شدہ اقوام کی طرف بھیجا گیا ہوں (متی ۱۵/۲۴) اور
کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ تا انکو جو کھوئے جاچکے ہیں تلاش کروں (لوقا ۱۹/۱۰) اب یہ یقینی
امر ہے کہ ملک شام میں جو یہودی تھے وہ صرف بنی اسرائیل کی دو قومیں تھیں اور باقی
دس قومیں بہت عرصہ پہلے مشرق میں آباد ہوچکی تھیں۔ پس گم شدہ بھیڑوں کا لفظ
جنکو تلاش کرنا ضروری تھا انپر بہ نسبت شامی اسرائیلیوں کے زیادہ صادق آتا ہے اور
صلیب کے واقعہ کے بعد انہی کی طرف حضرت عیسیٰؑ چلے گئے۔ (۳) پیلاطوس کی بیوی
کی خواب (متی ۲۷/۱۹) بھی حضرت مسیحؑ کے بچ جانیکی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کیونکہ اگر
منشاء الٰہی آپ کو بچانیکا نہ ہوتا تو فرشتہ کیوں پیلاطوس کی بیوی کو خواب میں ڈراتا
کہ اسے مسیح کے بچانیکی کوشش کرنی چاہیئے۔ (۴) بڑی زبردست شہادت حضرت
مسیح کی وہ دعا ہے جو آپنے واقعہ صلیب سے پہلی رات مانگی۔ کیونکہ ایک پرہیزگار اور
نیک آدمی کی دعا جو ایسے اضطرار اور مصیبت کی حالت میں کیجاوے کبھی رد نہیں
ہوسکتی۔ پس خدائے تعالیٰ نے ضرور انکو وعدہ دیا ہوگا کہ میں تمہیں بچا لونگا اور
معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نے ایلی ایلی لما سبقتانی پکارا تو وہ اللہ
تعالیٰ کے حضور اس کا وہ وعدہ ہی پیش کر رہے تھے۔ عبرانیوں پانچ باب ساتویں آیت
نے اس دعا کے قبول ہوجانے اور مسیحؑ کے بچایا جانیکو ایسا قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ
اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ وہاں لکھا ہے کہ "اسنے اپنے مجسم ہونیکے
دنوں میں بہت رو رو آنسو بہا بہا کے اس سے جو اسکو موت سے بچا سکتا تھا دعائیں اور
منتیں کیں۔ اور اس کے تقوے کے سبب اسکی دعا سنی گئی" (۵) حضرت مسیح
صلیب پر بہت ہی تھوڑا وقت رہے۔ حالانکہ صلیب کی موت بہت آہستہ واقع ہوتی

تھی اور کئی کئی دن تک لوگ صلیب پر زندہ رہ جاتے تھے۔ جن دو آدمیوں کو مسیح کے ساتھ صلیب پر چڑھایا گیا تھا وہ یقینی طور پر اس وقت تک زندہ تھے جب اُتارے گئے۔ (۶) دوسرے دو آدمیوں کی ٹانگیں محض اس لیئے توڑی گئیں کہ تا موت کا یقین ہو جاوے۔ مگر مسیحؑ کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں۔ (۷) برچھے کو پہلو میں چبھونے سے خون نکلا جو صحیح علامت زندگی کی ہے۔ (۸) پیلاطوس کو بھی یقین نہیں آیا کہ مسیح اتنی جلدی مرگیا (مرقس ۱۵/۴۴) (۹) مسیحؑ کو دوسرے مجرموں کی لاشوں کے ساتھ نہیں ملایا گیا اور نہ ہی جہاں وہ دفن ہوتے تھے اسے دفن کیا گیا بلکہ ایک فراخ کمرے میں بڑی آسائش کے ساتھ رکھا گیا (۱۰) تیسرے دن جب اس کمرے کو دیکھا گیا تو پتھر دروازے پر نہ تھا اگر حضرت مسیحؑ خارق عادت طور پر جی اُٹھے ہوتے تو پتھر کے دروازہ سے ہٹانیکی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ یہ واقعہ صاف بتا رہا ہے۔ کہ خود مریدوں نے پتھر کو دروازہ سے ہٹا کر آپ کو باہر نکالا۔ (۱۱) مریم نے جب آپکو دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ وہ باغبان ہے (یوحنا ۲۰/۱۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے باغبانوں کا بھیس بدل لیا تھا تا کہ کوئی پہچان نہ سکے اگر مُردوں سے جی اُٹھے ہوتے تو بھیس بدلنے کی ضرورت کوئی نہ تھی۔ (۱۲) حواریوں سے جب آپکی ملاقات ہوئی تو اسی خاکی جسم کے ساتھ ہوئی جسمیں گوشت اور ہڈیاں اور خون ہے اور وہ زخم اتنے گہرے تھے کہ ان میں ہاتھ پڑ سکتا تھا۔ اور آپ کو بھوک بھی لگی اور جسطرح حواریوں نے کھانا کھایا آپنے بھی کھایا۔ (لوقا ۲۴ باب ۳۹-۴۳ آیت) (۱۳) حضرت مسیح نے دو مریدوں کے ساتھ گلیل کا سفر اختیار کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یروشلم سے بھاگ کر گلیل کو چلے گئے بعینہٖ اسی طرح جسطرح کوئی اور انسان ایسے ہی حالات کے ماتحت چلا جاتا۔ اگر آپ کا مقصد آسمان پر چڑھنے کا تھا تو گلیل کا سفر بے معنی تھا۔ (۱۴) واقعہ صلیب کے بعد آپ ہمیشہ اپنے آپ کو چھپانیکی کوشش کرتے رہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اندیشہ تھا کہ یہودیوں کو اصل حال معلوم نہ ہو جائے۔ مردوں میں سے جی اُٹھے ہوئے مسیح کو اپنے آپ کو چھپانے کی بجائے کھلے طور پر یہ معجزہ یہودیوں کو دکھانا چاہیئے تھا۔

دوئیم - باقی شہادتیں جو پیش کیجاویں گی وہ تاریخی رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اور خصوصیت سے کسی ایک مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں - ان میں ایک مرہم عیسیٰ کی شہادت ہے - جسکے دوسرے نام مرہم حوارین اور مرہم رسل اور مرہم شلیخا بھی ہیں - اس مرہم کا ذکر طب کی اکثر کتابوں میں پایا جاتا ہے یہ وہ مرہم ہے جسکے متعلق یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ کے لیئے تیار کی تھی - اور خود مختلف قسم کے ناموں سے بھی ظاہر ہے کہ اس مرہم سے حواریوں کا بھی ویسا ہی تعلق ہے جیسا حضرت عیسیٰؑ کا - اس مرہم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ یہ زخموں کے اچھا کرنے میں بہت نافع ہے چونکہ یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا - کہ صلیب کے علاوہ کوئی اور زخم بھی حضرت عیسیٰؑ کو لگے تھے - اس لیئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ مرہم صلیب کے موقع پر ہی زخموں پر لگانے کے لیئے تیار کی گئی تھی اور اسی کا اعجازی اثر تھا کہ اتنی تھوڑی دیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلنے پھرنے کے اور گلیل تک کا لمبا سفر اختیار کرنیکے قابل ہو گئے -

سوئیم - سری نگر محلہ خانیار میں جو قبر ایک نبی کی ملی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے - جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ وہاں سے زندہ بچکر اس طرف آ گئے اور یہیں فوت ہو کر دفن ہوئے - اس کے ثبوت میں حسب ذیل شہادتیں پیش کیجاتی ہیں - (۱) زبانی روایتیں جو نسلاً بعد نسل کشمیر کے لوگوں میں چلی آئی ہیں اور جنکے متعلق پانچسو آدمی کی دستخطی شہادت لی گئی ہے کہ واقعی یہ روایتیں قدیم سے چلی آتی ہیں - کہ قبر مذکور یوز آسف کی قبر ہے جو نبی بھی تھا اور شہزادہ بھی - جو کسی مغربی ملک سے قریب اُنیس سَو سال ہوئے کشمیر میں آیا تھا - اس قبر کو نبی صاحب یا عیسیٰؑ صاحب کی قبر بھی کہتے ہیں - (۲) تاریخ اعظمی جو ایک تاریخی کتاب قریباً دو سَو سال کی ہے - اسکے صفحہ ۸۲ پر اس قبر کے متعلق یہ شہادت درج ہے "سید نصیر الدین کی قبر کے ساتھ ایک نبی کی قبر مشہور ہے وہ ایک شہزادہ تھا جو غیر ملک سے کشمیر میں آیا وہ زہد تقویٰ اور عبادت میں کامل تھا - خدا کی طرف سے نبی بنایا گیا اور

اہل کشمیر کی دعوت میں مشغول ہوا اسکا نام یوز آسف تھا۔ بہتیرے اہل کشف اور خصوصاً میرے مرشد نے
شہادت دی ہے کہ اس قبر سے برکات نبوت ظاہر ہوتے ہیں‘‘ (۳) کتاب اکمال الدین میں
جو قریباً ایک ہزار سال کی تحریر ہے صفحہ ۳۵۹ پر لکھا ہے ’’وہ (یوز آسف) بہتیرے ملکوں
اور شہروں میں پھرتا ہوا اس ملک میں آیا جسکا نام کشمیر ہے وہاں اس نے زندگی بسر
کی اور وہاں ٹھہرا رہا یہانتک کہ موت کا وقت آگیا اور اس نے خاکی جسم کو چھوڑا اور نور
کی طرف اسکا رفع ہوا۔ پھر بابد کو حکم کیا کہ میرے لئے ایک مکان یعنی مقبرہ بنا۔‘‘ (۴)
جوزف جیکبس جس نے یوز آسف کے قصوں کو جمع کرنے میں بہت محنت کی ہے۔
ایک بڑے پرانے قصے کے حوالے سے لکھتا ہے کہ یوز آسف اخیر میں کشمیر پہنچا اور
وہاں ہی فوت ہوا۔ (۵) مندرجہ ذیل واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوز آسف یسوع ہی ہے
ا۔ یوز آسف کی قبر کو بعض لوگ عیسیٰ صاحب کی قبر بھی کہتے ہیں۔ ب۔ مسلمان اسکو
نبی کہتے ہیں اس لئے یہ قبر کسی مسلمان ولی کی نہیں ہو سکتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد مسلمانوں میں کوئی شخص نبی کے نام سے مشہور نہیں ہوا۔ لفظ نبی یا عبرانی میں ہے
یا عربی میں۔ لیکن چونکہ کوئی نبی عربی سوائے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں
ہوا اس لئے ضرور ہے کہ یہ کسی عبرانی نبی کی قبر ہو۔ ج۔ جو زمانہ یوز آسف کی طرف منسوب
کیا جاتا ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ د۔ یوز اور یسوع اسقدر ایک دوسرے
سے ملتے جلتے نام ہیں کہ ایک شخص بڑی آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ یسوع ادنیٰ تصرف
سے یوز بن گیا۔ ہ۔ بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ یوز آسف ایک اسرائیلی تھا جو
ملک شام سے بھاگ کر آیا تھا۔ اب چونکہ وہ نبی ہے اور کسی نبی کے واقعات زندگی ایسے
نہیں ہیں جو ہم اسکی طرف ملک شام سے بھاگنا منسوب کر سکیں سوائے مسیحؑ کے۔ اور
پھر جب زمانہ بھی وہی ہے تو یہ نتیجہ اور بھی یقینی ہو جاتا ہے۔ و۔ صرف نبی ہی نہیں بلکہ
یوز آسف شہزادہ کے نام سے بھی پکارا گیا ہے اور یہ واقعہ اسکو صاف طور پر مسیح ثابت
کرتا ہے۔ ز۔ یوز آسف کی تعلیم حضرت مسیح کی تعلیم سے بہت ملتی جلتی ہے یہانتک کہ
بعض تمثیلیں بالکل مطابق ہیں۔ مندرجہ ذیل تمثیل کا جو یوز آسف کی تعلیم میں پائی جاتی

ہے مسیح کی بیان کردہ تمثیل سے جو متی ۱۳/۳ مرقس ۴/۳ لوقا ۸/۵ میں پائی جاتی ہے مقابلہ کرو۔ "جب کسان بیج بوتا ہے تو کچھ دانے راستہ پر گرتے ہیں جنکو پرندے چگ جاتے ہیں کچھ پتھریلی زمین میں گرتے ہیں اور جب انکی جڑھیں پتھر کی سطح تک پہنچتی ہیں تو وہ سوکھ جاتے ہیں بعض دانے کانٹوں میں گرتے ہیں۔ اور بعض دانے اچھی زمین میں گرتے ہیں اور اگرچہ وہ تھوڑے ہوتے ہیں مگر وہ اُگتے ہیں اور بڑھتے ہیں اور پھل لاتے ہیں۔ کسان سے مراد حکیم ہے اور بیج سے اسکے کلمات حکمت۔ جو دانے راستے پر گرتے ہیں انکی مثال ان حکمت کی باتوں کی طرح ہے جو ایک کان میں آتی ہیں اور دوسرے سے نکل جاتی ہیں۔ جو دانے پتھریلی زمین میں گرتے ہیں وہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو دل میں نہیں بیٹھتیں۔ جو دانے کانٹوں پر گرتے ہیں انسے مراد وہ کلمات حکمت ہیں جنپر عمل کرنیسے انسان کو اسکی شہوات روکتی ہیں۔ جو دانے اچھی زمین میں گرتے ہیں انکی مثال ان حکمت کے کلموں کی طرح ہے جو دل میں جڑھ پکڑتے ہیں اور اپنا پھل لاتے ہیں اور انسان انپر عمل کرنیسے نیک چلن انسان بنتا ہے" ح۔ اس سے بھی بڑھکر یہ بات حیرت میں ڈالنے والی ہے کہ یوزآسف اپنی کتاب کا نام بشریٰ رکھتا ہے جو بعینہ انجیل ہے۔ جیساکہ اکمال الدین کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔ "حتّٰی بلغ فضاء واسعا فرفع راسہ فرای شجرۃ عظیمۃ علی عین ماء احسن مایکون من الشجر واکثرھا فرعا وغصنا واملاھا ثمرا وقد اجتمع الیہ من الطیر مالا یعد کثرۃ۔ فسرّ بذلک المنظر وفرح بہ وتقدم الیہ حتّٰی دنیٰ منہ فجعل یعتبرہ ویفسرہ الشجرۃ بالبشریٰ التی دعا الیھا وعین الماء بالحکمۃ والعلم والطیر بالناس الذین یجتمعون الیہ ویقبلون منہ الدین" ترجمہ۔ یہانتک کہ وہ یعنی یوزآسف ایک وسیع میدان میں پہنچا۔ اپنا سر اُٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بڑا درخت ایک چشمہ کے کنارہ پر کھڑا ہے نہایت ہی خوبصورت بہت شاخوں اور ٹہنیوں والا نہایت میٹھے پھل والا اور اسپر بے شمار پرندے جمع ہیں پس وہ اس نظارہ سے نہایت خوش ہوئے۔ اور اس درخت کی طرف بڑھے یہانتک کہ اسکے

پاس پہنچے اور اسکی تعبیر کرنے لگے۔ درخت کو انہوں نے اس بشارت سے مشابہت دی جسکی طرف وہ لوگوں کو بلاتے تھے۔ اور چشمۂ آب کو علم وحکمت سے مشابہت دی اور پرندوں کو ان لوگوں سے جو آپکے پاس جمع ہوتے اور آپ کا دین قبول کرتے ؎ یہاں لفظ بشریٰ جو انجیل کا مرادف ہے یوزآسف کی کتاب کیلئے استعمال ہوا ہے۔ جس سے صاحب کتاب کا صاف نشان ملتا ہے۔ ط۔ یوزآسف کی کتاب کا ترجمہ بہت عرصہ سے یورپ کی قریباً کل زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اور عیسائی دنیا اسے بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے یہانتک کہ ایک گرجا بھی اسکے نام پر سسلی میں بنایا گیا ہے۔ اس عزت سے جو عیسائیوں نے یوزآسف کو دی ہے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے یوزآسف اور یسوع کو ایک ہی نہیں سمجھا تو کم از کم یوزآسف کو یسوع کے حواریوں میں سے سمجھا ہے کیونکہ زمانہ یوزآسف اور یسوع کا ایک ہی ہے اس بات کا بار ثبوت عیسائیوں کے ذمے ہے کہ وہ ثابت کریں کہ کونسا حواری حضرت مسیحؑ کا یوزآسف کہلاتا تھا اور پھر نبی اور شہزادہ بھی اسکے لقب تھے۔ ی۔ عیسائی محققوں نے یہ کوشش کی ہے کہ یوزآسف کو بدھ ثابت کریں۔ چنانچہ ایک تازہ کوشش یہ کیگئی ہے کہ یوزآسف بودی ستوا سے بگڑا ہوا ہے جو بدھ کا نام ہے۔ لیکن محض یہ امکان کہ ایک لفظ سے بگڑ کر دوسرا لفظ بن سکتا ہے ثبوت کا قائم مقام نہیں ہے۔ اور جبکہ یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ بدھ سری نگر کشمیر میں دفن نہیں بلکہ یہ کوئی اور شخص ہے جو بدھ سے الگ ہے تو لازماً اسے یسوع ماننا پڑیگا۔

چہارم۔ جس مسیحؑ کا اسرائیلیوں کو وعدہ دیا گیا تھا وہ کل اقوام بنی اسرائیل کیلئے مسیح ہوکر آنیوالا تھا۔ نہ ایک یا دو قوموں کی طرف۔ مگر یہ یقینی امر ہے کہ بنی اسرائیل کی بارہ اقوام میں سے دس قومیں حضرت مسیح کی پیدائش سے بہت مدت پہلے مشرق میں آباد ہو چکی تھیں پس مسیحؑ اپنی قوم کا مبلغ کبھی نہیں ہو سکتا تھا جبتک کہ وہ ان دس قوموں کی طرف نہ آتا۔ مندرجہ ذیل شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل کی دس اقوام میں سے ہیں۔ (۱) افغان بالاتفاق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ

اسرائیلی نسل سے ہیں۔ یہ بات حقیقت سے خالی نہیں ہو سکتی کیونکہ مذہبی طور پر افغانوں کو یہود سے سخت نفرت ہے پس اگر وہ واقعی بنی اسرائیل کی نسل سے نہ ہوتے تو ہرگز اپنے آپ کو اس قوم کی طرف منسوب نہ کرتے۔ انکے پاس نسب نامے بھی موجود ہیں جنہیں سلسلہ نسل اسرائیل سے جا ملتا ہے۔ اور یہ افغانوں کا نیا دعویٰ نہیں بلکہ قدیم سے وہ یہی دعوے کرتے چلے آئے ہیں۔ (۲) ظاہری خط و خال میں افغان اور کشمیری ان لوگوں سے نہیں ملتے جو انکے پڑوس میں رہتے ہیں مگر یہودیوں سے انکو ایسی مناسبت ہے کہ ایک شخص دھوکا کھا سکتا ہے۔ (۳) لباس میں۔ رسم و رواج میں۔ اخلاق اور اطوار میں بھی ایسی ہی مشابہت افغانوں اور کشمیریوں کی یہودیوں سے پائی جاتی ہے۔ (۴) افغانوں کے بعض قبائل کے نام اور کشمیر کے بعض مقامات کے نام صاف بتاتے ہیں کہ وہ اسرائیلی نام ہیں۔ (۵) افغانستان اور کشمیر میں بہت سے ایسے شہر ہیں جنکے نام یہودیوں کے قدیم وطن کے شہروں اور قصبوں کے ناموں سے ملتے ہیں۔ اس میں ہمیں انسانی طبیعت کا یہ میلان نظر آتا ہے کہ جب وہ ایک مقام کو چھوڑکر دوسرے مقام کو جا آباد کرتے ہیں تو اپنے شہروں وغیرہ کے نام وہاں بھی رکھ لیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل ناموں کا مقابلہ صاف بتاتا ہے کہ یہ اتفاقی بات نہیں۔ مثلاً کابل۔ پونچھ۔ زیدا جمس۔ گلگت تبت۔ لاسہ لداخ۔ لیہ۔ سورو۔ سکیت کا مقابلہ قدیم شام کے ان ناموں سے کرو۔ کابل۔ فونیشیا۔ زیدان جمس۔ گلگو تھا تبتھ۔ لاشا۔ لادح۔ سیحی۔ تسور سکوتھ (۶) بڑے بڑے مشہور سیاحوں نے یہ شہادت دی ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

مسیحؑ کی آمد ثانی کا عقیدہ:۔ حضرت مسیح کے وفات یافتہ ثابت ہونیکی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کے کیا معنے ہیں۔ جسکا آخری زمانہ میں وعدہ دیا گیا تھا۔ اس مسئلہ پر دو مختلف پہلوؤں سے بحث پیدا ہوتی ہے۔ یعنی ایک عیسائی مذہب کے تعلق سے اور دوسرا اسلام کے تعلق سے۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کی آمد کا دونوں مذہبوں کے لوگوں کو انتظار ہے۔ اور اپنے اپنے رنگ میں وہ اسکے الگ الگ معنے

کرتے ہیں۔ اول ہم مسیحی مذہب کے رو سے اس عقیدہ پر بحث کرتے ہیں سو واضح ہو کہ عیسائیوں کو جو مسیحؑ کی آمد ثانی کی امید دلائی گئی تھی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک وہ آمد ثانی اسی قبیل سے ہے جیسی کہ الیاسؑ کی آمد ثانی حضرت مسیحؑ سے پہلے تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ یہودیوں کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ سچے مسیحؑ کی جو انکے درمیان آنیوالا ہے یہ نشانی ہے کہ اس سے پہلے الیاسؑ کی آمد ثانی ہوگی۔ اور جھوٹے مدعیوں اور سچے مدعی میں یہی امتیاز بتایا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ مسیحؑ نہیں آئیگا جبتک کہ الیاسؑ آسمان سے نہ اترے اور اسکی آمد ثانی نہ ہولے۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مسیح ہونیکا دعویٰ کیا تو قبل اسکے کہ یہودی کوئی اور معجزہ یا نشان اس سے طلب کریں انہوں نے یہی کہا کہ ضرور تھا کہ مسیحؑ صادق سے پہلے الیاسؑ دوبارہ آوے سو الیاسؑ کہاں ہے جس کا جواب حضرت مسیحؑ نے یہ دیا کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہی الیاسؑ ہے کیونکہ وہ اسکی قوت اور طبیعت میں آیا ہے یعنی اسی کے روحانی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ پس جسطرح خود حضرت مسیحؑ الیاسؑ کی آمد ثانی کا فیصلہ انیس سو برس پہلے کر چکے ہیں اسی طرح آج مسیح ثانی اور آخری زمانہ کا مسیح موعودؑ مسیحؑ کی آمد ثانی کا فیصلہ کرتا ہے اور آمد ثانی کے وہی معنے کرتا ہے جو اس سے پہلے مسیحؑ نے کئے اور اس نظیر کو پیش کرتا ہے جس سے کوئی عیسائی انکار نہیں کرسکتا۔ یعنی یہ کہ مسیحؑ کی آمد ثانی سے مراد ایک ایسے شخص کی آمد ہے جو اسی کے رنگ اور خو میں آوے۔ چنانچہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ مسیح موعودؑ کے دعوے سے کئی سال پہلے براہین احمدیہ میں حضرت مرزا صاحب اپنا رؤیا شائع کر چکے تھے کہ گویا وہ اور مسیحؑ ایک جوہر کے دو ٹکڑے ہیں۔ یعنی روحانیت میں ایک ہی ہیں اور اسکے علاوہ وہ الہامات بھی شائع کر چکے تھے جن میں آپ کو عیسیٰؑ کے نام سے پکارا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ رؤیا اور الہامات اسوقت شائع ہوئے جب ابھی مسیح موعود کے دعوے کا نام و نشان بھی نہ تھا بلکہ مسیحؑ کی آمد ثانی کے معمولی مروجہ عقیدہ پر جو اہل اسلام کے اندر چلا آتا ہے وہ قائم تھے جیسا کہ خود اپنی کتاب براہین احمدیہ میں آپنے اسوقت لکھ بھی دیا۔ پس یہ تو صاف ثابت ہوگیا کہ یہ کوئی بناوٹ نہ تھی کئی سال پہلے اس بات کو مدنظر

دیکھکر کہ آئندہ مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کریں گے ایسے رؤیا اور الہامات شائع کر دیئے جنمیں آپکا مسیح کے ساتھ روحانی رنگ میں ایک ہونا اور مماثلت کا اس درجہ تک پہنچ جانا کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کو عیسیٰ کے نام سے ہی پکارے ثابت ہوتا تاکہ بعد میں مسیح کی آمد ثانی کے ثابت کرنے میں مدد ملے کیونکہ اگر ایسی بناوٹ ہوتی اور یہ محض افترا ہوتا تو کبھی ممکن نہ تھا کہ اسی کتاب میں مسیح کی آمد ثانی کے مروجہ عقیدہ کو لکھدیتے پس جبکہ ایسی مماثلت اس درجہ تک موجود ہے تو اب مسیح کی آمد ثانی سے آپکی آمد مراد ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں ہے بلکہ یوحنا اور الیاسؑ کی نظیر کو مدنظر رکھکر اور مسیح کے فیصلہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھکر یہ قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ اس مسیح ثانی کی آمد ہی مسیح اول کی آمد ثانی ہے۔

دوسرا پہلو دعوے مسیحیت کا متعلق بہ اسلام ہے۔ اسلامی رنگ میں سلسلہ احمدیہ مسیح موعودؑ کے آنیکو اس طرز پر مانتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ نے اسرائیلی شریعت کی بنیاد حضرت موسیٰؑ کے ساتھ رکھی۔ اور پھر اس موسوی سلسلہ کا خاتمہ اسکے اخیر میں ایک مسیح بھیجکر کیا۔ پس اس موسوی سلسلہ میں اول سلسلہ حضرت موسیٰؑ اور آخر سلسلہ حضرت عیسیٰؑ تھے۔ پھر خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو یہ بھی وعدہ دیا تھا کہ میں تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی اُٹھاؤنگا۔ استثناء ۱۸-۱۸- پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے زمانہ نبوت میں یہ فرمایا کہ ہم نے تجھے موسیٰ کی مثل بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ سورۃ مزمل کی آیت انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا اسپر شاہد ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی وعدہ دیا گیا کہ اس اُمت محمدیہ میں خلفاء قائم کیئے جائیں گے مثل ان خلفاء کے جو اُمت موسویہ میں بنائے گئے۔ جیسا کہ آیت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم (سورۃ نور) اسپر شاہد ہے۔ پس جیسا کہ سلسلۂ موسویہ کے اول یعنی حضرت موسیٰؑ کا مثیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرایا گیا تھا۔ ایسا ہی مطابق وعدہ سورہ نور کے یہ ضروری تھا۔ کہ خاتم سلسلۂ موسویہ یعنی حضرت عیسیٰؑ کا مثیل سلسلۂ محمدیہ کے اخیر پر مبعوث

کیا جاتا۔ یعنی جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کا خاتم الخلفا ایک مسیح تھا ویسا ہی ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الخلفا ایک مسیح بھیجا جاتا۔ بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اس وعدہ کے مطابق دنیا میں بھیجا گیا ہے اور حدیثوں میں جو مسیح ابن مریم کے آنیکا وعدہ ہے وہ بھی قرآن شریف کے اسی وعدہ کے مطابق ہے ورنہ حدیث قرآن شریف کے خلاف ہو گی کیونکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ تم میں سے ہی خلیفے پیدا ہونگے جس وعدہ کے لحاظ سے ضروری ہوا کہ باہر سے کوئی خلیفہ نہ آئے۔ اس سے حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد کی تکذیب ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل امور سے اس مماثلت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے (۱) یہودی ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو دنیوی شان و شوکت والا ہو اور زمینی سلطنت یہود کی قائم کرے۔ جسکا غلبہ کل دنیا پر ہو۔ بعینہٖ اسی طرح مسلمان ایک ایسے مسیح کے منتظر ہیں جو ظاہری شان و شوکت والا ہو اور اسلام کی سلطنت کل دنیا پر قائم کرے۔ (۲) جس طرح پر یہودیوں کے لیئے ایک ایسا مسیح بھیجا گیا جس نے انکی ظاہری شان و شوکت کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا ایسا ہی مسلمانوں میں ایک ایسا مسیح بھیجا گیا جو صلح کا پیغام لیکر آیا ہے۔ اور ظاہری جنگ و جدال سے متنفر ہے اور مسیح ابن مریم کی طرح صلح اور آشتی سے دنیا میں اپنا پیغام پھیلانا چاہتا ہے۔ اور دلائل اور نشانوں سے وہ کام لے رہا ہے جسکو مسلمان اپنی غلطی سے یہودیوں کی طرح تلوار سے لینا چاہتے ہیں۔ (۳) حضرت عیسیٰؑ کی آمد کے وقت یہودی بہت سے فرقوں میں منقسم ہو رہے تھے ایسا ہی حال مسلمانوں کا اسلامی مسیحؑ کے آنیکے وقت ہے۔ (۴) اس ملک میں جہاں اسرائیلی مسیحؑ ظاہر ہوا اسرائیلیوں کی سلطنت جاتی رہی تھی اور وہ بطور رعایا کے تھے۔ ایسا ہی اس ملک ہند میں جہاں اسلامی مسیحؑ ظاہر ہوا ہے اسلامیوں کی سلطنت جاتی رہی ہے اور وہ بطور رعایا کے رہتے ہیں۔ (۵) خود وہ گورنمنٹیں جنکے نیچے یہ دونوں مسیحؑ اپنے اپنے زمانوں میں پیدا ہوئے آپس میں مشابہت رکھتی ہیں اور رومی انگریزی گورنمنٹ کی مشابہت کو عیسائی صاحبان نے بھی بارہا تسلیم کیا ہے (۶) جیسا کہ یہودی مسیحؑ اسرائیلی کے آنیکے وقت راستبازی اور

نیکی کے طریقوں کو چھوڑ چکے تھے یہی حال اسلامی مسیحؑ کے آنیکے وقت مسلمانوں کا ہے۔
(۷) جب یہودیوں نے اپنے مسیحؑ کو سخت ایذائیں دیں تو ان پر طاعون بھیجی گئی۔ ایسا ہی اس ملک میں بھی مسیحؑ کے ایذا دیئے جانے پر خدا نے طاعون کا خطرناک عذاب بھیجا ہے۔
(۸) جیساکہ یہودیوں نے اپنے مسیحؑ کو عدالتوں میں گھسیٹا اور عدالتوں کے ذریعہ مروا ڈالنا چاہا ایسا ہی یہاں بھی ہوا یعنی اسلامی مسیحؑ پر اقدام قتل کا مقدمہ قائم کیا گیا جس میں قوموں نے اتفاق کر کے اسے ہلاک کرنا چاہا۔ اور جیسے بڑے بڑے یہودی علماء مسیحؑ اسرائیلی کے خلاف گواہی دینے کے لیئے آئے تھے۔ یہاں بھی ایک جبہ پوشوں کا سردار مسیحؑ کے خلاف گواہی دینے کیلیئے عدالت میں آیا۔

اسلامی تعلیم کے بعض اور پہلو:۔ بہت سے عقائد مسلمانوں نے غلطی سے اسلام میں داخل کر دیئے ہیں جو اصل تعلیم اسلام کے خلاف ہیں۔ سلسلہ احمدیہ ایسے تمام عقائد کو رد کرتا ہے بڑے بڑے امور جن میں اس سلسلہ کا اختلاف دیگر مسلمانوں سے ہے حسب ذیل ہیں۔

اوّل۔ سب سے بڑا اور اہم اختلاف سلسلہ احمدیہ کا دوسرے اسلامی فرقوں سے یہ ہے کہ اس سلسلہ کے نزدیک اسلام ایک زندہ مذہب ہے جسکے بالفاظ دیگر یہ معنے ہیں کہ اسلام میں وحی اور کشف کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور ایک سچا مسلمان ان نشانوں کو مشاہدہ کرتا ہے جو خدا کی ہستی پر ایک خارق عادت یقین اسکے اندر پیدا کرتے ہیں۔ موجودہ اسلامی عقیدہ جسپر اکثر مسلمان اس زمانہ میں قائم ہوگئے ہیں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے بعد وحی الٰہی ہمیشہ کیلیئے منقطع ہوگئی ہے۔ اسی کے قریب قریب دوسرے مذاہب کا خیال بھی ہے اور انہیں سے ہر ایک کے نزدیک اسکی آسمانی کتاب کے بعد الہام الٰہی پر مُہر لگ گئی ہے۔ اور اس کا دروازہ ہمیشہ کے لیئے بند ہو گیا ہے۔ سلسلہ احمدیہ اپنے عقیدہ کی تائید میں تین قسم کے دلائل پیش کرتا ہے۔ (۱) قرآن شریف کی متعدد آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وحی الٰہی منقطع نہیں ہوئی اور اس انعام کا دروازہ اگرچہ دوسری اُمتوں پر بند ہو چکا ہے مگر سچے مسلمانوں پر اسکا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا

اور نہ ہوگا۔ قرآن شریف نے یہانتک اس بات پر زور دیا ہے کہ سورہ فاتحہ میں جو خلاصہ قرآن شریف ہے اس امر کو بیان فرمایا ہے جہاں مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیہم۔ اب جس صورت میں خود خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو اس دعا کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ منعم علیہم کی راہ پر چلنے کیلئے دعا مانگا کریں تو صاف ظاہر ہے کہ الٰہی منشاء یہ ہے کہ سچے مسلمانوں کو منعم علیہم والے انعام بھی دیئے جاویں۔ ورنہ اس دعا کا سکھانا بے سود تھا حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے مثلاً ایک اسی حدیث کو لے لو جو ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کے آنیکا وعدہ دیتی ہے۔ کیونکہ جو شخص تجدید دین کیلئے مامور ہوگا وہ بغیر مکالمہ الٰہی کے مامور نہیں ہوسکتا۔ (۲) عقلی دلائل بھی اسی کے موید ہیں۔ کہ اگر مکالمہ الٰہی کا انعام پہلے زمانوں میں خدا کے برگزیدوں کو ملتا تھا تو اب کوئی وجہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیئے وہ راہ بند کردی ہو۔ سب مذاہب کی یہ تعلیم ہے کہ خدا انکے کاموں کو دیکھتا اور انکی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اور ہر ایک مذہب نے اس امر کو بھی تسلیم کیا ہے کہ کسی وقت وہ بولتا بھی تھا۔ اور اپنے کلام سے نیک لوگوں کو مشرف کرتا تھا۔ اور ایک وقت تک ایسا ہی کرتا رہا۔ مثلاً ہندوؤں کے نزدیک۔ اس دَور دنیا کے آغاز میں اس نے کلام کی اور پھر نہیں کی۔ یہودیوں کے نزدیک بنی اسرائیل کے انبیاء سے وہ ہمیشہ کلام کرتا رہا۔ عیسائیوں کے نزدیک حواریوں کے زمانہ تک وہ کلام کیا کرتا تھا اور مسلمانوں کے نزدیک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک۔ پس اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ مثل زمانہ سابق کے دیکھتا اور سنتا اب بھی ہے تو بولنے سے کیوں بند ہوگیا۔ خدا کے صفات ازلی ابدی ہیں اور جبکہ اس کے دوسرے صفات سمع بصر وغیرہ بیکار نہیں ہوئے اور نہ کبھی ہوں گے تو ایسا ہی اس کی صفت کلام بھی نہ کبھی بیکار ہوئی اور نہ ہوگی۔ ہاں جیسے وہ پہلے اپنے برگزیدوں سے کلام کرتا تھا ایسا ہی اب بھی وہ کلام کرتا ہے مگر اسی سے جسکو اس نے چن لیا ہے اور اس کا کلام اسطرح پہچانا جاتا ہے کہ اس میں غیب کی مخفی اور باریک باتیں جنکا جاننا

انسان کی طاقت میں نہیں ظاہر کیجاتی ہیں۔ (۳) اسلام کے اندر ایک ایسے شخص کا
موجود ہونا جس کا کلام الٰہی سے مشرف ہونا ان تمام نشانات سے ثابت ہے جو دوسرے
انبیاءؑ کے کلام الٰہی میں پائے جاتے ہیں صاف ثابت کرتا ہے کہ اسلام ایک زندہ
مذہب ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ جس مذہب میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اپنے پیروؤں کی
تعلق باللہ کو اس مقام تک پہنچا سکے کہ وہ مخاطبہ و مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہوں اس
مذہب کی انسانوں کو کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ وہ انسان کو روحانی ترقی کے مراتب طے
کرانیکی قابلیت نہیں رکھتا ایسے مذہب کا زندہ مذہب ہونیکا دعویٰ کرنا لغو ہے۔
پس اس زمانہ میں احمدیہ سلسلہ ہی ایک زندہ مذہب کا نشان دیتا ہے کیونکہ اسکا بانی
اپنا دعویٰ مورد وحی الٰہی ہونیکا بذریعہ متعدد پیشگوئیوں اور خارق عادت نشانات
کے ثابت کر رہا ہے۔

دوئم۔ سلسلہ احمدیہ اس بات کا انکار کرتا ہے کہ دین اسلام بذریعہ تلوار پھیلایا جائے
مگر عام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ دین کو بزور شمشیر بھی پھیلانا جائز ہے کیونکہ وہ ایک
ایسے مسیح اور مہدی کے منتظر ہیں جو ان تمام لوگوں کو تہ تیغ کردیگا جو دین اسلام کے
قبول کرنیسے انکار کریں۔ مگر یہ سلسلہ اس خیال کو غلط ٹھہراتا ہے کہ اسلام نے کسی
ایسے مسیح یا مہدی کے آنیکا وعدہ دیا ہو۔ اور ایسی احادیث کو جنمیں خونی مسیح یا مہدی
کے آنیکا ذکر ہے وضعی قرار دیتا ہے کیونکہ وہ قرآن شریف کے صریح منطوق کے خلاف
ہیں جو فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین نیز قرآن شریف وعدہ دیتا ہے کہ
جیسا ایک مسیحؑ بنی اسرائیل کے سلسلہ کے خاتمہ پر بھیجا گیا تھا ایسا ہی ایک مسیحؑ اس
سلسلہ کے خاتمہ پر آئیگا۔ پس جس طرح اس مسیح نے دین کیلئے کوئی لڑائی نہیں کی بلکہ یہودیوں
کے ایسے انتظار کو غلط ٹھہرایا اسی طرح یہ مسیح بھی دین کیلئے لڑائیاں کرنیکی غرض سے
نہیں آئیگا بلکہ اس خیال کی غلطی کو دور کریگا ایسا ہی صحیح بخاری کی حدیث بھی
مسیح موعودؑ کی تعریف میں یضع الحرب ہی کہتی ہے یعنی وہ لڑائیوں کو دور
کریگا یعنی مذہبی جنگوں کا خاتمہ کردیگا۔

سوئم - یہ سلسلہ سچے معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا ہے۔ اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ کوئی نبی خواہ وہ پرانا نبی ہو یا نیا - آپ کے بعد ایسا نہیں آسکتا جسکو نبوت بدون آپکے واسطہ کے مل سکتی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا تعالےٰ نے تمام نبوتوں اور رسالتوں کے دروازے بند کر دیئے مگر آپکے متبعین کاملین کے لیئے جو آپکے رنگ میں رنگین ہو کر آپکے اخلاق کاملہ سے ہی نور حاصل کرتے ہیں انکے لیئے یہ دروازہ بند نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ گویا اسی وجود مطہر اور مقدس کے عکس ہیں۔ مگر عام مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آپکے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آپ سے چھ سو سال پہلے نبی ہو چکے تھے دوبارہ آئیں گے جس سے ختم نبوت کا ٹوٹنا لازم آتا ہے - ایسا ہی یہ سلسلہ اس اُمت کو خیر الامم کہتا ہے اور اسلیئے اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اسکے مصلح اسی میں سے پیدا نہ ہوں بلکہ باہر سے آئیں کیونکہ جب اشرار اس اُمت میں ہیں تو پھر اس سے بڑھکر اور کیا مصیبت اس اُمت کے لیئے ہو سکتی ہے کہ اخیار اس میں سے پیدا نہ ہوں بلکہ وہ باہر سے آئیں۔ آنحضرتؐ کی ختم نبوت آپکے کسی بروز کو آنے سے نہیں روکتی - البتہ آپکے بعد شریعت جدید کوئی نبی نہیں آسکتی۔

موت کے بعد کی حالت :- تعلیم اسلام کے وسیع مضمون کیلیئے اس مختصر پرچہ میں گنجایش نہیں۔ سلسلہ احمدیہ نہایت سادہ اور عام فہم طریق پر اسلام کی اصل اور دلکش تعلیم کو پیش کرتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں اس کی صرف ایک دو نظیروں پر کفایت کی جاویگی - اس سوال کے جواب میں کہ موت کے بعد انسان کی کیا حالت ہوتی ہے - لوگوں کو بہت مشکلات پیش آئی ہیں۔ بانی سلسلہ احمدیہ نے اسکا جواب یہ دیا ہے کہ موت کے بعد جو کچھ انسان کی حالت ہوتی ہے درحقیقت وہ کوئی نئی حالت نہیں ہوتی بلکہ وہی دنیاوی زندگی کی حالتیں زیادہ صفائی سے کھل جاتی ہیں - جو کچھ انسان کے عقاید یا اعمال کی کیفیت صالحہ یا غیر صالحہ ہوتی ہے وہ اس جہان میں مخفی طور پر اسکے اندر رہتی ہے۔ اور اسکا تریاق یا زہر ایک چھپی ہوئی تاثیر انسانی وجود پر ڈالتا ہے مگر آنیوالے جہان میں ایسا

نہیں رہیگا۔ بلکہ وہ تمام کیفیات کھلا کھلا اپنا چہرہ دکھائیں گی۔ جسطرح عالم خواب میں ہم میں ایک خاص تبدیلی پیدا ہوکر روحانیات جسمانی رنگ میں دکھائی دیتی ہیں ایسا ہی اُس عالم میں بھی ہوگا اور اس دن ہمارے اعمال اور اعمال کے نتائج جسمانی طور پر ظاہر ہونگے اور جو کچھ ہم اس عالم سے اعتقاد یا اعمال ساتھ لے جائیں گے وہ سب اُس دن ہمارے چہرہ پر نمودار ہو جائے گا۔ اور تمثلات کے ذریعہ خدا اپنی نئی قدرت دکھائیگا۔ قرآن شریف بار بار یہی فرماتا ہے کہ عالم آخرت کوئی نئی چیز نہیں بلکہ اسکے تمام نظارے اسی دنیوی زندگی کے آثار و اظلال ہیں جیسا کہ فرماتا ہے وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیامۃ کتابا یلقاہ منشورا۔ یعنی ہم نے اسی دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اسکی گردن سے باندھ رکھا ہے اور انہیں پوشیدہ اثروں کو ہم قیامت کے دن ظاہر کر دیں گے۔ اور ایک کھلے کھلے اعمالنامہ کی شکل پر دکھادینگے۔ پس قرآن کریم نے جو اصل زندگی بعد الموت کے متعلق بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک عمل کا ایک نقش ہوتا جاتا ہے۔ جو ظاہر آنکھوں سے نظر نہیں آتا مگر پوشیدہ طور پر یہی اعمال نامہ ہے جو یہاں تیار ہوتا جاتا ہے۔ اور دوسرا اصل عالم آخرت کے متعلق جو بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ تمام امور جو اس دنیا میں ایک روحانی رنگ رکھتے ہیں اور عالم محسوسات میں سے نہیں ہیں عالم آخرت میں وہ جسمانی طور پر متمثل ہوکر صاف صاف دکھائی دینگے اور محسوسات میں داخل ہو جاویں گے۔

بہشت اور دوزخ :- یہ اصول جو عالم آخرت کے متعلق اوپر بیان کئے گئے ہیں انہی پر بہشت اور دوزخ کا قرآنی فلسفہ مبنی ہے۔ انسان کی بہشتی یا دوزخی زندگی اسی عالم میں شروع ہو جاتی ہے مگر وہ اسقدر اس دنیا کے امور میں غرق ہے کہ وہ اسکے اثر کو محسوس نہیں کرتا اور عالم آخرت میں وہی بہشتی یا دوزخی زندگی جو اسی دنیا سے شروع ہوگئی تھی کھلے طور پر نظر آجائے گی۔ نعمائے جنت درحقیقت اسی دنیا کے نیک اعمال کا روحانی پھل ہیں اور عذاب نار اسی دنیا کی بدکرداریوں کا برا نتیجہ۔ اسی دنیا کے نیک عملوں کے نتائج متمثل ہوکر بہشت کی نعمتیں بنجائیں گی۔ وہ زندگی کا پانی جو عارف دنیا

میں روحانی طور پر پیتا ہے۔ اس عالم میں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہی عالم آخرت میں ظاہری طور پر مصفا پانی کی نہروں کے رنگ میں بہتا ہوا دکھائی دیگا۔ اور وہ روحانی دودھ جس سے وہ شیرخوار بچہ کی طرح روحانی طور پر اس دنیا میں پرورش پاتا ہے بہشت میں ظاہر ظاہر دکھائی دیگا۔ اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ روحانی طور پر دنیا میں ہمیشہ مست رہتا تھا۔ اب بہشت میں ظاہر ظاہر اسکی نہریں نظر آئیں گی اور وہ حلاوت ایمانی کا شہد جو دنیا میں روحانی طور پر عارف کے مُنہ میں جاتا تھا۔ وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں طور پر نہروں کی طرح دکھائی دیگا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت کریمہ میں۔ مثل الجنة التی وعد المتقون فیھا انھار من ماء غیر آسن وانھار من لبن لم یتغیر طعمه وانھار من خمر لذة للشاربین وانھار من عسل مصفّٰی۔ چونکہ اُس دن اس دنیا کے تمام حجاب دُور ہوجائیں گے اس لئے انسان کی روحانی حالتیں بھی کُھلے کُھلے طور پر دکھائی دیں گی اور یہ کمالات جو انسان کو اُس اُخروی زندگی میں حاصل ہونگے وہ غیر متناہی ہونگے اور ایک کمال سے دوسرے کمال کی طرف انسان ترقی کرتا چلا جائیگا۔ جیساکہ یہ دعا بہشتیوں کو سکھائی گئی ہے واتمم لنا نورنا۔ اسی طرح پر دوزخ کی حقیقت یہ ہے کہ اسی دنیا کی روحانی نابینائی اُس عالم میں جسمانی طور پر دکھائی دیگی۔ دنیا کی وہ خواہشیں جنہوں نے انسان کے سر کو زمین کی طرف جھکا رکھا تھا اور آسمانی باتوں کی طرف اسے اُٹھنے نہ دیتی تھیں وہ عالم آخرت میں جسمانی طور پر طوق گردن ہوجائیگا۔ اور دنیا کی گرفتاریوں کی زنجیریں جنہوں نے ایک غلط کار انسان کے پاؤں کو پکڑ رکھا تھا کہ وہ نیک کام کی طرف نہ اُٹھیں۔ وہاں سچ مچ کی زنجیریں بنکر پیروں میں پڑی ہوئی دکھائی دیں گی۔ اور دنیا کی ناکامیوں کی حسرتیں جو اس دنیا میں بھی جہنم کی سوزش کا احساس کراتی ہیں۔ اُس عالم میں جب کہ تمام فانی شہوات منقطع ہوجائیں گی جسمانی آگ کے طور پر بھڑک اُٹھیں گی۔ ایسا ہی دوزخ کے جسقدر عذاب بیان کیے گئے ہیں وہ دراصل اسی دنیا کے روحانی عذاب ہیں جو جسمانی رنگ میں نظر آئیں گے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کی تعلیم کے رو سے دوزخ کے

یہ عذاب انسان کے علاج کے طور پر ہیں تاکہ اسے تمام گندوں سے پاک کر کے جن میں وہ اپنے ہی اعمال کے سبب سے پڑ گیا ہے اسے اعلیٰ درجہ کی ترقیات اور غیر متناہی کمالات حاصل کرنے کے قابل بنا دیں۔

ملائک اور جنات کا وجود:۔ جس طرح عالم آخرت کا مسئلہ انسان کی نظر سے چھپا ہوا ہونے کی وجہ سے اپنے اندر مشکلات رکھتا ہے یہی حالت ملائک اور جنات کے وجود کے مسئلہ کی ہے اور جن لوگوں نے اس مسئلہ پر فلسفیانہ نظر کی ہے انہوں نے غلطی سے ملائک اور جنات کے خارجی وجود سے انکار کیا ہے۔ مگر اسلام کی تعلیم پر چلکر غور کرنے سے کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔ جس طرح پر خدائے تعالیٰ کے ظاہر قوانین قدرت میں کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اسی طرح پر اسکے روحانی قانون بھی ہیں۔ اب ان فیوض کو حاصل کرنے کے لیئے جو جسمانی دنیا میں ہمارے لیئے خدائے تعالیٰ نے رکھے ہیں گو ہم اپنے اندر قویٰ بھی رکھتے ہیں۔ مگر پھر بھی ان قویٰ اور ان فیضانوں کے درمیان ایک توسط کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے ہماری آنکھ روشنی قبول کرنے کے لیئے اپنے اندر ایک استعداد رکھتی ہے مگر پھر بھی وہ ایک توسط یعنی آفتاب کی روشنی کی محتاج ہے ایسا ہی ہمارے کان شنوائی کی قابلیت اپنے اندر رکھتے ہیں مگر جبتک ہوا کا توسط موجود نہ ہو جو ہر ایک آواز کو ہمارے کانوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے خالی شنوائی کی قابلیت ہمیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ہمارے قویٰ ہمارے لیئے کافی نہیں بلکہ خارجی ممدوں اور معاونوں کی ہمیں حاجت ہے۔ اور قانون قدرت کا یہ کھلا کھلا مشاہدہ نظر آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ہر ایک فیضان کے لیئے ہم میں اور خدائے تعالیٰ میں علل متوسط ہیں جنکے توسط سے ہر ایک قوت اپنی حاجت کے موافق فیضان پاتی ہے۔ اسی قانون کو جسمانی دنیا سے نکالکر روحانی دنیا میں لے جاؤ تو ملائک اور جنات کا وجود بدیہی الثبوت ہو جاتا ہے۔ جس طرح چیزوں کے دیکھنے کے لیئے محض ہماری آنکھیں کافی نہیں اور آواز کے سننے کیلیئے محض ہمارے کان کافی نہیں۔ اسی طرح خیر اور شر کے اکتساب میں صرف ہمارے روحانی قویٰ ہی کافی نہیں بلکہ خارجی ممدات اور معاونات کی ضرورت ہے۔ پس گو ان ممدات اور معاونات کی کنہ اور

کیفیت ہمیں معلوم نہ ہو مگر ظاہری قانونِ قدرت کا ملاحظہ یہ بات یقینی طور پر ثابت کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اور ہمارے قویٰ کے درمیان ایسے توسط ضرور موجود ہیں جو اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں جو خیر یا شر کے اکتساب پر ہمیں قادر کرتے ہیں۔ داعی الی الخیر ملک یا روح القدس ہے اور داعی الی الشر کا نام ہم جن یا شیطان رکھتے ہیں۔ یہ ہے ملائکہ اور شیاطین کے وجود کی حقیقت۔ گو ہم میں نیکی یا بدی کرنے کی ایک قوت موجود ہے مگر وہ قوت ہماری بینائی کی قوت کی طرح ایک خارجی معاون کی محتاج ہے۔ اور اسی کو ہم ملک یا شیطان کہتے ہیں۔ ان خارجی معاونین کا انکار کرنا یا بالفاظ دیگر ملائکہ اور جنات کے وجود کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی یہ کہے ہم خارجی روشنی کے بغیر محض اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں یا ہوا کے بغیر اپنے کانوں سے سن سکتے ہیں۔

یہ ایک دو مثالیں بطور نمونہ بیان کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اسلام کی وہ پاک تعلیم جسے سلسلہ احمدیہ پیش کرتا ہے کیسی دلکش کیسی عام فہم اور کیسی فلسفیانہ ہے۔

آریہ سماج کے اندرونی اور بیرونی جھگڑے

آریہ سماج کے بڑے بڑے کارنامے اسوقت لالہ دھرمپال بی۔اے کے نام سے وابستہ ہیں۔ انکی کتاب نخل اسلام کے بعض حصوں کی تردید حال ہی میں میر قاسم علی صاحب نے صاعقۂ ذوالجلال بر نخل دھرمپال کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کتاب کے حصۂ اوّل کے صرف دو جزو دو رسالوں کی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔ جزو اوّل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت زینبؓ سے نکاح کے متعلق جو کمینے اور گندے اعتراض کئے جاتے ہیں اور جنکو دھرمپال نے اپنی کتاب نخل اسلام میں دُہرایا ہے انکا مفصل اور مبسوط جواب ہے۔ یہ جواب کس قسم کا ہے اسکے متعلق صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ اخبار نور افشاں کے ایک نامہ نگار نے اس جواب کی طرف عیسائیوں کو خصوصیت سے توجہ دلائی ہے۔ اور اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ واقعی ان

جوابوں نے دھرمپال کی نخل کی جڑھ کو ہلا دیا ہے۔ چنانچہ ذیل کی عبارت ہم ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کے نور افشاں کے صفحہ ۷ سے نقل کرتے ہیں۔

"اب یہ سوال ہوگا کہ صاعقہ کے جوابات کیسے ہیں۔ آیا معقول یا محض دفع الوقتی کے طور پر نامعقول؟ تو اس کا جواب ہم بوجہ مسیحی ہونیکے اسقدر دینے کی جرأت کرتے ہیں کہ لائق مؤلف نے جدید علم کلام یعنی قادیانی نبی کی تجدید سے فائدہ اُٹھا کر آریہ صاحب کے اعتراضات کو بڑی صفائی سے سلیس عبارت عام فہم میں رد کر دیا ہے۔ اور دھرمپال صاحب سے ہر پہلو میں گوئے سبقت لے گیا ہے۔ اور انکے نخل کی جڑھ کو ہلا دیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ جوابات ایک نئے جواب ہیں جو خاص قادیانی مشین سے نکلے ہوئے ہیں اور آجتک ہمنے عام مسلمانوں سے اس اعتراض کے ایسے جواب کبھی نہیں سنے بدینوجہ ہم انکی حقیقت اور اصلیت کی نسبت سردست کوئی رائے نہیں کرتے اور یہ اس لئے کہ ہم ایک راستباز کے پیرو ہیں جلد بازی اپنا شیوہ نہیں البتہ اپنی قوم کے جملہ مسیحی واعظین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ضرور اس رسالہ کو مؤلف سے منگوا کر بغور ملاحظہ فرماویں اور اس نئی تجدید کی تردید کے واسطے تیاری کریں۔ ہم یہاں تک کہنے کی بھی جرأت کرتے ہیں کہ جمیع مسیحی صاحبان کے میز پر ایک ایک نسخہ صاعقہ کا رکھا ہوا نظر آنا چاہیئے جس پر وہ تدبر سے نظر کرکے اپنی اپنی رائے کا اظہار بذریعہ مسیحی اخباروں کے فرمائیں۔"

ہمیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ اسلام کے معترض جوابوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے قریب چھ سال کے ہوئے ہمنے اسی رسالہ میں اس اعتراض کی تردید نہایت تفصیل سے کی تھی مگر معترض نے بجائے اسکے کہ اس جواب پر کچھ غور کرتا انہی پُرانے اعتراضوں کو اور بھی ناشائستہ زبان میں اپنی کتاب میں لکھدیا ہے اور ایک لمحہ کیلئے بھی ٹھنڈے دل سے انکے جوابات پر غور نہیں کیا۔ اور گو نور افشاں کے عیسائی نامہ نگار نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ صاعقہ کے مصنف نے آریہ صاحب کے اعتراضات کو رد کر دیا اور انکے نخل کی جڑھ کو ہلا دیا ہے لیکن اگر پھر کسی آریہ صاحب یا عیسائی صاحب کو اسی مضمون پر لکھنے کا اتفاق ہو تو ہم امید نہیں کرتے کہ وہ ان جوابوں

پر غور کرکے قلم اُٹھائیگا۔ صاعقہ کے حصہ اوّل کا دوسرا جزو آریہ سماج کے مسئلہ نیوگ اور آریہ سماج کی بدزبانی پر ہے جزو اوّل ۶۰ صفحوں کا اور جزو دوئم ۷۰ صفحوں کا رسالہ ہے قیمت فی جزو ۲ ر ہے۔ اور ایک روپیہ میں دس نسخے۔ جس میں مصنف نے اپنا کوئی فائدہ مدنظر نہیں رکھا بلکہ اسقدر تھوڑی قیمت رکھکر یہ کوشش کی ہے کہ حتی الوسع اس کتاب کی اشاعت زیادہ ہو۔ قیمت کے کم رکھنے کے معاملہ میں ہم میر صاحب کو خاص طور پر مبارکباد دیتے ہیں۔ ملنے کا پتہ میر قاسم علی صاحب ترا ہا بیرم خاں دہلی ہے۔

آریہ سماج کے بعض اندرونی جھگڑے بھی کچھ لالہ دھرمپال کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں جھگڑوں کا ہونا تو ایک معمولی بات ہے مگر جو روشنی لالہ دھرم پال نے مئی جون کے اندر میں آریہ سماج کے بعض لیڈروں کے حال پر ڈالی ہے۔ اور جو روشنی ان تحریروں سے انکے اپنے حال پر پڑتی ہے۔ وہ آریہ سماج کی اندرونی حالت کا ایک ایسا نقشہ دکھاتی ہے جو اخلاقی طور پر پرلے درجہ کی گری ہوئی سوسائیٹیو نمیں نظر آیا کرتا ہے۔ لالہ دھرمپال نے گوروکل کی چار دیواری میں ایسی فحش باتوں کے ارتکاب کا اظہار کیا ہے جو ایک معمولی دنیوی سوسائٹی میں بھی باعث ننگ و عار ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ باوجود ان باتوں کے علم کے لالہ دھرم پال کو اگر اعتراض ہوا تو آریہ دھرم سبھا کے ایک پُرجوش ممبر رادھا کرشن پر کیونکہ "وہ اس بات کا پرچار کیا کرتا ہے کہ تعدد ازواج کا مسئلہ بہت صحیح ہے اور محمد صاحب ہمارے پراچین تمام رشیوں منیوں سے بڑھکر تھے" اور اس شخص کو جسکے متعلق انہیں اپنے بیان کے رو سے قطعی یقین ہو چکا تھا بلکہ انکی آنکھیں مشاہدہ کر چکی تھیں کہ اسکی زندگی میں مذہبی تقدس تو بالائے طاق رہا معمولی شریف دنیاداروں کی سی پاکیزگی بھی نہیں۔ اس شخص کو اپنا گرو بنایا اور پھر اسکو گرو بنانیکے بعد انکی وہ پہلی کوشش یہ تھی کہ میں اسکے دامن پر سے اس بدنامی کے داغ کو اُتاروں جو کہ گروکل میں رہتے ہوئے اسکے دامن پر لگ گیا تھا۔ ہم ان واقعات کے بیان سے ان صفحات کو پاک رکھنا چاہتے ہیں۔ ناظرین اگر چاہیں تو مئی جون ۱۹۰۹ء کا اندر لاہور سے اسکے ایڈیٹر سے منگوا کر آریہ سماج کی اندرونی حالت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

اسی پرچہ میں لالہ دھرمپال اپنی کارروائیوں کی اصلیت کا ایک جگہ یوں ذکر کرتے ہیں کہ "اب میں اُن ڈاکہ زنیوں کا ذکر کرونگا جو کہ ہم سب نے ملکر آریہ سماج پر کیں اور جنکی سزا آخر کار مجھے بھگتنی پڑی چونکہ میں ڈاکہ زنیوں کی سزا بھگت چکا ہوں اور اب میں ایک آزاد پیشہ نہیں ہوں اگرچہ آزاد قلم ہوں اسلیئے مجھے اپنے ہی آزاد قلم سے آزادانہ طور پر اپنی تمام ڈکیتی کی کہانی پبلک کے سامنے رکھ دینی چاہیئے" اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ "ہم دونوں نے یہ پروگرام بنایا کہ پہلے ایک ماہواری پرچہ نکالا جاوے اسکے ذریعہ آریہ دھرم سبھا کے خیالات کا پرچار کیا جاوے اور جہانتک ہوسکے آریہ سماج میں کھلبلی ڈالی جاوے اور اسکے آدمیوں کو جوڑ توڑ کر اپنی طرف ملایا جاوے آہستہ آہستہ آریہ سماج میں ایک طاقت حاصل کیجائے اور اسی طاقت کے ذریعہ آریہ پرتی ندھی سبھا پر دخل پایا جاوے آریہ پرتی ندھی سبھا پر دخل پاکر گوروکل پر دھاوا کیا جاوے ...... بے شک یہ ایک خطرناک پروگرام تھا جو کہ ہم نے سوچا بلکہ اگر میں اسکو صحیح الفاظ میں بیان کروں تو میں کہونگا کہ یہ ایک خطرناک سازش تھی۔ جوکہ ہم نے کی اس سازش کا سرغنہ آریہ دھرم سبھا والوں نے مجھے بنایا اور میں نے اس سازش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے سرتوڑ کوشش کی" سچ ہے برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اسکے اندر ہو جب ایک شخص کی اپنی کرتوتیں یہ ہوں تو وہ دوسروں کے ہر ایک کام کو بھی اسپر قیاس کریگا۔ مگر خدا کے ایک برگزیدہ نے کیا سچ کہا ہے ؎

کار پاکاں بر بداں کردن قیاس ؎ کار ناپاکاں بود اے بدحواس

ایک شخص جو اپنے منہ سے اپنی کارروائیوں کو جو وہ بظاہر دھرم کی خاطر کر رہا ہے ڈاکہ زنی قرار دیتا ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ اس نے ایک راستبازوں کے سردار کو بھی ڈاکو کہدیا۔ کیونکہ اسنے دوسروں کی نیت کو اپنی نیت پر قیاس کر لیا ہے ؎

چیستی اے مردک فطرت تباہ ؎ طعنہ بر پاکاں بدیں روئے سیاہ

میری رائے میں تو آجتک جو کچھ دھرم پال لکھ چکا ہے اس سب کا جواب اسکا یہی اپنا رسالہ کافی ہے ہم ابتک حیران تھے کہ آریہ سماج نے یہ گندہ طریق کیوں اختیار کر رکھا

ہے کہ وہ پاکوں پر نہایت گندے حملے کرتے ہیں۔ مگر لالہ دھرمپال کے رسالہ نے اس حیرت کو دُور کر دیا جہاں کی "شرمناک فحش اور بہا گندی باتیں" ایسی ہوں کہ باوجود بہت سی شرمناک کرتوتوں کے لکھنے کے اندر کا ایڈیٹر اپنے اوراق کو ان سے "گندہ کرنا" پسند نہ کرتا ہو۔ وہ اگر نیک اور مقدس لوگوں پر ناپاک حملے نہ کریں تو اور کیا کریں۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

مدرسہ تعلیم الاسلام:۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ماہ مارچ کے رسالہ میں جو مضمون بعنوان "قادیان میں دینی مدرسہ" لکھا گیا تھا اسکو پڑھکر بہت سے احباب نے اپنے بچوں کو تعلیم کے لیئے قادیان ہائی سکول میں بھیجدیا۔ اور بعض نے تو یہاں تک عہد کر لیا ہے کہ وہ صرف قادیان میں تعلیم پانیکے لیئے بچوں کو خرچ دیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ جن احباب نے جلسہ پر وعدے کیئے تھے ان میں سے اکثر نے ابتک ان وعدوں کو پورا نہیں کیا۔ مدرسہ کے نئے ہیڈ ماسٹر جناب مولوی صدرالدین صاحب بی۔ اے بی ٹی نے ۲۰ اپریل کو ہیڈ ماسٹری کا چارج مولوی شیر علی صاحب سے لیا۔ مولوی شیر علی صاحب اب اپنے وقت کا زیادہ حصہ میگزین کے کام کے لیئے دیں گے مگر مدرسہ میں اعلیٰ درجہ کا لایق سٹاف رکھنے کے ضرورت نے مجبور کیا ہے کہ بالفعل مولوی شیر علی صاحب دو گھنٹے روزانہ مدرسہ میں بھی تعلیم دیں۔ قرآن شریف کے ترجمہ کا کام اسوقت تک شروع ہونا مشکل ہے جبتک مولوی شیر علی صاحب کا پورا وقت میگزین میں لگے۔ امتحان انٹرنس میں تعلیم الاسلام کے ۱۵ طالب علموں میں سے ۷ کامیاب ہوئے بمقابلۂ نتیجہ اچھا ہا۔

جلسۂ مذاہب میں جو مضمون سنایا گیا تھا اسکا ترجمہ دوسری جگہ اسی رسالہ میں درج ہے اسکے متعلق مفصل کیفیت اخبار بدر میں درج ہو چکی ہے۔

واعظین کے متعلق۔ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے ایک تحریک انجمن میں کی تھی۔

لیکن اخراجات کی دقت اسکے عمل میں آنیسے مانع ہے دوسری طرف خود ایسے واعظوں کا مہیا ہونا سخت مشکل ہے جو مخلص ہوں اور کام کرنیوالے ہوں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح سے جب اسکے متعلق مشورہ کیا گیا تو آپنے فرمایا کہ واعظین کیلئے دعائیں کرو کہ واعظ پیدا ہوں خود مفتی صاحب کا دورہ جسمیں انکا پہلا مقصد اخبار بدر کی اشاعت ہی سلسلہ کے اغراض کیلئے بھی بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ شیخ غلام احمد صاحب عنقریب کانگڑہ جموں وغیرہ پہاڑی اضلاع میں تبلیغ اسلام کیلئے جائیں گے۔ مگر وسیع پیمانہ پر اس تحریک کے جاری کیئے جانیکے لیئے بہت آدمیوں اور روپیہ کی ضرورت ہے جسکو اللہ تعالیٰ جب چاہیگا پورا کریگا۔

تعمیر مدرسہ کا سوال اسوقت قوم کیلئے ایک نہایت نازک اور اہم سوال ہو رہا ہے۔ قوم کے سامنے بہت مطالبات ہیں مگر مدرسہ کی تعمیر کی ضرورت کو الاھم فالاھم پر عمل کرکے جبتک سب کاموں پر مقدم نہ کیا جاویگا اس کام کی تکمیل مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اس رسالہ کے ذریعہ اور الگ بھی تمام انجمنوں اور احباب کو توجہ دلائی گئی ہے کہ کسقدر روپے کی ضرورت ہے مگر الا ماشاء اللہ اس دو ماہ کے عرصہ میں ان وعدوں کے روپیہ کا بھی کوئی معتد بہ حصہ وصول نہیں ہوا جو گذشتہ سال ڈیپوٹیشن کے نکلنے پر کیئے گئے تھے۔ اس بے توجہی کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ اسوقت فنڈ تعمیر قریباً چھ ہزار روپیہ کا مقروض ہو چکا ہے۔ لیکن قرضہ سے بھی کام کا چلانا مشکل ہے کیونکہ تمام مدات میں روپیہ صرف انہی مدات کے اخراجات کے لیئے بمشکل مکتفی ہوتا ہے اور یہ اندیشہ ہے کہ کسی دوسری مد کے کام میں روک واقع ہو جاوے۔ بھٹہ میں اسوقت دس لاکھ کے قریب اینٹ تیار ہو چکی ہے یعنی پک چکی ہے اور ابھی پانچ لاکھ اور باقی ہے۔ گذشتہ اجلاس میں مجلس معتمدین نے ان مشکلات مالی کے لیئے قوم کو پھر توجہ دلائی ہے۔ امید ہے کہ جملہ احباب بہت جلد خاص توجہ فرما کر مشکور فرماویں گے۔

اردو پنجابی کے جھگڑے کے متعلق صدر انجمن احمدیہ حسب ذیل رزولیوشن باتفاق رائے مجلس معتمدین کے اجلاس منعقدہ ۲۵-اپریل ۱۹۱۱ء جسکے میر مجلس حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح تھے

(۱) اس انجمن کی رائے میں "اردو" صوبہ پنجاب میں تعلیمی اغراض کے لیئے بالعموم اور ابتدائی تعلیم کیلئے بالخصوص نہایت مناسب اور موزون زبان ہے۔ اور یہ حیثیت اور جو رتبہ اسے مدارس میں حاصل ہے۔ اسکو قائم رکھنا ترقی تعلیم کے لیئے نہایت ضروری ہے۔ (۲) یہ انجمن ڈاکٹر پی۔ سی چیٹرجی۔ کی اس رائے سے

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ — بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۹ء — نمبر ۶

فہرست مضامین

زلزلہ اور دعا ۲۰۱ - ۲۱۷

اشاعت اسلام ۲۱۸ - ۲۴۰

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جون ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عام ؎ خاص للعہ

مقامی انجمنوں کیلیئے رجسٹر و رسید بک مقامی انجمنوں کیلیئے حساب کو باقاعدہ رکھنے کیلیئے ضروری ضروری رجسٹر چھپوا کر تیار کروائے گئے ہیں اسی طرح رسید بکس بھی تیار ہیں۔ جس سے معطی کو رسید دینے اور اسکا مثنیٰ دفتر میں رکھنے میں بہت آسانی ہوتی ہے قیمت ۵۰ صفحے کے مجلد رجسٹر کی ۴ اور غیر مجلد کی ۲ا اور ہر ایک رسید بک کی

نقل معائنہ مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان

آج مینے بمعیت لالہ گردھاری لال بی۔ اے اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس مدرسہ ہذا کا معائنہ کیا لیکن مدرسہ کو امپائر ڈے کی تعطیل کیوجہ سے بند پایا۔ تعداد طلبا اسوقت ۲۰۵ ہے۔ یعنی سالانہ معائنہ کی نسبت ۱۲ کی زیادتی ہے امید کیجاتی ہے کہ نئی تعمیر جلدی شروع کیجاویگی۔ کیونکہ اینٹیں پک کر موقعہ پہ جمع ہیں۔ بعض رجسٹروں کی پڑتال کی گئی۔ امور قابل توجہ ایک یادداشت ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس چھوڑ دیگئی۔ مدرسہ ہذا ہر سال دو دو تین تین مدرس ٹرینگ کالج بھیجنے میں مستعدی سے ترقی کر رہا ہے تین استاد واپس آچکے ہیں اور دو بھیجے گئے ہیں انجمن معلمین کے پندرہ روزہ اجلاس اور طلبا کے ہفتہ وار اجلاس کیئے جاتے ہیں۔ مدرسہ کی خوش قسمتی ہے کہ اس نے مولوی صدر الدین صاحب کی خدمات کو حاصل کیا گو یہ عارضی طور سے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ انکے ماتحت مدرسہ بڑی ترقی کریگا۔

دستخط

ایم۔ کراس انسپکٹر مدارس لاہور ڈویژن مورخہ ۲۴ مئی سنہ ۱۹۰۹ء

براہین احمدیہ ہر چہار جلد:۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دست مبارک کا چھپوایا ہوا اصل ایک نسخہ براہین احمدیہ ہر چہار جلد فرسٹ اڈیشن بک ڈپو میگزین میں موجود ہے۔ جسکی قیمت علاوہ محصولڈاک عہ ہے۔ جس صاحب کو ضرورت ہو۔ بذریعہ وی پی یا نقد قیمت ارسال کرکے طلب کریں۔

اعلان:۔ جن احباب نے احمدی زمینداروں سے بجائے نقدی کے غلہ چندہ کیطور پر جمع کیا ہو وہ مہربانی فرماکر اسے فروخت کر کے نقدی بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماویں۔ غلہ اسجگہ بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے خرچ زیادہ پڑیگا۔ بلکہ اسی جگہ غلہ عام نرخ پر فروخت کیا جاوے۔ (محمد علی سکرٹری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

زلزلہ اور دعا

انما مثل الحیٰوۃ الدنیا کماءٍ انزلناہ من السماء فاختلط بہ نبات الارض مما یاکل الناس والانعام حتی اذا اخذت الارض زخرفہا وازینت وظن اھلھا انھم قادرون علیھا اتٰھا امرنا لیلاً او نھاراً فجعلنٰھا حصیداً کان لم تغن بالامس کذٰلک نفصل الاٰیات لقوم یتفکرون ۔ سورت یونس آیت ۲۵

ترجمہ۔ دنیا کی زندگی کی مثال تو بس پانی کی سی ہے کہ ہم نے اسکو آسمان سے برسایا پھر زمین کی روئیدگی جسکو آدمی اور چارپائے کھاتے ہیں پانی کیساتھ ملگئی اس طرح پر کہ پانی کو جذب کیا اور وہ پھلی پھولی جب زمین نے (فصل سے) اپنا سنگار کیا اور خوش نما ہوئی اور کھیت والوں نے سمجھا کہ اب وہ اس پر قابو پا گئے (ناگاہ) رات کیوقت یا دن کیوقت ہمارا عذاب اس پر نازل ہوا پھر ہم نے اس کا سنتھراؤ کر دیا گویا کل (کھیت میں) اس .... کا نام و نشان ہی نہ تھا اس طرح ہم اپنی آیات کو کھول کھول کر سناتے ہیں تا لوگ سوچیں اور سمجھیں۔

جب کوئی سانحہ عظیم دنیا میں واقع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ مال و جان کا بڑا نقصان ہوجاتا ہے تو یہ ایک طبعی امر ہے کہ لوگ اس امر کے متعلق مختلف قسم کے خیالات میں پڑ جاتے ہیں ایک گروہ وہ ہوتا ہے۔

جس کے لیئے یہ حادثہ عظیم دنیا اور اس کی عمدہ چیزوں کی ناپائداری اور چند روزہ ہونے کی خبر دیتا ہے اور ان کے دلوں کو حیات مابعد الموت اور حیات ابدی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے مگر ایک بڑا گروہ ایسے لوگوں کا ہوتا ہے جن کی نظریں اس سفلی زندگی سے اوپر نہیں اٹھتیں اور جو دنیا کے کاروبار میں اس قدر مستغرق ہوتے ہیں کہ ان کے لیئے یہ صدمہ تھوڑی دیر تشویش کا موجب ہوتا ہے گر معاً پھر اپنے کاروبار میں اسی طرح غرق ہو جاتے ہیں؛

بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے لیئے ایسی باتیں اس امر کی محرک ہو جاتی ہیں کہ وہ بنی نوع انسان کی فلاح اور بہبودی کے لیئے مصروف ہو جاتے ہیں اور جو اپنی توجہ اور وقت ہر دو اس بات میں لگا دیتے ہیں کہ تا دنیا آئندہ اس قسم کی بلاؤں سے بچ جاوے مگر بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اچانک تباہی دیکھکر خدا کے رحم محبت اور عدل سے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔

یہی حالت مسینا کے خطرناک زلزلہ نے پیدا کر دی ہے اور لوگ مختلف قسم کے خیالات میں پڑ گئے ہیں اگرچہ گروہ عظیم پر تھوڑے عرصہ کے لیئے بسبب مصیبت کے ہیبت ناک ہونے اور مرکز تہذیب کے قریب ہونے کے بہت اثر ہوا مگر اب جبکہ وہ صدمہ گذر گیا ہے تو اسی عظیم الشان حادثہ میں جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کوئی نہیں ملتی انہی لوگوں کے لیئے سبق یا نصیحت حاصل کرنیکی کوئی بات نہیں اور کوئی ایسا امر نہیں کہ ان کی روزمرّہ کی زندگی میں کسی طرح خلل انداز ہو سکے مگر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ بسبب مسینا کے زلزلے کے ان کے ایمانوں پر زلزلہ آگیا ہے اور وہ خدا کے منکر ہو بیٹھے ہیں اگر ایمان کی بنیادیں زیادہ مضبوط اور گہری ہوتیں تو وہ زلزلہ کا مقابلہ کرتا اور اس طرح پاؤں سے نہ ہلجاتا جسطرح معمولی اینٹ پتھر کی دیواریں ہلگئی ہیں مگر سطحی ایمان جس کے حاصل کرنیمیں کوئی دقت لاحق نہیں ہوتی ضایع بھی جلدی ہو جاتا ہے؛

اگر ان معاملات میں ہم زیادہ غور سے کام لیں تو ہمیں پتہ لگجائیگا کہ صرف ان بڑی مصیبتوں کی وجہ سے جنکو ہم قہر الٰہی سے تعبیر کر سکتے ہیں لوگونکو خدا کے رحم محبت۔ عدل۔ قدرت۔ اور ربوبیت پر ہی اعتراض پیدا نہیں ہوئے ہیں بلکہ دنیا میں ہر ایک قسم کی بُرائی اور تکلیف مثلاً گناہ۔ بیماری دکھ اور درد اور موت فوت وغیرہ کے موجود ہونے سے بھی لوگونکو خدا کی ذات پر شبہات اور اعتراضات پیدا ہوئے ہیں ایک بڑا زلزلہ جو خوبصورت شہر و نکو تہ وبالا کر دیتا ہے۔ اور ر اس کے باشندوں کو آن کی آن میں زندہ در گور کر دیتا ہے اور ایک لحظہ میں اس تمام خطہ کو ملیا میٹ کر دیتا ہے ایک بڑا سیلاب جو مال وجان ہر دو کو بہا لیجاتا ہے ایک شدید قحط جو سرسبز قطعات کو تباہ و بنجر بنا دیتا ہے اور ایک خوفناک اور زہریلی وبا جو گھرانوں کے گھرانوں اور کنبوں کے کنبوں کا نام ونشان مٹا دیتی ہے ایک آتش فشان پہاڑ جس کے منہ سے آگ کی طرح دہکتی ہوئی ندی لاوے کی نکلی چلی آتی ہے اور جو خوبصورت سے خوبصورت مقامات کو وحشت ناک اور ڈراؤنی شکل کے جنگلوں میں مبدل کر دیتا ہے اور جس چیز کو چھوجاتا ہے ان سب کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے یہ موت اور دکھ کی صرف وہ مثالیں ہیں جن کیطرف بیرونی دنیا کی نظریں بہت جلد متوجہ ہو جاتی ہیں کیونکہ نسبتاً یہ زیادہ مقدار میں معلوم ہوتی ہیں اور انکا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے کیونکہ یہاں دکھ اور مصیبت مجموعی رنگ میں نظر آتی ہے اور دوسری جگہوں میں صرف انفرادی اور جزوی شکل میں دکھائی دیتی ہے لیکن بنی نوع انسان پر جو روزمرہ اور عام طور سے حادثات ہوتے رہتے ہیں اگر ہم انکی طرف نگاہ ڈالیں تو وہی نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے جو کسی بڑے حادثے کیوقت پیدا ہوتا ہے ان والدین کے رنج وغم کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن سے انکی آنکھ کا نور اور دل کی ٹھنڈک یعنے انکلیا پیارا اور چاہیتا بچہ یک لخت ظالم بیماری .... جدا کر دیتی ہے اور ہمیشہ کے لیے اس کی میٹھی آواز کو چپ چاپ کر دیتی ہے یا اس خاوند بیوی کے رنج والم کا کون اندازہ کر سکتا ہے

جنکا رنج و راحت کا شریک گذر جائے اور جن کی زندگی کے میٹھے سے میٹھے وقفے تلخ سے تلخ وقفوں میں مبدّل ہو جائیں اور پچھلی تمام باتیں خواب وخیال ہو جائیں یا ان بچّوں کے رنج اور مصیبت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن کے سر پر سے انکا باپ اُٹھ جائے اور جن کی خوشی ایک ایسے سرد کر دینے والے غم میں مبدّل ہو جائے کہ وہ بیچارے اُسکا اظہار تک بھی نہ کر سکیں اور ان کی صورتوں پر خود موت نوحہ کرتی ہو کیونکہ یہی ایک باپ تھا جس کی کمائی پر وہ گزارہ کرتے تھے اور اب وہ بیکسی بے بسی کی حالت میں رہ گئے ہوں مگر تاہم یہ سب کچھ دنیا میں ہوتا رہتا ہے ہر روز سورج نکلتا ہے اور اسکی شعاعیں ہزاروں نہیں لاکھوں ایسی انسانوں پر پڑتی ہیں جو اس سطح زمین پر رہتے ہیں اور انکو رنج والم نے ایک نہ ایک طرح سے ملول کیا ہوتا ہے دنیا میں انبوہ کثیر ان لوگوں کا ہے جن کے لئے ان کے ذاتی ہموم و غموم اگرچہ فی نفسہٖ وہ کیسے ہی چھوٹے کیوں نہ ہوں بہت وقعت رکھتے ہیں بہ نسبت ایک وبائے عام کے جو ان کی ذات پر اثر نہیں کرتی اگرچہ وہ مصیبت اور تباہی اور لوگوں کیلئے کسقدر خطرناک کیوں نہ ہو کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا جس میں ہمیں اخباروں کے ذریعے یہ خبر نہ ملتی ہو کہ آج فلاں جگہ یہ حادثہ ہُوا۔ اور فلاں جگہ یہ مصیبت اور تباہی آئی کہیں زلزلہ ہے اور کہیں پہاڑ کی آتش فشانی ہے کسی جگہ قحط ہے اور کسی جگہ طاعون ہے کسی جگہ سیلاب آیا ہے اور کہیں کان بیٹھ گئی ہے لیکن اگر ذاتی طور سے ان خبروں کا کوئی گہرا اور نزدیکی تعلق ہمارے ساتھ نہ ہو تو سوائے ایک آنی صدمہ یا سنسناہٹ کے اور کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اگر ہمیں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ہماری جائداد اور مال کے کچھ حصہ کا نقصان ہو گیا ہے یا ہمارے بچّوں میں سے ایک مر جائے تو اکثر ہم میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس صدمہ سے پاگل ہو جاتے ہیں اور بالکل رنج اور یاس کی حالت میں ہو جاتے ہیں یہانتک کہ بعض دفعہ خدا کو لعنت ملامت اور گالیاں دینے کیلئے بھی طیار ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی مصیبت کا اندازہ اس کی عظمت اور

اہمیت کی وجہ سے نہیں لگتے اور نہ ہی اس دکھ سے جو اس کی وجہ سے بنی نوع کو پہنچتا
ہے بلکہ اگر ہمارا تعلق اس سے کچھ ہوتا ہے تب ہی ہم کچھ غم اور الم کا اظہار کرتے ہیں
یقیناً ہزاروں بچے ہر روز یتیم ہو جاتے ہیں ہزاروں عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں۔ اور
ہزاروں والدین بچوں سے جدا اور محروم ہو جاتے ہیں مگر ہم کبھی خدا کے رحم اور کرم
کی شکایت نہیں کرتے جب تک کہ وہ مصیبت ہمارے اپنے کسی نازک حصہ جسم پر
صدمہ نہیں پہنچاتی دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنے ہیں کہ اگر ہماری ذات
سے مصیبت کا کوئی تعلق نہ ہو تو ہم دکھ کے وجود کو خدا کے رحم کے مخالف اور
متضاد نہیں سمجھتے۔

اب ہم اسبات پر غور کریں کہ دنیا میں دکھوں دردوں اور مصیبتوں سے واقعی
اللہ تعالےٰ کے رحم محبت اور اس کی رزاقیت پر کوئی اعتراض واقع ہوتا ہے اوّل
اگر ہم نظر غور سے اپنے اردگرد کی چیزوں کا ملاحظہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ دکھ کا وجود
دنیا میں بہت بڑا نہیں جو شخص دنیا کے دکھ درد کو دیکھکر خدا تعالیٰ کی مہربانی اور رحم
اور حکمت پر اعتراض کرتا ہے اصل میں وہ آنکھیں بند کر کے ایک فیصلہ کرتا ہے اور
نظارہ عالم پر جو نعمتیں آسائشیں اور خوبصورتی کے پہلو موجود ہیں انکی طرف نظر اٹھا کر نہیں
دیکھتا اور نہیں دیکھتا کہ دنیا میں ہر جگہ لطف کوئی خوبصورتی اور قدرتی انتظام و بندوبست
پھیلا ہوا ہے یعنی جس جس انتظام و خوش اسلوبی کیساتھ دنیا کا کام چل رہا ہے۔ کہ
آخر ہر ایک کا اچھا ہے ان باتوں کی طرف اگر وہ نظر کرے تو کبھی ایسا یکطرفہ فیصلہ نہ کرے
اللہ تعالےٰ قرآن شریف کی ایک بڑی لطیف آیت میں اپنی بیشمار عنایتوں کا جو
اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں پر کی ہیں ذکر کرتا ہوا یوں فرماتا
ہے وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا یعنے اگر تم اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو گنو
تو تم ہرگز ہرگز ان کو اپنے احاطہ حساب کے اندر نہ لا سکوگے پھر آگے انسان کو جس کے
خیالات تھوڑی سی تکلیف درد اور بیماری کیوجہ سے پھر جاتے ہیں ملامت کرتے ہوئے
وہی آیت ان لفظوں پر ختم ہوتی ہے ان الانسان لظلوم کفار یعنے تحقیق

انسان بڑا ہی ظلم کرنیوالا اور نا انصاف اور ناشکر ہے اب سوال حل کرنے کے لیئے ہمارے سامنے یہ ہے کہ دنیا میں غلبہ کس امر کا ہے خدا تعالےٰ کے رحم لطف نعمتوں اور خوبصورتی اور خوشی کا یا دکھ اور درد کا۔ یہ سچ ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں ہے وہ کسی نہ کسی خطرہ مین پڑا ہُوا ہے مگر ان خطرات کا وجود بہت ہی .... کم اصلیت کا رنگ رکھتا ہے بیشک ہر ایک انسان کے لیئے ہزاروں بلائیں ہیں اور ہزاروں جسم کی بیماریاں اسکی صحت کو بگاڑ سکتی ہیں ہزاروں قسم کے دُکھ اور مُصیبتیں اسے پیش آ سکتی ہیں مگر کیا یہ خدا کا فضل اور رحم نہیں جو ان بلاؤں ان بیماریوں ان دکھوں اور مصیبتوں سے ہمیں بچاتا ہے۔

اگر انسان کی زندگی کے واقعات کا مطالعہ کیا جاوے تو ہمیں پتہ لگتا ہے۔ کہ جسقدر مواقع خوشی کے پیش آتے ہیں ان کے مقابل دُکھ اور درد کے واقعات بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں ایسا موقع کبھی سالہاسال کے بعد پیش آتا ہے کہ ہمیں کبھی کسی بڑے طوفان یا زلزلے یا قحط یا وبائے عام کی خبر پہنچتی ہے اور وہ بھی اس وسیع زمین کے ایک بہت تھوڑے حصہ پر اور جب کبھی یہ وبائیں نازل ہوتی ہیں تو ان کا اثر ایک بہت تھوڑے حصہ کے اندر محدود ہوتا ہے اور باقی دنیا بغیر کسی قسم کی تکلیف کے اسی راحت مین پڑی سوتی ہے اس میں شک نہیں کہ دنیا کے ساتھ موت فوت مرض دُکھ درد لگا ہُوا ہے لیکن صحت اور خوشی کا اسقدر غلبہ ہے کہ اکثر لوگ دوسری چیزوں کو بھول جاتے ہیں اس لیئے ایک تھوڑے سے دُکھ کے وجود کیوجہ سے خدا تعالےٰ کی ربوبیت اور رحمانیت پر شک و شبہ لانا اور اعتراض کرنا بالکل لغو اور بیہودہ معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اگر ہم اور بھی گہری نظر سے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ دکھ اور درد اس خطہ زمین پر انسانی زندگی کیساتھ لازم و ملزوم پڑے ہوئے ہیں اور ان کے ہونے سے خدا کی محبت اور ربوبیت اور رزاقیت کی شان مین کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اگر ان چیزوں کا وجود دنیا مین نہ ہوتا تو جو انسان

کی آج اخلاقی حالت ہے اور چلی آئی ہے وہ کبھی نہ ہوتی اخلاق کی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات
صرف اسی وقت ظاہر ہوتی ہیں جب کہ دکھوں اور مصیبتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر
بہادری اور صبر۔ مہربانی اور ہمدردی کے ظاہر کرنیکا موقع ہی پیش نہ آتا تو ان صفات کا دنیا
میں کبھی وجود نہ ہوتا اور اگرچہ دکھ اور درد کا وجود بعض آدمیوں کی سمجھ سے باہر ہو
اور گو اس کے حل کرنے سے انکی عقلیں عاجز آگئی ہوں مگر اس سے انکار نہیں ہو
سکتا کہ وہ صفات جنکو سب سے اعلیٰ درجے کی اخلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ہرگز
انسان کے اندر نشوونما نہ پاتیں اگر دکھ اور درد کا وجود دنیا میں نہ ہوتا رحم اور ہمدردی
جو اعلیٰ اخلاق کا سرتاج ہیں کبھی عمل میں نہ لائی جاتیں اگر دنیا میں مصیبت نہ ہوتی
اور ان اعلیٰ اخلاق سے انسان بالکل عاری ہوتے چونکہ انسان خدا کی صورت
میں پیدا کیا گیا ہے اسلیئے ضروری ہے کہ وہ بھی رحم اور ہمدردی کی صفات سے متصف
ہوتا ان کے بغیر نوع انسانی کبھی کوئی ترقی نہ کرتی اور جسقدر مدنی تعلقات ہیں انکا کوئی وجود
نہ ہوتا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انسان انسان ہی نہ ہوتا مصیبت کو دیکھکر صبر اور استقلال
کے اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور یہی دو خوبیاں ہیں جن کے ذریعہ انسان اسقدر
معراج ترقی پر پہنچ گیا ہے پہلے ہمیں بیماریاں مصیبتیں رنج اور دوسری قسم کی تکالیف
جھیلنی پڑتی ہیں پھر جب انکو برداشت کرنا سیکھ جاتے ہیں تو ہمارے اندر ایک عادت
پیدا ہوجاتی ہے جسے قوت برداشت کہتے ہیں جو ہمیں اس قابل بنا دیتی ہیں کہ ہم بڑے
استقلال سے ہر ایک تکلیف کو برداشت کریں اس کے بعد ہم اس قابل ہوجاتے ہیں کہ
ہم بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کرسکیں جن میں یہ ضرورت ہوتی ہے کہ ہم اپنے قوا ے کو
استقلال اور ان تھک طور سے لگائیں اگر دنیا میں دکھ اور مصیبت کا وجود نہ ہوتا۔ تو
استقلال اور صبر انسان میں کبھی نشوونما نہ پاتا اور نہ ہی وہ بڑے بڑے مدعا حاصل ہوتے
جن میں کام کرنیوالے کی طرف سے استقلال کی ضرورت ہے صبر نے ہمیں سکھلایا ہے
کہ اصل کامیابی ناکامی کے اندر چھپی ہوئی ہے کیونکہ یہ ہمیں اس قابل بنا دیتا ہے
کہ جس امر میں ہم ایکدفعہ ناکامیاب ہوجائیں اس کے لیئے ہم دوبارہ نئے سرے سے۔

اور آگے سے زیادہ قوت کیساتھ کوشش کریں یہانتک کہ وہ مشکل حل ہو جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نا کامیابی کامیابی کی کلید ہے اسلیئے مصیبت اور دکھ کا وجود خدا کی محبت اور رحم کے مخالف نہیں جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی تو پھر یہ سوال کرنا عبث معلوم ہوتا ہے کہ فلاں مصیبت اس طرز سے یا اس طرز سے کیوں آئی ہے مصیبت کا بعض وقت تعلق کسی خاص فرد بشر کے ساتھ ہوتا اور بعض دفعہ تمام کنبہ کے ساتھ اور کبھی کبھی ایک عالمگیر حادثہ کسی شہر یا صوبہ پر وارد ہو جاتا ہے جتنا جتنا اس مصیبت کا دایرہ وسیع ہو جاتا ہے اتنا ہی تمام زمین پر رہنے والوں کے دلوں میں ہمدردی کا احاطہ وسیع ہوتا ہے پس اگر بعض تکالیف عام طور سے اور وسیع پیمانہ پر نازل ہوتی ہیں تو یہ نیک نتیجہ اسی سے پیدا ہوتا ہے کہ مختلف قوموں میں یگانگت اتحاد اور ہمدردی ترقی کرتی جاتی ہے اور اسی طرح جب ہمدردی کے نظارے میں وسعت معلوم ہونے لگتی ہے تو بنی نوع انسان کے اخلاق بھی ادنے سے اعلیٰ پر ترقی کر جاتے ہیں۔

اس اخلاقی ترقی کو جو مصائب کی وجہ سے اس دنیا میں وقوع میں آتی اور جس کا خاص منشا بھی یہی ہوتا ہے اللہ تعالے قرآن شریف میں اس طرح ذکر فرماتا ہے ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولٓئک علیہم صلوٰت من ربہم ورحمۃ واولٓئک ھم المھتدون ؁ اور ہم تمکو تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال وجان اور پیداوار کی کمی سے آزمائیں گے یعنی تمہاری مخفی خوبیوں کا اظہار کروائینگے (اور اے پیغمبر) صبر کرنیوالوں کو خوشنودی خدا اور کشایش کی خوشخبری سنا دو۔ یہ لوگ جب ان لوگوں پر مصیبت آن پڑتی ہے تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے یہی لوگ ہیں جن پر انکے پروردگار کی عنایت اور رحمت ہے اور یہی راہ راست پر ہیں قرآن شریف کی اس آیت کے موجب خدا تعالے کے فرمانبردار بندوں کو اس دنیا میں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تاکہ ان کی وہ اخلاقی

خوبیاں۔ یعنے استقلال اور صبر جو بیج اور جوہر کی طرح ان کے اندر مخفی ہوتی ہیں۔ اور جن کی پیدائیش اور نشو و نما کیلئے ایک خاص زمین اور خاص وقت مقرر ہوتا ہے ظاہر ہوں اور اس طرح سے یہ لوگ بار بار کی کوششوں سے اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ ان مشکلات پر غالب آجاویں لفظ لنبلونکم ہو سے نکلا ہے جس کے معنے ظاہر کرنے اور انعام دینے کے بھی ہیں اس کے عام معنے آزمایش کرنے یا ثابت کرنے کے ہیں جس سے اِسبات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ انسان کے اندر جو مخفی خوبیاں ہیں انکو ظاہر کیا جاوے جس طرح مخالف طاقتوں اور جذبات کا مقابلہ کرتے وقت انسانی روح کے پوشیدہ خواص ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح قرآن شریف کی رو سے مصیبتیں روح کے اعلیٰ خواص کے نشو و نما پانے اور پھیلانیکے لیئے گویا ایک پودگھر یا پرورش پانیکی جگہ ہے ہمارے اخلاق کبھی ٹھیک طور پر قائم ہی نہیں ہوتے جب تک مصیبتوں اور آزمائیشوں کے ذریعے ان کو پرکھ نہ لیا جائے اور ان چیزوں کا تعلق ہمارے اخلاق کیساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ علم کیساتھ عمل اور استعمال کا جسطرح علم بغیر عمل کے مفید نہیں اسی طرح ہماری اخلاق کچھ بھی چیز نہیں جبتک وہ دکھوں اور تکلیفوں کے مقابلہ مین کامیاب نہ ہوں یہ تو ان اعتراضات کا جواب ہے جو خدا تعالےٰ کی ربوبیّت اور رحمانیّت کے خلاف دنیا مین دُکھ اور درد کی موجودگی کی بنا پر کیئے جاتے ہیں اور اس مضمون پر جو عنوان مین تجویز کیا گیا ہے کچھ لکھنے سے پہلے ان اعتراضات کا مختصر سا جواب دینا ضروری تھا اس آرٹیکل کی سرخی مین نے زلزلہ کے نام سے شروع کی ہے مگر میرا مطلب اس سے صرف زلزلہ ہی نہین بلکہ اس سے میری مراد ہر ایک ایسی مصیبت ہے جو کہ بنی نوع انسان پر اچانک ایک خطرناک اور مہیب شکل مین وارد ہو سکتی ہے اب اصل سوال ہمارے سامنے یہ ہے کہ کیا دعا مین یہ تاثیر ہے کہ ہمیں مشکلات اور خطرناک حادثات سے مخلصی دے سکے یا آنیوالے خطرات سے ہمیں محفوظ رکھ سکے جن لوگوں کا خیال ہے کہ ہم علم مادیات مین بہت ترقی کر چکے ہین وہ زلزلے کے ساتھ

دعا کا لفظ دیکھکر ہنسینگے انہی مین بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو دعا کو دنیا کی روزمرہ کی بیماریوں اور مُصیبتوں کیلیے شفا سمجھتے ہیں مگر وہ اس امر سے منکر ہیں کہ ایسی بڑی مصیبتوں مین مثلاً سیلاب کا آنا وبا کا پڑنا یا زلزلہ کا آنا یا آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا ایسے معاملات میں وہ دعا کو محض بے سود سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ کی ربوبیّت اور رحمانیّت پر بحث کرتے ہوئے ہم بتا چکے ہیں کہ ایسی بحثوں کے وقت جب ہم خدا تعالےٰ کے انسان کیساتھ تعلقات کا ذکر کرتے ہیں ہمیں ان مُصیبتوں کے چھوٹا بڑا ہونے میں کوئی تمیز نہیں کرنی چاہیئے خواہ وہ مُصیبت چند آدمیوں پر نازل ہو خواہ بہت پر اگر ایک فرد بشر یا ایک کنبہ کی بلا دعا کے ذریعہ سے ٹل سکتی ہے تو پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ کیوں ایک صوبہ یا قوم کی بلا دعا کے ذریعہ نہ ٹل سکے لیکن مین اس سوال کا جواب کہ دعا سے بلا اور مصیبت ٹلسکتی ہے عام طور پر دینا چاہتا ہوں اور تاریخی پہلو سے اسپر بحث کرونگا؛

اگر اب تک دعا نے بنی نوع انسان کی کسی مشکل کو حل نہین کیا تو پھر تو یہ ایک بیفائدہ چیز ہے اس کو قطعی طور پر چھوڑ دینا چاہیئے لیکن اگر گذشتہ تاریخ سے یہ پتہ لگے کہ دعا نے دنیا کو بہت فائدہ پہنچایا ہے تو پھر ہمیں بالکل مطمئن رہنا چاہیئے کہ اب بھی یہ وہی فائدہ پہنچا سکتی ہے دعا کا اصل مفہوم سمجھنے کے لیئے یہ مفید ہوگا کہ مین یہاں ایک ایسے شخص کی گواہی پیش کروں جو کہ روحانیت میں ایک اعلیٰ درجہ کا شخص مانا گیا ہے مرحوم حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ بانی فرقہ احمدیّہ نے طاعون کے اس ملک مین نمودار ہونے پر ایک رسالہ لکھا جس میں آپنے اس بیماری کے لیئے بعض علاج لکھے مگر آپنے اسباب پر بہت زور دیا کہ لوگ اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور خدا سے دعا مانگیں اس تحریر پر لوگوں نے اُسی قسم کے اعتراضات کیئے جن پر کہ ہم اس آرٹیکل مین بحث کر رہے ہین ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے آپ ایام الصلح مین یوں رقمطراز ہوتے ہیں۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض صاحبوں کے دلوں مین میرے اس اشتہار کے پڑھنے

سے یہ ایک اعتراض پیدا ہوا ہے کہ لوگوں کو اوّل یہ بتانا کہ اس مرض کے استیصال کے لیئے فلاں تدبیر یا دوا ہے اور پھر یہ کہنا کہ شامت اعمال سے یہ مرض پھیلتی ہے ان دونوں باتوں میں تناقض ہے اور تعجّب کہ اس اعتراض کے کرنیوالے بعض مسلمان ہی ہیں سو ایسے سب صاحبوں کو واضح رہے کہ قانونِ قدرت اور صحیفہ فطرت پر نظر ڈالنے سے ان تمام اوہام کا بڑی صفائی سے جواب ملتا ہے خدا کا قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے ہے ہمیں بتلا رہا ہے کہ سلسلہ تدابیر اور معالجات کا طلب اور استدعا سے وابستہ ہے یعنے جب ہم فکر کے ذریعہ سے یا کسی اور طریق جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کو طلب کرتے ہیں یا اگر ہم طلب کرنے میں احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہوں یا اگر اس میں کامل نہ ہوں تو مثلاً اس غور اور فکر کے لیئے کسی ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہیں اور وہ ہمارے لیئے اپنی فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفا کا سوچتا ہے تب اسکو قانون قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھ جاتا ہے جو کسی درجہ تک ہمارے لیئے مفید ہوتا ہے سو وہ طریق جو ذہن میں آتا ہے وہ درحقیقت اُس خوض اور غور اور فکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے جسکو ہم دوسرے لفظوں میں دعا کہہ سکتے ہیں کیونکہ فکر اور غور کے وقت جب کہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش میں نہایت عمیق دریا میں اتر کر ہاتھ پیر مارتے ہیں تو ہم ایسی حالت میں بزبان حال اُس اعلیٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ غرض جبکہ ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدء فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پاکر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا کی ایک حالت ہوتی ہے اسی دعا کے ذریعہ سے دنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہی ہے اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اسکے ظہور میں آیا ہو ہمارا سوچنا اور ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر مخفی کے لیئے خیال کو دوڑانا یہ سب امور دعا ہی میں داخل ہیں صرف فرق یہ ہے کہ عارفوں کی دعا آداب

معرفت کیساتھ وابستہ ہوتی ہے اور انکی روح مبدء فیض کو شناخت کر کے بصیرت کے ساتھ اسکی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور محجوبوں کی دعا صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے وہ لوگ جن کو خدا تعالےٰ سے ربط معرفت نہیں اور نہ اسپر یقین ہے وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات انکے دل میں پڑجائے اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اُسپر کھلے لیکن محجوب جو خدا تعالےٰ سے ربط نہیں رکھتا وہ مبدء فیض کو نہیں جانتا اور عارف کی طرح اُس کی طبیعت بھی سرگردانی کیوقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے اور اسی مدد کے پانے کے لیئے وہ فکر کرتا ہے مگر عارف اس مبدء کو دیکھتا ہے اور یہ تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد بھی دلمیں پڑتا ہے وہ بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ متفکر کے فکر کو بطور دعا قرار دیکر بطور قبول دعا اس علم کو فکر کرنیوالے کے دل میں ڈالتا ہے غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سی دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے اور فکر کرنیوالا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے سو آخر وہ خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے یہ طریق طلب روشنی اگر علیٰ وجہ البصیرت اور ہادیٔ حقیقی کی شناخت کیساتھ ہو تو یہ عارفانہ دُعا ہے اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے یہ روشنی لامعلوم مبدء سے طلب کیجائے اور منورِ حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو تو وہ محجوبانہ دعا ہے۔

اب اس تحقیق سے تو یہی ثابت ہوا کہ تدبیر کے پیدا ہونے سے پہلا مرتبہ دعا کا ہی جسکو قانون قدرت نے ہر ایک بشر کے لیئے ایک امر لابدی اور ضروری ٹھہرا رکھا ہے اور ہر ایک طالب مقصود کو طبعاً اس پُل پر سے گزرنا پڑتا ہے پھر جائے شرم ہے کہ کوئی ایسا خیال کرے کہ دعا اور تدبیر میں کوئی تناقض ہے دعا کرنے سے کیا مطلب تھا ہے یہی تو ہوتا ہے کہ وہ عالم الغیب جسکو دقیق در دقیق تدبیریں معلوم ہیں کوئی احسن

تدبیر دل میں ڈالے یا بوجہ خالقیت اور قدرت اپنی طرف سے پیدا کرے پھر دعا اور تدابیر میں تناقض کیونکر ہوا؟

علاوہ اس کے جیسا کہ تدابیر اور دعا کا باہمی رشتہ قانون قدرت کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے ایسا ہی صحیفہ فطرت کی گواہی سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانی طبایع کسی مصیبت کیوقت جسطرح تدبیر اور علاج کی طرف مشغول ہوتی ہیں ایسا ہی طبعی جوش سے دعا اور صدقہ اور خیرات کی طرف جھک جاتی ہیں اگر دنیا کی تمام قوموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کسی قوم کا کانشنس اس متفق علیہ مسئلہ کے برخلاف ظاہر نہیں ہوا پس یہی ایک روحانی دلیل اس بات پر ہے کہ انسان کی شریعت باطنی نے بھی قدیم سے تمام قوموں کو یہی فتوے دیا ہے کہ وہ دعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کریں بلکہ دعا کے ذریعہ سے تدابیر کو تلاش کریں غرض دعا اور تدبیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہیں کہ جو قدیم سے اور جیسے کہ انسان پیدا ہوا ہے دو حقیقی بھائیوں کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آئے ہیں اور تدبیر دعا کے لیئے بطور نتیجہ ضروریہ کے اور دعا تدبیر کے لیئے بطور محرک اور جاذب کے ہے اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ تدبیر کرنے سے پہلے دعا کے ساتھ مبدء فیض سے مدد طلب کرے تا اس چشمہ لازوال سے روشنی پا کر عمدہ تدبیریں میسر آسکیں۔"

چونکہ ہم نے دعا کی اصل ماہیت کو سمجھ لیا ہے اسلیئے اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ دُکھ کیا شے ہے بعض دفعہ وہی چیزیں جن پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے ہمارے لیئے دُکھ کا موجب ہو جاتی ہیں یا یوں کہیئے کہ خود شامت اعمال کیوجہ سے انہیں چیزوں کو ہم اپنے لیئے دُکھ کا موجب بنا لیتے ہیں اللہ تعالے نے اس دنیا کے قانون اس طرز سے بنائے ہیں کہ ہم چاہیں تو انکو بُری طرح استعمال کریں اور نقصان اُٹھاویں یا اچھی طرح استعمال کر کے فائدہ اٹھائیں دوسرے لفظوں میں انسان کو اس قدر طاقتیں اور قوتیں عنایت کی گئی ہیں کہ وہ مخالف طاقتوں کا مقابلہ کر سکتا ہے اور انپر

فتحیاب ہو سکتا ہے قرآن شریف فرماتا ہے اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرٰت رزقا لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار وآتاکم من کل ما سالتموہ (ترجمہ) خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور وہ بادلوں سے پانی اتارتا ہے اور اس پانی کے ذریعہ وہ پھلوں کو نکالتا ہے اور اس نے جہازوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ وہ اس کے حکم کیساتھ سمندروں میں چلیں اور اس نے ایک دوسرے کے پیچھے آنیوالے شمس وقمر کو تمہارے لیئے مسخر کر دیا اور جو بھی چیزیں تم خدا سے مانگتے ہو وہ تمہیں دیتا ہے۔

اس آیت میں ہمیں بتلایا گیا ہے کہ مختلف قسم کی چیزیں انسان کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مسخر کر دی ہیں یعنے اس مادی دنیا میں جس قدر قوتیں کام کر رہی ہیں وہ ایسے طور سے نہیں بنائی گئیں کہ انسان انپر غلبہ نہ پا سکے اور اس آیت کے آخری لفظوں میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان کو اس مادی دنیا پر اس قدر فتح عطا کی جاتی ہے جسقدر کا وہ طالب ہوتا ہے اسطرح سے اللہ تعالےٰ نے اپنے دو قانون انسان کی ہدایت اور حفاظت کے لیئے پیش کر دیئے ہیں ایک تو یہ کہ اس مادی دنیا میں جسقدر قوتیں کام کر رہی ہیں ان سب پر انسان فتح پا سکتا ہے اور دوسری یہ کہ اس فتح کے حاصل کرنیکے لیئے اسے دعا کرنی چاہیئے جس کے معنے یہ ہیں کہ حتی الامکان اسے کوشش کرنی چاہیئے اور ان انعامات کو خدا سے مانگنا چاہیئے دوسری جگہ قرآن شریف میں آیا ہے اللہ الذی سخر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذالک لآیٰت لقوم یتفکرون (الجاثیہ)

ترجمہ۔ اللہ وہ قادر مطلق ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا ہے۔ تاکہ خدا کے حکم سے اس میں جہاز چلیں اور تاکہ تم لوگ اس کے فضل کو تلاش کرو۔ اور

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اُسی نے اپنے کرم سے ان سبکو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے بے شک اس میں اللہ تعالےٰ کے آیات ہیں اس قوم کے لیئے جو سوچ اور سمجھ سے کام لیتی ہے (سورہ جاثیہ آیت ۱۱-۱۲) اس آیت میں بھی اگرچہ یہ بتلایا گیا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ سب اس طور سے بنایا گیا ہے کہ انسان انکو اپنے مطلب کے موافق کام میں لا سکتا ہے تو بھی یہ انسان پر لازمی کر دیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے انعامات کو تلاش کرے اور ان کے حصول کے لیئے کوشش کرے خدا تعالےٰ نے یہ قوت انسان کے اندر رکھ دی ہے اور قانون فطرت اور قدرت اس طرح سے بنائے گئے ہیں کہ وہ انسان کے اقتدار کے سامنے سربسجود ہونیکو طیار ہیں اگر وہ ذرا بھی کوشش کرے تو وہ سب اس کے مطیع و منقاد ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ہم رنج کو مبدل بہ راحت اور برائی کو نیکی میں تبدیل کر سکتے ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ زمین و آسمان اور بر و بحر پر انسان کو اقتدار دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ اس اقتدار کو حاصل کرنے کیلیئے ہمیں حتی الوسع اور حتی الامکان ضرور کوشش کرنی چاہیئے؛

اب اگر ہم تاریخ دنیا کیطرف نظر کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بہت سی راحتیں ہیں۔ جو ہمیں میسر ہیں مگر ہمارے آباو اجداد کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں اس میں کوئی شک نہیں کہ جسقدر تکالیف ہمیں قانون سماوی و ارضی کیوجہ سے پہنچتی ہیں ان سے کہیں بڑھکر ہمارے اباو اجداد کو پہنچتی رہی ہیں جب کوئی دکھ انسان پر وارد ہوا تو اس نے یہی بتلایا کہ خدا سے دعا کرنی چاہیئے اور اس سے پناہ مانگنی چاہیئے تاکہ اللہ تعالےٰ اُسے دور ہی رکھے آہستہ آہستہ اسی دعا کیوجہ سے اور اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے ذریعہ انسان اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ وہ اس ظاہری دنیا کو فتح کر سکتا ہے اور اسکی طاقتوں اور قوتوں کو اپنے مفید مطلب بنا سکے اور اپنے فائدے کے لیئے استعمال کر سکے یہ سب عجائبات قدرت اسی دعا کا نتیجہ ہیں جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں؛

جب ہم گذشتہ دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تعجب آتا ہے کہ اسقدر

عظیم الشان فتح انسان کو کس طرح حاصل ہوگئی پس زلزلہ کے بالمقابل یا طاعون قحط اور وبا کے بالمقابل دعا استعمال کرنے پر ہنسنا محض . . . . حماقت ہے۔ جیسا جیسا ہماری غرض اور ہمارا مدعا جسکو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں بڑا ہوتا جائیگا۔ اسی قدر اس کے حصول کیلئے وقت اور ہمت اور کوشش زیادہ بکار ہوگی ان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون یعنے خدا تعالٰے کا ایکدن بندوں کے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جتنے ہزار سال اس انسان کی زندگی پر گزر رہے ہیں وہ خدا کے نزدیک اتنے دنوں کے برابر ہیں؛

دعا کے ذریعہ نہ صرف انسان اپنے فائدے کے لیئے اس مادی دنیا کو فتح کر سکتا ہے بلکہ اس سے بڑھکر بھی وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے نوع انسان کی جہالت بھی آہستہ آہستہ رفع ہوگی اور خواہ کتنی ہی وہ فتوحات کرتا چلا جائے اور اس کے علم کا دائرہ خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہوتا جائے بہت کچھ اس کے احاطۂ علم اور احاطۂ اقتدار سے باہر رہیگا ہمہ علم انسان کبھی نہیں ہو سکتا اور جو کچھ تھوڑا بہت علم اُسے حاصل ہوگا وہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً ہوگا علاوہ ازیں بہت سا دُکھ اور رنج جس میں انسان مبتلا ہے وہ اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے ظلم تعدی لوٹ بے رحمی اور قتل بھی تو آخر انسان ہی کرتا ہے اس ورلی دنیا میں ایسے آدمی بھی موجود ہیں کہ وہ جرم کے ارتکاب سے کبھی باز نہ آویں گے باوجودیکہ ان کی آنکھوں کے سامنے دل پگھلا دینے والا منظر موجود کیوں نہ ہو پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہم اس دنیا کے فتح کرنے کے لیئے بالکل ناتجربہ کار ہیں اور ہر ایک ہمارا نیا تجربہ اپنے ساتھ نئے نئے مشکلات لے آتا ہے ان حالات کے ماتحت ہم ایک نہ ایک طرح ان مشکلات کا شکار ضرور رہینگے اسلیئے ہمیں چاہیئے کہ ہم ان مشکلات کے سہنے اور برداشت کرنے کو سیکھیں کیونکہ اس کرۂ ارض پر انسانی زندگی کے لیئے یہ لازم و ملزوم کی طرح ہیں ان سب کے علاوہ دل اور روح کی بھی ایک تکلیف ہے جس کا روزمرہ کی آسائشوں کیساتھ کوئی تعلق نہیں اس قسم کے تمام دکھوں اور دردوں کے لیئے صرف دعا ہی ایک علاج ہے؛

پس وہ شخص جو اپنے دکھ اور درد کیوقت اپنے خدا کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے اور اپنی مشکلات اور دقتوں کا حل صرف خدا سے ہی چاہتا ہے ایسے شخص کو سچی راحت قلب اور سچی خوشی عطا کیجاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ دعا اپنے تمام لوازمات کیساتھ ہو پس خواہ اس کو اپنا دعا فوراً حاصل نہ بھی ہو (کیونکہ اس مین شک نہیں کہ بہت سے اعلیٰ مقاصد ہیں جو ہزاروں آدمیوں کی مجموعی دعاؤنکو جو سینکڑوں نہیں ہزاروں سال کی دعائیں چاہتے ہیں) تاہم اسکو دعا کے ذریعہ دلی راحت اطمینان قلب اور حضوری دل عطا کیجاتی ہے اور وہ خدا تعالےٰ سے محرومیت نہیں پاتا اور نہ ہی وہ خدا تعالےٰ سے رنجیدہ ہوتا ہے دعا کا اصلی مقصد سچی خوشی اور اطمینان قلب ہے یہ کہنا کہ ہماری خوشی اُس مقصد کے حاصل ہونیکے ساتھ وابستہ ہے جس کے لیئے ہم دعا کرتے ہیں ٹھیک نہیں ہیں وہ شخص جو صفائی باطن اور حضوری دل کیساتھ دعا کرتا ہے وہ کبھی محروم نہین رہتا اور نہ ہی اُسے کبھی غم پہنچتا ہے اور اسی مین ہماری حقیقی خوشی موجود ہے وہ اعلےٰ درجہ کی خوشی جو نہ دولت اور مال وجاہ اور نہ سلطنت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی وہ صحت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور جو بالکل اللہ تعالیٰ کے اختیار مین ہے وہ روحانی بہشت سچی اور حقیقی دعا کے بعد حاصل ہوتا ہے بڑی سے بڑی مصیبت کیوقت خدا کا سچا فرمانبردار دعا کرنیکے بعد ایک ایسے خوشی کے مقام مین ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا بادشاہ اپنے اوج سلطنت و اقتدار کیوقت ایسی خوشی حاصل نہیں کرسکتا پس وہ شخص جسے یہ راحت اور خوشی میسر آجائے وہ بامراد ہوگیا اور اس کے رنج اور تفکرات مبدل بہ راحت ہوجاتے ہیں۔ یہی تعلق دعا اور مصائب کا ہے اور اس سے معلوم ہوگا کہ واقعی دعا سے ہر ایک قسم کے مصائب رفع ہوسکتے ہیں اور ہر وقت اور ہر حالت مین اگر انسان سچی خوشحالی چاہتا ہے تو وہ دعا کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوسکتی ہے؛

اشاعتِ اِسلام

بعض عیسائی مشنریوں نے اسلام کے متعلق بہت سے جھوٹے الزام پھیلائے ہیں ان جھوٹے الزامات مین سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ عیسائی مصنفوں نے بھی بار بار اس کی نصّ سے تردید کی ہے لیکن جب عیسائی مشنری ایک بات لکھدیتے ہیں تو کوئی دلیل ایسی نہیں جو انکو یقین دلاسکے کہ انکا اعتراض بیہودہ اور لغو محض ہے اور وہ اسکو واپس لے سکتے مسیحی واعظین کے اس اصرار کیوجہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے یہ انکا اپنی غلطی پر ہٹ کرنا انکے اغراض مین داخل ہے کیونکہ انکے الزامات انصاف پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ جس چیز اور جس بات کو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ انکے کام مین مددیگی اسکو بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی تنقید کے لے لیتے ہین انکا اصلی کام عیسائیت کا وعظ کرنا ہے لیکن وہ اسباب اور سامان جو وہ اپنی اس غرض کو پورا کرنیکے لیئے استعمال کرسکتے ہیں بہت ہی تھوڑے اور قلیل ہیں مذہب عیسائی میں قابل وعظ باتین بہت ہی کم ہیں وہ انسانون سے یسوع کی خدائی منوانا چاہتے ہیں لیکن دنیا مین انسانی خداؤن کا ذخیرہ آگے ہی بہت ہے اور اب دنیا کا یہ میلان بالکل نہیں رہا کہ وہ اس روشنی کے زمانہ کے آخری درجہ مین بھی خداؤن کی فہرست مین ایک اور خدا داخل کردے سچ تو یہ ہے کہ عیسائیت مین صداقت بہت ہی کم ہے بلکہ ہے ہی نہیں عیسائی مشنری کا مذہب صرف اتنے مقولہ مین آجاتا ہے کہ یسوع خدا تھا جو صلیب پر مرگیا تاکہ وہ ان لوگون کے لیئے جو اسپر ایمان لائیں کفارہ ہو پس اسطرح اسکے وعظ کا دائرہ بہت ہی تنگ ہے لابد ہے کہ اسکے مشغول رکھنے کے لیئے کوئی چیز ہو پس جب کہ اسکے اپنے مذہب مین کوئی خوبی کی بات نہین ہے جسکو وہ دوسرون کے سامنے پیش کرسکے تو وہ اپنا وقت دوسرے مذاہب

کی عیب جوئی مین صرف کرتا ہے گویا کہ وہ سمجھتا ہے کہ دوسرے مذہب کی عیب جوئی ہی عیسائیت کی صداقت قایم کرنیکے لیئے بہت کافی ہے؛

اسلام سے مشنریوں کو خاص کینہ ہے کیونکہ وہ اسلام کو اپنا بڑا دشمن سمجھتے ہیں دوسرے مذاہب مین انکو اعتراض کرنیکے لیئے کافی سامان ملسکتا ہے کیونکہ ان کے عقایدمین بہت سی ایسی باتیں پائی جاتی ہین جوکہ اعتراضات کا مورد بن سکتی ہیں لیکن اسلام کی اعلی صداقتیں اور اسکے عقایدحقہ عیسائی مشنری کی آنکھوں کو اپنی روشنی اور ضیا کیساتھ چندھیا دیتے ہیں وہ اصول ایسے قابل تعریف ہیں کہ ایک عیسائی مشنری کو بھی (جو دوسروں کی غلطیوں کے معلوم کرنے میں بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیتا ہے) کوئی موقع نہیں ملتا کہ وہ ان کے برخلاف ایک لفظ ہی منہ سے نکال سکے پس جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کے اصول حقہ پر اعتراض کرنیکے قابل بالکل نہیں ہے تو وہ اعتراض کرنے کی اور راہ اختیار کرتا ہے چونکہ مذہب اسلام کے عقایدحقہ انسانی عقل اور رزانت کے برخلاف نہیں ہیں اور ان میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ جن پر عقل انسانی اعتراض کر سکے تو وہ یہ ظاہر کرنیکی کوشش تو نہیں کرتا کہ اسلامی تعلیم عقل کے برخلاف ہے بلکہ یہ ظاہر کرنیکی کوشش کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات یہود اور نصاریٰ سے لی ہیں اور اسلیئے اسلام ایسی پاک اور اعلی تعلیم کے شایع کرنیکا حق نہیں لے سکتا وہ ان تعلیمات کو جو قرآن مجید مین مندرج ہیں عیسائیت اور یہودیت کے چشموں سے نکلی ہوئی بتاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ ایسا کرنے سے اس نے قرآن شریف کے الہامی ہونیکے دعوے پر سخت حربہ چلایا ہے گویا کہ اسکے نزدیک الہامی کتاب ہونیکا معیار محض نئی بات کا پیش کرنا ہے اسکی نگاہ میں قرآن شریف صرف اسوقت الہامی کتاب ہوسکتا تھا اگر وہ نجات کی کوئی ایسی خود تراشیدہ تجویز پیش کرتا جیسی کہ عیسائیت نے پیش کی ہے چونکہ قرآن شریف نجات کے لیئے پہلے نبیوں سے کوئی نئی راہ نہیں بتلاتا جیسا کہ قرآن مجید کے نزدیک نجات کسی انسانی خدا کی قربانی پر موقوف نہیں ہے

اس لیے قرآن شریف مسیحی واعظ کے رائے میں خدا کا کلام نہیں ہو سکتا یہ بات کہ قرآن شریف کی تعلیمات انبیائے سابقین کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں عیسائی مشنری کے نزدیک اسکے جعلی ہونیکا ایک کافی ثبوت ہے لیکن اسکو یہ سمجھ نہیں آتی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور انبیائے سابقین کی تعلیمات کو بالکل مشابہ ثابت کرنے سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی اپنی بیخبری میں شہادت دیے جاتا ہے اسجگہ میری یہ غرض نہیں ہے کہ میں بتاؤں کہ خود قرآن شریف اپنے الہامی ہونے کی بڑی عظیم الشان اور لاجواب شہادت پیش کرتا ہے اور یہ کہ اسکی تعلیمات اپنے حسن و خوبی میں ان تمام تعلیمات کو جو کسی انسان کو دیگئی ہوں بہت بڑھی ہوئی ہیں اس سے میرا مدعا یہ ہے کہ میں ناظرین کی توجہ کو اسطرف مبذول کروں کہ مسیحی مشنری کی حاسد آنکھ کو بھی اتنا موقع نہیں ملتا کہ وہ قرآن شریف کی پاک اور مدلل تعلیمات میں نقص نکال سکے اور صرف انبیائے سابقین کی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں مشابہت ثابت کرنے اور اس الزام کے لگانیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے کے یہود اور نصاریٰ کی تعلیمات سے اپنی تمام مقدس تعلیمات کو اخذ کیا تھا مسیحی مشنری اسلامی صداقت پر ایک بالواسطہ شہادت قایم کرتا ہے حالانکہ یہود اور نصاریٰ کے اسلام قبول کرنے کی صرف یہ وجہ بیان کیجاتی ہے کہ انکی اعتقادی حالت خراب ہو گئی تھی اور وہ بالکل بگڑ گئے تھے اسلیئے انہوں نے اسلام کی مطہری تعلیم کو قبول کر لیا۔ جب انکی اپنی حالت بگڑی ہوئی تھی توپھر وہ لوگ کس طرح اسلام کی پاک تعلیم کا سرچشمہ کہلا سکتے ہیں اور کیوں روم اور شام کے عیسائیوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام کو قبول کر لیا جبکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ تمام تعلیمات مسروقہ ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) لیکن انصاف پسند عیسائی مصنفین نے کھلے الفاظ میں اس بات کی شہادت دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم عین عقل اور انسانی فطرت کے مطابق ہے کچھ عرصہ گزرا ہے کہ سول اینڈ ملٹری گزٹ کے لائق عیسائی ایڈیٹر نے لکھا کہ یہ غالباً ناممکن بات تھی

کہ انگریزی تعلیم ایک ہندو کے مذہبی خیالات میں تغیر و تبدل پیدا نہ کرے۔ لیکن ایک مسلمان ایسی لامذہبی کیحالت میں ہرگز مبتلا نہیں ہوسکتا یعنے ایک مسلمان پر یوروپین اور انگریزی تعلیم کی وجہ سے اپنے اسلامی عقایدمیں متزلزل نہیں ہوسکتا ایک سائینسدان کے نزدیک بھی اسلام کے قبول کرنے میں کوئی عقلی مشکلات نہیں ہیں اور انگریزی دان طالبعلموں میں اسلامی فرایض کی عدم پابندی ایک دنیاوی کالج کی زہریلی ہوا کی وجہ سے ہے اور یہ عدم پابندی اسلیئے نہیں ہے کہ سائینس اور مسلمان طالب علم کے مذہبی عقائدمیں کوئی تعارض ہے اس کی شہادت اس طرح پر ملسکتی ہے کہ ایک ہندوستان کے کالج کے مسلمان طلبار کی کثیرالتعداد پر بد اعتقادی کا زمانہ نہیں آتا جو کہ بہت سے انگلینڈ کے کالجوں کے طالبعلموں کو تجربہ کرنا پڑتا ہے انگریزی خواں مسلمان صرف مذہب کی طرف سے بے توجہ ہوجاتے ہیں دوسرے معاملات میں (جیسے پالیٹکس تمدنی اصلاح یا ترقی قوم ان کی نگاہ میں بڑی اہمیت حاصل کرلیتے ہیں اور مذہب کی طرف انکی توجہ کم ہوجاتی ہے"۔ اسطرح اس عالم مصنف کے نزدیک جو اپنے تئیں عیسائی مذہب کا پیرو تسلیم کرتا ہے دنیا کے تین بڑے مذاہب یعنے عیسائیت ہندومت اور اسلام میں سے صرف موخرالذکر ہی ایک ایسا مذہب ثابت ہوا ہے جو کہ ایک سائینس دان کے لیئے بھی کوئی عقلی مشکلات پیش نہیں کرتا اس لایق مضمون نگار کی رائے میں ایک ہندو پر مغربی تعلیم کا بد اثر لابہ نھا یعنی یہ ضروری تھا کہ ایک ہندو کے عقائد پر مغربی سائینس حملہ کرتی اور اسکے مذہب کی بنیاد کو کھوکھلی کردیتی لایق مضمون نویس اس بداعتقادی اور دہریت کی کشمکش کے زمانہ کیطرف بھی اشارہ کرتا ہے جس میں بہت سے عیسائی طالبعلم انگلستان کے کالجوں میں مبتلا ہوتے ہیں مگر وہ ساتھ یہ بھی بتاتا ہے کہ ہندوستان کے کالجوں میں مسلمان طلبار اس وبا سے محفوظ رہتے ہیں اسکا سبب اظہرمن الشمس ہے یہ اسلیئے ہے کہ عیسائی مذہب کے اصول سائینس کا مقابلہ نہیں کرسکتے اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے

جو کہ ایک سائینس دان کو بھی مجبور کرتا ہے کہ وہ اسکی تعلیم کے معقول ہونیکا اقرار کرے۔ اور اس سے انکار نہ کر سکے حالانکہ سائینس اور علوم خفیہ ہندو مت یا عیسائی مذہب کے پیرؤوں کا اعتقاد اور ایمان تزلزل میں ڈال دیتے ہیں ایک دنیاوی اخبار کے ایک عالم عیسائی ایڈیٹر کی یہ رائے جو اپنے مذہب کے خلاف اسلام کے حق میں ظاہر کرتا ہے اور اپنا فیصلہ کن عندیہ بتاتا ہے بالکل انصاف اور حق پرستی پر مبنی سمجھنی چاہیئے کیونکہ سچی فضیلت وہی ہوتی ہے ما شہدت بہ الاعداء یعنے جس کی دشمن بھی گواہی دیں اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ نہ صرف عیسائی مشنری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو گذشتہ انبیاء کی تعلیم سے مطابق ثابت کرنے سے اسلامی صداقت کی شہادت دیتا ہے بلکہ اس کے ہم مذہب جو مشنری پیشہ نہیں رکھتے کھلے الفاظ میں یہ گواہی دیتے ہیں کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسکو ایک سائینس دان بھی قبول کر سکتا ہے۔

نہ صرف اسلامی تعلیمات کی خوبی نے ہی مسیحی واعظ کی آنکھوں کو چندھیا دیا ہے بلکہ اس تیزی کو مسیحی مشنری دیکھکر ششدر اور حیران رہ گیا ہے۔ جس تیزی کیساتھ دنیا نے اپنے پرانے عقاید فاسدہ کو ترک کر کے اس نئے مذہب یعنی اسلام کو خوش آمدید کہا ہے لیکن چونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اس تعجب خیز کامیابی کو اسلام کی حقانیت اور اسکی حقیقی روحانی طاقت کی طرف منسوب کرے اس نے اس کامیابی کو جسمانی طاقت کی طرف منسوب کیا ہے جو اسکے زعم میں اہل دنیا پر مسلمانوں نے استعمال کی تاکہ دنیا کو اسلام کے قبول کر لینے پر مجبور کریں عیسائی مشنریونکا یہ بھی دعوےٰ ہے کہ جبر کا استعمال قرآن شریف نے بتایا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ طریق جابرانہ اختیار کیا گیا اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس حکم کی فرمانبرداری میں بڑے زور سے کوشاں رہے اس سے بڑھکر اور کوئی بے انصافی کی بات نہیں ہو سکتی کہ قرآن شریف یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف ایسی تعلیم منسوب کی جاوے یا یہ کہ آپ کے صحابہ نے لوگوں کو

زور سے مسلمان کرنیکے لیئے تلوار سے کام لیا تھا مندرجہ ذیل صفحات میں میرا کام صرف یہی ہے کہ میں ثابت کروں اور یہ بتاؤں کہ یہ الزام محض افترا ہے اور اس میں اصلیت رائی بھر بھی نہیں ہے قرآن شریف اس بات سے بالکل پاک ہے کہ وہ حکم دے کہ اسلام کی اشاعت کے لیئے تلوار سے کام لیا جاوے بلکہ وہ ایسے گندے طریق کو ایک جرم قرار دیتا ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (النحل) یعنے تو اپنے رب کی راہ کی طرف بلا ساتھ حکمت اور اچھی نصیحت کے اور ان سے ایسی تدبیر کے ساتھ مباحثہ کر جو خوبی سے بھری ہوئی ہو پھر اللہ تعالے اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کا ذکر کرکے فرماتا ہے کہ ولا تجادلوا اھل الکتٰب الا بالتی ھی احسن (عنکبوت) اور اہل کتاب یہود ونصاریٰ سے مباحثہ مت کرو مگر بڑی نرمی اور رافت سے اور سورہ آل عمران میں فرماتا ہے قل یا اھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرك بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون ط کہدے اے اہل کتاب آؤ طرف ایک بات کی جو برابر ہے تمہارے درمیان اور ہمارے درمیان یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراویں اور کوئی ہم میں سے ایک دوسرے کو اللہ تعالے کے سوا رب نہ بناوے پس اگر یہ لوگ (اہل کتاب) پھر جاویں تو تم کہدو کہ گواہ رہو تحقیق ہم فرمانبردار ہیں۔

ان مذکورۃ الصدر آیات میں ہم مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اہل کتاب سے بہت ہی نرمی سے بحث کریں جتنا کہ ممکن ہوسکتا ہے اور اگر وہ ہمارے دلایل اور حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ سے مستفید نہ ہوں تو ہمیں صرف یہ حکم ہے کہ کہدیں تم مانو یا نہ مانو مگر تم گواہ رہو کہ ہم اللہ تعالے کے فرمانبردار ہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علےٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی (سورۃ یوسف) کہدے یہ میری راہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں کامل بصیرت اور یقین تام سے اور میرے

متبعین بھی کامل بصیرت اور یقین تام سے اس راہ کی طرف بلاتے ہیں۔ پھر سورہ نحل میں فرمایا ہے وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون اور ہم نے تجھپر اسلیئے کتاب نازل کی ہے کہ تو انکو کھول کر سنادے وہ مسائل جن مین وہ اختلاف کرتے تھے اور یہ کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہے ایمانداروں کے لیئے پھر سورہ بنی اسرائیل مین فرماتا ہے قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن اور تو میرے بندونکو کہدے کہ ان کو چاہیے کہ بڑی عمدگی اور احسن طور سے گفتگو کیا کریں یہ تمام آیات صفائی سے بتارہی ہیں کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم اسلام کی اشاعت بڑی نرمی اور حکمت سے کیا کریں دلائل اور بینات سے اسلام کی خوبیاں ظاہر کریں اور سخت کلمات کے استعمال سے پرہیز کریں اور تمام ایسے امور سے احتراز کرتے رہیں جن سے دوسرے مذاہب کے لوگونکو دکھ یا تکلیف پہنچے اللہ تعالے فرماتا ہے لاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ یعنے انکو گالیاں مت دو جو اللہ کو چھوڑکر دوسرے بتوں کو پکارتے ہیں مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی صفائی سے وہ قاعدہ بتا دیا ہے جس کا ہمیں اسلامی صداقت پر وعظ کرتے ہوئے پابند رہنا چاہیئے ہمیں بڑے زور سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ملائمت اور صبر اور تحمل سے کام لیں یہ حکم اس قول سے کہ قرآن شریف تلوار کیساتھ اسلام پھیلانیکی تعلیم دیتا ہے بالکل مخالف ہے خداتعالے صریحاً منع فرماتا ہے کہ کوئی کسی قسم کا جبر واکراہ نہ کیا جاوے یہ صریح حکم مندرجہ ذیل الفاظ میں دیا گیا ہے لا اکراہ فی الدین "مذہب میں کوئی جبر نہیں" اور اسکی دلیل کہ کیوں اسلام میں جبر نہیں اسی آیت میں بیان فرمائی گئی ہے اور وہ یہ ہے قد تبین الرشد من الغی یعنی "ہدایت اور گمراہی کا راستہ کھلم کھلا بیان کر دیا گیا ہے" اسلیئے ہر ایک انسان کو آزادی حاصل ہے کہ جو راستہ چاہے چن لے مین نہیں جانتا کہ کسی مذہبی کتاب نے ایسی صراحت کیساتھ دین میں جبر کرنے سے منع کیا ہو جیسا کہ قرآن شریف نے پرزور

الفاظ میں جبر و اکراہ سے منع فرمایا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ تمام کتب مقدسہ میں سے صرف قرآن شریف ہی ایک ایسی کتاب ہے جس پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس نے اپنے پیرؤوں کو مذہب کے پھیلانے کے لیے جبر و اکراہ کا حکم دیا ہے۔

محولہ بالا آیت میں صراحت سے بتایا گیا ہے کہ دین کے لیے کسی قسم کا جبر جائز نہیں ہے اور اس آیت کریمہ کا منشا یہ ہے کہ ہمارا راستہ صاف طور سے بتا دیا گیا ہے۔ اور اس لیئے جو کوئی اس سے انکار کرتا ہے پیچھے اسکے کہ اس کے لیئے ہدایت کی راہ کھول کر بیان کر دیگئی ہے اُس سے خدا تعالےٰ خود پوچھیگا قرآن شریف میں اور کئی جگہ ... پر آیا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا یا نہ قبول کرنا لوگوں کی مرضی پر چھوڑا گیا ہے اور نبی کا صرف اتنا فرض ہے کہ وہ کھلے الفاظ میں لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچا دے۔ میں ذیل میں چند آیات پیش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ آیات ناظرین کو اس نتیجہ تک پہنچا دینگی کہ قرآن شریف اس سے پاک ہے کہ وہ یہ حکم دے کہ مذہب کے پھیلانے کے لیئے تلوار کو استعمال کیا جاوے بلکہ قرآن شریف میں یہ فرمایا گیا ہے کہ نبی اور اس کے متبعین کو لازم ہے کہ وہ لوگوں کی مرضی پر اسلام کی قبولیت کو چھوڑ دیں چنانچہ وہ فرماتا ہے (۱) ان ھٰذہٖ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا۔ یعنے یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرے (سورہ مزمل رکوع اول و سورہ دہر رکوع ۲)

(۲) کلا انہ تذکرۃ فمن شاء ذکرہ۔ ہرگز نہیں یہ قرآن شریف ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے فائدہ اٹھاوے (سورہ مدثر رکوع ۲)

(۳) وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ یعنے اور تو کہدے یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے پس جو چاہے اسکو مانے اور جو چاہے اسکو نہ مانے (سورہ کہف رکوع ۴)

(۴) وان اتلوا القراٰن فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فقل انما انا من المنذرین۔ اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں قرآن کو پڑھکر سنا دوں پس جو ہدایت پا گیا اسکا فائدہ اسکے نفس کو ہی پہنچیگا اور جو گمراہ ہو گیا پس کہدے میں تو ڈرانیوالا ہوں

(سورہ نمل رکوع ۷)

۵ - قل اللہ اعبد مخلصاً لہ دینی فاعبدوا ما شئتم من دونہ - کہدے ہیں خالص اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں پس تم عبادت کرو جسکی تم چاہو اسکے سوا (سورۂ زمر رکوع ۲)

۶ - قل یایھا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا وما انا علیکم بوکیل - کہہ اے لوگو تحقیق آگیا ہے حق تمہارے رب کی طرف سے پس جو ہدایت پاتا ہے پس اسکا فائدہ اسکی جان کو پہنچتا ہے اور جو سچی راہ چھوڑ دیتا ہے اسکا نقصان اسی کو پہنچتا ہے اور میں کوئی تمہر کارساز نہیں (سورہ یونس رکوع ۱۱)

۷ - من اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا ولا تزر وازرۃ وزر اخری یعنی جو ہدایت پاگیا وہ اپنی جان کو ہی فائدہ پہنچائیگا اور جو سیدھی راہ سے دور چلا گیا اسکا وبال اسی پر پڑیگا اور کوئی بوجھ اٹھانیوالا دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھائیگا (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۲)

بہت سی آیتیں لکھی جاسکتی ہیں جن میں خدا تعالے نے بجائے اسکے کہ وہ مومنوں کو حکم دے کہ اسلام کو بزور شمشیر پھیلاؤ یہ حکم دیا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا لوگوں کی مرضی پر چھوڑ اجائے وہ صراحت سے فرماتا ہے فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر یعنی جسکی مرضی ہو مانے اور جس کی مرضی ہو نہ مانے کیا یہ آیت کریمہ اس خیال کی جڑ نہیں اکھیڑتی جسکا ماحصل یہ ہے کہ قرآن شریف نے اپنے متبعین کو حکم دیا ہے کہ اسلام کو پھیلانیکے لیے سخت ذرایع استعمال کیے جاویں قرآن شریف تو یہاں تک نبی کریم کو حکم دیتا ہے کہ نبی کریم اپنی تبلیغ کو حد سے زیادہ نہ لے جائیں اور صاف لفظوں میں آپ کو فرماتا ہے کہ آپکا فرض صرف پیغام الٰہی کے پہونچا دینا ہے اور اگر کفار آپ کی وصایا کی طرف توجہ نہ کریں تو آپکو چاہیئے کہ آپ انکو انکے حال پر ہی چھوڑ دیں کیونکہ آپ اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ آپ جبر سے اور زور سے اسلام منوائیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فمن

اعلم بما یقولون وما انت علیھم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید یعنی ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور تو ان پر کوئی جبار نہیں تو قرآن کیساتھ وعظ کرتا رہ ان لوگونکو جو میرے عذاب سے ڈرتے ہیں (سورہ ق رکوع ۳) یہ آیت صاف طور سے بتاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلیئے نہیں بھیجے گئے تھے کہ وہ لوگوں سے زبردستی اسلام منوائیں بلکہ آپ کے آنیکی غرض صرف یہی تھی کہ آپ انکو وعظ کردیں جو خدا سے ڈرتے تھے اور آپکی باتیں سننے کے لیئے آپکی طرف متوجہ ہوتے تھے آپکو باربار فرمایا گیا کہ آپ ان لوگوں کو انکے حال پر چھوڑ دیں جو آپ کی وصایا سُننا نہیں چاہتے۔ مندرجہ ذیل چند آیات لکھی جاتی ہیں جن میں آپکو یہ فرمایش کیگئی ہے کہ آپ اپنے آپکو مشقت میں نہ ڈالیں ان لوگوں کے لیئے جو آپ کے وعظ سننے سے انکار کرتے تھے۔

۱۔ ما علی الرسول الا البلغ نہیں ہے رسول پر مگر پہنچا دینا (سورہ مائدہ رکوع ۳)

۲۔ واعرض عن المشرکین ولو شاء اللہ ما اشرکوا وما جعلناک علیھم حفیظا وما انت علیھم بوکیل۔ اور تو اعراض کر مشرکوں سے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے تجھکو انپر نگہبان نہیں بنایا۔ اور تو انکا کارساز نہیں ہے (سورۃ انعام رکوع ۱۳)

۳۔ ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً لست منھم فی شیئ انما امرھم الی اللہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون۔ تحقیق وہ لوگ جنہوں نے تفرقہ کیا اور فرقے فرقے ہوگئے تجھے انکے بارے میں کوئی اختیار نہیں انکا معاملہ خدا کے حضور پیش ہے اور انکو ان کے افعال سے خبر دیگا (سورہ انعام رکوع ۲۰)

۴۔ فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر تو نصیحت کر تیرا کام نصیحت کرنا ہے اور تو انپر کوئی داروغہ نہین (سورہ غاشیہ)

۵۔ فاعرض عن من تولیٰ عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا۔ تو اس سے مُنہ پھیرلے جس نے ہمارے ذکر سے مُنہ پھیرا اور دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہ چاہا (سورہ نجم رکوع ۲)

۶۔ فتول عنھم فما انت بملوم وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین تو ان سے ہٹ جا تجھے کوئی ملامت نہیں اور تو نصیحت کرتا رہ کیونکہ نصیحت مومنوں کو فائدہ بخشتی

ہے (سورہ ذاریات رکوع ۳)

۷۔ فذرهم يخوضوا ويلعبوا حتى يلاقوا يومهم الذي يوعدون۔ تو ان کو چھوڑ دے جھگڑے کرتے ہوئے اور بے حقیقت بات کرتے ہوئے یہانتک کہ وہ اپنے دن کو ملیں جنکا انہیں وعدہ دیا گیا ہے (سورۃ معارج رکوع ۲)

حضرت نبی کریم کو سخت رنج ہوتا تھا جب وہ لوگوں کو گمراہی میں پھنسا ہوا دیکھتے تھے اور آپ ہمیشہ یہی کوشش کرتے تھے کہ لوگ صراط مستقیم کیطرف آجائیں اس غم کا جو آپکے دل کو اپنے ہموطنوں کو ضلالت اور بدیوں میں ڈوبا ہوا دیکھکر ہوتا تھا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے اور آپ سے اللہ تعالیٰ نے کئی دفعہ فرمایا کہ آپ ان تفکرات میں نہ پڑیں اور اپنے دل کو غمزدہ نہ ہونے دیں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے لعلك باخع نفسك على آثارهم ان لم يؤمنوا بهذا الحديث اسفا۔ شاید تو اپنے آپکو اس غم سے ہلاک کر دیگا ان کے پیچھے کہ کیوں وہ خدا کی اس بات کو نہیں مانتے (سورہ کہف رکوع ۱) پھر خدا آپ کی لگاتار نصیحتوں کو اور وعظوں کو جو آپ کفار کو سنایا کرتے تھے ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعا افانت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين اور اگر تیرا رب چاہتا تو تمام زمین والے ایمان لے آتے کیا تو لوگوں کو زبردستی مومن بنانا چاہتا ہے (سورۃ یونس رکوع ۱۰) یہاں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ حد سے بڑھکر کسی کے پیچھے پڑنا اچھا نہیں تیرا کام سنا دینا ہے وبس (بر رسولاں بلاغ باشد وبس) جبکہ خدا تعالیٰ کا یہ حکم ہے تو کسطرح خیال کیا جا سکتا ہے؟ کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے پھیلانیکے لیئے تلوار استعمال کرنیکا حکم دیا ہو صرف خالص ایمان ہی کو خدا قبول کرتا ہے اور خالص ایمان دل سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ تلوار کے ڈر سے خدا تعالیٰ نفاق اور جھوٹے ایمان کو بہت ہی ناپسند کرتا ہے اور فرماتا ہے ان المنافقين في الدرك الاسفل من النار۔ ومن الناس من يقول آمنا بالله وباليوم الآخر وما هم بمؤمنين تحقیق وہ لوگ جو سچے طور سے ایمان نہیں لاتے بلکہ ان کے دلوں میں کچھ اور ہوتا ہے

اور زبانوں پر کچھ اور ایسے لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ڈالے جائیں گے اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہین جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ کیساتھ اور آخری دن کیساتھ حالانکہ وہ ایماندار نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان دلی یقین کا نام ہے۔ لیکن تلوار کی حکومت صرف زبان پر ہو سکتی ہے دل پر حکومت صرف خدا کی ہے۔ لیکن کیا تلوار لوگوں سے سوائے اس منافقانہ ایمان کے اور کچھ لے سکتی ہے کیا تلوار دل کو اطمینان دے سکتی ہے منافقین کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے بشر المنافقین بان لہم عذاباً الیما۔ منافقوں کو یہ خبر دے کہ ان کے لیئے دردناک عذاب ہے (سورۃ نساء رکوع ۲۰) ان اللہ جامع المنافقین والکافرین فی جہنم جمیعاً۔ تحقیق اللہ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو جہنم مین جمع کریگا (سورۃ نساء رکوع ۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کا جنازہ پڑھنے سے ممانعت کی گئی ولا تصل علیٰ احد منہم مات ابداً ولا تقم علیٰ قبرہ (سورۃ توبہ میں آیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ تو ان منافقوں کے لیئے اگر وہ مر جائیں کبھی دعا نہ مانگنا اور نہ انکی قبر پر جا کر کھڑے ہونا اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ منافق ان دفاعی جنگوں مین کبھی شریک نہ ہوں جو مسلمانوں کو مجبوراً اپنے بچاؤ کے لیئے کفار عرب سے کرنے پڑتے تھے خدا فرماتا ہے فقل لن تخرجوا معی ابداً ولن تقاتلوا معی عدواً (سورہ توبہ رکوع ۱۱) تو ان منافقوں کو کہدے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نکل نہیں سکتے اور کبھی بھی میرے ساتھ ہو کر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے انکو یہ بھی کہا گیا تھا کہ ان کے صدقے قبول نہیں کیئے جائیں گے قل انفقوا طوعاً او کرھاً لن یتقبل منکم انکم کنتم قوماً فاسقین کہدے خوشی سے خرچ کرو یا کراہت سے۔ تمہارے صدقے منظور نہیں کیئے جائیں گے تحقیق تم بدکار لوگ ہو (سورۃ توبہ رکوع ۷) وما منعہم ان تقبل منہم نفقاتہم الا انہم کفروا باللہ وبرسولہ ولا یاتون الصلوٰۃ الا وھم کسالیٰ ولا ینفقون الا وھم کارھون۔ اور وہ کیا چیز ہے جو ان کے صدقوں کے قبول ہونیکو روکتی ہے مگر یہی کہ اللہ اور رسول سے انکار کرتے ہیں اور نماز پڑھنے مین بڑے سست ہوتے ہیں اور اللہ کی راہ مین خرچ کرنے مین کراہت کرتے ہین

(سورۃ توبہ رکوع ۷) قرآن شریف کا کوئی صفحہ پڑھو اور آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ صرف
خالص ایمان ہی اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اور نفاق اور جھوٹے ایمان کو خدا بڑی غضب
کی نظر سے دیکھتا ہے لیکن کیا وہ آدمی جو خلاف اپنی مرضی کے کسی اعتقاد کے ماننے
کے لئے مجبور کیا گیا ہو خالص مومن کہلا سکتا ہے؟ کیا یہ مسلّمہ امر نہیں ہے کہ جو آدمی
اپنی مرضی کے برخلاف کسی اعتقاد کو مانے تو وہ منافق ہے تو پھر یہ خیال کیسا....
غیر معقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو
زبردستی مسلمان بنا کر منافقوں اور فاسقوں کے گروہوں سے اسلام کو بھر دیں خدا تعالیٰ
بار بار فرماتا ہے کہ صرف خدا ہی ہے جو انسانوں کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے
ایمان اور یقین کا محل دل ہے اور دلکو سچائی کی طرف صرف خدا ہی رہنمائی کر سکتا ہے
کہ اور دل تک راہ نہیں پا سکتی انسانوں کو سچے راہ کی طرف رہنمائی کی بابت اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور ان انت الا
نذیر (سورہ فاطر رکوع ۳) تحقیق اللہ تعالےٰ سنواتا ہے جسکو چاہتا ہے تو ایسے لوگوں کو
نہیں سنوا سکتا جو قبروں میں مردوں کی طرح پڑے ہیں تیرا کام صرف ڈرا دینا ہے۔
فان کذبوک فقل لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما اعمل وانا بریء مما تعملون
ومنہم من یستمعون الیک افانت تسمع الصم ولو کانوا لا یعقلون ومنہم
من ینظر الیک افانت تہدی العمی ولو کانوا لا یبصرون ان اللہ لا یظلم
الناس ولکن الناس انفسہم یظلمون اور اگر وہ تیری تکذیب کریں تو کہدے میرے لئے
میرے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے عمل تم بری ہو اس سے جو میں کرتا ہوں۔
اور میں بری ہوں اُس سے جو تم کرتے ہو بعض ان میں ایسے ہیں جو تیری بات بظاہر
سنتے ہیں کیا تو بہروں کو سنا سکتا ہے اگرچہ ان میں کچھ بھی عقل نہ ہو اور بعض ان میں ایسے
ہیں جو تیری طرف دیکھتے ہیں کیا تو اندھوں کو راہ دکھا سکتا ہے اگرچہ وہ بصیرت نہ رکھتے
ہوں تحقیق اللہ تعالےٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے
ہیں (سورہ یونس رکوع ۵) پھر قرآن شریف میں فرماتا ہے لیس علیک ھدٰھم

ولکن اللہ یھدی من یشاء تجھ پر ان کی ہدایت نہیں ہے لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسکو چاہتا ہے (سورہ بقرہ رکوع ۳۷) ایسے ہی الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو فرمائے گئے ہیں اللہ تعالٰے فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم۔ اے ایمان والو تم اپنا خیال رکھو تم کو کوئی ضرر نہیں دیسکیگا جو گمراہ ہوگیا جب تم ہدایت پر ہوگے۔

میں نے بہت سی آیات قرآن شریف سے پیش کرکے یہ دکھادیا ہے کہ قرآن شریف کہیں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ حکم نہیں دیتا کہ اسلام کی اشاعت کے لیئے زور اور تلوار کو استعمال کیا جاوے برخلاف اسکے قرآن شریف یہ نصیحت کرتا ہے کہ اسلام کی طرف انسانوں کو بڑے تلطف اور حلم سے مدعو کیا جاوے اور ان کے سامنے اسلام کے محاسن اور خوبیاں بیان کیجاویں اور ان کے معتقدات پر کسی قسم کا رنج دہ حملہ نہ کیا جاوے قرآن شریف صراحت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بتاتا ہے کہ انکا فرض صرف یہ ہے کہ وہ پیغام الٰہی کو پہنچادیں اور انکو اس میں ذرا بھی دخل نہیں کہ وہ پیغام قبول کیا گیا ہے یا نہیں کیونکہ پیغام الٰہی منوانا انکا فرض نہیں ہے ان کا کام صرف سنا دینا ہے ان انت الا نذیر "تو صرف ایک ڈرانیوالا ہے" اللہ تعالٰے جلشانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرماتا ہے علیکم انفسکم "تم اپنے نفسوں کے ذمہ دار ہو" اس صریح تعلیم کے ہوتے ہوتے یہ کہنا کہ قرآن شریف نبی کریم و صحابہ کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتا ہے کہ تلوار پکڑ لو اور جبر سے اسلام دنیا میں پھیلاؤ یہ ایک ایسا بڑا جھوٹ ہے جو کبھی کسی انسان کے منہ سے نہیں نکلا اور ہمیں افسوس سے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ اس تمام کذب کے ذمہ وار عیسائی مشنری ہیں اور پھر افسوس پر افسوس آتا ہے کہ باوجود اسکے کہ بار بار ان کو جتایا گیا ہے کہ قرآن شریف کے برخلاف یہ الزام جھوٹ پر مبنی ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں پھر بھی اپنی غلطی اور شرارت پر اڑے ہوئے ہیں اور اپنے اس مجرمانہ اصرار سے توبہ نہیں کرتے۔

خود اسلام کا لفظ جس کے معنے ہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے گردن ڈال دینا اور اپنی مرضی کو اس کی مرضی پر چھوڑ دینا صاف طور سے اس بات کو رد کرتا ہے کہ اسلام میں جبر اور اکراہ جائز ہے اللہ تعالیٰ بالتصریح فرماتا ہے کہ اسلام میں تب ہی انسان داخل سمجھا جاتا ہے کہ جب وہ شرح صدر سے حکومت الٰہیہ کو اپنے کندھوں پر اٹھالے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام (سورۃ انعام رکوع ۱۵) جسکو اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اسکا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

بڑی دلیل جو عیسائی مشنری اپنے دعاوی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں ایسی آیات موجود ہیں جو کفار سے جنگ کرنیکی اجازت دیتی ہیں لیکن ان آیات کا مطالعہ صاف بتاتا ہے کہ عیسائی واعظ نے قرآن شریف کے متعلق بڑی سخت بے انصافی کا ارتکاب کیا ہے جو ہرگز قابل معافی نہیں ہو سکتا ان آیات میں جن میں تلوار ہاتھ میں لینے کی اجازت دیگئی ہے صاف اور کھلے الفاظ میں وہ وجوہ اور دلائل بتائے گئے ہیں جن کیوجہ سے مومنوں کو لڑنے کی اجازت ملی ہے یہ امر صاف بتا رہا ہے کہ مشنری منقدسکے خیالات اور ارادے دیانت داری کے اغراض سے پیدا نہیں ہوئے کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ مسلمانوں کو اسلام کے ابتدائی ایام میں کیسے کیسے عذاب اور تکالیف شدید دیئے گئے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے انکو حکم دیا تھا کہ صبر اور تحمل سے ان مصائب شدیدہ کو برداشت کرو جو انکا بیرحم دشمن انکو پہنچا رہا تھا اللہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ واتبع ما یوحیٰ الیک واصبر حتی یحکم اللہ وھو خیر الحاکمین اور تو پیروی کر اسکی جو تیری طرف وحی کیجاتی ہے اور صبر کر یہانتک کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ بہتر ہے فیصلہ کرنیوالوں میں سے (سورۃ یونس رکوع ۱۱) واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون اور تو صبر سے کام لے اور تیرا صبر صرف اللہ ہی کے لیئے ہونا چاہیئے اور تو انپر غم نہ کھا اور تنگی میں مت ہو اس سے جو وہ تیرے برخلاف منصوبہ بازی کرتے ہیں۔

اللہ انکے ساتھ ہے جو اللہ کے حکم پر چلتے ہیں اور وہ اسطرح نیکی کرتے ہیں کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہیں اور خدا انہیں دیکھ رہا ہے۔ (سورۃ نحل رکوع ۱۶) قل للذین امنوا یغفروا للذین لایرجون ایام اللہ لیجزی قوما بما کانوا یکسبون (سورۃ جاثیہ رکوع ۲) قل یا عباد الذین امنوا اتقوا ربکم للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ و ارض اللہ واسعۃ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب (سورۃ زمر رکوع ۲) ترجمہ تو کہدے ایمان والوں کو کہ وہ ان لوگوں سے درگذر کرتے رہیں جو اللہ کے نعم اور نقم کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ انکو جزا دے انکی کمائیوں کیموافق تو کہدے اے میرے مومن بندو تم اپنے رب سے ڈرتے رہو وہ لوگ جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں انکے لیے سکھ ہے اور اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے صابروں کو بیشمار اجر ملیگا اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ مومنوں کو فرماتا ہے کہ وہ کفار کے عذابوں کو صبر سے برداشت کریں اور دوسرے ملکوں میں ہجرت کر جاویں اگر ان کی جانیں انکے اپنے وطن میں اجیرن ہو گئی ہیں کیونکہ خدا کی زمین وسیع ہے چنانچہ ان ایام میں مسلمانوں کو سخت مصائب صبر سے جھیلنے پڑے اور آخرکار اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہنا پڑا اور اجنبی ملکوں میں پناہ لینی پڑی آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دوبار ابی سینا (حبشہ) کیطرف بھاگنا پڑا لیکن انکے مخالفین کا غضب یہانتک بڑھا ہوا تھا کہ وہاں تک بھی بغیر تعاقب کیے رہ نہ سکے ایک سفارت اس ملک کے عیسائی بادشاہ کیطرف بھیجی گئی کہ یہ لوگ انکو دیئے جاویں مگر وہ ناکام پھرے۔ قریشی سفیروں کی یہ ناکامی . . . . مغرور دشمن کے سخت غضب بھڑکنے کا باعث ہوئی اور اس نے دوگنے جوش کیساتھ مسلمانوں کے چھوٹے سے گروہ کو تکلیف دینی شروع کی آخرکار جب مدینہ کے چند لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تو آپ نے یہ دیکھکر کہ اب قریش کا ظلم اور تعدی بالکل ناقابل برداشت ہو گئی ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ تم اب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جاؤ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے لیے اس مقدس شہر میں اپنے بھائی بنا دیئے ہیں اور تمہیں وہاں ایک گھر ملا ہے جہاں کہ تم آرام پا سکتے ہو اسلئے قدسیوں کی جماعت کی کر آہستہ آہستہ دو دو تین تین کرکے اپنے اپنے پناہ گاہ کی طرف ہجرت کر گئے کفار مکہ نے بڑے مستحکم ارادے سے یہ سازش کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان مبارک پر حملہ کریں لیکن اللہ نے آپکو ان کی سازش سے اطلاع دیدی اسلیئے آپکو آپ کے صحابہ کے پیچھے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی اس طرح سے کفار مکہ کے ظلم سے تنگ آ کر تمام مسلمان اپنے عزیز وطن کو ترک کرکے

پردیس مین بھاگ گئے سوائے چند آدمیونکے جو یا تو کفار کے قبضے مین تھے یا انکے قیدی تھے یا ایسے ضعیف تھے کہ وہ بھاگنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے لیکن ٹھیک جیسا کہ انکی دشمنی اور مخالفت نے پہلے مہاجرونکا تعاقب حبشے تک کیا تھا ویسا ہی انہوں اس دفعہ بھی ان نئے مہاجرونکا تعاقب مدینہ طیبہ تک کیا مہاجرین کے اس نئے گروہ کو مدینہ گئے ہوئے ایک سال بھی نہیں گذرا تھا جبکہ دشمن کی متفقہ فوج مکہ سے روانہ ہوئی تاکہ وہ مسلمانونکا اس نئے پناہ گاہ مین کام تمام کردے ایسے نازک وقت مین خدا نے انکو محض دفاع کے لیئے تلوار اٹھانیکی اجازت بخشی وہ آیت شریف جسمیں دفاع کی اجازت بخشی گئی یہ ہے ان اللہ یدافع عن الذین امنوا ان اللہ لایحب کل خوان کفور اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز (سورۃ الحج رکوع ۶) تحقیق اللہ تعالےٰ مومنوں سے دفاع کرتا ہے اللہ کو خائن اور ناشکرگذار لوگ پسند نہیں ہیں اجازت دی جاتی ہے ان لوگونکو جنسے لڑائی کیجاتی ہے کیونکہ وہ بہت مظلوم ہیں اور اللہ انکی مدد کرنیپر بڑی قدرت رکھتا ہے۔ وہ ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے صرف اسلیئے کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ تعالےٰ اسطرح بعض کا بعض سے دفاع نہ کرتا رہے تو یہ راہبوں کے تکیے گرجے اور یہودیوں کے معبد خانے اور مساجد مسمار کردیجاتیں حالانکہ ان مکانونمیں اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور اللہ اسکی ضرور مدد کریگا جو اسکی مدد کرتا ہے اللہ بڑی قوت والا اور بڑی عزت والا ہے یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے تلوار اسلیئے نہیں اٹھائی تھی کہ وہ کفار کو جبراً مسلمان کرین یہ صرف اسلیئے تھا کہ وہ بغیر کسی اپنے جرم کے ناحق ستائے جاتے تھے صرف اتنی بات پر کہ وہ ایک خدا قادر مطلق پر ایمان لائے تھے اور اسلیئے کہ وہ اپنے عزیز اقارب اور گھروں سے نکالے گئے تھے اسلیئے کہ خواہ مخواہ انسے جنگ کیا جاتا تھا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلامیوں نے تلوار اٹھانے میں ابتدا نہیں کی ہاں انہوں نے اسوقت تلوار اٹھائی جب انکے برخلاف ہتھیار اٹھائے گئے تھے اور وہ بھی اللہ تعالےٰ کی اجازت کے بعد لیکن چونکہ مسلمانوں کی تعداد اتنی کافی نہ تھی کہ وہ دشمن کی متفقہ افواج کا مقابلہ کرسکتی اسلیئے اللہ تعالےٰ نے خود مدد دینے کا وعدہ فرمایا اور پھر خدا فرماتا ہے کہ اگر خدا لوگونکا دفاع نہ کرتا رہے بعض کا بعض سے تو یہ تمام معبد خانے جسمیں خدا کا مبارک نام

لیا جاتا ہے بالکل تباہ کردیئے جائیں" اس آیت سے بھی کھلے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا مسلمانوں کو ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ دیگر مذاہب کے معبدوں کو منہدم کریں یہ تعلیم اس قول کی کھلے طور پر تردید کرتی ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو تلوار اس غرض سے اٹھانیکا حکم دیا کہ تلوار کے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت کیجاوے اور جبراً لوگوں کو مسلمان کیا جاوے سب سے پہلی آیت میں جس میں لڑنے کی اجازت دیگئی مسلمانوں کو سکھلایا گیا کہ ہر مذہب کے متبعین کو یہ اجازت دیجاوے کہ وہ خدا کی عبادت کریں جسطرح چاہیں اور انکے عبادتگاہوں کی عزت کیجاوے پھر یہ کیسے خیال کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے لڑنیکی اجازت اسلیئے دی کہ جبراً دوسرے مذاہب کے پیروونکو مسلمان بنایا جاوے دفاع کی اجازت صرف اسلیئے دیگئی تھی کہ دشمن اسلام اسلام کو جبر سے اکھیڑنا چاہتا تھا اور اگر اسکا دفاع نہ کیا جاتا یعنے اسکو اس بد ارادے سے روکنے کی کوشش نہ کیجاتی تو مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت بالکل دنیا سے نابود ہو جاتی قرآن شریف اسکی شہادت دیتا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا (سورۃ بقر رکوع ۲۷) اور تم سے ہمیشہ وہ لڑتے رہینگے یہانتک کہ تم کو کافر بنادیں اگر وہ طاقت پا سکیں یہ امر کہ تلوار صرف ظلم کرنیوالوں کے مقابل میں اٹھائی گئی تھی قرآن شریف کی اور آیات سے بھی ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالے فرماتا ہے الا تقاتلون قوماً نکثوا ایمانہم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ اتخشونھم (سورہ توبہ رکوع ۲) کیا تم ایسی قوم سے نہیں لڑتے جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کا کچھ پاس نہ کیا اور اسکو توڑ دیا اور انہوں نے رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا اور انھوں نے ابتدا کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیاً واجعل لنا من لدنک نصیراً (سورۃ النساء رکوع ۱۰)" اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے ہو اور ضعیف مرد اور عورتیں اور بچے جو ہر وقت یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے رب ہمارے ہمکو اس گاؤں سے نکال دے انکے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیئے تو اپنے حضور سے ہمارا مددگار بنادے" نیز مسلمانوں کو جو ترغیب مندرجہ بالا آیات میں دیگئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے خونی دشمن سے لڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ بلحاظ تعداد اور قوت کے ان سے بہت بڑھا ہوا تھا اور اگر خدا کا حکم اور متواتر مدد کا وعدہ نہ ہوتا تو مسلمان اپنے عظیم الشان دشمن کا مقابلہ کرنیکی کبھی جرأت نہ کرتے یہی امر اور آیات سے بھی ظاہر ہے مثلاً قرآن شریف فرماتا ہے واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین

انها لکم و تودون ان غیر ذات الشوکة تکون لکم (سورۃ الانفال رکوع ۱) اور جب اللہ تم کو وعدہ دیتا تھا کہ ان دو گروہوں میں سے ایک تمہارا ہو گا اور تم چاہتے تھے کہ وہ گروہ وہ ہو جس کے پاس ہتھیار نہوں کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی قلیل جماعت جو حسب آیات قرآنی ابتداء میں عظیم الشان دشمن کے ساتھ لڑنے سے ڈرتے تھے انکی نسبت کسطرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے خونی دشمنوں کو جبراً مسلمان کرنیکے لیئے تلوار اٹھائی یہ امر کہ لوگوں کو جبراً مسلمان بنانیکے لیئے تلوار نہیں اٹھائی گئی اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو صرف ایسے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنیکی اجازت دی گئی تھی جو انکے ساتھ جنگ کریں ہر ایک کافر کیساتھ جنگ کرنیکی اجازت نہ تھی

اور وہ کفار جو مسلمانوں کو تکلیف نہیں دیتے تھے اور ان سے

چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے تھے ایسے کفار سے صرف لڑنا ہی منع نہ تھا بلکہ ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی بھی اجازت تھی اور ان سے عمدہ سلوک کرنیکا حکم تھا صرف ایسے کفار کا مقابلہ کرنیکی اجازت تھی جو مسلمانوں سے لڑتے تھے اور ان سے بھی حد سے آگے بڑھنا ہرگز جائز نہیں رکھا گیا تھا اور اگر وہ لڑائی سے باز آ جاویں تو پھر ان سے بھی لڑنا ہرگز جائز نہ تھا لڑائی صرف اسوقت تک جاری رہ سکتی تھی جب تک دوسری جماعت ان کو لڑتی اور اگر دوسرا فریق لڑائی سے دست کش ہو جاتا۔ تو اسلامیوں کو بھی فوراً لڑائی بند کرنیکا حکم تھا اور اثنائے جنگ میں بھی مسلمانوں کو قوانین انصاف کی پابندی لازمی تھی یہ سب امور قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات میں مفصل بیان کیئے گئے ہیں۔ ۱۔ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے آگے مت گزرو۔ اللہ تعالے کو حد سے تجاوز کرنیوالے پسند نہیں ہیں (سورۃ بقر رکوع ۲۴) ۲۔ فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اسپر زیادتی کرو جتنی اسنے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرو اللہ متقیوں کے ساتھ ہے (سورۃ بقر رکوع ۲۴) ۳۔ فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیہم سبیلا اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کریں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لیئے انپر کوئی راہ نہیں رکھی یعنے تمہارے لیئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ ان سے لڑائی کرو (سورۃ النساء رکوع ۱۲)

۴۔ فان لم یعتزلوکم ویلقوا الیکم السلم ویکفوا ایدیھم فخذوھم حیث ثقفتموھم واولٰئکم جعلنا لکم علیھم سلطانًا مبینًا اور اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں اور تمہیں صلح کا پیام نہ دیں اور تم سے اپنے ہاتھوں کو بند نہ کریں تو انکو پکڑو اور ان سے لڑائی کرو جہاں تم انکو پاؤ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کیساتھ لڑنے کیلئے تمکو صاف حق پہنچتا ہے (سورۃ النساء رکوع ۱۲) ۵۔ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف۔ تو کافروں کو کہدے اگر وہ اپنی شرارتوں سے باز آجاویں تو انکی گذشتہ غلطیوں کو معاف کر دیا جاویگا (سورۃ انفال رکوع ۵) ۶۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ اور اگر صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کیلئے جھک جا اور اللہ پر بھروسہ کر وہ سننے والا اور جاننے والا ہے اور اگر وہ تجھے دھوکا دینا چاہیں تو اللہ ہی تجھکو کافی ہوگا (سورۃ الانفال رکوع ۸) آخری آیت میں حکم دیا کہ کافروں سے صلح کر لیں جب کبھی وہ صلح کی درخواست کریں اور یہ خیال کہ دشمن دھوکہ سے صلح کر رہا ہے اور جب کبھی وہ موقع پائیگا تو پھر مخالفت کرنے پر آمادہ ہو جائیگا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح کرنے سے مانع نہیں ہو سکتا تھا صلح کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسقدر مستعدی صاف بتا رہی ہے کہ آپ کیسے صلح جو اور امن پسند تھے مذکورہ بالا آیت کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ یہ لڑائیاں اسلام کی اشاعت کیلئے نہیں تھیں بلکہ امن کے قائم رکھنے اور ایمانداروں کی جان بچانے کی خاطر اللہ نے مومنوں کو تلوار اٹھانیکا حکم دیا تھا لیکن اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نظیر لطف و کرم سلوک کیا مگر وہ فیاض دلی جسکے ساتھ آپ دشمنوں کی پیش کردہ صلح کی تجویز کو قبول کرنے کیلئے تیار رہتے تھے آپکے دشمنوں نے کبھی ظاہر نہیں کی اللہ تعالیٰ انکی دغابازی کیطرف مندرجہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے (۱) کیف وان یظھروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا ولا ذمۃ یرضونکم بافواھھم وتابی قلوبھم واکثرھم فاسقون اشتروا بآیات اللہ ثمنًا قلیلًا فصدوا عن سبیلہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور اگر وہ تم پر غالب آجاویں تو وہ تمہاری بابت میں کسی رشتہ داری اور عہد کی پرواہ تک نہیں کرتے تمہیں اپنے منہ کی باتوں سے راضی کرنا چاہتے ہیں اور انکے دل انکار کرتے ہیں اور انمیں اکثر فاسق ہیں انہوں نے آیات اللہ کے بدلے دنیا مول لے لی ہے پس انہوں نے اللہ کی راہ سے روکدیا (سورۃ توبہ رکوع ۲) (۲) لا یرقبون فی مؤمن الا ولا ذمۃ واولٰئک ھم المعتدون وہ مومن کے بارے میں کسی رشتہ داری اور عہد کی پرواہ نہیں کرتے اور وہ لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں (سورۃ توبہ رکوع ۲) ۳۔ لا تزال تطلع علی خائنۃ منھم الا قلیلا منھم فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین تو ہمیشہ انکی خیانت پر اطلاع پاتا رہیگا سوائے چند کے تو ان سے درگذر کر اور معاف کر اللہ تعالیٰ نیکی کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے (سورۃ المائدہ رکوع ۳) یہ آیات وضاحت سے بیان کر رہی ہیں کہ کافر

اپنے عہد و پیمان پر قایم نہ رہتے تھے اور وہ انکی ذرا بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر بھی یہ حکم تھا کہ آپ ان سے جہانتک ممکن ہو درگذر فراتے رہیں لہذا جب کبھی وہ صلح کی درخواست کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً تسلیم فرما لیتے اور انکے گذشتہ قصوروں اور خطاؤں کو بالکل نسیاً منسیا کر دیتے اور جب وہ عہد کو توڑ دیتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اسلیے نہ لڑتے تھے کہ انسے اسلام قبول کرایا جاوے بلکہ اسلیئے کہ وہ تعدی اور ظلم سے رکجاویں جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے وان نکثوا ایمانہم من بعد عہدہم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انہم لا ایمان لہم لعلہم ینتہون (سورۃ توبہ رکوع ۲) اور اگر وہ اپنی قسموں کو اپنے عہد کے بعد توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے سرداروں کے ساتھ لڑائی کرو تحقیق انکا عہد و پیمان نہیں شاید وہ باز آجائیں لیکن اگرچہ مسلمانوں کو صرف انہی کیساتھ لڑنیکا حکم تھا جو انکے ساتھ لڑتے تھے مگر پھر بھی انکو انصاف کی پابندی کی سخت تاکید تھی خدا تعالے نے مسلمانوں کو فرمایا لا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا و تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب (سورۃ مائدہ رکوع ۱) اور نہ ترغیب دے تمکو کسی قوم کی دشمنی اسلیئے کہ اس نے روکا تھا تمکو مسجد حرام سے یہ کہ تم حد سے گذر جاؤ نیکی اور تقوی پر مدد کرو گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو اللہ سے ڈرتے رہو اللہ سخت پکڑنیوالا ہے یا ایہا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ہو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (سورہ مائدہ رکوع ۲) اے مومنو! ہو جاؤ کھڑے ہونیوالے اللہ کیلیئے گواہ ساتھ انصاف کے اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ترغیب نہ دے اس بات کی کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ بہت قریب ہو تقوی کے اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ تعالے تمہاری کرتوتوں کو جانتا ہے۔ بدی کرنیوالوں کو سزا دینے میں انصاف کی سخت پابندی کیجاتی تھی اور جہانتک ممکن ہو سکتا تھا نرمی اور معافی کو ترجیح دی جاتی تھی قرآن شریف فرماتا ہے وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لہو خیر للصابرین (سورہ نحل رکوع ۱۶) اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی کہ تمہیں سزا دی گئی اور صبر کرو تو صبر کرنیوالوں کے لیئے بہتر ہے اور اللہ تعالے فرماتا ہے ادفع بالتی ہی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم (سورہ حم سجدہ رکوع ۵) عمدہ تدبیر سے برائی

کو دور کر وپس ناگہاں وہ شخص کہ درمیان تیرے اور اسکے عداوت ہے گویا کہ وہ پکا اور گرم دوست بنجائے یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے مخالفوں کی گذشتہ بیرحمیوں اور ظلموں کو معاف کرنیکے لیئے طیار رہتے تھے اگر وہ ذرا بھی شرارتوں سے باز رہنے کا میلان دکھلاتے . . یہ امر کہ اسلامی لڑائیاں اس غرض سے اختیار نہیں کی گئیں تھیں کہ اسلام کافروں میں جبراً پھیلایا جائے مندرجہ ذیل آیت سے بھی بخوبی واضح ہوتا ہے وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مأمنہ ذلک بانہم قوم لا یعلمون (سورۃ توبہ رکوع ۱) اور اگر کوئی مشرکوں میں سے پناہ مانگے تو ان کو پناہ دیدے یہانتک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسکو اسکی امن کی جگہ پہنچا دے یہ اسلیئے ہے کہ وہ بیعلم قوم ہے ان کافروں کی بابت جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کرتے تھے مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ ان سے حسن سلوک کریں قرآن شریف فرماتا ہے لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیہم ان اللہ یحب المقسطین (سورہ ممتحنہ رکوع ۲) خدا تم کو منع نہیں کرتا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے لڑائی نہیں کی مذہب کیخاطر اور انہوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا یہ کہ تم ان سے نیکی کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ ہو تو اللہ تعالیٰ کو انصاف کرنیوالے بہت پسند ہیں۔ انما ینھکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظلمون (سورۃ ممتحنہ رکوع ۲) تحقیق اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے تم کو ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے لڑائی کی دین کے معاملہ میں اور انہوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نکالدیا اور انہوں نے تمہارے نکالنے پر مدد دی انکو اپنا ولی دوست مت بناؤ اور جو ان سے دوستی گانٹھیگا وہ ضرور ظالم ہوجائیگا۔

مسلمانونکو یہ حکم تھا کہ وہ عہد پر پکے رہیں جب تک کافر عہد پر قایم رہیں مندرجہ ذیل آیت بتاتی ہے کہ بعض مسلمانوں پر عہد پر قائم رہنے والے کافرونکو ترجیح دیجاتی تھی والذین اٰمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیئ حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیر (سورہ انفال رکوع ۱۰) ان اللہ دہ

جو ایمان لائے ہیں اور انھوں نے ہجرت نہیں کی تمہارا ایسوں سے کوئی تعلق نہیں یہانتک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر تم سے دین کے بارہ میں مدد مانگیں تو تم پر انکی مدد کرنا لازم ہے ہاں مگر اس قوم کے مقابلے میں تم انکی مدد نہیں کر سکتے جس قوم سے تمہارا عہد و پیمان ہو چکا ہے اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہے دیکھو کہ مسلمانونکو غیر مسلموں کیساتھ عہد و پیمان کی پابندی کرنے میں کیسی احتیاط کرنی پڑتی تھی۔

مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کی جان محض اسکے برے عقاید کی بنا پر لینے کی اجازت نہ تھی خدا تعالے فرماتا ہے من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا (سورہ مائدہ رکوع ۵) جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے قتل کرتا ہے یا بغیر کسی فساد کے زمین میں تو گویا وہ تمام جہان کو قتل کرتا ہے (ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا) اور جو کوئی اس نفس کی جان بچاتا ہے پس گویا وہ تمام جہان کی جان بچاتا ہے (سورہ مائدہ رکوع ۵)

جو کچھ اوپر بیان ہو چکا ہے اس سے ذرا بھی شک نہیں رہتا کہ اسلام کی اشاعت بذریعہ شمشیر نہیں ہوئی اور نہ اس غرض کیلیے مسلمانوں نے اپنے دشمنوں سے لڑائیاں کیں تلوار صرف انکو روکنے کیلیے اٹھائی گئی تھی جنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف پہلے پہل تلوار اٹھائی اور جنکو اگر روکا نہ جاتا تو وہ اسلام کے نام کو بھی صفحہ دنیا سے مٹا دیتے مسلمانونکو یہ حکم تھا کہ وہ تلوار کو فوراً نیام میں داخل کریں اگر دشمن تعاقب سے باز آجائے کافرونکو بار بار بتایا گیا تھا کہ مسلمان لڑنے سے باز آجاینگے اگر وہ اپنی تعدیوں سے رکجائیں مذکورہ بالا آیتیں بالکل صاف بتا رہی ہیں کہ عیسائی واعظ کا قرآن شریف پر یہ الزام لگانا کہ اسنے مسلمانونکو بذریعہ شمشیر اسلام پھیلانیکا حکم دیا ہے کس درجہ کی بے انصافی ہے وہ عمداً ان آیات کے ذکر کو چھوڑتا ہے جو کافروں سے جنگ کرنیکی اجازت کی وجوہ کھلے طور سے بیان کرتی ہیں اور صرف چند متفرق آیات کا ذکر کرتا ہے جنمیں جنگونکیلیے مسلمانونکو تحریص دی گئی ہے اور پڑھنے والونکو یہ سمجھاتا ہے کہ گویا مسلمانونکو یہ حکم تھا کہ وہ کافروں سے لڑیں تا انکو تیغ کریں یا وہ اسلام قبول کریں میں خیال کرتا ہوں کہ اس الزام کے بے بنیاد ہونیکا کافی ثبوت ہو چکا ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ فتح جو مسلمانونکو نصیب ہوتی تھی وہ مسلمانونکی قوت کیوجہ سے نہ تھی بلکہ وہ تائید الٰہی تھی جسکا ابتدا میں ہی ان سے وعدہ ہو چکا تھا میں نے پہلے وہ آیات نقل کر دی ہیں جن میں مسلمانونکو فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے طاقتور دشمن سے خوفزدہ نہ ہوں کیونکہ خدا انکو اپنی خاص تائید سے مدد دیگا اور یہ وعدہ بڑی صراحت کیساتھ پورا ہوا مسلمانوں کی فتح انکے ہتھیارونکی وجہ سے نہ تھی بلکہ وہ ایک معجزہ تھا جو اللہ تعالے نے ظاہر فرمایا۔ اللہ تعالے نے انکے دشمنوں میں

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ بابت ماہ جولائی ۱۹۰۹ء نمبر ۷

فہرست مضامین

اشاعت اسلام ۲۴۲ سے ۲۶۷ تک

اظہار حق ۲۶۸ سے ۲۷۴ تک

صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ماہوار رپورٹ ۲۷۵ سے ۲۸۰ تک

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جولائی ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عوام سے عہ طلباء سے عہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۲

مکہ معظمہ میں اسلام کا پھیلنا

مکہ معظمہ وہ شہر ہے جہاں اسلام پیدا ہوا اور جس طور سے اسلام اس مبارک شہر میں پھیلا۔ وہ صاف ثابت کر رہا ہے کہ اسلام دنیا میں اپنی قوت قدسیہ اور اپنی سچائی کے زور سے پھیلا نہ کسی اور ذریعہ سے۔

عرب کی حالت اور خصوصاً مکہ معظمہ کی حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے وقت ایسی تھی کہ اسلام کی قبولیت کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ اہل عرب بت پرستی پر [illegible] جمے ہوئے تھے اور شرک کی جڑھیں عرب کی سرزمین میں ایسی گہری گڑی [illegible] بنی اسرائیل کے نبی بھی اپنی قوم کے آگے اہل عرب کو بطور مثال کے پیش کرتے [illegible] انکی قوم واحد خدا کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں کی پرستش اختیار کرتی تو انکو ملامت کرتے کہ تم اپنے سچے خدا کو چھوڑ بیٹھے ہو حالانکہ عرب کے ریگستان کی قوم [illegible] جھوٹے معبودوں پر ایسے جمے ہوئے ہیں کہ کوئی چیز انکو بت پرستی [illegible] سکتی۔ دیرمیاہ۔ باب ۲۔ درس ۱۰-۱۲)

کئی انبیاء عرب کی حدود پر ظاہر ہوئے مگر انکی تعلیم کا اثر [illegible] کی لہر بھی دنیا کے ایک بڑے حصّہ پر پھیل گئی مگر عرب کا ریگستان [illegible]

پڑوس میں واقع تھا وہ ایسا ہی خشک پڑا رہا جیسا پہلے تھا۔ سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھتا ہے " اگرچہ عیسائی ۵۰۰ سال تک ملک عرب میں عیسائیت کو پھیلانے کی کوشش کرتے رہے مگر پھر بھی سوائے ایک قلیل تعداد کے کسی نے عیسائی مذہب کو قبول نہ کیا۔ یہود نے بھی اپنے مذہب کو پھیلانیکے لیئے بہت کوشش کی اور انکی طاقت بھی عیسائیوں سے کہیں بڑھکر تھی مگر آخر وہ بھی تھک کر رہ گئے " پھر اپنی کتاب کے دیباچہ صفحہ ۸۷ پر لکھتا ہے " محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہور سے پہلے ملک عرب کی حالت جیسے ملکی اتحاد اور تمدنی اصلاح کے مخالف تھی ایسے ہی مذہبی اصلاح کے بھی مخالف تھی۔ عربوں کے مذہب کی بنیاد ایک نہایت ہی گہری بت پرستی پر قائم تھی جسپر شام اور مصر سے کئی حملے کیئے گئے مگر ۵۰۰ سال تک انہوں نے ان حملوں کا سختی سے مقابلہ کیا اور اس میں کوئی زوال یا کمزوری کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے " عرب کی حالت ہمیشہ سے ایسی چلی آتی تھی کہ وہاں کبھی اصلاح میں کامیابی حاصل کرنیکی کسی کو امید نہیں ہوئی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حالت اور بھی ابتر تھی چنانچہ سر ولیم میور اس امر کی شہادت دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ " محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جوانی کے زمانہ میں جزیرہ نما عرب میں آبائی مذہب پر قائم رہنے کا میلان بڑے زور کے ساتھ پایا جاتا تھا۔ اور شائد کسی پہلے زمانہ میں اصلاح کی ایسی مایوسی کی حالت نہیں تھی جیساکہ اسوقت تھی "

علاوہ ازیں اسلام ایک رنگ کی جمہوریت کی تعلیم دیتا تھا اور اسلام کے خدا کی نظر میں سب انسان ایک رنگ کی مساوات رکھتے تھے اور وہ تمام امتیاز جو قدیم سے اہل عرب میں چلا آتا تھا اسلام نے اسکو بالکل محو کر دیا تھا۔ اسلیئے عرب کے قبائل کے نزدیک اسلام ایک انقلاب پیدا کرنے والا مذہب تھا اور انکو خطرہ تھا کہ وہ عرب کی دیرینہ رسوم اور پیاری یادگاروں کو مٹا دیگا۔ اہل مکہ کو خصوصاً خطرہ تھا۔ کعبہ کے بتوں کی پرستش انکے دلوں میں جاگزین تھی۔ اور کعبہ صرف مکہ والوں کیلیئے بلکہ کل عرب کے لیئے موجب فخر تھا۔ وہ گھر جو پہلے واحد خدا کی پرستش کیلیئے کھڑا کیا گیا تھا اب اس میں

اسقدر بُت تھے جتنے کہ سال میں دن ہوتے ہیں۔ جزیرہ نماء عرب کے تمام اطراف سے
لوگ جوق در جوق کعبہ کی زیارت کیلئے آتے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کو ایک خاص عزت
اور اقتدار حاصل ہوگیا۔ وہ کعبہ کے بتوں کے محافظ اور چابی بردار تھے اور وہی کعبہ
تک پوجا کرانے کے پروہت تھے۔ ایک دوسرا فائدہ اُن کو یہ تھا کہ کعبہ کُل
جزیرہ عرب کا مذہبی مرکز ہونے کی وجہ سے تمام عرب کا تجارتی مرکز بھی ہوگیا
تھا اور اسطرح کعبہ کی پوجا قائم رکھنے میں اُنکا دنیاوی فائدہ بھی تھا۔ اور وہ کعبہ کے
بتوں کے قیام پر اپنا قیام منحصر سمجھتے تھے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بُت پرستی
کی بیخکنی کرنا چاہتے تھے۔ اسلیئے کفار مکہ کو خوف تھا کہ اسلام کے پھیلنے سے نہ صرف تمام
عرب میں اُنکا رُعب و اقتدار معدوم ہوجائیگا بلکہ اُس تجارت کو بھی نقصان پہنچیگا
جسپر اُنکی معاش کا بہت کچھ انحصار تھا۔ اور اسلام کی کامیابی کے بعد اُنکی ساری
عظمت جاتی رہے گی اسلیئے انہوں نے ناخنوں تک زور لگایا کہ اسلام مکہ معظمہ اور
قبائل عرب میں پھیلنے نہ پائے تا قدیمی رواج قائم رہیں اور اُنکی عزت اور عظمت میں
کچھ فرق نہ آئے۔ نہ صرف مذہبی لحاظ سے وہ بتوں کی حمایت کرتے تھے بلکہ اپنی
دنیاوی وجاہت اور حیثیت کو قائم رکھنے کے لیئے بھی وہ اسلام کی اشاعت کو
روکنا ضروری سمجھتے تھے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعوی کیا تو جو لوگ سب سے پہلے آپ پر
ایمان لائے وہ ایسے اشخاص تھے جو آپکے حالات سے نہایت ہی گہری واقفیت رکھتے
تھے۔ آپ کی بی بی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ آپ کی لڑکیاں۔ آپکا چچازاد بھائی
حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اور آپکے محرم راز دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ اور آپکے
آزاد کردہ غلام زید رضی اللہ عنہ۔ یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے۔
حضرت ابوبکرؓ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کسی شخص کو اسلام
قبول کرنے کے لیئے نہیں بلایا جس نے کچھ تامل نہ کیا ہو سوائے ابوبکرؓ کے کیونکہ جب
میں نے اسکے آگے اسلام پیش کیا تو اس نے اسکے قبول کرنے میں کچھ دیر نہ لگائی اور

کچھ شک وشبہ نہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ کے متعلق ولیم میور لکھتا ہے کہ "جلدی سے یا جوش سے وہ کسی کام کو نہیں کرتے تھے۔ ہر ایک کام وہ سوچ سمجھکر اور اطمینان اور یقین کے ساتھ کرتے تھے۔ انکی رائے بڑی صایب اور انصاف پر مبنی ہوتی تھی۔ انکی تقریر نہایت ہی دلپذیر تھی اور انکے اخلاق نہایت ہی پسندیدہ اور دلکش تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قریش انکی مجلس اور مشورہ کو بہت طلب کرتے تھے اور وہ تمام شہر بھر میں ہر دلعزیز تھے۔" (لائیف آف محمدؐ صفحہ ۵۶) ان پہلے مومنین کا ایمان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے محرم تھے اور علاوہ ازیں نہایت سمجھدار اور راستباز آدمی تھے انکا ایمان لانا اور پھر صدق دل سے ایمان لانا اور ہمیشہ جان نثار رہنا اس امر کی ایک کھلی کھلی اور زبردست شہادت ہے کہ آپکے دعویٰ کی بنا نہایت سچائی اور صداقت پر تھی۔ یہ ایسی صریح شہادت ہے کہ دشمن اسلام ولیم میور بھی اس شہادت کو تسلیم کرتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے "یہ امر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کا بڑی زوردستے مؤید ہے کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام کو قبول کیا وہ نہ صرف راستباز لوگ تھے بلکہ آپکے محرم راز دوست یا آپکے خاندان کے لوگ تھے جو کہ آپ کی پرائیویٹ زندگی سے کامل آگاہی رکھتے تھے اور وہ اُس اختلاف سے بےخبر نہیں رہ سکتے تھے جو کہ ایک مفتری کی اندرونی اور بیرونی حالت میں لازمی طور پر ہوتا ہے۔" جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا انہیں آپ کا آزاد کردہ غلام زید بھی تھا۔ وہ چھوٹی عمر میں ایک لڑائی میں پکڑا گیا تھا اور حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے نے اسکو خرید کرکے حضرت خدیجہؓ کو خدمت کیلئے دیدیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں پیش کیا۔ آپنے اُسے فوراً آزاد کردیا مگر زیدؓ آپکے حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق کو دیکھکر آپ کا غلام ہوگیا اور اگرچہ اُسکے رشتہ دار اُسکا پتہ لگاکر مکہ معظمہ میں آئے اور اسکو واپس لیجانا چاہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے جانیکی اجازت دیدی مگر وہ آپ پر ایسا شیدا تھا کہ اُسنے اپنے باپ کے ساتھ اپنے وطن مالوف میں جانا گوارا نہ کیا اور آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

جیسا حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سنتے ہی آپکے دعویٰ کی تصدیق کی تھی اسی طرح ایک اور بزرگ یہ سنتے ہی کہ آپکے پاس خدا کا فرشتہ کلام الٰہی لیکر آیا ہے پکار اُٹھا۔ قدوس قدوس۔ والذی نفس ورقة بیدہٖ لقد جاءہ الناموس الاکبر الذی کان یاتی موسیٰ وانہ لبنی ھٰذہ الامة کہ یہ ناموس الاکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا کرتا تھا اور آپ اس اُمت کے نبی ہیں۔ یہ بزرگ ورقہ بن نوفل تھے جو یہود اور نصاریٰ کی کتابوں سے اچھی واقفیت رکھتے تھے اور اُن پیشگوئیوں کا بھی اُنکو علم تھا جو ایک آنیوالے نبی کے متعلق تھیں ورقہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے درجہ کے لیئے انتخاب کیا ہے۔ آپکے پاس ناموس الاکبر آیا ہے۔ قوم آپ کی تکذیب کریگی اور آپ کو تکلیف دیگی اور آپکے ساتھ جنگ کریگی اور جب کبھی آپ جیسا نبی دنیا میں آیا تو ہمیشہ قوم نے اُسکی مخالفت کی۔ کاش کہ میں بھی اُسوقت تک زندہ رہوں اور آپکے لیئے لڑوں۔

اوّل اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر اپنے اقارب اور آشناؤں میں دعوت شروع کی چونکہ ابتداء سے ہی سخت مخالفت شروع ہوگئی تھی اسلیئے آپ کھلے طور پر نماز ادا نہیں کر سکتے تھے اور ابتداء میں آپ اور آپکے صحابہؓ تنہا مقامات میں نماز ادا کرنے جاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اور حضرت علیؓ تنہائی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو طالب وہاں آنکلے اور پوچھا یا ابن اخی ما ھٰذا الدین الذی اراك تدین بہ یعنی اے میرے بھتیجے۔ یہ کیا دین ہے کہ جسپر میں تجھے چلتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر نہایت ہی لطف سے اپنے چچا کو مندرجہ ذیل محبت آمیز الفاظ میں تبلیغ شروع کی۔ ای عم ھٰذا دین اللہ ودین ملٰئکتہ ودین رسلہ ودین ابینا ابراھیم۔ بعثنی اللہ بہ رسولا الی العباد وانت ای عم احق من بذلت لہ النصیحة ودعوتہ الی الھدیٰ واحق من اجابنی علیہ واعاننی علیہ

اے میرے چچا۔ یہ دین ہے خدا کا۔ خدا کے فرشتوں کا اور خدا کے انبیاءؑ کا اور ہمارے باپ ابراہیمؑ کا۔ خدائے تعالیٰ نے مجھے اس دین کے ساتھ رسول بنا کر دنیا کی طرف بھیجا ہے اور اے میرے چچا تو سب سے زیادہ اس بات کے لائق ہے کہ میں تجھے نصیحت کروں اور ہدایت کی طرف بلاؤں اور لوگوں میں سے تو سب سے زیادہ اس بات کے لائق ہے کہ میری دعوت کو قبول کرے اور اس کام میں میرا مددگار ہو۔ اس پُر شفقت تبلیغ کے جواب میں ابو طالب نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے میں اپنے آباؤ اجداد کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک میں زندہ ہوں تجھے کوئی شخص تکلیف پہنچانے کی جرأت نہیں کر سکیگا۔ پھر اپنے بیٹے علیؓ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تیرا کیا مذہب ہے۔ علیؓ نے جواب دیا کہ اے میرے باپ۔ میں اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول پر ایمان لایا ہوں اور اُسکی اتباع کرتا ہوں۔ اسپر ابو طالب نے کہا امانه لم یدعك الا الی الخیر فالزمه۔ یعنی مجھے یقین ہے کہ وہ تجھے نیکی کی طرف بلائیگا پس تجھے اجازت ہے تو اسکی اتباع کر۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو طالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین تھا اسی لیئے اُس نے بیٹے کو اجازت دی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے مگر خود اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنا پسند نہ کیا اسلیئے نہیں کہ وہ اس مذہب کو سچا سمجھتا تھا بلکہ اسلیئے کہ وہ اُسکے باپ دادوں کا مذہب تھا اور اس میں وہ اپنی ہتک سمجھتا تھا کہ آبائی مذہب کو چھوڑ کر لوگوں کی ملامت کا نشانہ بنے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تبلیغ کا کام برابر جاری رکھا اور ان لوگوں کے بعد جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے حضرت عثمانؓ بن عفان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیسرے خلیفے تھے۔ عبد الرحمٰن بن عوف۔ سعد ابن ابی وقاص فاتح ایران حضرت خدیجہؓ کا برادر زادہ حضرت زبیرؓ اور طلحہ مسلمان ہوئے۔ پہلے تین سال کے عرصہ میں جن اشخاص نے برملا اسلام قبول کیا اور جن کے ناموں کا پتہ لگ سکتا ہے اُنکی تعداد چالیس کے قریب ہے ممکن ہے کہ اصل تعداد اس سے زیادہ ہو مگر چالیس

کے قریب آدمیوں کے اسلام قبول کرنے کا ذکر بالصراحت پایا جاتا ہے۔

کفار کی طرف سے ایذا رسانی ابتدا ہی سے شروع ہو گئی تھی چنانچہ اول اول مسلمان کھلے طور پر نماز بھی ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اور کفار کے خوف کی وجہ سے پہاڑیوں کی کھندوں اور وادیوں میں جا کر نماز ادا کرتے تھے۔ بعد ازاں غالباً بعثت کے چوتھے سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم اور آپ کی جماعت ایک صحابی ارقمؓ کے مکان میں جو کعبہ کے قریب تھا دروازہ بند کر کے نماز پڑھنے لگے۔ اور اُسی مکان میں لوگ جا کر اسلام قبول کرتے اور اسلامی تعلیم کو سنتے۔ اسی جگہ صحابہؓ جمع ہوتے تھے یہانتک کہ بعثت کے چھٹے سال کے اختتام کے قریب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔

اسلام کی روز افزوں کامیابی دیکھ کر کفار خوف زدہ ہو گئے اور انہوں نے باقاعدہ طور پر مسلمانوں کو ستانا اور طرح طرح کا عذاب دینا شروع کیا۔ اُس زمانہ میں کوئی سلطنت نہیں تھی جو مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت کرتی۔ اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پر سخت ظلم کیے گئے خصوصاً اُن غریب مسلمانوں پر جنکا کوئی حامی یا محافظ یا زبردست قبیلہ نہیں تھا جو اُنکی حمایت کرے۔ اور اکثر مسلمان اسی قسم کے لوگ تھے کئی مسلمان غلامی کی حالت میں تھے اور اُنکے مالک اُنکو ناقابل برداشت تکالیف پہنچاتے۔ غریب مسلمانوں کو کفار پکڑتے اور قید میں ڈال دیتے یا جب سورج نصف النہار پر ہوتا اُنکو لیجا کر وادیوں کے جلتے ہوئے سنگریزوں اور جلانے والی ریت پر لٹا دیتے اور پیاس سے اُنکی زبانیں باہر آجاتیں اور ایسے بیہوش ہو جاتے کہ نہیں جانتے تھے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ اور اُن کے سینوں پر تپتی ہوئی پتھر کی بھاری بھاری سلیں رکھی جاتیں۔ بعض اپنی جان بچانے کیلئے بظاہر اسلام سے انکار بھی کر دیتے مگر اکثر باوجود ان تکالیف کے اسلام پر قائم رہتے کس قدر سخت سخت تکالیف مسلمانوں کو دیجاتیں اور کیسی استقامت سے بیچارے مسلمان ان ظلموں کو برداشت کرتے یہ حضرت بلالؓ کے قصہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے حضرت بلالؓ کو اُنکا مالک اُمیہ بن خلف ہر روز بطحا میں لیجاتا جب کہ سخت گرمی کا وقت ہوتا

اور انکو جلتی ہوئی ریت اور سنگریزوں پر لٹاکر اور انکا منہ سورج کی طرف کرکے
انکے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھدیتا اور کہتا کہ تو اسی حالت میں پڑا رہیگا یہانتک
کہ تو اسلام سے انکار کرے مگر حضرت بلالؓ کی استقامت دیکھیئے کہ جب بھاری پتھر
کی وجہ سے انکا دم گھٹا ہوا ہوتا تھا اور سخت پیاس سے مر رہے ہوتے تھے وہ
یہی جواب دیتے تھے کہ اَحَدٌ اَحَدٌ یعنی ایک ہی خدا ہے ایک ہی ہے ظالم
کئی دن تک لگاتار ایسا ہی کرتا رہا یہانتک کہ وہ موت کے کنارہ پر پہنچ گئے۔ آخر حضرت
ابوبکرؓ نے اُن کو خرید کر اُس ظالم کے پنجہ سے انکو نجات دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اور
بھی کئی غلاموں کو خرید کر طرح طرح کی تکالیف سے انکو مخلصی دی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم
دوسری نسل کے لوگوں کو اُن زخموں کے نشان دکھایا کرتے تھے جو اُن کو مکہ
کی زندگی میں ظالم کفار کے ہاتھ سے پہنچے۔

بعض مسلمان ظالم قریش کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھا اُٹھا کر شہید بھی ہو گئے۔
ابوجہل نے حضرت عمارؓ کی والدہ سمیّہ کو ایسی تکلیف دی جس سے بدن پر رونگٹے
کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُس بیچاری کے اندام نہانی میں برچھے مارے مگر اُس بہادر
مظلومہ کی استقامت حیرت انگیز ہے کہ اُسنے اس ہیبتناک قتل کو منظور کیا مگر
اسلام سے منہ نہ پھیرا۔ حضرت عمارؓ کے والد یاسرؓ بھی اسی طرح سخت تکلیف کے ساتھ
شہید کیے گئے۔ اور خود حضرت عمارؓ کو بھی خوفناک تکالیف دی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم ان تکالیف کا مشاہدہ کرتے اور جو دُکھ آپ کو اپنے صحابہؓ کی تکلیف دیکھ کر
پہنچتا تھا اُسکا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

اوّل اوّل ایسے صحابہؓ جو زبردست قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے اپنے قبائل
کی عصبیت کی وجہ سے اُن تکالیف سے محفوظ رہے جو اکثر مسلمانوں پر وارد ہوئیں
جنکا کسی طاقتور قبیلے سے تعلق نہ تھا لیکن جب کفار نے دیکھا کہ اسلام روز بروز
ترقی کر رہا ہے تو انہوں نے زیادہ سخت تجاویز سے کام لینا شروع کیا اور چونکہ بعض
مسلمان اپنی اپنی قوم کی حمایت کی وجہ سے ایک حد تک محفوظ تھے اس لیئے آئندہ

بالاتفاق یہ تجویز ہوئی کہ ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے رشتہ داروں کو اسلام قبول کرنے سے روکے اور اپنے اپنے رشتہ کے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف پہنچا کر انکو اسلام سے پھیرے۔ اور اسی طرح ہر ایک خاندان اپنے اپنے دائرہ کے اندر اسلام کی بیخ کنی کرے اس نئی تجویز کے مطابق ہر ایک قبیلہ نے اپنے اپنے دائرہ کے مسلمانوں کو ستانا شروع کیا اور اپنے سرداروں کی اولاد تک کو نہ چھوڑا چنانچہ ولیم میور شہادت دیتا ہے کہ جب بنی مخزوم نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے قبیلہ کے مسلمانوں کو سزائیں دیں ان مسلمانوں میں انکے بوڑھے سردار کا بیٹا ولید بھی تھا۔ وہ اُسکے بھائی ہشام کے پاس گئے اور اُس سے اجازت چاہی۔ ہشام اسلام کا ایسا سخت دشمن تھا کہ اُسنے اجازت دیدی کہ اُسکے حقیقی بھائی کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے پیٹا جائے یہانتک کہ وہ اسلام سے باز آجائے صرف اتنی شرط لگائی کہ اُسکو جان سے نہ مارا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ممتاز خادم جیسے حضرت ابوبکرؓ بھی کفار کی ایذاء رسانی سے نہ بچے۔ آپ اپنے مکان پر بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے جس کی کشش سے کئی لوگ آپکے پاس آکر قرآن شریف سنتے اور اُس سے متاثر ہوکر کئی اسلام کو قبول کرتے۔ کفار اس بات کو برداشت نہ کرسکے اور فساد پر آمادہ ہوگئے اور کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ قتل کیئے جاؤ گے۔ آپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا اور چونکہ جان خطرہ میں تھی اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آن کو مکہ معظمہ سے چلا جانیکی اجازت دیدی حضرت ابوبکر شہر سے نکل گئے۔ پھرتے پھرتے ایک قبیلہ عرب کے سردار سے انکی ملاقات ہوئی جسپر کہ انہوں نے پہلے ایک احسان کیا تھا۔ جب اُسکو آپکے مکہ سے نکلنے کا حال معلوم ہوا تو اُسنے سخت تعجب کیا اور کہا کہ میں نہیں مان سکتا کہ آپ جیسے انسان کو اہل مکہ شہر سے نکال دیں اور وہ آپ کو واپس مکہ میں لایا۔ چونکہ وہ ایک زبردست جتھے کا انسان تھا قریش کے لیئے اُسکی بات کا رد کرنا آسان نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم ابوبکرؓ کو اس شرط پر رہنے کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ قرآن شریف بلند آواز سے نہ پڑھے حضرت

ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں اس شرط کو منظور نہیں کر سکتا۔ مگر چونکہ سردار مذکور ایک طاقتور شخص تھا اور اُس نے زور دیا کہ حضرت ابو بکرؓ کو مکہ میں رہنے سے روکنا نہ چاہیئے اسلیئے آخر قریش کو لاچار منظور کرنا پڑا مگر پھر بھی حضرت ابو بکرؓ اُس ایذا رسانی سے کلی طور پر محفوظ نہ تھے جو مکہ کے مسلمانوں کو قریش کی طرف سے برداشت کرنی پڑتی تھی۔

اگرچہ ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی تھا مگر پھر بھی آپ دشمنوں کی تکلیف دہی سے بالکل محفوظ نہ تھے۔ کفار کی ایذا رسانی صرف الفاظ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وہ حقیقی تکلیف پہنچانے سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔ کعبہ میں آپکو عبادت کرنے سے روکتے اور جدھر آپ تشریف لیجاتے آپ کا تعاقب کرتے۔ نماز میں جب آپ سجدہ میں جاتے غلاظت کے بوجھ آپ کی پشت مبارک پر رکھتے بدچلنوں اور گنڈوں کو ایذا رسانی کیلیئے اُکساتے بعض دفعہ آپکی جان بھی خطرہ میں ہو جاتی۔ ایک دفعہ آپ طواف کعبہ کر رہے تھے کہ قریش کی ایک جماعت آپکو تنہا پاکر یک لخت آپ پر اکٹھے ہو کر ٹوٹ پڑی اور آپکی چادر کو پکڑ کر گلا گھونٹنا چاہا۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ اتفاق سے وہاں آنکلے آپنے اُنکو ڈانٹ کر کہا کہ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللّٰہ کیا تم ایک آدمی کو اسلیئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ تب وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ حضرت امیر حمزہؓ کے برملا اسلام ظاہر کرنے کا باعث بھی یہی ایذا رسانی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صفا پر بیٹھے تھے کہ ظالم ابو جہل وہاں جا نکلا اور آپ کو نہایت شرمناک گالیاں دیں۔ آپنے نہایت صبر سے اُسکی بدزبانی کو سُنا اور برداشت کیا اور خاموش ہو رہے۔ ایک لونڈی اس واقعہ کو دیکھ رہی تھی۔ ابو جہل کی سختی اور آپ کی بُردباری دیکھ کر اُسکا دل بھر آیا۔ آپنے تو کسی کے پاس اس امر کا ذکر نہ کیا مگر اُس لونڈی نے حضرت حمزہؓ کے پاس جو شکار سے واپس آ رہے تھے بیان کیا کہ ابو جہل نے آج تیرے بھتیجے کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے۔ حضرت حمزہؓ کی غیرت کب ایسی ہتک کو برداشت کر سکتی تھی۔ سیدھے ابو جہل کے پاس آئے جو ایک جماعت کے ساتھ کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا

اور اُس کے سر پر اپنی کمان ایسے زور سے ماری کہ اُس کا سر زخمی ہوگیا اور کہا اتشتمه فانا علی دینه اقول ما یقول فرد ذٰلک علیّ ان استطعت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا رہا ہے جبکہ میں بھی آپ کا پیرو ہوں۔ اگر تجھے جرأت ہے تو میرے اس حملہ کا جواب دے اسکے بعد آپ برملا مسلمان ہو گئے اور اسلام کے بہادر پہلوانوں میں سے تھے۔

حضرت عمرؓ بھی اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ ایک دن تلوار ہاتھ میں لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قتل کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ اپنی تلوار چلائیں ایک اور تلوار آپ کا کام کر گئی۔ خدائے تعالیٰ نے اپنا ہاتھ دکھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا معجزہ ظاہر ہوا کہ وہ جو تلوار لے کر قتل کے ارادہ سے روانہ ہوا تھا وہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو مسلمان ہو کر پہنچا۔ وہ کونسی چیز تھی جس نے ایک لمحہ میں ایک خونخوار قاتل کو جان نثار خادم بنا دیا۔ وہ قرآن شریف تھا جس نے حضرت عمرؓ میں حیرت انگیز معجزانہ تغیر پیدا کیا۔ حضرت عمرؓ تلوار لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ایک شخص نے اُنسے کہا کہ تو پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے۔ تیری بہن اور تیرا بہنوئی دونو اُس شخص کے پیرو ہو چکے ہیں جسکے قتل کرنیکے لیئے تو جا رہا ہے اسپر حضرت عمرؓ کا غصہ بھڑکا اور وہ سیدھے اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اُس گھر میں حضرت خبابؓ سورہ طٰهٰ۔ گھر والوں کو سنا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت خبابؓ اُنکے ڈر سے چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ گھر میں داخل ہوئے۔ قرآن شریف کے پڑھنے کی آواز تو وہ سُن ہی چکے تھے جب اُنکو اُس خبر کی تصدیق ہو گئی جو انہوں نے راستہ میں سنی تھی۔ انہوں نے اپنے بہنوئی پر حملہ کیا۔ اُنکی ہمشیرہ نے اپنے خاوند کے بچانے کیلیئے مداخلت کی۔ اس کشمکش میں اُنکی ہمشیرہ کو زخم لگ گیا اور خون بہنے لگا۔ آخر وہ بھی حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ جواب دیا۔ ہاں ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ اب جو

کچھ تُو نے کرنا ہے کرلے۔ اپنی ہمشیرہ کا چہرہ خون سے آلودہ دیکھکر حضرت عمرؓ کا دل نرم ہوگیا اور پوچھا کہ وہ کاغذ کہاں ہے جو تم پڑھ رہے تھے۔ اُنکی ہمشیرہ نے جواب دیا۔ کہ تم مشرک ہو۔ تمھارے ہاتھ ناپاک ہیں۔ ناپاک ہاتھ اُس صحیفہ کو چھو نہیں سکتے غسل کرو پھر تم اُس کاغذ کو دیکھ سکتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا۔ اُنکی ہمشیرہ نے صحیفہ نکال کر دکھایا۔ حضرت عمرؓ نے اُس صحیفہ کو پڑھنا شروع کیا اور اُس صحیفہ نے آپکے دل کو مسخر کرنا شروع کیا۔ جب آپ سورہ طٰہٰ کا ایک حصہ پڑھ چکے تو بول اُٹھے۔ کہ یہ کلام کیسا احسن اور اکرم ہے۔ یہ سنکر حضرت خباب بھی باہر نکل آئے۔ حضرت عمرؓ سیدھے ارقم کے مکان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے مسلمان کفار کے خوف سے دروازہ بند کئے بیٹھے تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت حمزہؓ اور دیگر صحابہؓ نے بند دروازہ میں جھانک کر دیکھا تو چونک کر پیچھے ہٹ گئے اور بولے کہ یہ عمر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دروازہ کھولدو اور جب حضرت عمرؓ داخل ہوئے تو آپ نے اُنکا دامن اور تلوار کی پیٹی پکڑ کر فرمایا کہ تُو کب تک ہمیں ستائیگا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا "مَیں شہادت دیتا ہوں کہ تُو خدا کا رسول ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے کہ اے خدا دو عمروں میں سے (یعنی ابو جہل جسکا نام عمر تھا اور عمر بن خطاب میں سے جو دونوں مسلمانوں سے دشمنی رکھتے تھے) ایک عمر مجھے دے۔ سو خدائے تعالیٰ نے آپکی دعا کو قبول کیا اور یہ آپ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ معجزانہ رنگ میں ایمان لائے۔ دعا کی اس قبولیت کو دیکھکر سب مسلمانوں کا ایمان بڑھا اور اُس دن سے مسلمان کھُلے طور پر نماز ادا کرنے لگے۔

جب مسلمان ہر رنگ میں ستائے جا رہے تھے اور جب دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں تُلا ہوا تھا۔ آپ خدائے تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں استقامت سے تبلیغ میں مصروف تھے۔ نہ صرف آپ فرداً فرداً لوگوں کو تبلیغ کرتے بلکہ اپنا پیغام پہنچانیکے لئے ہر مجمع میں تشریف لیجاتے۔ خدائے تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم تھا فاصدع بما تومر یعنی جو کچھ تجھے حکم ہوتا ہے اُسکو کھول کر بیان کر اور آپ اپنے فرض کی ادائیگی

میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ ہر ایک موقع تبلیغ کا جو آپ کو ملتا آپ اُس موقع سے فائدہ اُٹھاتے۔ جب قریش کعبہ کے صحن میں اکٹھے ہوکر بیٹھتے آپ اُنکو آنیوالے عذاب سے ڈراتے اور جو عذاب دوسری قوموں پر انبیاء کی تکذیب اور اُنکے مقابلہ کی وجہ سے نازل ہوئے تھے اُنسے ڈراتے اور اُنکو خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اُنکے بتوں اور جھوٹے معبودوں کی پرستش سے انکو روکتے۔ جب آپکو حکم ہوا کہ وانذر عشیرتك الاقربين۔ یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب سے اور کفر و شرک کے بدنتائج سے ڈرا۔ تو آپ صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوگئے اور مختلف قبیلوں کے نام لیکر بلانا اور انا النذیر العریان کہکر پکارنا شروع کیا عرب میں رسم تھی کہ جب کوئی خطرناک مصیبت یا خوفناک دشمن کسی شہر پر حملہ کرنیوالا ہوتا تو جس شخص کو اس آنے والی مصیبت یا حملہ آور دشمن کا پتہ لگ جاتا تو وہ اپنے کپڑے اُتار اونٹنی پر سوار ہوکر دوڑتا اور اُسکا ننگا ہونا اس امر کی علامت تھی کہ کوئی غیر معمولی مصیبت شہر پر وارد ہونیوالی ہے۔ اسی رسم کی طرف اشارہ کرکے آپنے پکارنا شروع کیا انا النذیر العریان یعنی میں ایک سخت اور خطرناک مصیبت سے تمھیں ڈراتا ہوں جب اس پکار کو سنکر سب لوگ پہاڑی کے نیچے جمع ہوگئے تو آپنے فرمایا اگر میں تمھیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر عظیم ہے جو عنقریب تمھارے شہر پر حملہ کرکے تمھیں تباہ کردیگا تو کیا تم میری بات پر یقین کروگے یا نہیں۔ سبنے کہا ماجربنا فیك الکذب یعنی ہم نے تیری ساری عمر میں کبھی تجھے خلاف واقعہ بات کہتے ہوئے نہیں سنا۔ تو ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ اسپر آپنے اُنکو اس عذاب سے ڈرایا جو انپر آنیوالا تھا اور جس سے وہ اپنے نبی کو قبول کرکے بچ سکتے تھے۔ اسپر ابولہب نے جو آپ کا چچا تھا ایک پتھر اُٹھایا اور کہا تبالك الهذا دعوتنا سائر الیوم کیا اسی بات کیلئے تُونے ہم سب کو جمع کیا تھا۔ دیکھیئے کیسی جانفشانی سے اور کن کن تجاویز سے باوجود شدت عداوت اہل مکہ کے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ نہایت ہی رحیم کریم انسان تھے اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اُنکی قوم اپنے نبی کو قبول کرکے اُس عذاب سے بچ جائے جو

انبیاء کے مخالفوں پر ہمیشہ آیا کرتا ہے۔

بڑا ہتھیار جو آپ استعمال فرماتے تھے وہ قرآن مجید تھا۔ آپ اور آپ کے اتباع تبلیغ کے وقت اکثر قرآن شریف پڑھ کر لوگوں کو سناتے جب شاعروں کا کہیں مجمع ہوتا تو آپ انکی انجمن مشاعرہ میں جا نکلتے اور قرآن شریف سناتے۔ جب لوگ شادی کی تقریب پر جمع ہوتے آپ وہاں بھی تبلیغ کی نیت سے تشریف لیجاتے۔ بعض اوقات خود لوگوں کو دعوت کرکے دعوت کے بہانے سے انکو اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ جب اطراف کے لوگ حج کیلئے۔ یا تجارت کے لیئے یا اپنے قومی نزاعوں کے فیصلہ کیلئے مکہ میں آتے آپ انکے پاس بھی تبلیغ امر الٰہی کے لیئے تشریف لیجاتے۔ مگر قریش یہاں بھی جہانتک انسے بن پڑتا تھا آپ کو تبلیغ سے روکتے۔ جب حج کا موسم آتا اور لوگ آنے شروع ہوتے تو کفار مختلف راستوں پر آدمیوں کو کھڑا کر دیتے جو آنیوالے لوگوں کو کہتے خبردار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہ ملنا اور نہ اسکی بات کو سننا۔ وہ خطرناک جادوگر ہے۔ جب آپ مختلف قبائل میں تبلیغ کیلئے تشریف لیجاتے تو ابو لہب آپکے پیچھے پیچھے ہو لیتا اور جب آپ لوگوں کو وعظ فرماتے تو وہ کہتا۔ کہ خبردار اسکی بات نہ مانیو۔ یہ جھوٹا شخص ہے جو اپنے آبائی مذہب سے پھر گیا ہے۔ جب ان حاجیوں اور تاجروں کا ہجوم منتشر ہوتا اور لوگ اپنے اپنے گھروں میں جاتے تو جاکر یہ خبر سناتے کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو بتوں کی پرستش سے روکتا اور ایک خدا کی عبادت کی تعلیم دیتا ہے اور جو اس کام میں اسقدر سرگرم ہے کہ اُسکو اپنی جان کی بھی پروا نہیں اسطرح ان حاجیوں اور تجار کے ذریعہ آپ کی تعلیم دُور دُور تک پہنچتی۔ آپ کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام مکہ میں زور سے پھیلنا شروع ہوا اور اگرچہ مخالف اسلام کی ترقی کو دیکھکر اُسکو روکنے کے لیئے زیادہ سے زیادہ کوششیں کرتے مگر وہ اسکی ترقی کو روک نہ سکے۔ کہاں ہیں وہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلا۔ مکہ میں کونسی تلوار تھی جسکی وجہ سے اسلام اس شہر میں پھیلا۔ مکہ میں تلوار تھی مگر وہ دشمن کے ہاتھ میں تھی اور تعجب یہ ہے کہ باوجود اس تلوار کے اسلام پھیلتا گیا اور تلوار اس کی ترقی کو روک نہ سکی یا اسلام تلوار

کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ دشمن نے تلوار کے زور سے اسکے پھیلنے کو روکنا چاہا پھر بھی اسلام پھیلا۔ اسلیئے یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اسلام باوجود دشمن کی تلوار کے پھیلا۔ مکہ میں اسلام کی ترقی اس امر کی ایک زبردست شہادت تھی کہ اسلام اپنی قوت اور سچائی سے دنیا میں پھیلا اور یہ قوت ایسی زبردست تھی کہ دشمن کی تلوار بھی اس کے مقابل میں عاجز رہ گئی۔

جب دشمنوں نے اسلام کو اپنی آنکھوں کے سامنے پھلتے اور پھولتے دیکھا تو انکی عداوت کی آگ اور بھی بھڑکی اور انہوں نے پورے زور سے مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچانا اور دکھ دینا شروع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی تکالیف دیکھ کر نہ رہ سکے۔ آپنے انکو کہا کہ مغرب کی طرف ایک ملک ہے جہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا تم ادھر چلے جاؤ اور وہاں رہو یہانتک کہ خدائے تعالیٰ تمہارے لیئے کوئی راہ کھولدے۔ یہ حبشہ کا ملک تھا جہاں عیسائی بادشاہ نجاشی نام حکومت کرتا تھا۔ مسلمانوں کا پہلا گروہ جس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی ۱۱ مردوں اور ۴ عورتوں کا گروہ تھا اور وہ بعثت کے پانچویں سال میں کفار کی تعدی سے تنگ آکر اپنے وطن کو چھوڑ سمندر سے پار اتر حبشہ میں جا ٹھہرے۔ قریش کو جو اسلام کو کچل دینا چاہتے تھے جب یہ خبر لگی کہ چند آدمی شہر چھوڑ کر اور جگہ پناہ لینے کے لیئے بھاگ گئے ہیں تو انہوں نے انکا تعاقب کیا مگر وہ انکے پہنچنے سے پہلے جہاز میں سوار ہو چکے تھے۔ ان میں ابو طالب کا بیٹا حضرت جعفرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کسقدر تکالیف مسلمانوں کو دیجاتی تھیں جن کی وجہ سے انہیں اپنے وطن سے بھاگنا پڑا بھاگنے والے صرف غربا ہی نہ تھے بلکہ شریف خاندانوں کے لوگ بھی تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریف اور غیر شریف سب کے لیئے مکہ میں رہنا دشوار ہو رہا تھا۔ اسکے بعد کفار کا غصہ اور بھی بھڑکا اور انہوں نے زیادہ تندی اور خونخواری کے ساتھ مسلمانوں کو ستانا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اور مسلمان بھی حبشہ کی طرف بھاگ گئے یہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت تھی اس دفعہ وہ تھوڑی

تھوڑے ہو کر بھاگے تاکفار کو پتہ نہ لگ جائے اور وہ اُنکو پکڑ نہ لیں۔ انکے ساتھ بیویاں اور بچے بھی تھے۔ اب مہاجرین کی تعداد چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر ۱۰۱ تک پہنچ گئی جنمیں ۸۳ مرد تھے۔

قریش کی عداوت نے مسلمانوں کا حبشہ تک تعاقب کیا۔ انہوں نے نجاشی شاہ حبشہ کے پاس قیمتی تحائف دیکر ایک سفارت بھیجی۔ انہوں نے پہلے اہل دربار کو اپنے ساتھ ملالیا پھر بادشاہ کے آگے اپنے تحائف پیش کرکے عرض کی کہ ہم میں سے بعض سفہار نے اپنا قدیمی مذہب چھوڑ دیا ہے اور مذہب عیسائی بھی اختیار نہیں کیا بلکہ ایک نیا مذہب نکالا ہے۔ اور قریش نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم اُنکو واپس لیجاویں۔ اہل دربار نے اُنکی درخواست کی تائید کی مگر جب نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے اسلامی تعلیم کی کیفیت اور اُن تکالیف کا تذکرہ سنا جن کی وجہ سے وہ اپنا وطن چھوڑکر اسکے ملک میں آکر پناہ گزین ہوئے تھے تو اسنے مسلمانوں کو کفار کے حوالہ کرنے سے انکار کیا۔ سفیروں نے ایک چالبازی یہ کی کہ اس عیسائی بادشاہ کو یہ کہکر اکسایا کہ انکا نبی ایسی تعلیم دیتا ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہتک پائی جاتی ہے۔ مگر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم پڑھکر سنائی تو نجاشی رو پڑا اور کہا کہ یہ کلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی ایک ہی چشمہ سے نکلی ہوئی ہیں۔ اور کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بالکل ایسے ہی تھے جیسا کہ اس سورہ میں اُنکو بیان کیا گیا ہے۔ سفیر ناکام واپس آئے۔ اہل مکہ کا غضب اور بھی بڑھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر اسلام کو اس وقت نہ کچلا گیا تو پھر وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ پہلے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت اور دولت کے وعدے دیکر آپ کو تبلیغ کے کام سے پھیرنا چاہا ایک دن جب آپ صحن کعبہ میں تشریف رکھتے تھے تو رؤسار مکہ کی ایک جماعت ملکر آپکے پاس گئی اور عتبہ بن ربیعہ نے اُس جماعت کی طرف سے آپ کو کہا اے میرے بھائی کے بیٹے۔ تو ہم میں اپنے اوصاف حمیدہ اور اپنے نسب کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اب تُو نے ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور ہمارے

خاندانوں میں پھوٹ ڈالدی ہے۔ تو ہمارے دیوتوں اور دیویوں کو بُرا کہتا ہے اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ ٹھیراتا ہے ہم تیرے آگے ایک تجویز پیش کرتے ہیں۔ تو اس تجویز پر اچھی طرح غور کر۔ اگر یہ تجویز تجھے پسند آجائے تو اسے منظور کر۔ اگر اس کام سے تیری غرض دولت جمع کرنا ہے تو آ ہم تیرے لیئے اسقدر مال جمع کر دیتے ہیں جتنا ہم میں سے کسی کے پاس نہ ہو۔ اگر تو عزت اور ناموری چاہتا ہے تو ہم تجھے اپنا سردار بناتے ہیں اور کوئی کام تیرے حکم کے بغیر نہیں کرینگے۔ اگر تو حکومت چاہتا ہے تو ہم تجھے اپنا بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ اسکے جواب میں انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو سورہ حم السجدہ پڑھکر سنائی جب آپ اس آیت پر پہنچے فان اعرضوا فقل انذرتکم صٰعقۃً مثل صٰعقۃ عاد وثمود یعنی اگر یہ لوگ مُنہ پھیر لیں تو انکو کہدے میں تم کو ویسے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسا عذاب کہ قوم عاد و ثمود پر نازل ہوا تھا۔ تو اس کو زیادہ سُننے کی تاب نہ رہی اور انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ پر ہاتھ رکھکر کہا کہ بس ہم تیرے ذوی القربیٰ ہیں۔ ہم پر رحم کر اور اُٹھ کر گھر چلا گیا

جب قریش کو اس تجویز میں بھی ناکامی ہوئی تو انہوں نے ایک اور راہ اختیار کی۔ سب ملکر آپکے چچا ابو طالب کے پاس گئے اور کہا کہ تو اپنے بھتیجے کو روک لے کہ وہ اپنے کام سے باز آجائے۔ ورنہ اُسکے لیئے اچھا نہ ہوگا۔ پہلے تو ابو طالب نے نرم جواب دیکر ان کو ٹالدیا مگر صبر کہاں آسکتا تھا۔ جب انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ سے نکالکر غضب سے بھرے ہوئے پھر ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اب ہم اس سے زیادہ صبر نہیں کرسکتے یا تو اپنے بھتیجے کو روک لے ورنہ تو بھی اُسکے ساتھ ہوجا تاکہ ہمارے اور تمھارے درمیان اس امر کا فیصلہ ہوجائے۔ یہ دھمکی دیکر کفار چلے گئے۔ ابو طالب گھبرایا اُسنے دیکھا کہ اب سب کفار ملکر لڑائی اور جنگ پر آمادہ ہوگئے ہیں اور میں اکیلا ان سب کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلایا اور رؤسا مکہ کی دھمکی کی خبر دیکر بڑی سنجیدگی سے کہا کہ اب تو اپنے تئیں اور مجھے بھی ہلاکت سے بچالے اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈال جسکو میں برداشت نہیں کرسکتا۔ آپ کا بھروسہ کسی انسان پر نہ تھا۔ خدا کا ہی

آپ کو سمجھاتا تھا آپ نے اپنے چچا کو کہا اے میرے چچا - اگر وہ سورج میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لاکر رکھدیں تا مجھے مجبور کریں کہ میں اپنے کام سے باز آجاؤں تو بھی میں اپنے فرض کی ادائگی سے نہیں رکونگا اور میں اپنا کام کرتا جاؤں گا یہانتک کہ خدائے تعالیٰ حق کو ظاہر کردے یا میں ہی اسی کام میں اپنی جان دیدوں - اور یہ دیکھکر کہ اب چچا بھی مکہ کے سرداروں کے خوف سے ساتھ چھوڑنے لگا ہے آپ مندرجہ بالا جواب دیکر لوٹنے لگے - آپ کی استقامت کو دیکھکر چچے کا حوصلہ بھی پھر قائم ہوگیا۔ اُسنے دیکھا کہ ایسے بہادر اور شریف بھتیجے کو خونخوار دشمن کے حوالہ کردینا شرم کی بات ہے جب آپ اُس کے پاس سے جانے لگے تو اُسنے آپ کو کہا اے میرے بھائی کے بیٹے - تو جو چاہتا ہے کہ خدا کی قسم میں کبھی تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا - پھر اُس نے بنی ہاشم کو جمع کرکے مکہ کے رؤسا کی دھمکی کا ذکر سنایا اور اُنکو کہا کہ تم سب اپنے بہادر بھائی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور ظالم دشمن کے ہاتھ میں ایسے شخص کو نہ دیدو جو ہمارے خاندان کا فخر ہے۔ سب نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اُس خوفناک وقت میں جو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آنیوالا ہے سب آپکے ساتھ رہیں گے صرف ایک بدگو ہر باہر رہا جو اس قومی اتحاد میں شامل نہ ہوا - یہ آپ کا حقیقی چچا ابولہب تھا جسکو اسقدر عداوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی کہ وہ اپنی قوم سے الگ ہوکر دشمنوں کے ساتھ ہوگیا۔

اسپر قریش نے ایک نہایت ہی خطرناک طریق اختیار کیا۔ یعنی سب ملکر اس بات پر مستعد ہوگئے کہ کل قبیلہ بنی ہاشم کو نابود کردیں۔ سبنے ملکر ایک معاہدہ کیا کہ کوئی شخص بنو ہاشم کے ساتھ خرید و فروخت یا کسی قسم کا لین دین یا اور تعلق نہ رکھے اور نہ ہی شادی بیاہ کے تعلقات انکے ساتھ رکھے جائیں۔ یہ معاہدہ ایک کاغذ پر لکھا گیا اور اس کاغذ کو مسجد میں آویزاں کیا گیا تا کوئی شخص اُس معاہدہ کو توڑنے کی جرأت نہ کرسکے۔ مگر یہ اتحاد محض ایک پیش خیمہ تھا - اور اس کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ سب ملکر کل قبیلہ پر یورش کرکے انکو ہلاک کردیں - ہاشم اور عبدالمطلب کی اولاد - مسلمان و غیر مسلمان [illegible] کل شہر کا مقابلہ ایک خاندان کسطرح کرسکتا تھا۔ اُن سبنے اپنے اپنے

مکان چھوڑ کر ایک پہاڑی کھڈ میں پناہ لی۔ جسکو شعب ابی طالب کہتے تھے۔ یہ شعب شہر سے چٹانوں اور دیواروں کے ذریعہ بالکل الگ تھا۔ صرف ایک تنگ راستہ تھا جس کے ذریعہ اس کے اندر انسان جاسکتا تھا۔ یہ واقعہ بعثت کے ساتویں سال کی پہلی تاریخ کو ہوا۔ تمام خاندان بمعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شعب میں محصور تھا۔ صرف ایک شخص باہر تھا اور وہ ابولہب تھا۔ کفار مکہ نے انکی آمد و رفت بالکل روک رکھی تھی کوئی شخص اس شعب میں سے باہر آنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا سوائے موسم حج کے جو ذخیرہ اناج وغیرہ کا بنی ہاشم اپنے ساتھ لے گئے تھے وہ جلدی ختم ہوگیا۔ اور محصورین کی حالت جلدی ہی نازک ہوگئی۔ بھوکے بچوں کی رونے کی آواز شہر میں سنائی دیتی تھی۔ اور اگر بعض خیر خواہ اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالکر خفیہ طور پر کچھ اناج اندر پہنچا نہ دیتے تو شائد سارا قبیلہ بھوک سے ہلاک ہو جاتا۔ یہ دردناک محاصرہ **تین سال** تک رہا۔ اس محاصرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسقدر تکلیف ہوئی ہوگی اُسکا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کسطرح بھوکے بچوں کی چیخیں آپکے رحیم دل کو چیرتی ہونگی کسطرح اپنے سارے خاندان مسلمانوں۔ غیر مسلمانوں کی مصیبت آپ کو درد پہنچاتی ہوگی جب آپ خیال کرتے ہونگے کہ یہ مصیبت کا پہاڑ صرف آپ کی ہی وجہ سے ان لوگوں پر ٹوٹ پڑا ہے یہ ایسی تکلیف تھی کہ اسکے سامنے موت بھی ایک آسان چیز تھی۔ دیکھو یہ کیسے امتحان کا وقت تھا۔ مگر کوئی امتحان اور کوئی مصیبت آپ کو آپکے کام سے روک نہیں سکتی تھی۔ جو کام آپنے شروع کیا تھا وہ خود بخود شروع نہیں کیا تھا بلکہ الٰہی حکم سے شروع کیا تھا۔ آپ کو اس کام میں کچھ اختیار نہ تھا۔ آپنے سچ فرمایا تھا کہ اگر کفار سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لاکر رکھدیں تا مجھے اس کام سے ہٹائیں۔ میں ہرگز نہیں ہٹوں گا۔ اس واقعہ سے آپ کی سچائی اور آپ کی صداقت بخوبی طور پر واضح ہوگئی۔ دوسری تکلیف یہ تھی کہ آپ شعب ابی طالب میں محصور ہونے کی وجہ سے وعظ و تبلیغ سے بھی رک گئے۔ صرف حج کے دنوں میں جب باہر سے لوگ مکہ میں آکر اترتے تو اسوقت

آپ اُس قلعہ سے نکلکر ان زائرین میں وعظ فرماتے مگر اسوقت بھی ابولہب آپکے ساتھ ساتھ پھرتا اور لوگوں کو کہتا کہ اسکی بات نہ سنیو یہ جھوٹا شخص اور مذہب ہے اور لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے کہ تیری اپنی قوم جو تیرے حالات سے بخوبی واقف ہے تیری نسبت یہ رائے رکھتی ہے تو ہم تجھے کس طرح مان سکتے ہیں یہ جواب سنکر آپ کا دل غمگین ہوتا اور آپ آسمان کی طرف منہ کر کے فرماتے کہ اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ایسا نہ ہوتا۔ غرض یہ تین سال انہی تکلیف کے سال تھے کہ اس مصیبت کو دیکھکر اور اس لمبے عرصہ میں اس استقامت کو مشاہدہ کر کے بعض اہل شہر کے دل بھی موم ہوگئے۔ اور وہ اس امر کی تجویز میں سوچنے لگ گئے کہ کسی طرح اس مصیبت کے پہاڑ کو محصورین کے سروں پر سے ہٹادیں۔ دوسری طرف خدائے تعالیٰ کے حکم سے ایسا ہوا کہ وہ کاغذ جو کعبہ میں لٹکایا گیا تھا اُس کو دیمک کھا گئی۔ اس خدائی فعل سے فائدہ اُٹھا کر پانچ سردار تلواریں کھینچ شعب ابی طالب کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے اور محصورین کو کہا کہ سب باہر آجائیں اور اپنے اپنے گھروں میں چلے جائیں یہ کام ایسی چستی سے کیا گیا کہ دشمنان اسلام منہ دیکھتے رہ گئے اور کچھ نہ کر سکے۔ اس طرح تین سال کے لمبے عرصہ کے بعد مسلمانوں اور بنی ہاشم کو اس خوفناک قید سے نجات ملی۔

اسکے بعد جلدی ہی ابو طالب کی وفات کا واقعہ ہوا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ پہنچا۔ اسکے بعد کفار کی مخالفت بہت بڑھ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب مسلمانوں کے لیئے مکہ میں رہنا ایک ناقابل برداشت مصیبت ہے۔ اسلیئے آپنے اردگرد کے لوگوں کی طرف اور حج اور میلوں پر آنے والے عربوں کی طرف اپنی توجہ کو پھیرا تا شائد مسلمانوں کو مکہ سے باہر کوئی ایسی ریاست مل جائے جو انکو کفار کی تعدی سے پناہ دے۔ ابو طالب کی وفات کو ابھی دو ہفتہ ہی گذرے تھے کہ آپ زید کو ہمراہ لیکر طائف کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ سے ستر میل کے فاصلہ پر ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں کے بت پرستوں نے آپکی

دعوت کو قبول نہ کیا وہاں آپ کو دردناک تکلیف پہنچی جس کا بیان نہیں ہو سکتا آپ کو اس شہر سے نکلنا پڑا اور شریر لوگوں نے شام تک آپ کا تعاقب کیا اور پتھر وں سے آپکے وجود مبارک کو زخمی کر دیا زیدؓ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی اور اس کوشش میں خود زخمی ہوا۔ آپ زخمی پیاسے اور تھکے ہوئے کھجوروں کے ایک جھنڈ کے نیچے شام کو ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے آگے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی۔ اللّٰھمّ الیك اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی وھوانی علی الناس ارحم الرحمین انت رب المستضعفین وانت ربی۔ الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکته امری۔ ان لم یکن بك علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتك ھی اوسع لی۔ اعوذ بنور وجھك الذی اشرقت له الظلمت وصلح علیه امر الدنیا والاخرة من ان تنزل بی غضبك او یحل علی سخطك لك العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوة الا بك۔ اے میرے رب۔ میں اپنی بے کسی۔ کمزوری اور دنیا کے سامنے اپنی کم حیثیتی کی تیرے آگے شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الرحمین اے کمزوروں کے رب۔ تو ہی میرا رب ہے تو میرا ساتھ نہ چھوڑیو مجھے غیروں کا شکار نہ بنائیو اور نہ مجھے میرے دشمنوں کا شکار بنائیو۔ اگر تو ناراض نہیں تو مجھے کچھ ڈر نہیں۔ میں تیرے چہرے کی روشنی میں پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ راستے میں ایک فرشتہ نے آپکے پاس آکر کہا کہ آپ اپنے دشمنوں پر بددعا کریں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رحم کا کامل نمونہ تھے۔ بددعا کرنے سے انکار کیا۔ اور فرمایا لعل اللہ یخرج من اصلابھم من یعبدہ۔ یعنی شاید خدا ان کی پشت سے ایسے لوگ پیدا کرے جو اسکی پرستش کریں۔ کسی نبی نے اس قدر تکالیف اس صبر کے ساتھ برداشت نہیں کیں۔

جس باغیچہ میں آپنے آرام کیا وہاں عداس نام ایک نینوہ کا غلام تھا جس سے آپنے گفتگو شروع کی عداس اسی جگہ ایمان لایا اور آپکے سر اور ہاتھوں اور پاؤں کو چومنا شروع کیا جس سے کہ اسکے مالک جو کہ دور سے اس نظارہ کو دیکھ رہے تھے

متعجب ہوئے۔ طائف کے سفر کے متعلق میور لکھتا ہے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طائف کے سفر میں آپ کی بڑی عظمت پائی جاتی ہے ایک تنہا انسان جسکو اُسکی قوم نے حقارت کی نظر سے دیکھا اور رد کر دیا وہ خدا کی راہ میں اپنے شہر سے نکلتا ہے اور جیسا یونس نبی نے نینوہ کو جاکر تبلیغ کی ایک بت پرست شہر کو دعوت کرتا ہے کہ وہ توبہ کریں اور خدا کے نبی پر ایمان لاکر اُسکی تائید کریں۔ یہ واقعہ اس امر پر ایک زبردست روشنی ڈالتا ہے کہ آپ کو اس امر کا کسقدر سخت یقین تھا کہ آپ خدا کے رسول ہیں"

اب مکہ میں مخالفت کی اسقدر آگ بھڑکی ہوئی تھی اور آپ کی جان اپنے آبائی شہر میں ایسے خطرہ میں تھی کہ طائف سے واپس آکر آپ مکہ داخل نہیں ہو سکتے تھے اسلیئے آپ چند روز نخلہ میں ٹھہرے رہے۔ اور مخالف ایسے زور پر تھے کہ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آپ کی حفاظت کا ذمہ اُٹھا کر آپ کو شہر میں لائے۔ مگر اس نازک گھڑی میں بھی آپ کا ایمان خدائے تعالیٰ کی نصرت پر اسقدر قوی تھا کہ جب زید نے آپ کو کہا کیف تدخل علیھم وقد اخرجوک کہ اب آپ مکہ میں کسطرح داخل ہونگے جب مکہ والوں نے آپ کو شہر سے نکالدیا ہے تو آپنے جواب دیا یا زید ان اللہ جاعل لما تری فرجا و مخرجا وان اللہ ناصر دینہ ومظھر نبیہ۔ یعنی اے زید خدائے تعالیٰ اس تنگ حالت کو کشادہ کر دیگا اور اس مشکل میں سے آسانی کی راہ نکالدیگا۔ کیونکہ خدا اپنے دین کی مدد کرنے والا ہے اور اپنے نبی کو غلبہ دیگا۔ آخر آپ کی اس حالت کو دیکھکر ایک رئیس مطعم نامی کا دل بھر آیا۔ اُس نے اپنے بیٹوں کو بلا کر انکو زرہ بکتر پہنا کعبہ کے پاس کھڑا کر دیا۔ اور آپ مطعم اور اُسکی جماعت کی حفاظت میں شہر میں داخل ہوئے۔

اب آپ بیرونی اقوام کی طرف خصوصیت سے متوجہ ہوئے جو مکہ اور اُس کے قریب وجوار میں حج یا تیہواروں کے موقعہ پر جمع ہوتے۔ اب آپ کے لیئے اور آپکے پیرووں کے لیئے مکہ میں رہنا محال ہو گیا تھا۔ اسلیئے جب گرد و نواح کی

قومیں مکہ میں جمع ہوتیں تو آپ اُنکو وعظ کرتے اور اپنے نفس کو اُنکے آگے پیش کرتے کہ میرے لیئے اور میری جماعت کے لیئے مکہ میں رہنا محال ہو رہا ہے جو قوم مجھے جگہ دیگی خدائے تعالیٰ اُس قوم کی مدد کریگا اور دین و دنیا میں اُنکو برکت و نصرت دیگا۔ مگر کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ جس شخص کو قریش نے رد کیا اُسے پناہ دے کیونکہ کوئی قوم یہ پسند نہیں کرتی تھی کہ ایسے شخص کو پناہ دیکر خواہ مخواہ قریش اور اُن کے طرفداروں کے ساتھ جنگ چھیڑ لے۔

آخر خدا کی نصرت کا وقت آگیا اور تاریکی میں سے امید کی شعاع چمکی جب آپ ایک دن حاجیوں میں پھر رہے تھے آپ کی نظر ۶ یا ۷ آدمیوں کی [illegible] سی جماعت پر پڑی۔ یہ مدینہ سے آئے تھے آپنے اُنسے نہایت [illegible] پوچھا "تم کس قبیلہ کے لوگ ہو" انہوں نے جواب دیا کہ ہم بنی خزرج [illegible] آپنے فرمایا کہ کیا تم ایسا کرسکتے ہو کہ تھوڑی دیر بیٹھکر میری [illegible] بخوشی اس امر کو منظور کیا۔ آپنے اپنی تعلیم کو اُنکے آگے پیش کیا۔ قرآن شریف سنایا۔ مکہ میں جو آپ کو اور آپ کی جماعت کو مشکلات درپیش تھے اُنکی [illegible] اور پھر پوچھا کہ آیا تم لوگ اس امر کے لیئے تیار ہو کہ مجھے اپنے شہر میں [illegible] بیان کا ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ شخص [illegible] اُسی وقت آپ پر ایمان لائے اور عرض کیا کہ اگر اسوقت آپ مدینہ [illegible] تو ممکن ہے کہ ہم قریش سے آپکی حفاظت نہ کرسکیں [illegible] اجازت دیں دوسرے سال انہی دنوں میں ہم آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہونگے دوسرے سال یہ چھ آدمی اور چھ اور ۱۲ آدمی حج کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپکے ہاتھ پر بیعت کی [illegible] رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اسلام کا وعظ کرنے کیلیئے ساتھ لیکر واپس چلے گئے۔ اسلام کے اس مقدس مشنری کو ایک سال کے اندر مدینہ میں اسقدر کامیابی [illegible] کے لوگوں میں کوئی ایسا گھر شاذ و نادر ہوگا جسمیں اسلام نے اپنا پاؤں [illegible]

دوسرے سال ۷۳ مسلمان مدینہ کے قافلہ کے ساتھ ملکر اس غرض کیلیے آئے کہ آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں تشریف لانے کیلیے درخواست کریں مگر دوسرے قافلہ والوں کو اس کا علم نہ تھا۔ مقررہ جگہ پر جہاں پہلے مدینہ والوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تھی یہ جماعت آپ سے رات کے وقت خفیہ طور ملی یہاں تک کہ ان کے ہمراہیوں کو بھی علم نہ ہوا۔ یہ اخفار اسلیئے کیا گیا کہ قریش کو اس امر کا علم نہ ہو۔ کیونکہ اگر انکو علم ہو جاتا تو اسی وقت مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ کرتے۔ کفار نہیں چاہتے تھے کہ آپ یا آپکے صحابہ کسی اور جگہ جاکر پناہ لیں وہ چاہتے تھے کہ اسلام کو مکہ کے حدود کے اندر ہی محدود رکھکر اس کو رفتہ رفتہ کچل دیں۔ اور عرب کے ملک میں اسلام کے پودے کو جڑھیں پکڑنے نہ دیں۔ یہ ملاقات آخری رات کو ہوئی جب کہ مدینہ کا قافلہ کوچ کرنے کے لیئے تیار تھا۔ ایسا اسلیئے کیا کہ اگر مکہ والوں کو خبر بھی ہو جائے تو انکی تیاری کرتے کرتے مسلمان نکل جائیں اور مکہ والے انپر حملہ نہ کر سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انکو قرآن شریف پڑھکر سنایا جیسے آپ کا دستور تھا اور اسکے بعد انہوں نے آپکے ہاتھ پر اس امر کا عہد کیا کہ وہ آپ کی اور آپکے صحابہؓ کی ایسی ہی حفاظت کرینگے جیسا کہ وہ خود اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

مکہ والے بھی ہر وقت تاڑ میں لگے ہوئے تھے کہ کہیں آپ کسی بیرونی قوم کے ساتھ تعلق قائم کرکے مکہ سے نکل نہ جائیں۔ اسلیئے اگرچہ اس ملاقات میں مکہ والوں کے خوف سے جسقدر ممکن تھا اخفار سے کام لیا گیا مگر پھر بھی انکو ایک جاسوس کے ذریعہ پتہ لگ ہی گیا۔ اور کفار نہایت طیش میں آکر صبح ہوتے ہی مدینہ کے قافلہ میں گئے اور دریافت کیا کہ وہ کونسے لوگ ہیں جنہوں نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کی ہے اور درخواست کی ہے کہ وہ مکہ چھوڑکر انکے ہاں جاکر پناہ لیں۔ مگر خود قافلہ والونکو بھی اسکا علم نہ تھا۔ اسلیئے کوئی پتہ نہ چل سکا اور وہ ناکام واپس آگئے۔ قافلہ کی روانگی کے بعد انکو معلوم ہوا کہ اسی قافلہ میں انکی امید سے کہیں بڑھکر آدمی ایسے

تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور آپ کو مدینہ میں آکر پناہ لینے کے لئے کہا ہے۔ تب وہ قافلہ کے پیچھے دوڑے۔ مگر قافلہ والے مسلمان دور نکل گئے تھے۔ صرف دو مسلمان انکے ہاتھ میں آئے۔ انہیں سے ایک پھر اُنکے ہاتھ سے نکل کر بھاگ گیا۔ دوسرے کو پکڑ کر رسیوں سے اُسکے ہاتھ باندھے اور اُسکے لمبے بالوں سے اُسکو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے شہر مکہ میں لے آئے۔ مگر اُسکی خوش قسمتی سے مکہ کے رؤسا میں ایک ایسا شخص تھا جس پر مدینہ میں اس نے احسان کیا تھا۔ اُسکی سعی سے اُس غریب مسلمان نے مکہ کے بھیڑیوں کے پنجہ سے نجات پائی۔

اب کفار کا غیظ وغضب ایسے زور سے بھڑکا کہ پہلے شاید کبھی ایسا نہیں بھڑکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف ہوا کہ کہیں مسلمانوں کا قتل عام شروع نہ ہو جائے آپ نے حکم دیا کہ فوراً چھپ چھپ کر مدینہ کی طرف نکل جاؤ۔ جن پر مکہ والوں کا ہاتھ پڑا اُن کو قید کیا۔ بعض کو اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس ہجرت کے وقت کفار کو معلوم ہوا کہ اسلام کہاں تک اُن کے شہر میں پھیل چکا تھا۔ محلے کے محلے خالی ہوگئے۔ دروازوں پر قفل لگ گئے اور کئی محلے ایسے تھے جنمیں ایک انسان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ بعض ایسے قبیلے بھی تھے جو مخفی طور پر مسلمان تھے مگر کفار کے ڈر سے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا وہ بھی اب موقعہ پاکر نکل گئے۔ ابوجہل۔ عتبہ اور دیگر رؤسا مکہ کی گلیوں میں پھر کر خالی محلوں کو تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے چنانچہ عتبہ نے کہا یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام ہے جس نے ہماری جماعتوں کو منتشر کر دیا۔ ہمارے کاموں کو بگاڑ دیا اور ہم میں پھوٹ ڈال دی۔ وہ کہاں ہیں جو کہتے ہیں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ مکہ میں آپکے پاس کونسی تلوار تھی جس کے زور سے اسقدر لوگوں نے بصدق دل اسلام قبول کیا اور اگرچہ دشمن کی تلوار اُنکے سر پر لٹک رہی تھی۔ پھر بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اور آپ کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑنا اور اجنبی شہر میں مسافروں کی طرح ڈیرہ لگانا اور طرح طرح کے مصائب جھیلنا منظور کیا۔ اگر مکہ میں اسلام باوجود دشمن کی تلوار کے اسقدر زور سے پھیلا کہ

نکلنے کے مچلے ہجرت کے وقت خالی ہو گئے تو اشاعت اسلام کو پھیلنے سے کونسی چیز مانع تھی جب
دشمن کی تلوار توڑ دی گئی اور ملک عرب میں کوئی شخص ایسا نہ رہا جو اسلام کی اشاعت
میں مزاحم ہو سکے اور جب نشانات کی تعداد بھی بڑھ گئی اور جب خدائے تعالیٰ نے
رنگ رنگ میں اپنی قدرت کا ہاتھ دکھایا اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
خدائے تعالیٰ کا سچا نبی ہے۔

مگر ہجرت کے وقت سب مسلمانوں نے مکہ کو نہیں چھوڑا۔ کئی ایسے مسلمان باقی تھے
جو بوجہ کبر سنی یا غلامی یا قید کی وجہ سے یا ایسے ہی اور اسباب سے ہجرت نہ کر سکے بلکہ کئی ابھی
مخفی طور پر مسلمان تھے جن کا علم اسوقت ہوا جبکہ صلح حدیبیہ کے بعد امن ہو گیا اور
لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔

مسلمان ایسی سرعت اور ہوشیاری اور اخفا سے ہجرت کر گئے کہ مکہ والے
ششدر رہ گئے پھر بھی جہاں تک انسے ہو سکا انہوں نے مسلمانوں کو روکنے میں کوئی
کوتاہی نہ کی۔ عمر جیسا بہادر بھی مخفی طور پر بھاگا۔ ایک دوست اور عیاش کے ساتھ
ایک جگہ مکہ سے باہر ملنے کیلئے مقرر کی۔ دوست کو تو دشمنوں نے روک لیا عیاش اور
عمر نکل بھاگے۔ جب ابو جہل کو پتہ لگا تو چند آدمیوں کو ساتھ لیکر قریباً مدینہ تک اُن کا
تعاقب کیا اور مدینہ کے قریب مقام قبا میں اُن سے جا ملا اور عیاش کو ایک عجیب
حیلہ اور تدبیر سے واپس لے آیا۔ راستہ میں آکر اسکو رسیوں سے جکڑ لیا اور جب
مکہ میں اُسے کھینچتے ہوئے داخل ہوا تو اہل مکہ کو کہا کہ تمہیں بھی ان جاہلوں سے ایسا
ہی سلوک کرنا چاہیئے۔ صہیب جو غلامی کی حالت میں مکہ میں آیا تھا اور بڑا مالدار
ہو گیا تھا اُسکو بھی کفار نے پکڑ لیا کہ جب تُو آیا تھا تو غریب تھا۔ اب تُو دولتمند ہے
خدا کی قسم ہم تجھے کبھی نہیں جانے دینگے۔ اُسنے کہا کہ تم میری ساری دولت لیلو
اور مجھے جانے دو۔ چونکہ اُس کی دولت بہت بڑی تھی اسلیئے کفار نے دولت
کے طمع سے اسکو چھوڑ دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ماجرا سنا تو آپنے
فرمایا۔ ربح صہیب ربح صہیب یعنی صہیب نے بہت اچھی تجارت کی ہے۔

غرض جو مسلمان بھاگ سکتے تھے وہ سب مدینہ کی طرف بھاگ گئے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت علیؓ رہ گئے۔ اگرچہ تنہا پیچھے رہنا خطرناک تھا مگر چونکہ آپ کو ابھی آسمان سے ہجرت کا حکم نہیں آیا تھا اسلیئے آپنے الٰہی حکم کا انتظار کیا۔ آپ الٰہی حکم کے تابع تھے۔ اسلیئے آپنے اپنی جان کو بھی خطرہ میں ڈالکر الٰہی اجازت کے بغیر مکہ سے قدم باہر رکھنا پسند نہ فرمایا۔

اب قریش کے رؤسا نے دار الندوہ میں ملکر مشورہ کیا کہ اب کیا تجویز کی جاوے جس سے اسلام کا قلع قمع ہو جاوے۔ آخر بہت سی بحث کے بعد ابو جہل کی رائے پر یہ فیصلہ ہوا کہ ہر ایک قبیلہ میں سے ایک ایک جوان منتخب کیا جاوے اور وہ سب ملکر ایک ہی دفعہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تلواروں کے ساتھ حملہ کرکے آپکا (فداہ ابی و امی) کام تمام کردیں۔ پھر بنی ہاشم کس کس سے بدلہ لیں گے۔ وہ سب قوموں کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے اور اسطرح اسلام کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اس خونی ارادہ کے ساتھ رات کے وقت ایک جماعت نے آپکے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کو انکے بد ارادہ سے اطلاع دی۔ آپنے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹا دیا اور اُسپر اپنی چادر ڈالدی تا کافر یہ سمجھیں کہ آپ مکان میں ہی ہیں اور آپ حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لیکر غار ثور میں جا چھپے۔ جب دشمن کو آپکے سلامت نکل جانیکا حال معلوم ہو تو سب طرف آپکے تعاقب میں گھوڑے دوڑائے اور اعلان دیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ پکڑ لائے یا قتل کرے اُسکو ایک سو اونٹ انعام دیا جاوے گا۔ دشمن کھوج لگاتے لگاتے غار ثور تک بھی پہنچے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے معجزانہ رنگ میں آپ کو محفوظ رکھا اور تین دن غار میں رہ کر آپ تیز اونٹنیوں پر مدینہ منورہ کی طرف سلامت نکل گئے اور دشمن خائب و خاسر رہا۔

اظہار حق

سکھ صاحبان سے خطاب

اظہار حق نام ایک کتاب حال میں شیخ محمد یوسف صاحب نومسلم نے لکھی ہے۔ اوّل تو شیخ صاحب موصوف کا وجود ہی اس امر کی ایک عملی شہادت ہے کہ بابا نانک صاحب ایک راستباز مسلمان تھے۔ کیونکہ جس امر کی وجہ سے شیخ صاحب کو اسلام قبول کرنیکی تحریک ہوئی وہ بابا نانک صاحب کی تعلیم ہی ہے۔ انہوں نے گرنتھ کو سبقاً سبقاً پڑھا اور انپر بابا نانک صاحب کے اقوال اور طرز زندگی سے واضح ہوگیا کہ آپ اسلام پر شیدا تھے اور اسلام اور بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسلام کی پاک کتاب قرآن شریف سے آپ کو بڑے درجہ کی محبت تھی اور اسلام کی ہر ایک بات آپ کو پیاری تھی۔ نماز سے اور اذان سے اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے آپ کو اسقدر محبت تھی کہ ہروقت انکی تعریف کے گیت گاتے اور انکو اپنا دستور العمل بنایا ہوا تھا۔ آخر بابا نانک صاحب کی محبت اُنکے سچے چیلے سورن سنگھ (حال شیخ محمد یوسف) میں بھی اثر کر گئی اور انکے دل میں بھی اسلام کی محبت کا ایک جوش اٹھا اور انکے دل میں اس محبوب کا چہرہ دیکھنے کیلئے ایک جذبہ پیدا ہوا جسپر انہوں نے اپنے گورو کو فدا پایا تھا اور وہ جذبہ کھینچے کھینچے انکو اسلام تک لے آیا اور انہوں نے اُس پیارے کو اپنے سینے سے لگا لیا جس کی مدح سرائی میں انہوں نے بابا نانک علیہ الرحمۃ کو سرشار پایا تھا اور اب وہ دن رات اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ جس حق کو انہوں نے پایا ہے اُسکی طرف دوسرے سکھ صاحبان کو بھی بلائیں اور انکو اس امر کی ترغیب دیں کہ وہ اُس راہ پر قدم ماریں جنپر انکے گورو نے قدم مارا اور جس نور سے انکے مرشد نے حصّہ لیا وہ بھی اسی نور سے حصّہ لیں اور جس چشمہ سے اُنکے پیر بابا نانک علیہ الرحمۃ نے پانی پیا وہ بھی اس چشمہ پر جاکر اپنی پیاس بجھائیں اور جس راہ سے اُس بزرگ کو

محبت تھی جسکی پیروی کا وہ دعویٰ کرتے ہیں اُسی راہ سے وہ بھی پیار کریں اور صحیح معنوں میں اُس راستباز کی تقلید کریں جسکی محبت کے وہ مدعی ہیں۔ اسی غرض سے شیخ محمد یوسف صاحب نے یہ کتاب لکھی ہے جسکا نام اظہار حق ہے۔ اسمیں انہوں نے پہلے یہ دکھایا ہے کہ بابا نانک صاحب کو ہندوؤں کے ہر ایک مسئلہ اور ہر ایک رسم سے کیسی نفرت تھی اور پھر مختصر طور پر اُن دلائل کو جمع کیا ہے جنسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بابا صاحب نے ملک ہند کے مذاہب کو ناپاک پاکر رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک ہدایات کو اپنا شیوہ بنایا اور مکی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایسے شیفتہ ہو گئے جیسے ایک عاشق اپنے معشوق پر فریفتہ ہوتا ہے کیونکہ انکے ذریعہ انہوں نے اُس نور کو پایا جسکی روشنی سے اُنہوں نے اُس خدا کو دیکھا جس کا چہرہ ہندو مذہب کی طرح طرح کی تاریکیوں کی وجہ سے لوگوں سے مخفی ہو گیا تھا۔ اور وہ ایک درویش کا لباس پہنکر دُور دراز سفر کی مشقتوں کو اُٹھا کر اور راستہ کے ریگستانوں کو ایک عاشق کی طرح طے کرتے ہوئے اُس دروازہ پر جا کھڑے ہوئے جدھر سے انہوں نے اس نور کو پایا تھا۔ دیکھو کیسے پیارے الفاظ میں بھائی گورو داس جی جو سکھ صاحبان میں ایک بھاری بھگت شمار کئے جاتے ہیں بابا صاحب کے حج کے سفر کا اور پھر مسلمانوں کے مقدس مقام مسجد حرام میں حاضر ہونے کا نقشہ کھینچتا ہے۔

بابا پھر مکے گیا نیلے بستر دھارے بن ولی
عصا ہاتھ کتاب کچھ کوزہ بانگ مصلے دھاری
بیٹھا جائے مسیت وچ جتھے حاجی حج گذاری

یعنی بابا صاحب درویشوں کا نیلا لباس پہنکر۔ عصا ہاتھ میں لیئے ہوئے کتاب (قرآن شریف) بغل میں لیکر اور کوزہ اور جائے نماز اُٹھائے ہوئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اذان کہی اور مسجد حرام میں جہاں حاجی لوگ حج ادا کرتے ہیں اعتکاف کیلئے جا بیٹھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اذان کہنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ آپ کی نسبت لکھا ہے۔ "دو اُنگُن وِچ اُنگلیاں پائے کے بابے بانگ دتی"

یعنی جیسے موذن کا طریق ہے کانوں میں انگلیاں ڈالکر بابا نانک صاحب نے بلند آواز سے اذان پڑھی۔ آپ کی بات بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ٹپکتی ہے۔ چنانچہ بالا جی کی جنم ساکھی میں آپ کا قول لکھا ہے۔

"پاک پڑھو کلمہ ربدا محمد نال ملائے ۔ ہوا معشوق خدائے دا اہوا تل الہیٰ"

یعنی کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھو اس سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملجاؤ گے جو خدائے تعالیٰ کا محبوب تھا اور جس نے اپنا سب کچھ خدائے تعالیٰ پر قربان کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس عشق کی برکت سے جو آپکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا آپکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی ہوئی جیسا کہ آپکے اس شعر سے صریح طور پر واضح ہوتا ہے۔ "ڈٹھا نور محمدی ڈٹھا نبی رسول ۔ نانک قدرت دیکھکر خودی گئی سب بھول" (جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۴۱) یعنی میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور کو مشاہدہ کیا اور میں خدا کے نبی اور خدا کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور اُس خدائی قدرت کے نظارہ سے مجھ پر ایسی حالت طاری ہوگئی کہ اپنے وجود سے بالکل بیخبر ہوگیا۔ اور اُنکی شان کو ایسا بلند پایا کہ اُسکے سامنے اپنی خودی سب بھول گئی۔ آپ کو اس امر کا بڑا شوق تھا کہ اسلام دنیا میں پھیلے اور سب لوگ اس مقدس مذہب کو قبول کریں۔ چنانچہ اُنکی اس خواہش کا مندرجہ ذیل قول سے پتہ لگتا ہے۔ "نانک آکھے رکن دین سچ سنو جواب ۔ چاروں کوٹ اسلام ہوتاں پائیے ثواب" (جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۴۹) یعنی سچی بات یہ ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اسلام کی چاروں اطراف میں تبلیغ کیجائے تا ثواب حاصل ہو۔ قرآن شریف پر آپ کا بڑا ایمان تھا اور سب الہامی کتابوں سے وہ اس کا درجہ بلند تر سمجھتے تھے۔ چنانچہ جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۴۷ پر لکھا ہے "توریت۔ انجیل۔ زبور پڑھ سن ڈٹھے وید ۔ رہیا قرآن شریف کل جگ میں پروان" یعنی توریت۔ انجیل زبور۔ وید سب دیکھ لیے۔ اب قرآن شریف ہی کل دنیا کیلئے ایک کتاب ہے۔ جسکے ذریعہ نجات مل سکتی ہے۔ آپنے اسلامی طریق کے مطابق روحانی ترقی کے لیے ریاضتیں بھی کیں چنانچہ کئی چلے کیئے اور اُن چلوں کے مقامات اتک

موجود ہیں اور مسلمان بزرگوں کی صحبت میں ایک دراز عرصہ رہ کر روحانی فیض حاصل کیا۔ اسلام کے مشہور ولی شیخ فرید علیہ الرحمۃ کی صحبت میں ۱۲ سال تک رہے۔ نمازیں ادا کیں۔ اذانیں دیں۔ حج کیا۔ توحید کا وعظ کیا۔ قرآن شریف کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے گیت گائے اور جو انکی مشہور یادگار اب تک خود سکھوں کے ہاتھ میں محفوظ چلی آتی ہے اور جسپر دور دراز سے آکر سکھ صاحبان نذریں چڑھاتے ہیں وہ بلند آواز سے پکار پکار کر بیان کر رہی ہے کہ جس بزرگ کی میں یادگار ہوں اور جو مجھے ہر وقت اپنے سینے سے لگائے رکھتا تھا وہ اسلام کا شیفتہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو تھا۔ وہ یادگار چولہ صاحب ہے مگر افسوس کہ سکھ صاحبان ظاہری طور پر اس سے برکت اور فیض لیتے ہیں اور اسکی ایک رنگ کی پرستش کرتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ وہ یادگار کیا کہتی ہے۔ اسلئے حروف کو مقدس سمجھتے ہیں مگر ان حروف کے معانی کی طرف توجہ نہیں کرتے چھلکے پر راضی ہیں۔ مغز کو نہیں لیتے۔ ایسا ہی فیروزپور کے ضلع میں باوا صاحب کی یادگار میں ایک قرآن شریف رکھا ہوا ہے۔ غرض باوا نانک صاحب علیہ الرحمۃ کے اسلام کیلئے ایک شہادت نہیں بلکہ بے شمار شہادتیں ہیں۔ آپکے اقوال۔ آپکا طرز زندگی۔ آپکے چلے۔ آپ کی زندگی کے مشہور کام اور آپ کی یادگاریں سب آپکے اسلام کی گواہ ہیں۔

ان شہادتوں کے باوجود بھی سکھ صاحبان یہ ماننے کے لیئے تیار نہیں کہ آپ اسلام کے پیرو تھے۔ اس کا فیصلہ آسان ہے جو جو کام باوا صاحب علیہ الرحمۃ کرتے تھے وہی کام سکھ صاحبان کر کے دکھائیں اور ایسا کرنے میں انکے لیئے کوئی عار کی بھی بات نہیں کیونکہ باوا صاحب انکے مقتدا ہیں اور ایک مقتدا کی پیروی اسی امر کا نام ہے کہ جو جو کام وہ کرتا تھا اُسپر انسان کاربند ہو۔ غرض سکھ صاحبان بھی وہی کام کر کے دکھائیں جو باوا صاحب علیہ الرحمۃ نے کیئے مثلاً انکی طرح مسجد میں جا کر اذانیں کہیں۔ انکی طرح مسلمان اولیاء کی صحبت اور ان سے میل جول اور گہرا تعلق اختیار

کریں انہی کی طرح جیسا مسلمان اولیاء کا طرز ہے چلتے کریں۔ اور دوسری ریاضتیں کریں انہی کی طرح کلمہ طیبہ سے محبت کریں انہی کی طرح قرآن شریف پر ایمان لاویں۔ انہی کی طرح طواف کعبہ کے لیئے مکہ جائیں۔ انہی کی طرح اسلام کو چار کوٹ (چاروں اطراف) میں پھیلا کر ثواب حاصل کرنیکی کوشش کریں غرض وہی کام کر کے دکھلاویں جو بابا صاحب کرتے تھے تو پھر خود ہی اس امر کا فیصلہ ہو جائیگا کہ ایسے اعمال بجا لانیوالا کون ہوتا ہے۔ لمبی بحث کی ضرورت نہیں۔

سکھ صاحبان۔ آپ برا نہ منائیں۔ اگر آپ صاحبان کو بابا صاحب سے سچی محبت ہے تو آپ کو کوشش کرنی چاہیئے کہ آپکے وہی عقائد ہوں جو بابا صاحب کے تھے اور آپکے وہی اعمال ہوں جو بابا صاحب کے تھے۔ اور بجائے اس کے کہ آپ ان باتوں کو سنکر ناراض ہوں اگر آپکو واقعی سچی محبت اپنے گورو سے ہے تو آپ کو خوشی سے ان امور کو قبول کرنا چاہیئے اور انپر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر آپ ایسا کرنے کیلیئے تیار نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ اپنے خیالات اور رسومات اور اُن غلطیوں کے پیرو ہیں جو بعد میں ایک بزرگ کی تعلیم میں کئی وجوہات سے داخل ہو جاتی ہیں اور آپکا یہ کہنا کہ ہم بابا صاحب کے پیرو ہیں صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ سکھ صاحبان۔ آپ بہادری میں مشہور ہیں اور دلیری خالصہ قوم کا خاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ حقیقی طور پر دلیر وہ ہوتا ہے جو حق کے قبول کرنے میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈرے۔ پس اگر تم واقعی طور پر دلیر اور بہادر ہو تو کسی اور شخص کی پروا نہ کرو خواہ وہ تمہاری قوم میں عزت رکھتا ہے اور بابا صاحب کی حقیقی تعلیم کو تلاش کر کے اُسپر کاربند ہو۔ اور بابا صاحب سے بڑھ کر اپنے کسی لیڈر کو مرتبہ نہ دو۔ جس راہ کی طرف بابا صاحب تمھیں لے جانا چاہتے ہیں اُس راہ پر قدم مارو۔ دنیا میں کئی انقلاب آتے ہیں اور اصلی تعلیم پر زمانہ کے حالات کئی پردے چڑھا دیتے ہیں اور اصلی تعلیم نظروں سے چھپ جاتی ہے۔ مگر خوش قسمتی سے تمہارے پاس ابھی کافی ذخیرہ حق معلوم کرنیکا موجود ہے تمھیں چاہیئے کہ ایک نہ ایک دست ہاتھ کے ساتھ ان تمام پردوں کو اکھیڑ کر دور پھینکدو

اور دیکھو کہ اندر سے باوا صاحب کی اصلی تعلیم کیسے چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ نمودار ہوتی ہے باوا صاحب کی تعلیم کی ٹھیک مثال چولہ صاحب ہے۔ جس طرح اس مقدس چولہ پر کئی غلاف چڑھ گئے ہیں یہانتک کہ ان غلافوں کے ایک انبار کے نیچے وہ اصلی نقوش چھپ گئے ایسا ہی باوا صاحب کی تعلیم کے چولہ پر پیچھے آنیوالوں نے کئی پردے ڈالدیئے ہیں۔ تمھیں چاہیئے کہ ایک مدقق کی طرح ان پردوں کو اُٹھا دو اور جو نقش ان پردوں کے ہٹانے کے بعد ظاہر ہوں اُن پر قدم مارو۔ خوش قسمتی سے اس زمانہ کے ایک مصلح نے جو دنیا کی سب قوموں کے لیئے ایک رحمت ہو کر آیا اُس نے اپنے فیض سے تمھیں بھی حصّہ دیا ہے۔ تم اُس کے پڑوسی تھے اور اُس نے پڑوس کا حق ادا کیا ہے اور جیسا اُس نے دوسری قوموں کو انکی غلطیوں سے آگاہ کیا اور جو بات حق تھی وہ ہر ایک کے آگے پیش کی۔ ایسا ہی تمھارے لیئے بھی وہ رحمت ہو کر آیا اور اُس نے اصل امر جو زمانہ کی تاریکیوں کی وجہ سے تمھاری آنکھوں سے غائب ہو گیا تھا پھر تمھارے سامنے پیش کیا۔ اور جیسا اُس نے چولہ صاحب پر سے غلاف اُٹھا کر اصلی چولہ تمھارے سامنے پیش کیا۔ ایسا ہی باوا صاحب کی اصل تعلیم کو جو اسلام کی طرف بلاتی ہے انبار در انبار پردوں کے ڈھیر کے نیچے سے نکال کر تمھیں دکھا دیا۔ اب تمھارا اختیار ہے خواہ قبول کرو یا نہ کرو۔ اُسنے تم پر اتمام حجت کر دیا۔ اب بھی اگر نہ مانوگے تو خدائے تعالیٰ کے آگے جواب دہ ہوگے اور قیامت کے دن باوا صاحب بھی آپ لوگوں سے پوچھیں گے کہ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تھے تو تم نے میرے نمونہ کو کیوں اختیار نہ کیا اور کیوں اُس چولہ کو نہ پہنا جو میں تمھارے لیئے دنیا میں تمھاری رہنمائی کے لیئے چھوڑ آیا تھا۔

دیکھو یہ شہادتیں بڑی زبردست ہیں جو تمھارے آگے پیش کیجاتی ہیں کیونکہ یہ تمھارے گھر کی شہادتیں ہیں اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں سے پہنچی ہیں جنکو زمانہ کے حالات کی وجہ سے مسلمانوں سے عناد بھی ہو گیا تھا اور ان شہادتوں کو انہوں نے بہت کچھ چھپایا بھی ہوگا اور اپنی طرف سے بھی

انپر پردہ ڈالنے کیلئے بہت کچھ ملایا ہوگا مگر پھر بھی ساری شہادت کو چھپا نہیں سکے اور کافی ذخیرہ اس بات کا اب تمہارے ہاتھ میں ہے جسکے ذریعہ تم باباصاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصل عقائد اور اعمال کا پتہ لگا سکتے ہو۔ تم میں اب بہت تعلیم یافتہ بھی ہیں اور وہ ایک محقق کی نظر سے یہ دیکھ سکتے ہیں کہ باباصاحب کی اصلی تعلیم کیا ہے اور کیا کیا باتیں بعد میں ملائی گئیں۔ اور اگر ان شہادتوں کے برخلاف تمہیں کوئی قول ملے تو وہ قابل اعتبار نہیں کیونکہ اسلام کے معاندین نے ضرور کچھ ملایا ہوگا۔ اور حق کو باطل کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہوگی۔ مگر جو شہادت وہ باباصاحب کے اسلام کے بارے میں دیتے ہیں وہ ضرور قابل اعتبار ہے کیونکہ کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے ایسی باتیں اپنی طرف سے بنائی ہوں جو خود انکے منشاء اور عقائد کے برخلاف تھیں۔ پس تحقیق کی نظر سے غور کرو اور جو امر ثابت شدہ ہے اسکو قبول کر کے اسپر کاربند ہو جاؤ خدائے تعالیٰ آپ صاحبوں کو حق کی طرف رہنمائی کرے اور آپ کو توفیق دے کہ آپ صاحبان تعصب اور ضد کو چھوڑ کر باباصاحب علیہ الرحمۃ کی طرح جرأت اور دلیری سے بغیر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کے خوف کے حق کو قبول کریں۔ قرآن شریف جس سے باباصاحب علیہ الرحمۃ کو اسقدر محبت تھی فرماتا ہے کہ خدا کے سچے بندے وہ ہوتے ہیں جو کسی لائم کی ملامت سے نہیں ڈرتے ولا یخافون لومۃ لائم۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔

کتاب اظہار حق مصنفہ شیخ محمد یوسف نومسلم کی قیمت صرف ۵ رہے قریباً ۲۰۰ صفحہ کی کتاب ہے۔ صدر انجمن احمدیہ نے اسے محض اشاعت کلمۂ حق کی خاطر چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اور اسکی قیمت اصل لاگت کے برابر رکھی ہے یعنی صرف ۵ ر احباب کو چاہیئے کہ انجمن کو اس کار خیر میں مدد دینے کیلئے کئی کئی کاپیاں منگوا کر سکھ صاحبان میں مفت تقسیم کریں اور اسکی بہت جلد پھیلانیکی کوشش کر کے اشاعت اسلام کے ثواب میں شریک ہوں۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

الوصیت - میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت کے چند الفاظ اور ایک نیکدل خاتون کی مثال کو پیش کر کے اپنے احباب کو وصایا کے سلسلہ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ یہ نیکدل خاتون مخدوم و مکرم ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ تھیں جنکا انتقال گذشتہ سے پیوستہ ماہ میں ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرلھا وارحمھا وعافھا واعف عنھا۔ مرحومہ اپنے بھائی کے اخلاص کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں اور انھوں نے ۳۰ جون سال گذشتہ کو یعنی اپنی وفات سے قریباً ایک سال پہلے یہ وصیت کی کہ انکے کل زیور کی ایک مسجد قادیان میں بنوائی جاوے مرحومہ نے قریباً تین ہزار روپے کا زیور اپنے پیچھے چھوڑا ہے جو انکے شوہر سید محمود شاہ صاحب بی اے ایل ایل بی اکاؤنٹنٹ نے نہایت عالی ہمتی سے مرحومہ کی وصیت کی اغراض کو پورا کرنے کیلئے ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے سپرد کر دیا ہے جزاہ اللہ خیرا اور عنقریب فروخت ہوکر انجمن کے خزانہ میں جمع ہو جائیگا۔ ہم خصوصیت سے سید محمود شاہ صاحب کے بھی مشکور ہیں کہ انھوں نے اس مبارک وصیت کو پورا کرنے میں بڑی عالی حوصلگی سے کام لیا ہے۔ اور مرحومہ کے لئے صدق دل سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مغفرت و رضوان میں لے اور جنت الفردوس میں جگہ دے انکی وصیت کے اس حصہ کو بھی شائع کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ "کل مومن میرے لئے دعا کریں" اور احمدی احباب سے التجا ہے کہ وہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کریں۔

وصایا کی اوسط آمد سال گذشتہ میں اور اس سال میں ابتک قریباً دو تین یا چار وصیتیں ماہوار رہی ہے چنانچہ گذشتہ چھ ماہ میں کل بیس وصیتیں بھی نہیں آئیں - یہ رفتار آمد وصایا بہت ہی سست ہے اور بہت سے مخلص احباب نے ابھی اس طرف توجہ نہیں کی - اسلئے میں رسالہ الوصیت سے ذیل کے اقتباس جو وصایا کے متعلق ہیں احباب

کی توجہ کیلئے دیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔

اور ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں تب سے ہمیشہ مجھے یہ فکر رہی کہ جماعت کے لئے ایک قطعہ زمین قبرستان کی غرض سے خریدا جائے لیکن چونکہ موقعہ کی عمدہ زمینیں بہت قیمت سے ملتی تھیں اسلئے یہ غرض مدت دراز تک معرض التوا میں رہی۔ اب اخویم مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد جب کہ میری وفات کی نسبت بھی متواتر وحی الٰہی ہوئی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ قبرستان کا جلدی انتظام کیا جائے اسلئے میں نے اپنی ملکیت کی زمین جو ہمارے باغ کے قریب ہے جس کی قیمت ہزار روپیہ سے کم نہیں اس کام کیلئے تجویز کی اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس میں برکت دے اور اسی کو بہشتی مقبرہ بنا دے اور یہ اس جماعت کے پاکدل لوگوں کی خوابگاہ ہو جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کر لیا اور دنیا کی محبت چھوڑ دی اور خدا کے لیے ہو گئے اور پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی طرح وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھلایا۔ آمین یا رب العالمین۔

پھر میں دعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادر خدا اس زمین کو میری جماعت میں سے ان پاک دلوں کی قبریں بنا جو فی الواقع تیرے لیے ہو چکے اور دنیا کی اغراض کی ملونی انکے کاروبار میں نہیں۔ آمین یا رب العالمین۔

پھر میں تیسری دفعہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادر کریم اے خدائے غفور و رحیم تو صرف ان لوگوں کو اسجگہ قبروں کی جگہ دے جو تیرے اس فرستادہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور کوئی نفاق اور غرض نفسانی اور بدظنی اپنے اندر نہیں رکھتے اور جیسا کہ حق ایمان اور اطاعت کا ہے بجا لاتے ہیں اور تیرے لیے اور تیری راہ میں اپنے دلوں میں جان فدا کر چکے ہیں جنسے تو راضی ہے اور جنکو تو جانتا ہے کہ وہ بکلی تیری محبت میں کھوئے گئے اور تیرے فرستادہ سے وفاداری اور پورے ادب اور انشراحی ایمان کے ساتھ محبت اور جانفشانی کا تعلق رکھتے ہیں۔ آمین یا رب العالمین۔

اور چونکہ اس قبرستان کیلئے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے

یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ انزل فیہا کل رحمۃ یعنی ہر ایک قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتاری گئی ہے اور کسی قسم کی رحمت نہیں جو اس قبرستان والوں کو اس سے حصہ نہیں۔ اسلئے خدا نے میرا دل اپنی وحی خفی سے اس طرف مائل کیا کہ ایسے قبرستان کے لئے ایسے شرائط لگا دیئے جائیں کہ وہی لوگ اس میں داخل ہو سکیں جو اپنے صدق اور کامل راستبازی کی وجہ سے ان شرائط کے پابند ہوں سو وہ تین شرطیں ہیں۔ اور سب کو بجا لانا ہوگا۔ (۱) اس قبرستان کی زمین موجودہ بطور چندہ کے میں نے اپنی طرف سے دی ہے لیکن اس احاطہ کی تکمیل کیلئے کسی قدر اور زمین خریدی جائیگی جس کی قیمت اندازاً ہزار روپیہ ہوگی اور اسکے خوشنما کرنیکے لیئے کچھ درخت لگائے جائیں گے اور ایک کنواں لگایا جائیگا اور اس قبرستان سے شمالی طرف بہت پانی ٹھہرا رہتا ہے جو گذرگاہ ہے اسلیئے وہاں ایک پل طیار کیا جائیگا اور ان متفرق مصارف کیلیئے دو ہزار روپیہ درکار ہوگا سو کل تین ہزار روپیہ ہوا جو اس تمام کام کی تکمیل کے لیئے خرچ ہوگا۔ سو پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں مدفون ہونا چاہتا ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف کے لیئے چندہ داخل کرے۔ اور یہ چندہ محض انہیں لوگوں سے طلب کیا گیا ہے نہ دوسروں سے۔ بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آنا چاہیئے لیکن اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو یہ سلسلہ ہم سب کی موت کے بعد بھی جاری رہیگا۔ اس صورت میں ایک انجمن چاہیئے کہ ایسی آمدنی کا روپیہ جو وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہیگا۔ اعلاء کلمۂ اسلام اور اشاعت توحید میں جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو یہ وصیت کرے جو اسکی موت کے بعد دسواں حصہ اسکے تمام ترکہ کا حسب ہدایت اس سلسلہ کے اشاعت اسلام اور تبلیغ احکام قرآن میں خرچ ہوگا۔ اور ہر ایک صادق کامل الایمان کو اختیار ہوگا کہ اپنی وصیت میں اس سے بھی زیادہ لکھدے۔ لیکن اس سے کم نہیں ہوگا۔ اور یہ مالی آمدنی ایک بادیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہیگی اور وہ باہمی مشورہ سے ترقی اسلام اور اشاعت علم قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لیئے حسب ہدایت

مذکورہ بالا خرچ کرینگے۔ اور خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سلسلہ کو ترقی دیگا اسلیئے امید کی جاتی ہے کہ اشاعت اسلام کیلیئے ایسے مال بھی بہت اکٹھے ہو جائیں گے اور ہر ایک امر جو مصالح اشاعت اسلام میں داخل ہے جس کی اب تفصیل کرنا قبل از وقت ہے، وہ تمام امور ان اموال سے انجام پذیر ہونگے اور جب ایک گروہ جو متکفل اس کام کا ہے فوت ہو جائیگا تو وہ جو انکے جانشین ہونگے انکا بھی یہی فرض ہوگا کہ ان تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجالاویں ان اموال میں سے ان یتیموں اور مسکینوں کا بھی حق ہوگا جو کافی طور پر وجوہ معاش نہیں رکھتے اور سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں۔ اور جائز ہوگا کہ ان اموال کو بطور تجارت کے ترقی دیجائے۔ یہ مت خیال کرو کہ یہ صرف دور از قیاس باتیں ہیں۔ بلکہ یہ اُس قادر کا ارادہ ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ مجھے اس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال جمع کیونکر ہونگے اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جنکے سپرد ایسے مال کیئے جائیں وہ کثرت مال کو دیکھکر ٹھوکر نہ کھاویں اور دنیا سے پیار نہ کریں۔ سو میں دعا کرتا ہوں کہ ایسے امین ہمیشہ اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لیئے کام کریں ہاں جائز ہوگا کہ جنکا کچھ گذارہ نہ ہو انکو بطور مدد خرچ اسمیں سے دیا جائے۔ (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونیوالا متقی ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو سچا اور صاف مسلمان ہو۔ (۴) ہر ایک صالح جو اسکی کوئی بھی جائداد نہیں اور کوئی مالی خدمت نہیں کر سکتا اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دین کے لیئے اپنی زندگی وقف رکھتا تھا اور صالح تھا تو وہ اس قبرستان میں دفن ہو سکتا ہے۔"

"ممکن ہے کہ بعض آدمی جنپر بدگمانی کا مادہ غالب ہے وہ ہمیں اس کارروائی میں اعتراضوں کا نشانہ بناویں اور اس انتظام کو اغراض نفسانیہ پر مبنی سمجھیں یا اسکو بدعت قرار دیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بلاشبہ اُس نے ارادہ کیا ہے کہ اس انتظام سے منافق اور مومن میں تمیز کرے اور ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ جو لوگ اس الٰہی انتظام پر اطلاع پاکر بلاتوقف اس فکر میں پڑتے ہیں کہ دسواں حصہ کل جائداد کا خدا کی راہ میں دیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اپنا جوش دکھلاتے ہیں وہ اپنی ایمانداری پر مہر لگا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الٓمّٓ۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون۔ کیا لوگ گ

گمان کرتے ہیں کہ میں اسی قدر پر راضی ہو جاؤں کہ وہ کہدیں کہ ہم ایمان لائے اور ابھی انکا امتحان نہ کیا جائے اور یہ امتحان تو کچھ بھی چیز نہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان جانوں کے مطالبہ پر کیا گیا اور انہوں نے اپنے سر خدا کی راہ میں دیئے پر ایسا گمان کیوں نہ کیا جائے کہ یونہی عام اجازت ہر ایک کو نہ دیجائے کہ وہ اس قبرستان میں دفن کیا جائے۔ کس قدر دور از حقیقت ہے اگر یہی روا ہو تو خدا تعالیٰ نے ہر ایک زمانہ میں امتحان کی کیوں بنا ڈالی وہ ہر ایک زمانہ میں چاہتا رہا ہے کہ خبیث اور طیب میں فرق کر کے دکھاوے اسلئے اسنے اب بھی ایسا ہی کیا۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض خفیف خفیف امتحان بھی رکھے ہوئے تھے جیسا کہ یہ بھی دستور تھا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کا مشورہ نہ لے جبتک پہلے نذرانہ داخل نہ کرے پس اسمیں بھی منافقوں کے لئے ابتلا تھا۔ ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ اسوقت کے امتحان سے بھی اعلیٰ درجہ کے مخلص جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جائینگے۔ اور ثابت ہو جائیگا کہ بیعت کا اقرار انہوں نے سچا کر کے دکھلا دیا اور اپنا صدق ظاہر کر دیا۔ بیشک یہ انتظام منافقوں پر بہت گراں گذریگا اور اس سے انکی پردہ دری ہوگی اور بعد موت وہ مرد ہوں یا عورت اس قبرستان میں ہرگز دفن نہیں ہو سکیں گے۔ فی قلوبہم مرض فزادھم اللہ مرضا۔ لیکن اس کام میں سبقت دکھلانیوالے راستبازوں میں شمار کئے جائینگے۔ اور ابد تک خدا کی ان پر رحمتیں ہونگی۔

بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ بلاؤں کے دن نزدیک ہیں اور ایک سخت زلزلہ جو زمین کو تہ و بالا کر دیگا قریب ہے پس وہ جو معائنہ عذاب سے پہلے اپنا تارک الدنیا ہونا ثابت کر دینگے اور نیز یہ بھی ثابت کرینگے کہ کسطرح انہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ خدا کے نزدیک حقیقی مومن وہی ہیں اور اسکے دفتر میں سابقین اولین میں لکھے جائیں گے۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ زمانہ قریب ہے کہ ایک منافق جس نے دنیا سے محبت کر کے اس حکم کو ٹالدیا ہے وہ عذاب کے وقت آہ مار کر کہیگا کہ کاش میں تمام جائداد کیا منقولہ اور کیا غیر منقولہ خدا کی راہ میں دیدیتا اور اس عذاب سے بچ جاتا۔ یاد رکھو کہ اس عذاب کے معائنہ کے بعد ایمان بے سود ہوگا اور صدقہ خیرات محض عبث۔ دیکھو میں بہت قریب عذاب کی تمہیں اطلاع دیتا ہوں اپنے لئے وہ زاد جلد تر جمع کرو کہ کام آوے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم سے کوئی مال لوں اور اپنے قبضہ میں کر لوں بلکہ تم اشاعت دین کے لئے ایک انجمن کے حوالہ اپنا مال کرو گے اور بہشتی زندگی پاؤگے۔ بہتیرے ایسے ہیں کہ وہ دنیا سے محبت کر کے میرے حکم کو ٹال دینگے مگر بہت جلد دنیا سے جدا کئے جائینگے تب آخری وقت میں کہینگے ھذا ما وعد الرحمٰن و صدق المرسلون۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

الراقم۔ میرزا غلام احمد خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود۔ ۶ جنوری ۱۹۰۶ء

ان الفاظ کو پڑھنے کے بعد احباب کو وصایا کے لکھنے اور انکی تکمیل کی طرف توجہ کرنے میں ایک لمحہ بھی سستی نہیں کرنی چاہیئے۔ بہت سے احباب نے ابتک وصایا لکھی نہیں۔ یا ایسا خیال کر رکھا ہے کہ فلاں کام ہوجاوے تو وصیت لکھینگے۔ حالانکہ زندگی کا اعتبار نہیں۔ بعض نے وصایا اپنے طور پر لکھ رکھی ہیں اور انکو دفتر ہذا کے سپرد نہیں کیا حالانکہ ہدایات ملنا حضرت صاحب نے صاف طور پر لکھا ہے کہ وصیت کو لکھکر انجمن کے سپرد کرنا چاہیئے بعض کو جب وصیتوں کی تکمیل کی طرف توجہ دلائی گئی تو صدائے برنخاست کا معاملہ ہوا۔ ایسی وصیت کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ بعض سے چندہ شرط اول طلب کیا گیا اور بار بار مطالبے کیئے گئے تو کچھ جواب نہ ملا۔ جس وجہ سے وہ وصایا بھی غیر مکمل پڑی ہیں اور انپر سرٹیفکٹ جاری نہیں ہوسکتے۔ اسطرح پر کوئی ڈیڑھ سو کے قریب وصیت دفتر انجمن میں نامکمل صورت میں پڑی ہے۔ اور اگر جلدی انکی تکمیل کی طرف توجہ نہ کی گئی تو یہ سب وصایا بھی کالعدم ہی سمجھی جاویں گی۔ اور جن لوگوں نے وصیتیں لکھکر اپنے پاس رکھ چھوڑی ہیں انکی اس کارروائی سے الوصیت کا منشا ہرگز پورا نہیں ہوتا۔ سب احباب توجہ فرماویں دینی کاموں میں ایسا تساہل گناہ ہے۔

مدرسہ۔ ۱۵ جولائی سے ڈیڑھ ماہ کیلیئے موسم گرما کی تعطیلوں کیوجہ سے بند ہوگا۔ اس سال ۲ مدرس سینیر ٹرینڈ اور ایک مدرس جونیر ٹرینڈ کا امتحان پاس کرکے سکول میں آگئے ہیں اور ماسٹر محمد دین بی اے ٹریننگ کالج میں بھیجے گئے ہیں۔ ایسا ہی مدرسہ کے اساتذہ میں چودھری غلام محمد بی اے کے آنیسے سٹاف کی حالت اعلیٰ درجہ کی ہوگئی ہے۔ طلباء مدرسہ میں بحمد اللہ خاصی ترقی ہوگئی ہے مگر جماعت کی توجہ ابھی بہت سی درکار ہے بھٹہ کا کام اخیر جون میں بند ہوگیا ہے۔ چودہ اور پندرہ لاکھ کے درمیان اینٹ تیار ہوگئی ہے۔ مگر فنڈ قریباً پانچہزار روپے کا مقروض ہوگیا ہے چندہ تعمیر کیطرف جبتک خصوصیت سے احباب توجہ کرکے اس قرضہ کو پورا کرنیکے بعد اسیقدر رقم اور جمع نہ کردیں تعمیر کا کام بند رہیگا۔ ایڈ کیلیئے درخواست دی گئی ہے۔

یتامیٰ و مساکین کے لیئے مولوی نور احمد صاحب ساکن بہرام پور متصل بھگواڑہ نے کپڑے ارسال فرمائے ہیں اور احباب بھی توجہ فرماویں۔ میاں معراج الدین عمر صاحب نے اپنی کتاب براہین احمدیہ کی بہت سی جلدیں بکڈپو میں عطا فرمائی ہیں۔ اور شیخ تیمور صاحب بی اے نے اپنے والدین کی روح کو ثواب پہنچانیکے لیئے صدقہ جاریہ کے طور پر کسی مصرف میں لانیکے لیئے پانچسو روپے کی رقم عطا فرمائی ہے۔ سید صادق حسین صاحب نے پچاس روپے ایسی ہی غرض کے لیئے دیئے جنکی ایک دیگ بنوائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر دے۔ اس مہینہ کے گوشوارہ آمد و خرچ پر احباب خاص طور سے توجہ فرماویں۔ سکرٹری

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ — بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۹ء — نمبر ۸

فہرست مضامین

اشاعت اسلام نمبر ۳ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں — ۲۸۱ / ۳۰۷

انقلاب فارس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی — ۳۰۷ / ۳۱۲

اسلام کی اخلاقی طاقت — ۳۱۲ / ۳۱۴

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ — ۳۱۵ / ۳۲۰

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اگست ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عوام سے عہ طلبا سے سہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں

گذشتہ پرچہ میں ہمنے مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے اسلام کے پھیلنے کا ذکر کیا تھا۔ اگرچہ مکہ معظمہ میں کئی قسم کے مشکلات تھے جو اسلام کی اشاعت کو روکنے والے تھے۔ مگر باوجود اُن مشکلات کے اسلام ترقی کرتا گیا اور جب ہجرت کے وقت محلے کے محلے خالی ہو گئے اور اُن میں ایک متنفس بھی نظر نہ آیا تو کفار نے تعجب کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں اسقدر کامیابی ہوئی کہ میور جیسا متعصب عیسائی بھی تعریفی کلمات لکھنے کے بغیر رہ نہیں سکا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔ "اسوقت تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام ابھی تھوڑے اور سادہ تھے۔ آپ کی تعلیم نے ایک حیرت انگیز اور زبردست تبدیلی پیدا کی۔ ابتدائی عیسائیت کے زمانہ کے بعد کسی نے نہیں دیکھا تھا کہ اس طرح روحانی زندگی لوگوں میں پھونکی گئی ہو۔ اور ایمان ایسا قوی ہو کہ اُسکی خاطر لوگ ہر ایک قربانی کرنے کے لیئے خوشی سے تیار ہوں۔ ایک نہایت ہی قدیم زمانہ سے کل جزیرہ عرب روحانی غفلت میں ڈوبا چلا آتا تھا۔ عیسائیت یا یہودی مذہب یا کسی فلسفیانہ تحقیقات کا اہل عرب پر اس سے زیادہ اثر نہیں ہوا تھا جتنا کہ ایک ٹھہری ہوئی جھیل یا تالاب کی سطح پر خفیف سی جنبش کسی جگہ پیدا ہو جاتی ہے۔ باقی سارا پانی ساکن رہتا

ہے۔ لوگ وہم پرستی۔ ظلم اور گناہ میں غرق تھے۔ یہ عام رواج تھا کہ سب سے بڑا بیٹا
اپنے باپ کے مرنے کے بعد اسکی بیویوں کو اپنی بیویاں بنا لیتا اور وہ اسکو اسی طرح
ورثہ میں ملتی تھیں جیسا کہ اسکا دوسرا مال و متاع۔ تکبر و افلاس کی وجہ سے انہیں
دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی تھی (جیسا کہ ہندوؤں میں بھی جاری رہی ہے) انکا
مذہب شدید قسم کی بت پرستی تھی اور بجائے اسکے کہ کسی اعلیٰ ہستی پر انکا ایمان ہو وہ
مخفی چیزوں سے وہم پرستوں کی طرح خوف کرتے تھے اور ہر ایک طرح کوشش
کرتے تھے کہ ان پوشیدہ وجودوں کو خوش کریں اور انکے غضب کو ٹالدیں آئندہ
زندگی یا نیک و بد کی جزا و سزا سے علی رنگ میں بالکل بے خبر تھے۔ ہجرت سے ۱۳ سال
پیشتر مکہ اس گری ہوئی حالت میں بے جان کی طرح پڑا ہوا تھا۔ مگر اس ۱۳ سال کے
عرصہ میں عجیب و غریب تبدیلی پیدا ہو گئی۔ کئی سو آدمیوں نے بت پرستی کو بالکل
رد کر دیا خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور دل و جان سے اس کلام کے پیرو
ہو گئے جسکو وحی آسمانی یقین کرتے تھے۔ کثرت سے اور تضرع سے خدا تعالیٰ
کے آگے دعائیں کرتے خدا تعالیٰ کے رحم پر بھروسہ کر کے گناہوں کی معافی چاہتے
اعمال صالحہ۔ صدقہ خیرات۔ پاکیزگی اور عدل و انصاف کی پابندی میں دن رات
سرگرم رہتے۔ خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر اور قدیر یقین کرتے اور اسی کو اپنا کارساز سمجھتے
ہر ایک بات میں انکو خدا تعالیٰ کا ہاتھ نظر آتا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ سلم) انہیں زندگی
کی روح پھونکتے تھے اور خدا تعالیٰ کے بعد وہ ہر ایک امر میں آپ کی بلا چون و چرا
اطاعت کرتے۔ اسقدر قلیل عرصہ میں مکہ میں اس تحریک کی وجہ سے کئی گروہ
قائم ہو گئے اور وہ پہلے خاندانی یا قومی تعلقات کو بالائے طاق رکھکر ایک دوسرے
کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ مسلمانوں نے طرح طرح کی تکالیف کو بڑے صبر اور
فراخ حوصلگی کے ساتھ برداشت کیا اور اگرچہ ایسا کرنے میں انہوں نے دانائی سے
کام لیا مگر اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ جس عالی حوصلگی سے انہوں نے دشمن
کے ظلم و ستم کو برداشت کیا وہ نہایت ہی قابل آفرین ہے۔ ۱۰۰ مرد و عورت نے

سے اپنے وطن مالوف کو چھوڑکر حبشہ میں جاکر پناہ لی مگر اسلام کو نہ چھوڑا۔ اسوقت اس سے بہت زیادہ تعداد مسلمانوں کی بمعہ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اپنے پیارے شہر سے اور اُسکے مقدس مقامات سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف جا رہے تھے اگرچہ مکہ سے بڑھکر روئے زمین پر اُنکے لیئے کوئی مقدس جگہ نہ تھی۔ مدینہ میں بھی وہی جادو اثر تعلیم دو تین سال سے ایک بھائیوں کی جماعت اُنکے لیئے تیار کر رہی تھی جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپکے صحابہؓ کی حفاظت کے لیئے اپنے خون بہا دینے کیلیئے تیار تھی مدینہ والوں کے کانوں میں ایک مدتِ دراز سے یہودی تعلیم کی آواز گونج رہی تھی مگر وہ نہ جاگے جب تک کہ نبی عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح ہلا دینے والی آواز کو انہوں نے نہ سنا۔ اب وہ ناگہاں خوابِ غفلت سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور انمیں ایک نئی زندگی اور نئی روح پیدا ہوگئی۔"

مدینہ منورہ میں اسلام کا پھیلنا

اب مسلمان مکہ معظمہ کو چھوڑکر مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے چلے گئے اب دیکھئے کہ اس نئے شہر میں اسلام کس طرح پھیلا۔

یہاں اسلام کے آگے اُس قسم کی رکاوٹیں نہیں تھیں جیسی کہ مکہ معظمہ میں تھیں اس لیئے اس شہر میں اسلام بہت جلدہی پھیل گیا۔ اہل مدینہ میں اسلام کی ابتدار اُسوقت ہوئی جبکہ چھ آدمیوں نے ہجرت سے قریباً ۳ سال پہلے حج کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا۔ جب یہ لوگ مدینہ میں واپس آئے تو انہوں نے شہر میں اسلام کا اور اسلام کے نبی کا چرچا شروع کیا اور جب دوسرے سال حج کا موقعہ آیا تو ۱۲ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ معظمہ میں آئے اور آپکے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اس دفعہ ان مسلمانوں کے ساتھ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ میں اسلام کی تبلیغ کرنے کیلیئے تشریف لے گئے اس خادم اسلام کو عجیب کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے اسد ابن زرارہ

کے مکان میں رہائش اختیار کی اور اپنے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح قرآن شریف کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچنا شروع کیا۔ اگرچہ یہاں مسلمانوں کو م مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر پھر بھی یہاں ایک حد تک مخالفت کی گئی۔ مندرجہ ذیل قصّہ سے واضح ہو جائے گا کہ مدینہ منورہ میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کس طریق سے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ اور یہ بھی واضح ہو جائیگا کہ اوّل اوّل اُنکو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک روز حضرت مصعبؓ بعض نومسلموں کو ایک مکان میں اسلام کی تعلیم دے رہے تھے جو ظفر کے بیٹوں کا مکان تھا۔ سعد ابن معاذ کو جو بنی اوس کا رئیس تھا اس امر کی خبر ہوئی۔ اُس نے اُسید کو کہا جو اسی قبیلہ کا ایک سردار تھا کہ اس واعظ اور اسکے ساتھی (اسد) کو ہمارے محلہ میں سے نکالدو۔ اور مَیں تجھے یہ تکلیف نہ دیتا مگر چونکہ میرا اسد سے رشتہ ہے اسلیئے یہ امر مجھے مانع ہے کہ یہ کام میں خود کروں۔ اسپر اُسید نے برچھا لیا اور غصہ سے بھرا ہوا۔ دروازہ کھول اندر داخل ہوا اور بولا۔ کونسی چیز تمھیں اسجگہ لائی ہے۔ کیا تم ہماری نوجوانوں اور نادانوں کو گمراہ کرنے کے واسطے یہاں آئے ہو اگر تمھیں اپنی جانیں پیاری ہیں تو یہاں سے نکل جاؤ۔ جواب میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے نرمی سے کہا۔ آپ بیٹھ جائیں اور سنیں۔ اگر آپ کوئی ایسی بات سنیں جو آپ کو ناپسند ہو تو پھر ہم یہاں سے چلے جاوینگے۔ اُسید نے زمین میں اپنا برچھا گاڑ دیا اور سننے کے لیئے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کے بعض حصّے سنائے اور اسلام کے اصول سمجھائے۔ اور اُسید پر ایسا اثر ہوا کہ وہ سُنکر بول اُٹھا اس مذہب میں داخل ہونے کے لیئے مَیں کیا کروں۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ غسل کرکے اپنا بدن پاک کرو اور پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اُسید نے ایسا ہی کیا اور کلمہ طیبہ پڑھکر اسلام قبول کیا۔ پھر کہا کہ میرے بعد ایک اور ہے سعد ابن معاذ میں اُسکو تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ اسکو اس مذہب کی تبلیغ کرو۔ اسکے بعد جلدی ہی سعد ابن معاذ غضب سے بھرا ہوا آیا اور کہا کیا تم اس امر کی جرأت

م ایسی سخت مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا جیسا کہ انکو مکہ معظمہ میں

کرتے ہو کہ ہم میں ایسی باتیں پھیلاؤ جو ہمارے مذہب کے برخلاف میں۔ حضرت مصعبؓ نے جواب دیا کہ تم ہمارے مذہب کو کیوں بُرا کہتے ہو جبکہ تم نے ابھی سُنا ہی نہیں کہ اس کی تعلیم کیا ہے۔ اسپر سعد ابن معاذ بیٹھ گئے اور سننے لگے اور اسی جگہ قرآن شریف کی پاک تعلیم سے متاثر ہو کر مذہب اسلام کو قبول کر لیا۔ سعد ابن معاذ جیسے بارعب آدمیوں کے اسلام لانے کے بعد حضرت مصعبؓ کھلے طور پر اسلام کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے اور اُنکو اس مبارک کام میں ایسی کامیابی حاصل ہوئی کہ ایک سال کے عرصہ میں کوئی ایسا گھر شاذ و نادر ہو گا جس میں اسلام داخل نہ ہوا ہو۔

اس حیرت انگیز کامیابی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مدینہ کے لوگ اپنی بت پرستی پر پہلے ثابت قدم نہ تھے۔ وہ اپنے پُرانے مذہب میں کیسے پکے تھے یہ امر اس سے واضح ہو جائے گا کہ تین صدیوں سے وہ مہذب اور تعلیم یافتہ یہود کے پاس رہتے تھے مگر کسی نے یہودیوں کی توحید کی تعلیم کو قبول نہ کیا اور اپنی بت پرستی پر قائم رہے۔ مگر جب اسلام آیا اور اسلام کا ایک واعظ قرآن مجید کی مقدس کتاب ہاتھ میں لیکر اُنمیں کھڑا ہو گیا تو جو کام یہودیت صدیوں میں کرنے سے عاجز رہ گئی تھی۔ وہ اسلام کے ایک مشنری نے چند دنوں میں خدا کے فضل سے پورا کر کے دکھا دیا۔ اور جس بُت پرستی نے صدیوں تک یہودیت کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کیا تھا وہ اسلام کے آنے پر ٹھہر نہ سکی۔ سر ولیم میور لکھتا ہے "یہ نیا مذہب (مدینہ میں) ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف اور ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ کی طرف پھیلتا گیا۔ یہودی حیرت زدہ ہو کر دیکھتے تھے۔ جن لوگوں کو وہ سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے کہ بُت پرستی ایک غلط راہ ہے وہی لوگ اب خود بخود اپنے بتوں کو گھروں سے نکال نکال کر چمگادڑوں چوہوں اور چھچھوندروں کے حوالے کر رہے تھے اور ایک ہی خدائے قدوس کا نام اُنکے دل اور زبان پر جاری تھا۔"

اہل مدینہ کے دلوں میں جو بتوں کی عزت تھی اب اُسکی جگہ سخت نفرت کا قیام ہو گیا پُرانے عربوں کو بُت پرستی سے کیسا اُنس تھا اور پھر یہ اُنس کیسی نفرت

میں تبدیل ہوگیا اسکی تشریح کے لیئے ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے
"مدینہ کے دوسرے لوگوں کی طرح ایک سن رسیدہ عرب رئیس کے گھر میں
ایک بُت تھا نوعمر مسلمان اس بُت کو ایک گندے کنوئیں میں پھینک آتے لیکن
بڈھا کنوئیں پر جاتا اور اپنے ٹھاکر کو نکالکر اشنان کراتا اور دھوپ دیکر پھر گھر میں رکھتا
تھا۔ مگر پھینکنے والے بھی رُکنے والے نہیں تھے انہوں نے ایک دن ٹھاکر جی کو
ایک مردہ کُتے کی ٹانگ سے باندھکر اُسی کنوئیں میں ڈبو دیا۔ اب ٹھاکر جی کی تمام
عظمت کا خاتمہ ہوگیا اور اُنکے بڈھے سیوک کو ہمیشہ کے لیئے اپنے خود ساختہ خدا کو
سلام کرنا پڑا" اللہ۔ اللہ وہ بُت جنکی کسی وقت گاڈ یعنی دیوتا کے طور پر پرستش
ہوتی تھی اب اُنکی قسمت نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہ ایک مردہ ڈاگ یعنی کُتے سے
بھی بدتر خیال کیئے جاتے تھے۔ سبحان اللہ۔ یہ پاک تبدیلی تھی جو نور اسلام نے
اہل مدینہ کے دلوں میں ایک آن کی آن میں پیدا کردی۔ چونکہ اہل مدینہ کو بُت پرستی
ترک کرنے اور نیا مذہب اختیار کرنے میں کوئی دنیوی مفاد مانع نہ تھے اور نہ ہی
اُنکے رؤسا سرداران مکہ کی طرح کسی مندر کے متولی تھے۔ اور اہل مکہ کی طرح انکو یہ
اندیشہ نہیں تھا کہ قبول اسلام سے اُنکی عظمت میں فرق آئیگا۔ اسلیئے مکہ کی طرح اسجگہ
مسلمانوں کو ایذادہی کی کوشش نہ کی گئی۔ مدینہ کے سربرآوردہ لوگوں نے مکہ والوں
کی طرح اشاعت اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے سے اعراض کیا بلکہ خود نئے مذہب کو
قبول کرلیا۔ اور چونکہ ایذادہی کا بہت کم خطرہ تھا اسلیئے لوگوں نے کثرت سے نبی عربی
صلعم کی حلقہ بگوشی اختیار کرلی اگر اسلام کے راستہ میں کوئی سد راہ تھی تو وہ محض
ان لوگوں کی بُت پرستی سے پُرانی محبت تھی مگر وحی الٰہی کے پُر زور اثر نے اسپر
غلبہ پالیا۔

اسلام کو تلوار سے پھیلانے کا اعتراض کرنیوالے یہاں سے ایک سبق حاصل
کریں ایک تن تنہا بے یار و مددگار و اعدا بُت پرستوں کی ایک بڑی قوم میں وعظ
کرتا ہے اور ایک ہی سال میں یہ کامیابی ہوتی ہے کہ اصنام پرستوں کی بڑی جماعت

اسلام میں داخل ہوجاتی ہے۔ اس شخص کے ہاتھ میں کونسا ہتھیار تھا؟ قرآن پاک تھا اور اسی ہتھیار نے عجائبات کا مشاہدہ کرا دیا۔ ہاں! یہی ایک ہتھیار تھا جسکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعظ میں استعمال کیا اور یہی ایک آلۂ حرب تھا جسکو آپکے تابعین ہر موقعہ اور ہر جگہ پر جہاں کہیں وہ گئے کام میں لائے۔

کیا ہم نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمرؓ اسی حربہ کا شکار ہوئے اور یہ قرآن پاک ہی تھا جسکو پڑھکر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سامعین پر جادو ڈالا اور انکو حلقۂ اسلام میں داخل کیا۔ قریش اسکی طاقتوں سے واقف تھے اور اسکو جادو کہتے تھے وہ اپنے شہر والوں کو نصیحت کرتے تھے کہ قرآن شریف کو نہ سنیں۔ جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو وہ اس غرض سے شور کرتے کہ پڑھنے والے کی آواز سامعین کے کان تک نہ پہنچے اور اس طرح سے وہ جادو بھری آیات کا شکار نہ ہوجائیں۔ قرآن مجید اس امر کی طرف اشارہ کرکے فرماتا ہے " وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهٰذا القرآن والغوا فیه لعلکم تغلبون۔ ترجمہ۔ کفار کہتے ہیں اس قرآن کو مت سنو بلکہ بک بک کرو بیچ اسکے تاکہ تم غالب آجاؤ" یعنی شور مچا کر سننے نہ دو اس وعظ کو اسقدر کامیابی ہوئی کہ دوسرے سال جب حج کا موسم آیا تو ۷۳ نومسلم مکہ معظمہ میں اس غرض کے لئے آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں لیجائیں اور دشمنوں کے ظلم سے آپکو بچائیں۔ لیکن صرف یہی ۷۳ آدمی نومسلم نہیں تھے بلکہ صرف ان لوگوں کے قائم مقام تھے جو کہ پیچھے مدینہ میں رہے تھے۔

مدینہ میں آنحضرتؐ کا استقبال

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پہنچے تو فرط خوشی سے بچے بھی آپکی آمد کے گیت گاتے تھے اور کہتے تھے هٰذا رسول الله قد جاء۔ مسلمان فوراً ہر طرف سے قبا میں پہنچ گئے جہانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے قیام فرمایا تھا۔ نبی کریم ان لوگوں سے بڑی محبت کے ساتھ پیش آئے اور انکو

نصیحۃً فرمایا کہ اس خوشی کے اظہار میں اپنے پڑوسی کو امن کا سلام پہنچاؤ۔ غریبوں کو خیرات دو۔ قرابت کے رشتوں کو مضبوط کرو اور جب لوگ سوتے ہوں تم دعائیں کرو اس طرح تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔ چار روز تک قبا میں ٹھہر کر نبی کریمؐ شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر کے خاندان اور قبیلے کے قبیلے حضور کی زیارت کے لیئے آئے اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضور پُر نور کی خاطر و مدارات میں دوسرے سے سبقت لیجائے۔ جب آنحضرتؐ شہر کے کوچوں میں گذر رہے تھے تو جس قبیلہ کے گھروں کے پاس سے آپ کا گذر ہوتا تھا وہ آپ کی سواری کی باگ کو پکڑ کر عرض کرتے یا رسول اللہ۔ ھلم الینا الی العدد والعدۃ والمنعۃ۔ یا رسولؐ اللہ! ہمارے یہاں قیام فرمائیے۔ ہمارے یہاں سامان مدافعت۔ آلات حرب کی کثرت اور کافی جماعت ہے۔ ہمارے ہاں ہی آرام فرماویں۔ آپ جواب میں فرماتے۔ خلوا سبیلھا فانھا مامورۃ۔ یعنی اس اونٹنی کو چھوڑ دو۔ یہ خدائے تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہے۔

حضرت نبی کریمؐ کا وعظ

مدینہ میں قیام پذیر ہونیکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امر کی طرف پہلے توجہ فرمائی وہ تعمیر مسجد تھی اور اس کام میں آنحضرت صلعم نے خود حصّہ لیا مسجد میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اپنا بہت سا وقت گذارتے تھے۔ اور یہاں ہی حضور روزانہ نمازیں ادا کرتے تھے۔ یہاں ہی آنحضرت صلعم لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے۔ آنحضرت صلعم کا خطبہ اور آسمانی وحی کے سننے کے لیئے شائقین کا ایک بڑا مجمع ہو جایا کرتا تھا۔ اور چونکہ اس جگہ مسلمانوں پر اس قسم کا ظلم نہیں کیا جاتا تھا جیسا کہ مکہ معظمہ میں ہوتا تھا اسلیئے اسلام نے بڑی سرعت سے ترقی شروع کی۔ صرف مسجد ہی جائے وعظ نہیں تھی بلکہ مسجد کے اندر اور باہر جہاں کہیں حضور کو موقع ملتا تھا وہیں اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ اور جس جگہ آدمیوں کا

ایک مجمع دیکھتے اُسی جگہ اسلام کا وعظ شروع کر دیتے۔ جس طریق سے آپ نے اپنا وعظ مدینہ منورہ میں جاری رکھا وہ مندرجہ ذیل قصہ سے واضح ہوجاتا ہے۔ "ایک دن آپ سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے تشریف لیجا رہے تھے۔ تو آپ کا گذر مشرکین اور یہود کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا۔ آپ وہاں بیٹھ گئے اور فرقان حمید کا کچھ حصہ پڑھا اور اُن لوگوں کو مذہب حقہ کی دعوت دی۔ ان لوگوں میں عبد اللہ بن اُبی بھی تھا جو کہ ذاتی اغراض کے باعث نبی کریمؐ کا دشمن تھا جب آنحضرت صلعم بیان فرما چکے تو وہ کہنے لگا جو کچھ آپ فرماتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہو تو یہ نہایت ہی عمدہ کلام ہے۔ اگر آپکے پاس کوئی جائے تو ایسا وعظ آپ اُسکو سنایا کریں۔ دوسروں کو آپ تکلیف نہ دیا کریں۔ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ کا یہ کلام سعد کو سنایا تو اُس نے قسم اُٹھا کر بیان کیا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہم نے اُسکو اپنا بادشاہ بنانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اب وہ صریحًا دیکھتا ہے کہ حضور نے اُسکے ہاتھ سے ریاست چھین لی ہے یہی وجہ ہے کہ اُسکو آپ سے بُغض ہے۔ آپ اُس سے درگذر فرمائیں اور اُسکے قول کی کچھ پروا نہ کریں۔ آپ نے پوری سرگرمی سے اپنا کام جاری رکھا اور اسلام کی بنیادیں دن بدن مستحکم اور مضبوط ہوتی گئیں

قریش کی دشمنی

اب میں قریش مکہ کا کچھ ذکر کرتا ہوں۔ میور کہتا ہے کہ وہ حضرت نبی کریم صلعم اور صحابہ کرامؓ کے مکہ معظمہ سے چلے جانے پر خوش تھے۔ اور اگر نبی کریمؐ کی طرف سے زیادتی نہ ہوتی تو وہ مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت نہ کرتے۔

میور یہ بھی کہتا ہے کہ نبی کریمؐ یا آپکے صحابہؓ نے آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق قریش کے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی اس زیادتی کی وجہ سے امن پسند اور صلح جو قریش مجبور ہوئے کہ نبی کریمؐ اور آپکے صحابہؓ سے جو در اصل اُنکے خویش واقارب ہی تھے۔ برسرپیکار ہوں۔ لیکن ہم سوال کرتے ہیں کہ یہ عجیب تبدیلی قریش

میں یکایک کس طرح پیدا ہوگئی؟ انہوں نے کیونکر اپنے خیالات کو فوراً بدل لیا؟ اگر مکہ
سے مسلمانوں کے جانے پر وہ خوش تھے تو مہاجرین کے اُس دستے کا بحیرۂ قلزم
تک کیوں تعاقب کیا؟ جو کہ اُنکے ظلم سے تنگ آکر ایک عیسائی ملک میں پناہ لینے جارہے
تھے۔ پھر حبشہ کے بادشاہ کے پاس ایلچی اور قیمتی تحائف بھیجکر کیوں درخواست
کی کہ ان مہاجرین کو اُنکے حوالے کردے؟ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ قریش اُن مسلمانوں پر
کیوں خفا ہوئے؟ جو کہ مدینہ سے آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کو قریش کے مظالم سے
بچاکر اپنی پناہ میں لینے کے لیئے آئے تھے؟ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے مدینہ کے
مسلمانوں کا اُنکی روانگی کے بعد تعاقب کیا؟ اور انہیں سے دو کو پکڑ بھی لیا۔ پھر
کیا سبب ہے کہ جب ان دو میں سے ایک بچ کر نکل گیا تو دوسرے کو بالوں سے پکڑ کر
گھسیٹتے ہوئے شہر میں لائے؟ اور جب مسلمانوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کیوں
انہوں نے دُگنی سختی سے اپنے عزیز واقارب کو طرح طرح کے عذاب دینے شروع کیئے!
کیا اُنکی ہجرت کو روکنے کے لیئے ہر طرح کی کوششیں نہیں کی گئیں؟ کیا بعض کو قید میں
ڈالا نہیں گیا؟ اور بعض کو ارتداد پر مجبور نہیں کیا گیا؟ کیا وہ بعض مسلمانوں کو مدینہ کے
قریب سے پکڑ نہیں لائے تھے؟ اور کیا اُنکے ہاتھ پیٹھ پر باندھکر اُنکو گھسیٹ کر شہر میں
نہیں لے گئے تھے؟ اور کیا وہ ان سختیوں کے وقت اہل شہر سے یہ نہیں کہتے
تھے کہ تم بھی ان جہلاء سے ایسا ہی سلوک کرو۔ جب حضرت نبی کریمؐ مکہ میں ہجرت کے
لیئے الٰہی حکم کا انتظار کر رہے تھے کیا اسوقت یہ ارادہ نہیں کیا گیا تھا کہ سب ملکر آپ پر
حملہ کریں اور آپکی زندگی کا خاتمہ کردیں؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے
ہجرت کر گئے تو کیا آپکے قتل کے لیئے انعام مقرر نہیں کیا گیا تھا؟ اور کیا آنحضرتؐ کی تلاش
کے لیئے ہر طرف سوار نہیں دوڑائے گئے تھے؟ جب قریش کی یہ حالت تھی تو ہم
میور صاحب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ خونخوار بھیڑیئے کیونکر یک بیک غریب بے ضرر
بھیڑیں بن گئیں؟ آہ! ایسے مورخ سے کیا انصاف کی امید ہوسکتی ہے جو کہ اپنے
جبلی عیسائی تعصب میں ایسا غلطان ہے کہ خونخوار قریش کو تمام الزامات سے بری کرتا ہے

اور حضرت نبی کریمؐ کو باوجود مظلوم ہونے کے زیادتی کرنیوالا ٹھہراتا ہے اور ابتدائی جنگ کا الزام اُنکے سر پر رکھتا ہے۔

حضرت نبی کریمؐ کو قریش کے حملہ کا اندیشہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی دفعہ حج کے موقعہ پر مدینہ کے ایک چھوٹے سے گروہ سے ملاقات ہوئی تو اُنکو اپنے مذہب کی تبلیغ کرنیکے بعد اُنہیں اپنے مشکلات کا حال سنایا۔ اور فرمایا کہ "کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ مدینہ والے مظلوم مسلمانوں کو قریش کی تعدیوں سے پناہ دیں"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اس امر کا بخوبی یقین تھا کہ اگر آپ اور آپکے صحابہ کسی دوسری جگہ ہجرت بھی کر گئے تو قریش ضرور اُنکا تعاقب کرینگے آپ میور اور دوسرے وقائع نگاروں کی نسبت اپنے حالات زیادہ اچھی طرح سمجھتے تھے اور حضور کو معلوم تھا کہ قریش اسلام کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑنے پر تُلے ہوئے ہیں اور اُنکو یہ بھی گوارا نہ ہو سکیگا کہ مسلمان کسی دُور دراز شہر میں بھی امن سے زندگی بسر کریں۔ یہی باعث تھا کہ آپنے مدینہ کو ہجرت کرنے سے پیشتر مدینہ کے نومسلموں سے اسبات کا پختہ وعدہ لیا کہ وہ آپ اور آپکے رفقاکی حفاظت اس طرح کریں۔ گے جیسا کہ وہ اپنی بیویوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے چچا عباس جو ابھی تک غیر مسلم تھے اُنکی تقریر سے بھی صاف عیاں ہوتا ہے کہ قریش کا ارادہ تھا کہ مسلمان خواہ کہیں جائیں وہ اُنکا تعاقب کرینگے۔ عباس نے مدینہ کے نومسلموں سے جو آنحضرتؐ کے پاس مدینہ میں پناہ دینے کا پیام لائے تھے اس طرح کہا "اے بنی خزرج! اس معاملہ کو غور سے سوچو اور نفع نقصان کا اندازہ کر لو۔ اگر تمھارا مصمم ارادہ ہو اور پھر تم اُنکی حفاظت کے قابل بھی ہو تو عہد کرو۔ لیکن اگر تمھیں شک ہو کہ تم اس قابل نہ ہوگے تو فوراً اس تجویز کو چھوڑ دو"۔

ان الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ عباس جو کہ اسلام اور مسلمانوں کی تکالیف سے پورے طور پر واقف تھا اُسکی رائے میں حضرت نبی کریمؐ اور مسلمانوں کے بلانے میں

اہل مدینہ ایک نہایت خطرناک امر کو اپنے ذمہ لے رہے تھے اور اُسکو یہ بھی یقین تھا کہ اگر اہل مدینہ ان مہاجرین کو اُنکے بے رحم ایذا دہندوں سے محفوظ نہ رکھ سکے تو آنحضرت اور اُنکے ساتھیوں کی جانیں معرض خطر میں ہونگی۔ حضرت نبی کریمؐ اور آپکے چچا عباس کی رائے میں یہ یقینی امر تھا کہ قریش مسلمانوں کی اس نئی جائے پناہ پر ضرور حملہ آور ہونگے اور بعد کے واقعات نے اُنکی رائے کو بالکل راست ثابت کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت تک مکّہ کو نہ چھوڑا جبتک کہ اہل مدینہ سے اس امر کا پختہ وعدہ نہ لے لیا کہ وہ آنحضرتؐ اور آپکے ساتھیوں کی حفاظت وحمایت میں جان و مال سے بھی دریغ نہ کرینگے۔

چھپے دشمن

بھلا یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آکر مکّہ کے دشمنوں سے غافل رہتے؟ آپنے آتے ہی قریش کے اس آنیوالے حملہ سے اپنا بچاؤ کرنیکے لیئے مناسب تیاریاں شروع کر دیں اگرچہ حضرت نبی کریمؐ اور مسلمان مدینہ میں مشرکین مدینہ کی تعدیوں سے محفوظ تھے مگر یہاں آکر آپ کو نئے رنگ کے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ بہت سے اہل مدینہ مسلمان ہو چکے تھے مگر اُنکی ایک بڑی جماعت ابھی تک اسلام میں داخل نہیں ہوئی تھی بلکہ آنحضرتؐ کی دشمن تھی۔ عبداللہ بن اُبیّ جسکا پہلے ذکر ہو چکا ہے ایسے لوگوں میں سے تھا۔ ان لوگوں میں سے اکثر ظاہراً حضرت نبی کریمؐ کے حامی بنے ہوئے تھے مگر اُنکی ظاہری حمایت اُس خفیہ مخالفت پر پردہ ڈالتی تھی جو کہ علانیہ دشمنی کی نسبت زیادہ خطرناک تھی۔

یہودی

مذکورہ بالا گروہ سے بھی زیادہ خطرناک یہودیوں کی وہ قومیں تھیں جو سیکڑوں سال سے مدینہ اور اُسکے قرب وجوار میں آباد تھیں اور جنہوں نے ہتھیار بند حملہ آوروں کا مقابلہ کرنیکے لیئے قلعہ بند مکان بنائے ہوئے تھے۔ وہ اُن لوگوں کے بھائی بند

اور جانشین تھے جنہوں نے اپنے ہی مسیحؑ کو صلیب پر لٹکایا تھا۔ کیا رسول عربی جو بنی اسرائیل کے ہمسر بنی اسمٰعیل سے پیدا ہوا تھا اور جسکی شریعت تمام پہلی شریعتوں کو منسوخ کرتی تھی۔ ان یہودیوں کے ہاتھ سے اُس مسیحؑ کی نسبت بہتر سلوک کی امید کر سکتا تھا جو کہ انہی کی نسل سے پیدا ہوا اور دعویٰ بھی کیا کہ موسوی شریعت کا ایک شعشہ بھی تبدیل نہ کیا جائیگا؟

آنیوالے حملے کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں

اگرچہ یہودی اور اہل مدینہ کی ایک جماعت مسلمانوں سے سخت متنفر تھے تاہم حضرت نبی کریمؐ کے تشریف لانے پر شہر میں اسقدر جوش پیدا ہوا کہ مذکورہ بالا ہر دو فریق کو علانیہ مخالفت کا حوصلہ نہ ہو سکا اور اسوجہ سے یہ لوگ پہلے پہل خاموش رہے۔ حضرت نبی کریمؐ کی عین یہی خواہش تھی کہ غیر مسلم شہر والوں اور یہودیوں سے صلح صفائی رہے۔ آپکو یہ علم تھا کہ مسلمانوں کی مختصر سی جماعت پر قریش مع اپنے مددگار احابیش کے ضرور حملہ آور ہونگے اور اسلیئے شہر کی حفاظت کیلیئے یہ انسب معلوم ہوتا تھا کہ مدینہ کے غیر مسلم لوگ اگر ساتھ نہ دیں تو کم از کم مسلمانوں کی راہ میں مزاحم نہ ہوں۔ چونکہ قریش کعبہ کے متولی تھے اور عرب کی قوموں پر اسوجہ سے اُنکا بڑا اثر تھا اور وہ آسانی سے ریگستان کی قوموں اور عرب کی دوسری اقوام کو حضرت نبی کریمؐ کے خلاف جنگ کرنیکے لیئے اُکسا سکتے تھے کیونکہ آنحضرتؐ کی موجودگی سے اُنکے قومی مذہب کی تباہی کا اندیشہ ہو رہا تھا۔ اس لیئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بعض صورتوں میں یہاں آکر مکہ سے بھی زیادہ نازک ہو گئی تھی۔ مکہ میں تو صرف قریش کی مخالفت تھی مگر مدینہ میں جیسا کہ میور اقرار کرتا ہے آپکو تمام عرب کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلیئے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مختصر گروہ کو جو کہ مدینہ میں جمع تھا ہر وقت ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔ کم از کم شہر میں امن رکھنے کے لیئے حضرت نبی کریمؐ نے مدینہ اور مضافات کی غیر مسلم آبادی سے ایک عہدنامہ لیا۔

جو کہ اہل مدینہ کے لیئے آنحضرت صلعم کی طرف سے بمنزلہ فرمان آزادی تھا اور اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

" یہ فرمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ قریش ہوں خواہ اہل یثرب (مدینہ) اور سب لوگوں کو خواہ وہ کسی مذہب اور کسی قوم کے ہوں جنہوں نے مسلمانوں سے صلح اور آشتی رکھی ہے لکھدیا ہے۔ صلح اور جنگ کی حالت سب مسلمانوں کے لیئے عام ہوگی اور کسی مسلمان کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ برادران اسلام کے دشمنوں سے صلح یا جنگ کرے یہود جو ہماری حکومت اسلامیہ سے تعلق رکھتے ہیں تمام اذیتوں اور ذلتوں سے بچائے جائیں گے اور ہماری اُمت کے ساتھ مساوی حقوق انکو ہماری نصرت اور حمایت اور حسن سلوک کے حاصل رہیں گے۔ یہودان بنی عوف۔ بنی نجار۔ بنی حارث۔ بنی جشم۔ بنی غالب بنی اوس اور سب ساکنان یثرب مسلمانوں کے ساتھ ملکر ایک قوم سمجھی جائے گی اور وہ اپنے اعمال مذہبی کو ویسی ہی آزادی سے بجالائیں گے جیسے مسلمان اپنے امور دینی کو ادا کرتے ہیں۔ یہود کی حفاظت اور حمایت میں جو لوگ ہیں یا جو انسے دوستی رکھتے ہیں انکو بھی تحفظ اور آزادی حاصل رہے گی۔ مجرموں کا تعاقب کیا جائیگا اور انکو سزا دیجائے گی۔ یہود مسلمانوں کی شرکت یثرب کے بچانے میں کریں گے .... اور تمام وہ لوگ جو اس فرمان کو قبول کریں گے یثرب میں محفوظ اور مامون رہیں گے۔ مسلمان اور یہود کے دوست و آشنا کا بھی ویسا ہی اعزاز کیا جائیگا جیسا کہ خود یہودیوں کا۔ سب سچے مسلمان اُس شخص سے بیزار رہیں گے جو کسی گناہ یا ظلم۔ نا اتفاقی یا بغاوت کا مرتکب ہوگا اور کوئی شخص کسی مجرم کی حمایت نہ کرے گا۔ گو وہ کیسا ہی قریبی اور عزیز ہو آئندہ جو تنازعات ان لوگوں میں ہونگے جو اس فرمان کو قبول کرتے ہیں انکا فیصلہ خداوند عالم کے حکم کے مطابق رسول اللہ فرمائیں گے۔"

یہ فرمان دو وجوہ سے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ اوّل اس سے ظاہر ہوتا ہے

کہ آنحضرتؐ کو قریش اور اُنکے مددگاروں کے حملے کا اندیشہ تھا۔ اور یہ بھی فکر تھا کہ مسلمانوں کی قلیل جماعت تباہی سے بچ جائے اسی وجہ سے آپنے مدینہ اور اُسکے قرب وجوار کے غیر مسلم لوگوں سے عہدنامہ کر کے اس شہر کو ایسی حالت میں کردیا تھا کہ حملہ کے وقت بچاؤ کی کوشش ہو سکے۔

دوم۔ اس فرمان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ ملا کر ایک قوم سمجھا جائیگا اور حقوق میں مساوات رکھی جائے گی۔ اس عہدنامہ کے رو سے آپنے یہ اجازت دی کہ ہر ایک شخص اپنے اپنے مذہب پر چلنے کے لیئے آزاد ہوگا بلکہ ضرورت کے وقت نہ صرف معاہدہ کرنیوالوں کی مدد کیجائے گی بلکہ اُن لوگوں کی بھی مدد کیجائے گی جو اُن سے تعلق اور عہد رکھتے ہیں۔

اس معاہدہ میں یہود کی وہ قومیں تو شامل ہی تھیں جنکا ذکر مذکورہ بالا فرمان میں آچکا ہے مگر اُنکے علاوہ مدینہ میں مستقل رہائش رکھنے والے تمام لوگ بھی شامل کر لیئے گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد نواح مدینہ میں رہنے والی یہودی اقوام یعنی بنی نضیر۔ بنی قریظہ اور بنی قینقاع نے بھی فرمان کی شرائط کو تسلیم کرلیا۔ ان لوگوں کو بھی وہی حقوق حاصل تھے جو کہ مسلمانوں کو حاصل تھے۔ اور ایسی ہی مذہبی آزادی تھی جیسی کہ خود مسلمانوں کو حاصل تھی۔

آہ! ان یہود سے بڑھکر کونسی قوم نمک حرام اور دغاباز ہوگی؟ انہوں نے ان شرائط کو محض اس غرض سے قبول کیا تھا کہ جب موقع ملے فوراً روگردانی کرلیں۔ یہ لوگ ہرگز اس قابل نہ تھے کہ انسے معاہدوں کی پابندی کی امید کیجاتی اور امید بھی خصوصاً ایسے لوگوں کے معاملہ میں جنسے دلی نفرت رکھتے تھے اور بالآخر انہوں نے ثابت کردیا کہ وہ بالکل اُس فیاضی اور دریا دلی کے مستحق نہ تھے جو کہ سرور انبیاءؐ نے نہایت فراخدلی سے اس معاہدہ میں ظاہر فرمائی تھی۔

مدینہ میں ایک قسم کی سلطنت کی بنیاد

اس معاہدہ سے مدینہ کے شہر میں ایک رنگ کی جمہوری حکومت ہو گئی جسکے امیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ جمہوریت وقتی حالات اور واقعات کا قدرتی نتیجہ تھی۔ قریش نے آنحضرت اور آپکے تابعین کو نہایت ایذا رسانی کے بعد مکہ سے نکال دیا تھا۔ اور انہوں نے مدینہ کے نومسلم بھائیوں کے ہاں پناہ لی تھی۔ ملک میں کوئی حکومت نہ تھی جو کہ اس چھوٹی سی جماعت کے مال۔ جان اور عزت کو دشمنوں سے محفوظ رکھتی۔ اس لیئے اس قلیل جماعت کو دشمنوں سے اپنی آپ حفاظت کرنی پڑی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان لوگوں کے آقا اور قدرتی سردار تھے۔ آنحضرتؐ کو مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی ترقیات سے ہی واسطہ نہ تھا بلکہ اس جماعت کے اندرونی انتظامات اور غیر مسلم اقوام کے حملوں کی مدافعت کے اسباب مہیا کرنے کا فکر تھا۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ وسلم کو محض رسالت کا ہی کام نہ رہا بلکہ ایک مدبر امور سلطنت کے فرائض کو بھی انجام دینا پڑا۔ اور آپ کا پہلا ہی معاہدہ جو یہود اور مدینہ کے غیر مسلموں سے کیا گیا اس امر کا شاہد ہے کہ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے امور سلطنت کے ادراک میں بھی لاثانی انسان بنایا تھا۔ آپکی رائے صائب اور ارادہ زبردست تھا۔ آنحضرتؐ اپنے زمانہ میں ہی نہیں جیسا کہ میور کہتا ہے بلکہ کُل زمانوں میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔

اس طرح یہ جمہوریت اُن حالات اور واقعات کا نتیجہ تھی جو کہ مدینہ میں مسلمانوں کو پیش آئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکومت اسوجہ سے قائم نہیں کی تھی کہ معاذ اللہ آپ کو کسی دنیوی عظمت کی خواہش تھی بلکہ آپنے جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کے فوائد کو ملحوظ رکھکر کیا۔ ملک کی ابتری اور بے امنی کو باقاعدہ حکومت اور امن سے تبدیل کر دیا اور جو مقام پہلے پہل اس حکومت سے مستفید ہوا وہ مدینہ تھا۔

مدینہ میں عربوں کے دو بڑے قبائل اوس اور خزرج تھے اسلام کی آمد سے

پہلے ان دونوں قبیلوں میں سخت دشمنی تھی۔ اور آنحضرت صلعم کی مدینہ میں تشریف آوری سے پانچ چار سال پیشتر انکی باہمی دشمنی آخری حد تک پہنچ گئی تھی۔ اور سنہ ۶۱۶ء میں ان دونوں قبائل میں بعاث کی مشہور لڑائی ہوئی۔ پہلے گو بنی اوس کو سخت شکست ہوئی اور انکو بھاگنا پڑا لیکن انکے سردار نے مارے غصہ کے اپنے تئیں ہلاک کر لیا۔ اپنے سردار کی ہلاکت دیکھکر بنی اوس کو شرم دامنگیر ہوئی اور انہوں نے اس بہادری سے بنی خزرج پر حملہ کیا کہ انکے بہت سے آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا اور انکو شکست دی۔ یہ تھی حالت مدینہ اور مدینے والوں کی جبکہ اس شہر میں اسلام کا ظہور ہوا۔ اور قدرت نمائی دیکھیے کہ اہل شہر کی پشتینی دشمنی۔ اخوت اور باہمی محبت کے خیالات سے مبدل ہوگئی یہ خوشگوار تبدیلی محض مدینہ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ عرب بھر میں پھیل گئی۔ اور وہ ملک جہاں ہمیشہ جھگڑے اور دائمی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں اب ایسا تبدیل ہوا کہ گویا باغِ ارم بنگیا۔ وہ قبائل جو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے تھے اب ایسے متفق ہوئے کہ حقیقی بھائی بن گئے۔

مدینہ سڈیشن کا گھر ہو گیا

باوجود اس عہدنامہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمشکل تمام محفوظ تھے۔ اگرچہ بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے تاہم بہت سے ایسے بھی تھے جنکے دلوں میں نفرت تھی ان موخرالذکر لوگوں کا سردار عبد اللہ بن ابی تھا جو آنحضرت کا سخت دشمن تھا۔ کیونکہ حضور کے تشریف لانے سے پیشتر اسکو امید تھی کہ وہ اہل مدینہ کا بادشاہ بن جائیگا اور اب اسکی تمام آرزوؤں کا خون ہوگیا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس شخص نے آنحضرت صلعم کو کیسا سخت جواب دیا تھا اور اسی جواب سے یہ امر صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشکلات کے وقت ایسے لوگوں پر کیونکر بھروسہ کر سکتے تھے۔ وہ گاہ بگاہ اپنے نفرت آمیز خیالات کا برملا اظہار کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کی موجودگی سے آنحضرت صلعم کو ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔ مہاجرین کے تشریف لانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس گروہ کی دشمنی کا راز طشت از بام ہوگیا۔ ابو عامر راہب نے جو ایک جماعت کا سردار تھا

آنحضرتؐ کو علانیہ گالیاں دیں کہ معاذ اللہ آنحضرتؐ بے خانمان ذلیل اور دیس بدر ہو کر مریں گے، جب آنحضرتؐ کے گوش مبارک میں یہ بات پہنچی تو فرمایا "نہیں نہیں ای کاذب ایسا تیرا ہی حشر ہو گا" وہ آنحضرتؐ کا ایسا سخت دشمن تھا کہ اپنے ساتھیوں کو لیکر مکہ گیا اور قریش کو اکسایا اسی پر بس نہیں کی بلکہ جنگ اُحد میں خود بھی حصہ لیا خدا کی قدرت ہے کہ اس جنگ میں اُسکا بیٹا مسلمانوں کی طرف سے لڑکر شہید ہوا۔ جب اُس نے دیکھا کہ قریش کی دشمنی نے مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑا اور اسلام کا پاؤں عرب کی زمین پر مضبوطی سے جم رہا ہے تو وہ شام کو بھاگ گیا اور جو کچھ وہ عربوں کی مدد سے نہ کرسکا تھا اب عیسائیوں کی امداد سے کرنا چاہتا تھا۔ مگر ؎

باآب گنگا و جمنا سفید نتواں کرد ✽ گلیم بخت کسانیکہ بافتند سیاہ

وہ جہاں کہیں گیا سخت ناکام اور نامراد ہوا۔ اور اسی حالت جلاوطنی میں ذلت کے ساتھ بے خان ومان ہو کر ہلاک ہوا ؎ چراغے را کہ ایزد برفروزد۔ کسے کو تف زند ریشش بسوزد

سبحان اللہ خدا کے رسول کی بات کس صفائی اور زور سے پوری ہوئی ابو عامر کا وہی حشر ہوا جو اُس نے آنحضرتؐ کے لیئے چاہا تھا یعنی بے خانمان ذلیل اور دیس بدر ہو کر مرا۔ مدینہ اور اسکے نواح کے یہودیوں کی اسلام سے دشمنی اب کوئی خفیہ امر نہیں تھا اُنہوں نے معاہدہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرکے آنحضرتؐ کی ہجو میں اشعار پڑھنے اور تمسخر آمیز کلمات بکنے شروع کر دیئے اور یہاں تک بڑھے کہ مسلمان عورتوں کے متعلق بھی ہتک آمیز اشعار لکھنے شروع کر دیئے۔ چونکہ مدینہ کے منافقین بھی اس امر میں یہود سے متفق تھے اسلیئے ہجو کے اشعار جو یہودی شاعر مرد و عورتیں کہتی تھیں فوراً منافقین مدینہ کے زبان زد ہو جاتے تھے۔ ان اشعار میں اہل مدینہ پر یہ بھی الزام تھا کہ اُنہوں نے غیر لوگوں کو گھر بلاکر کل عرب کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔ یہ الزام اسلیئے لگایا گیا تاکہ منافقین کو اُکسا کر مسلمانوں کے خلاف بغاوت کراویں۔ یہ شعر رفتہ رفتہ ہر ایک کی زبان پر جاری ہو گئے اور سڈیشن کا بیج بویا گیا۔ یہودی بڑی حیلہ ساز اور تعلیم یافتہ تھے اسلیئے اُنکے شاعروں کا عرب کے لوگوں پر بڑا اثر تھا مزید برآن

عربوں کی طرح انہیں نا اتفاقی نہیں تھی بلکہ اُن سب کا ایکا تھا اسلئے منافقین سے بڑھکر ان لوگوں کا خطرہ تھا۔ مغضوب گروہ نے شرارت کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑا اور کوشش کی کہ کسی طرح بنی اوس اور خزرج کی اقوام میں اُنکی پرانی دشمنی عود کر آئے۔ یہ دونوں قبائل چند سال پیشتر ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے مگر قبول اسلام کے بعد اخوت اور باہمی محبت اُنمیں پورے طور پر سرایت کر گئی تھی اور وہ دو قالب اور ایک جان ہو رہے تھے۔ مگر یہودیوں کی شرارت دیکھیئے کہ انہوں نے کس طرح مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوششیں کیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام شاس بن قیس تھا خزرج اور اوس کے قوموں کے نوجوانوں کو بھائیوں کی طرح ایک جگہ بیٹھے اور باتیں کرتے دیکھا۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر اُس نے ایک جوان یہودی کو اُنکے درمیان بھیجدیا اور سکھلا دیا کہ باتوں باتوں میں بغاوت کی خونریز لڑائی کا ذکر کر دے اور وہ اشعار پڑھ دے جو لڑائی کے موقعہ پر پڑھے گئے تھے۔ اور اس طرح اُنکی دشمنی کے بجھے ہوئے خیالات کو دوبارہ سلگا دے۔ اس مکاری نے اپنا پورا اثر دکھلایا اور مدنی نوجوانوں کی رگوں میں عربی خون نے حرکت شروع کر دی۔ حرہ نام ایک مقام میدان جنگ تجویز ہوا اور فریقین ہتھیار لانے کے لئے روانہ ہوئے۔ اگر عین وقت پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تو ضرور جنگ ہو جاتی مگر حضورؐ کے وعظ نے اُنکے دلوں کو ایسا موم کیا کہ لڑائی تو درکنار وہ روتے ہوئے ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔

ان حالات سے حضرت نبی کریمؐ کو واضح ہو گیا کہ باوجود معاہدہ کے مدینہ کے منافق اور یہودی قبائل اُنکے دوست نہیں بلکہ اسلام کے خطرناک دشمن ہیں۔ اور آپ اس نئے شہر میں کسی طرح محفوظ نہ تھے۔ یہ شہر تو نفاق اور سڈیشن کا مرکز بن رہا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی وفادار جماعت حضرت نبی کریم پر جان دینے کو تیار تھی مگر بے شمار دشمنوں کے مقابلہ میں اُنکی کیا حقیقت تھی؟ بہت سے مہاجرین تو بالکل نادار تھے اور اُنکے اخراجات انصار برداشت کرتے تھے کیونکہ آنحضرتؐ نے مہاجرین

مکہ اور انصار مدینہ کے درمیان رابطہ اخوت ومحبت قائم کر دیا تھا۔ بعض کو رہنے کے لئے بھی جگہ نہ تھی اور وہ مسجد میں ہی رہتے تھے۔ اور بعض ایسے بھی تھے جنکے پاس مال تو تھا مگر ہجرت کے وقت انکو مجبور کیا گیا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ دیں۔ میں اسجگہ حضرت صہیبؓ کا قصہ بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا اس بزرگ صحابی کی نسبت حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا تھا کہ "یہ یونان کا پہلا ثمر" ہیں۔ ان کا والد یا چچا ایرانی گورنر رہ چکا تھا۔ جب حضرت صہیبؓ ابھی بچہ ہی تھے تو لٹیروں کا ایک گروہ آپکو شام کی طرف قید کرکے لے گیا۔ بعد ازاں آپ کو بدوؤں کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا جنھوں نے آپ کو مکہ کے ایک سردار کے پاس بھیجدیا اور اُسنے آپ کو آزاد کر دیا اور تجارت کے ذریعہ حضرت صہیبؓ نے بہت سا مال جمع کر لیا لیکن اسلام قبول کرنے اور سردار مذکور کی وفات کے باعث انکا کوئی پناہ دہندہ نہ رہا اور مکہ کے قریش نے آپکو بے حد تکلیف دی مسلمانوں کے مدینہ کو ہجرت کرنے کے وقت حضرت صہیبؓ کو بھی بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح کفار قریش نے روک لیا۔ اور اُنسے کہا "تم یہاں ایک غریب آدمی کے طور پر آئے تھے اور تم نے ہمارے شہر میں ہی اسقدر مال جمع کیا ہے واللہ ہم تمکو مکہ سے نہیں جانے دینگے۔" حضرت صہیبؓ نے جواب دیا "اگر میں اپنے تمام مال کو چھوڑ دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟" قریش نے حضرت صہیبؓ کی جمع کردہ دولت پر للچا کر اس سودے کو منظور کر لیا۔ جب حضرت نبی کریمؐ نے یہ بات سنی کہ صہیبؓ نے ہجرت کی خاطر اپنا تمام اندوختہ قربان کر دیا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ ربح صہیب۔ ربح صہیب یعنی صہیب نے بہت فائدہ دینے والی تجارت کی ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ قربانیاں تھیں جو کہ مسلمانوں نے محض دین کی خاطر کیں۔

جنگ کیوں ہوئی

قصہ کوتاہ۔ اگرچہ آنحضرتؐ کے ساتھ آپکے فدائی مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت تھی مگر وہ اس قابل کہاں تھے کہ دشمنوں کی اس ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کرتے۔ اور مسلمان اپنے دشمنوں کی نسبت صرف تعداد میں ہی کم نہ تھے بلکہ اُنکے پاس آلات

حرب مہیا کرنے کا سامان بھی نہ تھا۔ نہ اُنکے اتنے بڑے تعلقات تھے جتنے کہ اُن کے دشمنوں کے تھے۔ اگر قریش اور قریش کے اُکسائے ہوئے دوسرے عرب قبائل جو چاروں طرف سے آنحضرتؐ کو دُکھ دے رہے تھے۔ آپکو اپنے حال پر چھوڑ دیتے تو مسلمان کبھی تلوار نیام سے نہ نکالتے۔ لیکن قریش کا غصہ تو کبھی فرو ہی نہ ہوا بلکہ برعکس اسکے ہمارے پاس کافی شہادت ہے کہ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد قریش کی دشمنی کی آگ اور بھڑک اُٹھی۔ یہ لوگ اب مکہ کے مہاجرین کے ہی سخت دشمن نہیں بن گئے تھے بلکہ انصار مدینہ بھی انکی آنکھ میں کھٹکتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ انہوں نے مدینہ کے حاجیوں کا تعاقب کیا تھا جبکہ وہ آنحضرتؐ کو اپنے ہاں بلانے کے لئے آئے تھے قریش کی خفگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی مسلمان کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ عرب کے باقی لوگوں کی طرح مکہ کا حج کر سکے۔ قریش کی بدارادوں سے لوگ اسقدر واقف تھے کہ جب آنحضرتؐ نے مکہ میں آنیوالی مختلف قوموں سے درخواست کی کہ وہ آپکو اپنی پناہ میں لے لیں تو انہوں نے یہ جواب دیا "انھدف نحور نا للعرب دونك" یعنی کیا ہم تمہاری خاطر اپنے تئیں کل عرب کا نشانہ بنالیں۔ ان لوگوں کو کامل یقین تھا کہ اگر آنحضرتؐ کو امداد اور پناہ دینگے تو محض قریش ہی نہیں بلکہ اُنکے زیر اثر دیگر عربی قبائل بھی دشمن ہو جائینگے اور اس طرح کُل عرب کے ساتھ جنگ مول لینا پڑے گا۔ اہل مدینہ بھی اس امر کو خوب سمجھتے تھے اور جیسا کہ میور کہتا ہے منافقین کو اپنے انصار بھائی بندوں کی کارروائی کا افسوس تھا بڑی وجہ جو میور کے الفاظ میں یہ لوگ بیان کرتے تھے وہ یہ تھی کہ "انصار نے کم سمجھی سے ایک ایسے دیس بدر انسان کی حمایت کا ذمہ لیا ہے جسکا ساتھ دینا گویا کُل عرب کا مقابلہ کرنا ہے" اُسوقت کے لوگ جو معاملات اور حالات کو میور اور دوسرے مورخین سے بہتر سمجھتے تھے اس طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں مگر یہ عیسائی وقائع نگار ہیں کہ اپنی ہی ہانکے جاتے ہیں۔ اور واقعات کو وہ فرضی رنگ دیتے ہیں جو آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کے خواب میں

بھی نہ آیا ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی کیا انحصار ہے اس زمانہ میں ہر ایک آدمی سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کی ہجرت سے قریش کا غضب بھڑکے گا اور جو کوئی حضرت نبی کریمؐ اور آپکے صحابہؓ کو پناہ دیگا اسکو نہ صرف قریش سے بلکہ عرب کے تمام قبائل سے جو متولیان کعبہ یعنی قریش کے زیر اثر ہیں جنگ کرنا پڑیگا۔ لیکن سر ولیم میور اور اُنکے ہم آہنگ مورخ تیرہ سو۱۳۰۰ سال کے بعد یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ قریش کیلئے بھڑکنے کی بات ہی کونسی تھی وہ تو بلکہ خوش ہوئے تھے کہ آنحضرتؐ اُنسے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اگر حضرت نبی کریم صلعم کی ہجرت سے قریش کے غصہ میں کوئی کمی واقع ہونے کی امید ہوتی تو کم ازکم آنحضرتؐ اور اُن قوموں کو جن سے حضور نے پناہ کی درخواست کی تھی اسکا علم ہونا ضروری تھا۔ اور پھر آنحضرتؐ کو کیا ضرورت تھی کہ مدینہ والوں سے یہ وعدہ لیتے کہ وہ حضور اور آپکے صحابہؓ کی حفاظت اس طرح کرینگے جس طرح وہ اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں؟ بلکہ بجائے ایسے وعدے لینے کے اُنکو یقین دلا دیتے کہ مکہ سے ہماری ہجرت کے بعد قریش کے حملوں کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا کیونکہ یہ لوگ ہمکو اس شہر سے جاتے ہوئے دیکھکر بہت خوش ہونگے۔ اب میور کا یہ کہنا کہ مکہ والوں نے آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کی روانگی کے بعد دشمنی کے تمام خیالات ترک کر دیئے اور یہ کہ مکہ کے قریش کی طرف سے نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی طرف سے زیادتی ہوئی تھی محض واقعات کے خلاف ہی نہیں بلکہ اس سے عقل کا بھی خون ہوتا ہے۔ قریش کا اصل مقصد کیا تھا؟ میں کہونگا اشاعت اسلام کو روکنا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ حج کے موقعہ پر مختلف جماعتوں کو مختلف راستوں پر اس غرض سے مقرر کر دیتے تھے کہ حاجیوں کو آپکا کلام سننے سے روکیں جہانتک اُنسے ہو سکا انہوں نے کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا کہ اشاعت اسلام کو روکدیں اور مسلمانوں کو مکہ سے بچ کر نکلنے نہ دیں۔ نئے مذہب کی کیوں مخالفت ہوئی؟ اسکا جواب صاف ہے کہ عرب کا قومی مذہب تباہ ہوتا تھا۔ اور اسکی اشاعت سے کعبہ کے پجاریوں یعنی قریش کی عظمت میں فرق آتا تھا۔

مگر مکہ کے باہر اسلام کو کامیابی کی زیادہ اُمید تھی اسلیئے ضروری تھا کہ ہجرت کے بعد قریش اور بھی بھڑک اٹھیں۔ بت پرستی کی بیخکنی کا ڈر تھا تو اب مکہ سے باہر یہ خوف اور بھی بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ عملی طور پر اسلام نے مدینہ کے قبائل پر فتح حاصل کرلی تھی اور روز بروز دوسرے قبائل کی شمولیت کا بھی یقین ہوتا جاتا تھا بت پرستی سے اب نفرت کیجارہی تھی اور بت پرست متولیان کعبہ دن بدن بالکل بے اختیار ہوتے جاتے تھے۔ اسلیئے قریش کو اب اس بات کی بڑی ضرورت محسوس ہورہی تھی کہ اس نئے مذہب کا قلع قمع کریں اور بت پرستی کی حمایت اور اپنی عظمت کو بچائیں۔ پھر انکی راہ میں ابھی کوئی روک بھی نہ تھی۔ قریش کو علم تھا کہ خود مدینہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت رکھتے اور اسلام کے سخت مخالف ہیں۔ صرف یہی بات نہ تھی بلکہ مدینہ سے ایک با اثر آدمی یعنی ابو عامر راہب مکہ کو محض اس غرض سے گیا تھا کہ قریش کو مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ کرنیکے لیئے اکسائے۔ اور ایسے حملہ کی صورت میں اسنے محض اپنی ہی امداد کا یقین نہیں دلایا تھا بلکہ وعدہ کیا تھا کہ مدینہ اور اس نواح کے یہود اور منافقین بھی قریش کا ساتھ دینگے۔ علاوہ ازیں ان دشمنان اسلام کو عرب کے صحرا اور وادیوں میں رہنے والے بے شمار قبائل کی اعانت اور امداد پر پورا بھروسہ اور یقین تھا۔ غریب مسلمانوں میں جو تعداد میں بھی تھوڑے تھے یہ طاقت کہاں تھی کہ وہ قریش سے برابر آسکتے اور خصوصاً اسوقت جبکہ تمام عرب قریش کی حمایت میں صف آرا ہورہا تھا؟ اہل مدینہ جنہوں نے دیس بدر مہاجرین کی حمایت اور حفاظت کا بیڑا اُٹھایا تھا کس شمار میں آسکتے تھے جبکہ اُنکے مقابلہ میں طاقتور اور با اثر امرائے قریش تھے جنکا تمام قبائل عرب پر اثر تھا۔ مسلمانوں کے مدینہ کو ہجرت کر آنیسے انکی عزت میں فرق آگیا تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کی کوششوں میں ناکام رہے۔ اُنھوں نے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگر اب اسلام کا مرکز ایک اور شہر بن گیا جہاں لوگوں کو کثرت سے

مسلمان ہوتے ہوئے دیکھکر وہ اندر ہی اندر جل رہے تھے۔ اور مدینہ میں مسلمانوں کا وجود مغرور قریش کی آنکھ میں کھٹکتا تھا کیونکہ وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہونیکے باعث عربوں کی آنکھ میں ذلیل سے ہوگئے تھے۔ اب قریش کو مسلمانوں سے دو طرح کی دشمنی تھی اوّل تو وہ نئے مذہب کی تعلیم دیتے تھے اور قریش اس نئے مذہب کا شروع ہی میں قلع قمع کرنا عین اپنا فرض سمجھتے تھے۔ دوم۔ مغرور قریش کہاں چاہتے تھے کہ کوئی اُنکا ہمسر ہو۔ اسلیئے انہوں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ مسلمانوں کو جو اُنکے ہمسر تھے بالکل کچل دیں اور اس طرح جزیرہ نمائے عرب میں اپنی طاقت اور اثر کا سکّہ بدستور رکھیں۔

پھر یہ لوگ اس بات سے بھی بے خبر نہ تھے کہ آنحضرت صلعم نے مکّہ میں ہی پیشگوئی فرمائی تھی کہ آخر کار قریش مغلوب اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اس پُر زور کلام کو یاد کرکے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور وعدۂ نصرت نازل فرمایا تھا قریش کا جوش اور بھی موجزن ہونا چاہیئے تھا اور ضروری تھا کہ وہ اسلام کو مٹانے کی کوشش میں کوئی کوتاہی نہ کرتے تا اُن کو غلبہ ہو اور مسلمانوں کی پیشگوئی پوری نہ ہو۔ قریش کے وہم میں بھی یہ خیال کبھی نہیں گذرا کہ مسلمان ہم پر تعدی کرتے ہیں اور ہم مظلوم ہیں.... یہ تو ہمارے عیسائی معترضین کا ہی حصّہ تھا۔ مدعی سُست اور گواہ چست کے مقولہ پر عمل کرتے ہوئے میور اور اُنکے ہم خیال مصنف کہتے ہیں کہ غریب قریش حریص مسلمانوں کی خونخواری کا شکار ہوئے۔ آہ! کیسا سفید اور قابل شرم جھوٹ ہے جو خداوند یسوع کے بندے اسلام کی عداوت کی وجہ سے بولتے ہیں۔ ہمیں تو کہیں پتہ نہیں ملتا کہ قریش نے بھی کبھی مسلمانوں کے ظالم اور اپنے مظلوم ہونے کی شکایت کی ہو ہاں برعکس اسکے وہ اس جنگ کو سلسلہ میں خیال کرتے تھے جسکا آغاز خود انہوں نے کیا تھا۔ البتہ تبدیلی تھی تو یہ تھی کہ اسوقت تک مسلمان تکالیف اور صعوبتوں کو صبر سے برداشت کرتے رہے تھے مگر اب جبکہ یہ ایذا دہی قابل برداشت نہ رہی تو

انھوں نے بھی ارشاد الٰہی کے ماتحت اپنے بچاؤ کے لیئے ہتھیار اٹھائے۔ مسلمانوں کے اس فعل نے جلتی آگ پر ایندھن کا کام دیا اور دشمنوں نے اپنی پوری طاقت اور ہر طرح کی حکمت عملیوں کو کام میں لانا شروع کر دیا۔

اس سے بڑھکر انصاف اور سچائی کا خون کیا ہو سکتا ہے کہ یہ عیسائی معترض زیادتی کا الزام آنحضرت صلعم پر لگاتے ہیں یہ لوگ قریش کے افعال کو جو تادم آخر انسے سرزد ہوئے بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں۔ آہ! انکو ان خطرناک مظالم کا خیال تک نہیں آتا جو مسلمانوں پر قریش کے ہاتھوں ٹوٹے اور جو آخر کار اسقدر ناقابل برداشت ہوئے کہ انکو مکہ سے بھاگنا اور ایک دوسرے شہر میں پناہ لینی پڑی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ پُرسوز الفاظ قابل غور ہیں جو کہ آنحضرتؐ نے ہجرت کے آٹھ سال بعد اپنی زادبوم میں بطور فاتح داخل ہوتے ہوئے زبان مبارک سے فرمائے تھے۔ حضورؐ نے مکہ کے شہر کو مخاطب کرکے فرمایا "تو میرے لیئے روئے زمین پر نہایت ہی پسندیدہ اور خوشگوار مقام ہے۔ اگر تیرے باشندے مجھے باہر نکال دیتے تو میں ہرگز تجھے نہ چھوڑتا"۔ یہ خیالات محض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی نہ تھے بلکہ آپکے مہاجر صحابہؓ بھی یہی خیالات رکھتے تھے۔ آنحضرتؐ کے وہ الفاظ بھی قابل غور ہیں جو حضورؐ نے حُنین کی جنگ کے بعد مدینہ کے انصار کو فرمائے تھے اور وہ یہ تھے "نہیں۔ واللہ تم مجھے یہ کہہ سکتے تھے اور سچائی سے کہہ سکتے تھے کہ تم جھٹلائے ہوئے مدینے کو آئے تھے اور ہم نے تیری تصدیق کی۔ تم بے کس تھے۔ ہم نے تیری مدد کی۔ تم بھاگ آئے۔ ہم نے تجھے جگہ دی۔ تم تہیدست تھے ہم نے تمکو کھانا کھلایا"۔ یہ الفاظ حضرت نبی کریمؐ کی طرف سے ہی نہ تھے بلکہ ہر ایک مہاجر کی طرف سے تھے۔

ان الفاظ میں حضرت نبی کریمؐ اپنی اور اپنے صحابہؓ کی بے کسی کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں اور صاف بتلاتے ہیں کہ انکو کفار قریش کے ظلم نے گھر بار ترک کرنے اور اجنبی لوگوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور کیا۔ ہائے افسوس! پھر بھی عیسائی

معترض یہی کہے جاتے ہیں کہ آنحضرت ؐ اور آپ کے صحابہؓ کی طرف سے زیادتی تھی نہ کہ قریش کی طرف سے۔ اگر ہم مسلمانوں کے بے رحم دشمنوں کی بے شمار ظالمانہ حرکتوں کو نظر انداز بھی کر دیں تو صرف ایک ہی واقعہ اس امر کے ثبوت کے لیئے کافی سے زیادہ ہے کہ آنحضرت ؐ اور آپ کے صحابہؓ ہتھیار اُٹھانے میں بالکل حق پر تھے یہ واقعہ قریش کی وہ ظالمانہ سازش ہے جو آنحضرت ؐ کے قتل کے لیئے اُسوقت کیگئی تھی جبکہ آپ ہجرت کے لیئے ارشاد الٰہی کا انتظار کرتے ہوئے مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے میور قاتلوں کی اُس جماعت کی نسبت جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ کہتا ہے کہ یہ ایک وفد تھا جو آنحضرت ؐ کو ملنے کے لیئے گیا تھا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اس وفد کا ارادہ نیک تھا تو پھر رات کو اندھیرے کے وقت آنحضرت ؐ کے گھر جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور پھر کیا وجہ ہوئی کہ آنحضرت ؐ اس پُر امن وفد کو ملنے کی بجائے ڈر کر اپنے گھر سے بھاگ گئے اور غار میں چھپ گئے۔ میور اس بات کے بتلانے سے گریز کرتا ہے کہ قریش کے ان جوانوں کے وفد کا رات کے وقت آنیسے کیا منشا تھا۔ وہ اسکا بھی کچھ جواب نہیں دیتا کہ آنحضرت ؐ کے روپوش ہوجانے پر سواروں کو کیوں تلاش میں ہر طرف دوڑایا گیا؟ اور آپ کے قتل کے لیئے کیوں انعام مقرر کیا؟ مگر پھر بھی یہی کہتا ہے کہ قریش کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملاقات کرنے کے لیئے گئی تھی۔

الغرض جب یہ دیکھ لیا جائے کہ قریش نے مسلمانوں پر ہر طرح کے مظالم توڑے اور مسلمان تو درکنار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ چھوڑا۔ جنپر ہاتھ پڑ سکا اُنکو قید کر لیا اور جنکو لوٹ سکے اُن کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ بعض کو نہایت ایذادہی سے قتل کیا۔ مسلمانوں اور اُنکے حمائتیوں کو برادری سے خارج کر دیا۔ اور جہانتک ہو سکا اُنکو ہر طرح تنگ کیا۔ پھر اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اُس معصوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وجہ بے گناہ قتل کرنے کا خوفناک منصوبہ کیا اور وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ آپ اُن لوگوں کے درمیان قریبًا تنہا ہی رہ گئے تھے وغیرہ وغیرہ

تو بلا تامل یہ کہنا پڑیگا کہ زیادتی قریش کی تھی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی۔ افسوس ہے تو یہ ہے کہ باوجود قریش کی ان سختیوں اور ایذا دہی کے عیسائی معترض اب بھی مسلمانوں کے ہتھیار اُٹھانے کو قرین انصاف نہیں سمجھتے؟ گو کہ قریش کی طرف سے حد درجہ کی بیرحمی کے فعلوں کا ثبوت ملتا ہے اور فعل بھی ایسے جنکا خاتمہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی کوشش پر ہوتا ہے۔ تاہم ہمارے عیسائی معترضین یہی کہتے جائیں گے کہ مسلمان ہی تھے جنکی طرف سے جنگ کی ابتدائی تحریک ہوئی۔ فلعنة اللّٰہ علی الکاذبین۔

انقلاب فارس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی

اولم یر الذین کفروا ان السمٰوات والارض کانتا رتقاً ففتقنٰھما۔ ترجمہ۔ کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین بند پڑے ہوئے تھے اور ہم نے ان دونوں کو کھولا؟ مذکورہ بالا آیت قرآن شریف کی سورہ ۲۰ کی اکتیسویں آیت ہے اور بعینہٖ انہی الفاظ میں ہمارے زمانہ میں خدا کے مسیح پر وحی نازل ہوئی جو اس بات کی نشانی ہے کہ آج سے تیرہ سو ۱۳۰۰ برس پہلے جو وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی اسکی تکمیل اس زمانے میں ہونی تھی۔ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ آسمان اور زمین ہر دو بند پڑے ہوئے تھے اور وہ اب کھولے گئے ہیں یہ ایک ایسا امر ہے جس سے ہر شخص بخوبی واقف ہے۔ جسوقت ہم زمینی چیزوں کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ لگتا ہے کہ مادیات میں دنیا کسقدر ترقی کر گئی ہے موجودہ زمانے میں کسقدر ایجادیں اور نامعلوم چیزیں دریافت ہوئی ہیں۔ زمین اب وہ نہیں رہی جو ہمارے آباؤ اجداد کے وقت موجود تھی۔ اسپر ایک تغیر عظیم واقع ہوگیا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا جن چیزوں نے اب زمین کو زینت دے رکھی ہے کیا وہ کہیں باہر سے آئی ہیں نہیں ہرگز نہیں اسی زمین میں سے نکلی ہیں۔ یہ سب کچھ اب تک زمین میں بند پڑا ہوا تھا۔ وہ قوتیں اسوقت بھی موجود تھیں جو اب زمین کی شکل کو تبدیل کر رہی ہیں وہ ذرائع جنکی ترقی

کے لیئے لوگ آجکل اسقدر کوشاں ہیں اور جن کو بڑے بڑے مفید کاموں میں استعمال کیا جاتا
ہے اُسوقت بھی موجود تھے ہاں فرق اتنا ہے کہ وہ بند اور بیکار پڑے ہوئے تھی بس
آیت شریف کا اشارہ صرف انہی خزانوں کی طرف ہے۔ زمین کے اس کھُلنے اور خزانے
اُگلنے کی طرف خدائے تعالیٰ کی اس پیشین گوئی کا اشارہ ہے کہ ایک وقت وہ آنیوالا ہے
کہ زمین کے مخفی خزانے ظاہر ہو جائیں گے اور اسی آیت کا دوبارہ مسیح موعود و مہدی
آخر زمان پر بطور وحی کے نازل ہونا صاف بتلاتا ہے کہ یہ پیشین گوئی اس زمانے میں پوری
ہوئی۔ مگر چونکہ مادّی سلسلے اور روحانی سلسلے میں ایک خاص مناسبت ہے اسلیئے قرآن
شریف بار بار ہماری توجہ مادّی سلسلہ کی طرف دلا کر ہمیں روحانی نتائج نکالنے کے لیئے
توجہ دلاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے روح اور جسم ہر دو کو پیدا کیا ہے اور جس طرح اس نے جسم
کی بقا اور آسائش کے لیئے سامان مہیا کیئے ہیں اسی طرح اسنے روح کی ضروریات کے لیئے بھی
سامان پیدا کیئے ہیں۔ اس زمانے میں زمین نے مادّیات میں ایک حیرتناک ترقی کی ہے
پس جب زمین نے اپنے کُل خزائن اور مال و متاع کو پیش کر دیا تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ
آسمان اپنے خزانوں کو کھولتا؟ اگر زمین نے مادّی اشیا میں اسقدر ترقی کر لی ہے تو
کیا عقل اس امر کی مقتضی نہیں کہ روحانیات میں بھی اسیقدر ترقی ہوتی؟ مسیح موعودؑ کے نزول
اور بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت کیا تھی؟ مَیں کہونگا کہ بہت قابل افسوس
تھی۔ جب دنیا طبعیات میں اسقدر سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی تھی تو مذہب کو اس نے
پس پُشت ڈال دیا تھا۔ واعظ تو ہر مذہب کے موجود تھے مگر ان کے ہاتھوں میں پُرانے
قصّوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ اپنے وعظوں میں اور پرچاروں میں بتلایا کرتے تھے کہ
انبیاءؑ گذشتہ زمانوں میں روحانی زندگی پھونکنے کے لیئے آیا کرتے تھے۔ اور خدائے
تعالیٰ اپنی ہستی کا ثبوت گذشتہ زمانوں کے رشیوں منیوں اولیاؤں اور نبیوں کے ساتھ
کلام کرنے سے دیا کرتا تھا۔ لیکن تمام سوالوں کا ایک سوال یہ ہے کہ اگر گذشتہ زمانوں
میں خدائے تعالیٰ نے انبیاء اس غرض کے لیئے مبعوث کیئے کہ وہ روحانی مردوں کو اپنی
قدسی انفاس سے زندہ کریں تو کیا وجہ ہے کہ اس زمانے میں اس نے کوئی ایسا رسول نہیں

بھیجا جو روحانی مُردوں کو زندہ کرے حالانکہ ضرورت قرون ماضیہ سے اب بہت بڑھ چڑھکر ہے۔ اس زمانے کے محققین کے سامنے صرف کہانیاں کوئی کام نہیں دے سکتیں۔ انسے بنی نوع انسان کی روحانی پیاس نہیں بُجھ سکتی۔ پیاس بُجھانے کے لیئے پانی چاہیئے پانی کی کہانی نہیں چاہیئے۔ صرف اس بات کے کہدینے سے تسلی نہیں ہوسکتی کہ خدا پہلے بولتا رہا ہے جب تک کہ ہماری آنکھیں خود اس بات کا مشاہدہ نہ کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے احمد* کو مبعوث کیا اور اسکے ذریعہ دنیا کو بڑے بڑے نشان دکھلائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں خدائے تعالیٰ کی ہستی کا پورا یقین بیٹھ جائے۔ اور تا لوگوں کو یہ ثابت ہوجائے کہ الہام کا دروازہ کُھلا ہے اور دوسری برکات بھی اُسی طرح جاری ہیں جس طرح کہ وہ پہلے جاری تھیں بہت سی روحانی صداقتیں ایسی تھیں جو اُسکے ذریعہ دنیا پر ہویدا ہوئیں اور خدائی علوم کے وہ خزانے جو ابتک دبے پڑے تھے ظاہر ہوئے۔ اسنے گم گشتگان راہ ضلالت کو وہ راہ دکھلائی جنپر چلکر وہ لقاء اللہ حاصل کرسکتے تھے اور ان برکات کے مورد نزول ہوسکتے تھے۔ غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے دروازے کھولدیئے جس طرح زمین کے خزائن کو کھولدیا تھا۔ وہ نشانات جو اللہ تعالیٰ نے اس کی معرفت دنیا کو دکھلائے وہ بہت سے ہیں اسلیئے ان سب کا یہاں ذکر نہیں ہوسکتا۔ مگر اسبات کے ظاہر کرنیکے لیئے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً آپ سے کلام کرتا تھا اور آپ کو آئندہ کے واقعات کا اس نے بہت باریک اور گہرا علم عطا فرمایا تھا میں پڑھنے والے کی توجہ اس الہام کیطرف پھیرنا چاہتا ہوں جو آپنے ۱۵- جنوری ۱۹۰۶ء کو شائع کیا۔ اس دن اللہ تعالیٰ آپ سے یوں مخاطب ہوا "تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد" یعنی شاہ فارس کے محل میں تزلزل پڑگیا یہ الہام ریویو آف ریلیجنز اردو ایڈیشن ماہ جنوری ۱۹۰۶ء اور مقامی اخبار الحکم اور بدر میں شائع ہوگیا تھا۔ یہ ایک پیشین گوئی تھی کہ ایران کی سلطنت میں ایک انقلاب عظیم واقع ہونیوالا ہے جس سے شاہ کی حکومت جاتی رہے گی۔ جب یہ الہام شائع کیا گیا تھا اس وقت ایران میں ذرا بھی فساد نہ تھا۔ اسوقت کون شخص کہہ سکتا تھا کہ آئندہ کیا ہونیوالا ہے؟ ایران اسوقت مزے کی نیند سو رہا تھا۔ کسی کو وہم تک بھی نہ تھا

* انا ارسلنا احمد الی قومہ فاعرضوا (حقیقۃ الوحی نشان نمبر ۱۱۹ صفحہ ۲۶۸ اٰیۃ الرحمٰن)

کہ یہاں جمہوری سلطنت ہونی چاہیئے۔ یک لخت مظفرالدین کو خیال اُٹھا اور معلوم نہیں کس رنگ میں آکر اس نے رعایا کو دستوری حکومت دیدی۔ اسکے بعد وہ کئی ماہ زندہ رہا اور اپنے وعدہ پر پکا رہا۔ اس کی وفات کے بعد محمد علی شاہ جو ابھی معزول ہوا ہے تخت پر بیٹھا اور پہلے پہل یہ اس جمہوری سلطنت کا بہت طرفدار تھا چنانچہ اسنے کئی دفعہ علانیہ طور پر کہا کہ مَیں اپنے باپ کے وعدوں پر قائم ہوں اور انسے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹنے کا۔ چند ماہ اچھی طرح سے گذر گئے مگر پھر یک لخت بادشاہ کا خیال بدل گیا اور اپنے باپ کے وعدوں کو بالائے طاق رکھکر حامیانِ دستور کے درپئے آزار ہوگیا۔ پہلے پارلیمنٹ کا گھر اُڑوا دیا بعض کو قتل اور بعض کو جلا وطن کر دیا اور آہستہ آہستہ تمام شہر اپنے اقتدار میں لے آیا مگر ایک تبریز مخالفت پر اڑ گیا۔ تبریز کا محاصرہ شروع ہوگیا مگر خدا کی قدرت دیکھیئے کہ ایک وہ وقت کہ حامیانِ پارلیمنٹ کو بھاگتے پناہ نہیں ملتی تھی یا اب یہ ہے کہ انہوں نے محمد علی شاہ کو تخت سے اُتار دیا ہے اور اسکی جگہ ایک نو عمر لڑکے کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔ تمام ملک میں ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ تجارت بند ہے راہیں مسدود ہیں۔ چاروں طرف سے ڈاکوؤں نے لوٹ مار شروع کر دی ہے یہ ہیں خدا کی باتیں اور اس طرح وہ پوری ہوا کرتی ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اس پیشین گوئی کو شائع کر دیا جس میں لکھا تھا کہ عنقریب ایران میں انقلاب عظیم واقع ہونیوالا ہے جو فرمانروائے ملک کی حکومت کو جڑھ سے ہلا دیگا۔ کس صفائی سے یہ پیشین گوئی پوری ہوئی ہے۔ یہ پیشگوئی ایسے وقت میں شائع کی گئی جبکہ ملک میں بالکل امن تھا اور اس زلزلہ کا نشان تک بھی نہ تھا جس نے محمد علی قاچار کے تختِ حکومت کی جڑھیں تک اُکھیڑ دی ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اس آسمانی تار خبر کو ریوٹر کی تار خبر سے بہت عرصہ پہلے اخبارات میں شائع کر دیا تھا۔ یہ خدا کا عجیب نشان ہے اور خدائے تعالیٰ کی ہستی کا ایک صاف ثبوت ہے جسکو تمام آئندہ واقعات کا علم ہے اور جو اپنے رسولوں سے کلام کرتا ہے اور اُن کو بہت سی ایسی چیزوں کی اطلاع دیتا ہے جو ابھی ہستی میں نہیں آئیں۔ چونکہ آپکا مشن کُل دنیا کے لیئے تھا اسلیئے اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے واقعات کے متعلق اطلاع دی جن کا تعلق تمام دنیا سے ہے تاکہ لوگوں کی

توجہ پیشین گوئیوں کی طرف لگ جائے اور اُنکا پورا ہونا سب کے لیئے ایک نشان ٹھہرے۔ آپ چونکہ کل دنیا کے لیئے مبعوث ہوئے تھے اسلیئے دُور دراز کے ملکوں نے آپکے نشانات دیکھے ہیں اور آپکی زور آور پیشگوئیوں کا پورا ہونا دیکھیں گے تا کہ تمام زمینیں آپکی صداقت کی گواہ ٹھہریں۔ آپکی پیشگوئیاں پنجاب تک کے لیے محدود نہیں بلکہ انکا تعلق تمام کُرۂ ارض سے ہے کیونکہ آپ تمام کی طرف مبعوث ہو کر آئے تھے۔ بہت سی پیشگوئیاں آپکی زندگی میں پوری ہوئیں بہت سی آپکے بعد پوری ہوئیں اور بہت سی ایسی ہیں جو ابھی پوری ہونیوالی ہیں۔ اگرچہ آپ کا وصال ہو چکا مگر آپ بہت سی زور آور پیشگوئیاں چھوڑ چلے ہیں اور دنیا ان کو پورا ہوتے دیکھتی رہے گی جیسا کہ آپکی زندگی میں وہ پورا ہوتے دیکھتی رہی ہے۔ اسلیئے آپ ابتک زندہ ہیں کیونکہ آپ ابتک اپنا کام کیئے چلے جاتے ہیں اگرچہ آپ اس دنیا کی نظروں سے غائب ہو گئے ہیں مگر آپ ابھی تک اپنی ان پیشگوئیوں کے ذریعہ جو اب پوری ہو رہی ہیں ہمیں خدا تعالیٰ کے قرب کی طرف لیئے چلے جاتے ہیں۔ آپ اس دنیا میں تشریف لائے اور اپنے ساتھ روحانی عطریات کی وہ خوشبوئیں لائے جنہوں نے ہمارے روحانی حواس کو معطر کر دیا اور اگرچہ ہم آپ کو اپنے درمیان نہیں دیکھتے مگر وہ صحت افزا خوشبو اب بھی ہماری حواس کو معطر کر رہی ہے۔

آپکے الہامات میں بہت سے ایسے جواہر پڑے ہوئے ہیں جو اپنے موقع پر دنیا کو اپنی روشنی سے منور کریں گے۔ ۱۴۔ مارچ ۱۹۰۶ء کا الہام ہے "رفیقوں کو کہدیں کہ عجائب در عجائب کام دکھلانے کا وقت آگیا ہے" ۳۱۔ مارچ ۱۹۰۶ء کا الہام ہے "میں پچاس یا ساٹھ نشان اور دکھاؤں گا" آپکے شروع الہاموں میں سے ایک الہام یہ بھی ہے "دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُسے قبول نہ کیا لیکن خدا اُسکو قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کر دیگا" ان زور آور حملوں سے مراد وہ بڑے بڑے نشانات ہیں جو خدا تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً ظاہر کیئے تا کہ وہ آپکی صداقت کے لیئے گواہ ٹھہریں۔ طاعون کا آنا اور ایسے ایسے سخت زلزلوں کا آنا جن کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مثلاً سینا کا زلزلہ یہ زور آور حملوں میں سے دو مثالیں ہیں

چند ایک پیشین گوئیوں کو لکھکر جنہوں نے ابھی پورا ہونا ہے میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کیونکہ ان کا عام دنیا سے تعلق ہے۔

(۱) "کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں"۔

(۲) "یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہوگی"۔ یہ پیشگوئی ۳۱۔ مارچ ۱۹۰۷ء کو شائع ہوئی۔

(۳) "ریاست کابل میں قریب پچاسی ہزار کے آدمی مریں گے"۔

اسلام کی اخلاقی طاقت

لفٹنٹ کرنل مکرجی۔ ایک بنگالی۔ نے ایک سلسلہ مضامین اخبار بنگالی میں دینا شروع کیا ہے جس کا عنوان ہے "ایک مرتی ہوئی قوم"۔ اس سے مراد راقم مضمون کی ہندو قوم ہے جسکی ترقی اعداد دوسری قوموں کے بالمقابل بہت کم نظر آتی ہے۔ اگرچہ ہندو قوم کی یہ حالت تمام صوبجات میں قریباً یکساں ہے مگر مسٹر مکرجی نے صرف بنگال خاص میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد کا مقابلہ کرکے دکھایا ہے کہ ہندو قوم کی حرکت ایسی ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو وہ آہستہ آہستہ صفحۂ دنیا سے نابود ہو جائیگی۔ ۱۸۷۲ء میں بنگال خاص کی مردم شماری میں ہندوؤں کی تعداد ۱۷۱ لاکھ تھی اور مسلمانوں کی ۱۶۷ لاکھ یعنی ہندو مسلمانوں سے چار لاکھ زیادہ تھے۔ تیس سال بعد جو مردم شماری ہوئی ہے اس میں مسلمانوں کی تعداد تو ترقی کرکے ۲۲۰ لاکھ تک پہنچ گئی ہے مگر ہندوؤں کی تعداد صرف ۱۹۴ لاکھ تک پہنچی ہے۔ یعنی مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے چوبیس لاکھ زیادہ ہے۔ گویا تیس سال کے عرصہ میں جہاں مسلمانوں کی تعداد میں ۵۳ لاکھ کی ترقی ہوئی ہندوؤں کی تعداد میں صرف ۲۳ لاکھ کی ترقی ہوئی۔ اس تعدادی تنزل کے اسباب میں سے بڑا سبب راقم مضمون کے نزدیک ہندوؤں کے مذہبی اور تمدنی نقص ہیں جو انکی ترقی میں حائل ہو رہے ہیں۔ قوموں کی دوڑ اور ترقی کے مقابلہ میں مسٹر مکرجی مسلمانوں کو ہندوؤں کی نسبت زیادہ تیار پاتے ہیں یعنی انکی قومی

زندگی میں وہ سامان موجود ہیں جنکی وجہ سے وہ اپنے ہندو ہمسایوں کی نسبت زیادہ ترقی کر سکتے ہیں۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اخلاقی تعلیم کے لیسے سامان موجود ہیں جو انکی قومی زندگی کو قوت بخشتے ہیں۔ جاہل سے جاہل مسلمانوں کے دیہات میں بھی ہر گاؤں میں ایک مسجد ہوتی ہے جس میں ایک مُلا مذہبی اور اخلاقی تعلیم ان لوگوں کو انکی سمجھ کے مطابق دیتا ہے۔ مسجدیں کیا ہیں؟ در اصل اخلاقی تعلیم کی درس گاہیں ہیں۔ ان مسجدوں میں عموماً پانچوقت ہر روز لوگ جمع ہوتے ہیں مگر جمعہ کے دن ایک خاص مجمع ہوتا ہے۔ اور نماز کے ساتھ وعظ بھی کیا جاتا ہے۔ یہ وعظ نہایت سادہ زبان میں عموماً اخلاق کے متعلق ہوتا ہے۔ اسطرح پر ہر گاؤں میں مسلمان باشندوں کی اخلاقی تعلیم کا پورا سامان ہے۔ مگر مسلمانوں کے لیے مذہب کا دائرہ خاص حالتوں تک محدود نہیں بلکہ مذہب انکی زندگی کا ایسا ہی ضروری جزو ہے جیسے کھانا پینا۔ گھروں میں عورتیں مذہبی فرائض کی ایسی ہی پابند پائی جاتی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ جیسے کہ مرد۔ اور گو ہندوؤں میں ایک خاص حصۂ قوم تعلیم اور حصول زر میں مسلمانوں پر بہت سبقت لے گیا ہے۔ مگر ہندو آبادی کا بڑا حصہ بہ سبب ذات پات کے جھگڑوں کے ایسی گری ہوئی حالت میں ہے کہ اس حصہ کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اور مسلمان اخلاقی طور پر ان پر بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں"

یہ واقعات کہ مسلمان جو تیس[۳۰] سال ہوئے ہندوؤں سے چار لاکھ کم تھے اس تھوڑی سی مدت میں چوبیس[۲۴] لاکھ زیادہ ہو گئے ہیں اگر کسی ایسے زمانہ یا ملک کے متعلق بیان کیے جائیں جو کسی مسلمان حکمران کی حکومت کے نیچے ہو تو ہمارے ہندو دوست خصوصاً آریہ سماجی انسے جھٹ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ مسلمانوں نے اٹھائیس[۲۸] لاکھ ہندوؤں کو بجبر مسلمان بنا لیا ہے۔ اور شاید اس نتیجہ کے ساتھ ایسے قصے بھی مشہور کر دیں جیسے کہ اورنگ زیب کے متعلق مشہور کر رکھے ہیں کہ جبتک ہر روز کئی ہزار ہندوؤں کو بجبر مسلمان کر کے انکے جنیئو ایک خاص مقدار میں جلا نہ لیتا تھا اسوقت تک کھانا نہ کھاتا تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اب اس ترقی کی وجہ ہمارے ہندو بھائیوں کو اور تلاش کرنی پڑی ہے کیونکہ بجبر مسلمان کرنیکی وجہ یہاں کام نہیں دیتی۔

ہمارے نزدیک اسلام کی زیادہ ترقی کی وجہ صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کے تمدنی اور

اخلاقی حالات ترقی تعداد کے مدہیں بلکہ ہندو مذہب سے اسلام کی طرف آنیکا ایک سلسلہ خود بخود جاری ہے اور گو اسلام کے ہاتھ میں کوئی مشنریوں کا بڑا مضبوط انتظام نہیں مگر اسی اخلاقی طاقت کے اندر جسکو مسٹر نکر جی نے بھی تسلیم کیا ہے ایک جذب موجود ہے جس سے بہت سے لوگ اسکی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ ہاں جو لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں انکا نہ تو آریہ سماج کی شدھیوں کی طرح اخباروں میں شور پڑتا ہے اور نہ ہی مشنریوں کی طرح کوئی رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔ مگر یہ بات چھپی بھی نہیں رہ سکتی اور اعداد کی نمایاں ترقی خود بتا رہی ہے کہ اسلام نہ صرف اندرونی طور پر ہی ترقی کر رہا ہے بلکہ باہر سے بھی لوگوں کو اپنے ساتھ ملا رہا ہے۔ کاش مخالفین اسلام غور کرتے کہ جب مسلمان اس تنزل کی حالت میں بھی ایسے بڑھ رہے ہیں کہ انکی ہمسایہ قوم کی ترقی انکے بالمقابل موت کا حکم رکھتی ہے تو اسکے عروج کے وقت کیسی ترقی ہوتی ہوگی۔ کیا یہ ہمارا حق نہیں کہ ہم کہیں کہ جو اسباب آج اسلام کی ترقی کا باعث ہو رہے ہیں وہی گذشتہ زمانے میں بھی اسکی ترقی کا باعث تھے اور یہ بالکل سچ بات ہے کہ اسلام کی ترقی اسکے سلاطین دنیوی کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ ان روحانی بادشاہوں کے ذریعہ سے ہوئی ہے جنکے ناموں کو آج بھی لاکھوں ہندو عزت سے یاد کرتے ہیں پس یہ کسی مسلمان بادشاہ کی تلوار یا جبر نہ تھا جسنے آج چھ کروڑ مسلمان ہندوستان میں پیدا کر دیئے ہیں بلکہ یہ مقدس لوگوں کی روحانی تلوار تھی جو اپنا کام کر گئی۔ بلکہ حال ہی میں ایک فاضل یورپین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اسلام کی پولٹیکل زوال کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی بادشاہوں نے عیسائی بادشاہوں کی طرح یہ کوشش نہیں کی کہ اپنی ساری رعایا کو ایک ہی مذہب پر چلا دیں اسکی تائید واقعات سے بھی ہوتی ہے کیونکہ جہاں جہاں عیسائی سلطنتیں سیکڑوں سالوں تک رہی ہیں وہاں عیسائی مذہب ہی عام ہو گیا ہے مگر صدیوں کی اسلامی سلطنتوں کے نیچے دیگر مذاہب کے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ پس اسلام نے جو کچھ ترقی کی اپنی اخلاقی اور روحانی قوت سے کی نہ تلوار کے ذریعہ سے۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

اشاعت اسلام: مجلس معتمدین کے گذشتہ اجلاس میں جو ۸۔ اگست کو ہوا۔ امر فیصلہ طلب میں انگریزی ترجمہ لکچر مہوتسو کی چھپوائی کا سوال تھا۔ جسکے متعلق گذشتہ تین چار ماہ سے ولایت میں خط وکتابت کی جا رہی تھی۔ یہ رسالہ اسلام کی تعلیم کو ایک ایسی خوبصورت اور دلکش پیرائے میں پیش کرتا ہے کہ جس کسی نے۔ اسے پڑھا ہے وہ خواہ کسی مذہب وملت کا پیرو ہو اسکے دل پر اسلام کی عظمت وکمال کا خاص اثر ہوا ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جسکے اس حصہ کو جو اسلامی بہشت و دوزخ کے متعلق ہے کونٹ ٹالسٹائے جیسے مشہور عالم و فاضل نے جو عیسائی مذہب کا پیرو ہے پڑھکر یہ لکھا تھا کہ وہ خیالات جو اس مضمون میں ظاہر کیئے گئے ہیں۔ نہایت صحیح اور فاضلانہ خیالات ہیں۔ ابتک جسقدر اشاعت اسلام بیرونی ممالک میں سلسلہ احمدیہ کی طرف سے ہوتی رہی ہے وہ صرف رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ذریعہ ہوتی رہی ہے۔ مگر اب اس ضرورت کو محسوس کیا گیا ہے کہ الگ رسالوں اور کتابوں کے ذریعہ سے اس اشاعت کے دائرہ کو وسیع اور زیادہ مفید بنانیکی کوشش کیجاوے اسی غرض کے لیئے انگریزی ترجمہ قرآن شریف کا کام بھی صدر انجمن نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے مگر چونکہ ترجمہ کی تکمیل اور اس میں بطور دیباچہ ان بڑے بڑے اعتراضوں کا جواب جو قرآن کریم کی تعلیم پر عیسائی معترضین نے کیئے ہیں ایک بڑے لمبے وقت کو چاہتا ہے۔ اسلیئے یہ مناسب سمجھا گیا (جیساکہ اس سے پہلے ٹریکٹ سیریز کے متعلق اعلان میں احباب کو اطلاع دیجا چکی ہے) کہ بالفعل بعض ان چیدہ چیدہ مضامین کو جو ریویو کی گذشتہ جلدوں میں نکل چکے ہیں الگ رسالوں اور کتابوں کی صورت میں چھاپ کر ولایت میں مفت یا بہت تھوڑی قیمت پر شائع کیا جائے۔ ان جملہ مضامین میں سے سب سے بڑھ کر قیمتی مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ لکچر ہے جو جلسہ اعظم مذاہب میں دیا گیا تھا اور اسی سلیئے اسکی اشاعت کو سب پر مقدم کیا گیا ہے۔

اسکی چھپوائی اور اشاعت کا انتظام ولایت کی ایک مشہور کمپنی سے کیا گیا ہے۔ اور مجلس معتمدین کے گذشتہ اجلاس میں دس ہزار رسالہ کے چھاپنے کے لیئے کمپنی مذکور کا ڈیڑھ سو پونڈ یعنی دو ہزار دو سو پچاس روپے کا تخمینہ چھپوائی اور ۱۶۶ پونڈ یعنی ۲۴۹۰ روپے کا تخمینہ مجلد کرانیکا منظور کیا گیا ہے۔ پس دس ہزار کتاب کی تکمیل کیلیئے ۴۷۴۰ روپیہ بکار ہے۔ اسکے بعد کتاب کی اشاعت کا خرچ باقی رہ جائیگا جسپر خرچ اسوجہ سے کہ ولایت میں ہی یہ کتاب چھپیگی انشاء اللہ بہت کم ہوگا۔ اس کل کتاب میں سے یہ خیال ہے کہ قریب نصف کے بالکل مفت تقسیم کیجائے۔ اور بقیہ نصف کو لاگت پر فروخت کیا جائے اور کچھ جلدیں ہندوستان میں فروخت کیلیئے منگوائی جاویں۔

اس خرچ کو منظور کرنیکے ساتھ ہی انجمن کو یہ ضرورت بھی محسوس ہوئی ہے کہ اس روپیہ کی فراہمی کے لیئے احباب کی خدمت میں اپیل کیجائے۔ اس کار خیر کی ابتدا جیسا کہ احباب کو پہلے بھی اطلاع ہے ایک ہزار روپیہ کی ایک گرانقدر عطیہ سے ہوئی تھی۔ اور اس مخلص دوست نے جس نے یہ روپیہ دیا اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کیا۔ لیکن اشاعت اسلام کے اس نئے پہلو کی بنا اسی دوست کی تحریک اور کوشش سے رکھی گئی اسکے بعد بھی کچھ روپیہ آیا ہے۔ مگر کل رقم اس فنڈ کی ابتک دو ہزار روپیہ تک بھی نہیں پہنچی۔ اور پانچ ہزار روپے کی ضرورت صرف اسی ایک کتاب کے لیئے ہے۔ اسکے علاوہ دو اور چھوٹے چھوٹے رسالے بھی عنقریب چھپوائے جائیں گے کیونکہ نومبر میں ایک عظیم الشان جلسہ دنیا کے پادریوں کا بمقام آگرہ ہونیوالا ہے۔ اور مجلس معتمدین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سلسلہ کے مختصر حالات میں ایک کتاب چھاپکر وہاں تقسیم کیجاوے اور ایک کتاب ضرورت قرآن پر بھی چھاپنی منظور کی ہے۔ بہرحال کم ازکم پانچ ہزار روپے کا مہیا ہونا ضروری ہے۔ علاوہ سابقہ رقم جمع شدہ کے تین ہزار سے کچھ اوپر روپیہ اس غرض کیلیئے اور بکار ہے جسکے لیئے احباب کی خدمت میں یہ اپیل صدر انجمن کی مجلس معتمدین کی طرف سے پیش کیجاتی ہے۔

آیا اسقدر روپیہ جمع ہو جائیگا اور اگر ہوگا تو کس طرح۔ میں اسکے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مینے اصل واقعات کو احباب کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ان تجاویز پر غور کرنا جنسے یہ روپیہ جمع

ہوجائے یہ سلسلہ کے ان مخلصین کا کام ہے جو اسکے لیئے سچا جوش اپنے اندر پائیں۔ ہماری انجمنیں جہاں کہیں وہ ہیں اس سوال کو سرسری نظر سے نہ دیکھیں۔ اور نہ ہی یہ خیال کر لیا جائے کہ اس تین ہزار روپے کی اپیل کے بعد مجلس معتمدین کی طرف سے اور کوئی تحریک یکمشت چندوں کے لیئے نہ ہوگی کیونکہ تعمیر مدرسہ کا عظیم الشان کام سر پر ہے۔ جسکے لیئے پندرہ ہزار روپے کے صرف سے قریب پندرہ لاکھ کے اینٹ تیار پڑی ہے۔ مگر اب اصل کام کو شروع کرنیکے لیئے تیس ہزار روپے کی اور ضرورت ہے۔ پھر اس گوشوارہ پر جو ہر مہینے ریویو کے ٹائیٹل پر چھاپا جاتا ہے۔ ایک نظر سے یہ بھی معلوم ہوجائیگا کہ انجمن کے قریباً ہر ایک فنڈ میں ماہوار خرچ آمد سے بڑھا ہوا ہے۔ بہت سے دوست اس باریک حروف کے نقشے کو جو ہر ماہ ایک مجسم اپیل کے رنگ میں انکی خدمت میں پیش ہوتا ہے شائد پڑھتے بھی نہ ہوں مگر انجمن کی تمام قسم کی ضروریات کو مدِ نظر رکھکر اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان آئے دن کے چندوں کی اپیلوں کے لیئے کوئی مستقل علاج سوچیں۔ جس سے نہ تو منتظمین کو کام کے رُک جانیکی دقتیں پیش آئیں اور نہ ہی معاونین کو بار بار کی تحریک سے ہر روز نئی تدابیر پر غور کرنیکی ضرورت پیش آئے یا طبیعت میں ایک گھبراہٹ پیدا ہو۔ ایک اور دقت جسکی طرف میں تفصیل سے کسی دوسرے وقت لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں یہ واقع ہوئی ہے کہ قوم کی توجہ تقسیم ہوتی جاتی ہے۔ ایک تو وہ کام ہیں جنکے کرنیکا سلسلہ کی طرف سے بجٹ کے وقت یا بجٹ کی بنا پر اعلان ہوجاتا ہے۔ اور جن میں در اصل وہ سب کام داخل ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد یا ایما سے شروع ہوئے۔ یہ تو گویا فرائض کے طور پر سمجھنے چاہییں اور ایک وہ کام ہیں جو کسی فرد واحد یا چند افراد کے دل میں انکے لیئے ایک زور کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی اس خواہش کو تحریک کے رنگ میں قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ انکو زیادہ سے زیادہ نوافل کے قائم مقام سمجھا جا سکتا ہے۔ اب یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نوافل کی ادائگی میں ثواب نہیں مگر اس بات کو بھی ہر ایک دانشمند تسلیم کریگا کہ جو شخص فرائض کو بالائے طاق رکھکر نوافل کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے وہ ایک غلط راہ اختیار کرتا ہے۔ اصل کام جنکا ایک طرح سے اعلان بھی دنیا کے سامنے ہوچکتا ہے وہ تو اسی طرح کے اسیطرح رکھے رہ جاتے ہیں اور قوم کی توجہ دوسرے کاموں کی طرف ہوجاتی ہے یا بہرحال بٹ جاتی ہے اور وہ کام جو کل قوم کی متفقہ توجہ سے ہو سکتے تھے

ادھورے رہ جاتے ہیں۔ یہی بات ایک سے زیادہ مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح تقریر اور تحریر کے ذریعہ سے سمجھا چکے ہیں مگر کل جدید لذیذ صدر انجمن احمدیہ کے کام تو وہی پرانا قصہ سمجھے جاتے ہیں اور نئے کاموں میں تحریک کرنیوالوں کو بھی زیادہ مزہ آتا ہے اور بعض دینے والوں کو بھی غالباً جدت میں ایک لذت معلوم ہوتی ہے۔ یا شاید یوں کہنا چاہیئے کہ فطرت انسانی کا تقاضا ہی ایسا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ بات قابل توجہ ضرور ہے کہ جن کاموں کا بجٹ میں اعلان کیا جاتا ہے وہ پورے نہیں ہونے پاتے۔ مثال کے طور پر میں یہ کہتا ہوں کہ اعتراض ہونیکو تو جلدی ہو جاتا ہے کہ ابتک جلسہ اعظم مذاہب والا لیکچر جسکے کتابی صورت میں شائع کرنیکی خبر دیر سے نکل رہی ہے شائع نہیں ہوا۔ انجمن سستی کر رہی ہے۔ مگر ان واقعات پر غور کرنیکے لیئے طبائع متوجہ نہیں ہوتیں جنسے یہ توقف پیدا ہوتے ہیں۔ اگر جیسا انجمن کے بجٹ میں اندازہ کیا گیا تھا اشاعت اسلام کیلیئے تخمینہ کے مطابق یا تین چوتھائی تخمینہ کی بھی آمد ہو جاتی تو اب جب سب امور اس لیکچر کے متعلق طے ہو چکے تھے یعنی مسودہ لکھا جا کر اسپر نظر ثانی ہو چکی تھی اور اجرت کا بھی ایک گونہ فیصلہ ہو چکا تھا انجمن فی الفور اس کام کو ہاتھ میں لے سکتی تھی مگر اب جب سب امور طے ہو چکے ہیں تو اس بات کا انتظار ہے کہ روپیہ فراہم ہو جائے۔ اس روپے کی تحریک گو بظاہر ایک غیر معمولی تحریک معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل یہ بجٹ کے نقص کو پورا کرنیکے لیئے ایک تحریک ہے۔ ایسا ہی حال تعمیر بورڈنگ ہوس کا ہے۔ پندرہ لاکھ اینٹ پکی پڑی ہے مگر اب آگے کام چلانیکے لیئے جبتک دس پندرہ ہزار روپیہ ہاتھ میں نہ ہو کام شروع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کام جب شروع ہوگا وسیع پیمانے پر ہی ہوگا ورنہ اسکے شروع کرنے میں بھی نقصان ہے۔ یہ باتیں سرسری نظر سے دیکھنی کی نہیں بلکہ جملہ انجمنہائے احمدیہ اور دیگر اہل الرائے احباب کا فرض ہے کہ وہ ان امور پر غور کرکے کوئی تجاویز پیش کریں تاکہ یہ مشکلات حل ہو سکیں۔

اشاعت اسلام کی رپورٹ میں ہی میں بک ڈپو کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں۔ بک ڈپو میں بعض کتابیں تو امسال بذریعہ خرید داخل ہوئیں مگر دو کتابیں انجمن نے خود چھپوائی تھیں۔ انمیں سے پہلی کتاب جلسہ سالانہ صدر انجمن کی تقریروں کا مجموعہ ہے جسمیں صدر انجمن کی مفصل سالانہ رپورٹ بھی ہے۔ اس کتاب کے لیئے بعض انجمنوں کی طرف سے اور احباب کی طرف سے خاص تحریک ہونے پر یہ کام انجمن نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اور جن احباب یا انجمنوں نے یہ تحریک پیش کی تھی انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ یہ مجموعہ تقاریر اگر سستی قیمت پر بیچا جاوے تو ہاتھوں ہاتھ نکل جاویگا۔ اسکو چھپ کر تیار ہوئے اب کوئی چھ ماہ کا عرصہ گذرتا ہوگا۔ اور ایک ہزار کتاب چھاپکر قیمت

صرف اسقدر رکھی گئی تھی جسقدر بحساب اوسط فی کتاب لاگت آئی تھی۔ اب جب ہم اسکی فروخت کی طرف دیکھتے ہیں تو اس سارے عرصہ میں صرف اسّی کتابیں فروخت ہوئی ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیئے کہ اس کتاب کے چھپوانے سے مالی طور پر انجمن کو قریب دو صد روپے کے نقصان ہوا۔ لوکنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسّنی السوء کو پڑھکر کوئی اسپر افسوس تو نہیں کر سکتا مگر غالباً آئندہ کے لیئے انجمن کو اس سے سبق لینا ضروری ہو۔ کیونکہ یہ روپیہ کسی اور مفید مصرف میں لگایا جا سکتا تھا۔ ایک دوسری کتاب اظہار حق سکھ مذہب اور اسلام پر انجمن کی طرف سے ابھی شائع ہوئی ہے گو اس کتاب کا اصل مقصد صرف اشاعت اسلام ہی ہے اور اسلیئے بہت سی کاپیاں مفت تقسیم کرنی پڑیں گی کیونکہ یہ کتاب دراصل ٹریکٹ سیریز میں شائع ہوئی ہے اور اسکے اخراجات کے لیئے حضرت خلیفۃ المسیح نے روپیہ دیا تھا مگر حضرت مولویصاحب کے ایما سے ہی اسکی کچھ قیمت بھی مقرر کردی گئی تھی جو بالکل لاگت کے قریب تھی تا کہ کچھ روپیہ لاگت کا وصول ہو کر اشاعت اسلام کے دوسرے کاموں میں مدد ملے اور اشاعت کے مزید خرچ کیلیئے بھی کچھ آجائے مگر اسکی طرف بھی احباب کی توجہ مجوزہ تقاریر سے زیادہ نہیں ہوئی کیونکہ ابتک صرف بیس کاپیاں فروخت ہوئی ہیں اور پچاس کے قریب مفت تقسیم کرنیکا انتظام کیا گیا ہے۔ بہرحال یہ امر قابل غور ضرور ہے کہ اگر وہ کتابیں بھی معقول تعداد میں فروخت نہ ہوں جنکی قیمت لاگت کے قریب قریب رکھی جاتی ہے تو پھر لاگت سے چہار چند یا اس سے بھی زیادہ قیمت رکھنے کے اصول کو صحیح تسلیم کرنا پڑیگا جسکی ہمارے دوستوں کو ابتک شکایت رہی ہے

بک ڈپو میں جیساکہ ماہ گذشتہ میں اعلان کیا گیا تھا۔ سات سو کے قریب براہین احمدیہ میاں معراج الدین صاحب نے دی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔ اس کتاب کی قیمت بلا جلد ستے سے غالباً زیادہ تھی۔ اور ستے سے اس کتاب کی قیمت رکھنے کا ارادہ بھی تھا مگر چونکہ میاں صاحب کے پاس جو کچھ کتابیں باقی رہ گئی ہیں انکی قیمت انہوں نے عہ کر دی ہے جسکا اعلان بار بار ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ انجمن کی بک ڈپو میں زیادہ قیمت پر فروخت ہو پس یہ کتاب بالفعل اسی ارزاں قیمت یعنی عہ پر فروخت ہوگی۔ مگر یہ رعایت غالباً ایک ماہ سے زیادہ نہ رہ سکیگی جو احباب چاہیں عہ پر یہ ضخیم کتاب ایک ماہ کے اندر اندر طلب کر سکتے ہیں۔ قیمت میں اسقدر تخفیف ہو جانے پر بھی جو احباب اس نایاب گوہر کو حاصل کرنیکی کوشش نکریں گے وہ غلطی کریں گے۔ بتامی ماہوار گوشوارہ کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں اسکو احباب بغور ملاحظہ فرماویں۔ لنگر خانہ۔ مساکین۔

زکوٰۃ ان چاروں مدات کی آمد بہت کم ہوتی جارہی ہے۔ زکوٰۃ کے متعلق بالخصوص صاحب نصاب احباب توجہ فرماویں
عمارت کے متعلق میں بہت کچھ اوپر لکھ چکا ہوں حضرت میر ناصر نواب صاحب نے ہسپتال کیلئے چندہ کرنے میں
اردگرد کے دیہات میں اسقدر صعوبت اپنے نفس پر برداشت کرکے روپیہ جمع کیا ہے کہ انکے اس
للّٰہی جوش پر میں حیران ہوں قریب ڈیڑھ ہزار کے چندہ ہوچکا ہے جس میں مسجد کا چندہ بھی
شامل ہے۔ چونکہ بورڈنگ ہوس کے باہر بننے کے ساتھ ہسپتال اور مسجد کا وہاں ہونا ضروری تھا
اسلیئے اللہ تعالیٰ نے ہر دو کیلئے یہ سامان پیدا کردیا ہے۔ اور مسجد کیلئے تو قریب تین ہزار روپے
کی رقم ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ مرحومہ کے زیور کے فروخت سے عنقریب وصول ہوکر
امید ہے کہ یہ کام بہت جلد شروع ہوجائیگا۔ اسی سلسلۂ تعمیر میں چودھری غلام حسین صاحب
ساکن چک قاضی والہ کا ذکر بھی ضروری ہے جنہوں نے اپنی جائداد کا حساب کرکے پندرہ سو روپیہ وصیت کا
نقد داخل کرنیکا ارادہ کیا ہے جس میں سے ایک ہزار وہ بھیج بھی چکے ہیں اس روپے سے انکا
منشا ہے کہ ایک کمرہ بورڈنگ ہوس کا بنجائے جسکا کرایہ چودھری صاحب کی حین حیات میں انہیں
ملتا رہے اور بعد میں یہ مکان انکی وصیت کے مطابق انجمن کی ملکیت ہوگا۔ اس سے پہلے چودھری نصر اللہ
خانصاحب نے اسی طرح پر تین ہزار سے اوپر روپیہ انجمن کو دیا جس سے دو کمرے بورڈنگ ہوس کے بنائے
جائیں گے۔ مگر انکا کرایہ چودھری صاحب نے خود لینا پسند نہیں کیا بلکہ یہ مکان ابھی سے انجمن کی ملکیت ہونگے
اور انکا کرایہ بھی انجمن ہی لے گی۔ اگر دس پندرہ احباب اور اس طرز سے اپنی وصایا کا روپیہ جمع
کرادیں تو بورڈنگ ہوس قوم پر مزید بوجھ پڑنے کے بدون ہی بن سکتا ہے۔

بجٹ سنہ ۱۹۰۹-۱۰ء بار اول مجلس معتمدین میں منظور ہوچکا ہے۔ سال گذشتہ کے قریب گیارہ ہزار روپے
ماہوار آمد و خرچ کے بالمقابل کمی آمد کو ملحوظ رکھکر اس بجٹ میں قریباً نو ہزار روپے ماہوار آمد و
خرچ کا تخمینہ کیا گیا ہے۔ یعنی کل بجٹ ایک لاکھ سات ہزار روپے کے قریب ہے۔

واعظ شیخ غلام احمد صاحب ضلع کانگڑہ کا دورہ کرچکے ہیں۔ اب تجویز ہے کہ انہیں ممالک متحدہ
میں بھیجا جاوے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ یکم ستمبر سے کھل جاوینگے۔ بورڈنگ ہوس کی عام نگرانی اور
تعلیم کی نگرانی کا یکم ستمبر سے خاص انتظام کیا جاویگا۔ چونکہ سالانہ امتحان قریب ہے اسلیئے سب احباب [illegible] سے مشکور فرمادیں۔ (سکرٹری)

گوشوارہ جمع خرچ خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ جولائی ۱۹۰۵ء

تعلیم

کرایہ	فیس مدرسہ	فیس بورڈنگ	چندہ مدرسہ	عید فنڈ	متفرق	سرکاری امداد	میزان	بقایا	کل	عملہ	ورزش	سائر	کرایہ	تعمیر گرلز سکول	انتظامی اخراجات	متفرق	میزان	باقی
عہ ۸/	عہ ۱۱/	للعہ ۸/	اکماسہ ۴/۳ پائی	صعہ ۱۵/	للعہ /	ماسہ ۹/۱ پائی	سماسہ ۵/۴ پائی	لالالعہ ۱۱/۹ پائی	الصالعہ ۱/۱ پائی	سماللعہ ۱/	عہ	للعہ ۸/۹ پائی	لعہ	ماسہ ۱/	صللعہ	للعہ ۲/۹ پائی	الللعہ ۱۳/۶ پائی	اسماللعہ ۳/۷ پائی

اشاعت اسلام

اعانت	اردو	انگریزی	ضمیمہ	بکڈپو	کرایہ	متفرق	میزان	بقایا	کل	عملہ	طبع	بکڈپو	سائر	ٹکٹ	کتب	انتظامی	کل	باقی
ماسہ ۱۵/۳ پائی	مااللعہ ۹/	ماعہ ۹/	لے ۶/	سہ ۱۰/۳ پائی	لعہ	ہے ۵/۶ پائی	اسماللعہ ۷/	سماللعہ ۷/	للعماصہ ۱۴/	ماعہ	مااللعہ ۸/	لصہ ۸/۹ پائی	لوسہ ۳/۹ پائی	ے	ہے ۲/	صر	سماعہ ۶/۳ پائی	للعماعہ ۷/۹ پائی

مقبرہ بہشتی

حصہ آمد	فروخت جائداد	کرایہ	شرط اول	متفرق	میزان	بقایا	کل	دفتر مقبرہ	باغیچہ	مساجد	واعظین	تعمیر	انتظامی	انتظام جائداد	کل	باقی
مااللعہ ۱۲/۳ پائی	ما/	عسہ ۱۴/	لعہ	مسہ ۴/	حااللعہ ۱۴/۳ پائی	لااللعہ ۱۵/۴ پائی	الماللعہ ۱۳/۷ پائی	صہ	للعہ	للعہ ۱۲/	سہ ۱۵/۶ پائی	عہ	عہ ۸/	ماسہ ۱/	اسماللعہ ۴/۶ پائی	معہ ۹/۱ پائی

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عوام سے عہ طلبا سے عہ

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے۔ اسکے اصل ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی۔

حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپکی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیحؑ حکیم نورالدین سلمہ اللہ تعالے نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضانِ چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے کو آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں اسلئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے۔ قیمت سرمہ اوّل قسم عما، قسم دوم عہر، قسم سوم عہ۔ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عنلہ جسکو لوگ اڑھائی سو فی تولہ فروخت کرتے ہیں قسم دوم ستے اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔

علاوہ ازیں میرے پاس ہر قسم کی لنگی۔ زری۔ ریشمی۔ پشاوری۔ سوتی۔ زرد۔ سیاہ۔ بادامی مشہدی۔ افسری و سفید پٹکہ تسری (جسکو لوگ ریشمی کہتے ہیں) وغیرہ عما سے لیکر عہ روپیہ تک موجود ہیں۔ اور نیز کلاہ ہر قسم زری و سادہ اور ٹوپی رومی ہر قسم میرے پاس موجود ہے اور قیمت میں بالکل کوئی زیادتی نہیں دریافت کریں۔ جو چیز پسند نہ ہو۔ معقول وجہ بیان کرنے پر خریدار کو واپس کرنیکا اختیار ہے۔ خرچ آمد و رفت بذمہ خریدار۔

المشتہر

احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

نوٹ۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

منیجر بک ڈپو صدر انجمن احمدیہ قادیان سے مل سکتی ہے۔

(منیجر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۴

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات

خبر رساں جماعتوں کی روانگی

اگر قریش مسلمانوں کے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانیکے بعد بھی انکی ایذا دہی سے باز آجاتے تو آنحضرت صلعم کیلئے اس سے بڑھکر اور کوئی بات خوشی کا موجب نہیں ہوسکتی تھی۔ اور اگر اہل مکہ اسکے بعد کہ آنحضرت نے اپنے وطن عزیز کو ترک کردیا تھا آپ کو تکلیف نہ پہنچاتے تو ضرور آنحضرت صلعم انکی گذشتہ بے رحمیوں کو معاف فرماتے جیساکہ آخر کار فتح مکہ کے بعد اس رحم مجسم انسان سے ظہور میں آیا ہجرت کے بعد جو واقعات پیش آئے انسے واضح ہوتا ہے کہ گو مسلمانوں نے اپنے وطن عزیز کو ترک کردیا تھا مگر قریش کی مخالفانہ حالت میں کوئی تغیر پیدا نہوا بلکہ مسلمانوں کے بچ نکلنے پر انکا غصہ اور بھڑک اٹھا اور انہوں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ جس طرح بن پڑے انکو تباہ کردیں اس امر کے ثبوت کے لئے کہ ہجرت کے بعد بھی قریش کے غضب میں کوئی فرق نہ آیا تھا صرف اس بات کا اظہار کرنا ہی کافی ہوگا کہ مسلمانوں میں سے جو بوڑھا۔ عورت۔ قیدی یا غلام پیچھے رہ گیا وہی قریش کے ظلم کا شکار ہوا۔ ان غربا کو اب بھی وہی مصائب اور تکالیف جھیلنی پڑیں جو ہجرت سے پہلے انپر رسائی جاتی تھیں۔ اور قرآن کریم مفصلہ ذیل الفاظ میں انکی بیکسی کا نقشہ کھینچتا ہے۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من

الرّجال والنّساء والولدان الّذین یقولون ربّنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظّالم اھلھا واجعل لّنا من لّدنک نصیرًا ۵ (سورہ نساء رکوع ۱۰)

اور تم کو کیا ہو گیا ہے کہ لڑو اللہ کی راہ میں اور واسطے اُنکے جو ناتوان ہیں مرد اور عورتیں اور لڑکے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہمکو اس بستی سے کہ ظالم ہیں رہنے والے اسکے اور پیدا کر ہمارے لیئے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور مددگار۔

لیکن اسپر بھی ہمارے عیسائی معترض مسلمانوں کو ہی زیادتی کا ملزم ٹھہراتے ہیں اگر قریش اب اسلام کے دشمن نہیں رہے تھے تو انھوں نے کیوں اُن مسلمانوں کو رہا نہ کر دیا جنکو ہجرت سے روکنے کے لیئے قید کر لیا تھا؟ آہ۔ غریب بیکس عورتیں بھی اپنی عزت اور جان کو ان ظالموں کے ہاتھ سے نہ بچا سکیں۔ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ سے بچکر نکل گئے اور غار میں جا چھپے تو ابوجہل قریش کی ایک جماعت ساتھ لیکر حضرت ابوبکر صدیق رض کے گھر پر گیا اور آپ کی صاحبزادی حضرت اسماء سے دریافت کیا کہ تمہارا باپ کہاں ہے؟ جب صدیق رض کی بیٹی نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس جگہ ہے تو اس بے رحم سفاک نے اُس بیکس لڑکی کے اس زور سے تھپڑ مارا کہ اُسکے کان کی بالی نیچے گر گئی۔

اور اگر میور کے کہنے سے کوئی مان بھی لے کہ قریش نے مسلمانوں کی دشمنی کا خیال چھوڑ دیا تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ پھر انھوں نے مسلمانوں کو سالانہ حج کرنے سے کیوں منع کیا؟ جبکہ عرب کی ہر ایک قوم کو خواہ وہ قریش کی دشمن بھی ہو حج کی ممانعت نہ ہوتی تھی قرآن کریم اس امر کی طرف متواتر اشارہ فرماتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انّ الّذین کفروا ویصدّون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام الّذی جعلنٰہ للنّاس سواءً العاکف فیہ والباد ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم ۵ (الحج ۳) یعنی جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جو ہم نے بنائی سب لوگوں کے واسطے برابر ہے اُس میں بیچ کا رہنے والا اور باہر کا اور جو اسمیں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھا دینگے ایک دُکھ کا عذاب۔

اس آیت اور کئی دوسری آیات سے واضح ہوتا ہے کہ کفار قریش لوگوں کو صرف

قبول اسلام سے ہی نہیں روکتے تھے بلکہ مسجد الحرام میں داخل ہونیسے بھی باز رکھتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں مفصلہ ذیل واقعہ مذکور ہے " سعد بن معاذ جو کہ مدینہ کا ایک سردار تھا وہ مکہ کے ایک سردار اُمیہ بن خلف کا گہرا دوست تھا۔ جب اُمیہ مدینہ جاتا تو وہ سعد کے گھر ٹھہرتا اور جب سعد مکہ آتا تو وہ اُمیہ کے گھر قیام پذیر ہوتا۔ حضرت نبی کریم صلعم کے مدینہ میں تشریف لیجانے کے بعد سعد ایک دفعہ مکہ معظمہ کو عمرہ ادا کرنے کیلیئے روانہ ہوا۔ اور اس نے اُمیہ سے کہا اے ابی صفوان مجھے تنہائی کا ایسا وقت بتا جب مَیں امن و امان سے کعبہ کا طواف کرسکوں اور مکہ والوں میں سے مجھے کوئی طواف کرتا ہوا نہ دیکھے۔ اسلیئے اُمیہ سعد کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف دوپہر کے قریب روانہ ہوا۔ کعبہ میں ابوجہل نے اُنکو دیکھ لیا اور اُمیہ سے کہا تمھارے ساتھ کون ہے؟ اُس نے جواب دیا سعد ہے۔ ابوجہل نے سعد سے کہا الا اراك تطوف بمكة آمنا وقد آويتم الصباة وزعمتم انكم تنصرونهم و تعينونهم اما والله لولا انك مع ابى صفوان ما رجعت الى اهلك سالما۔ کیا تم امن و امان سے کعبہ کا طواف کرتے ہو جبکہ تم نے آبائی مذہب کے تارکوں کو اپنے ہاں پناہ دی ہے اور تمھیں یہ گمان ہے کہ تم اُنکی مدد اور اعانت کے قابل ہوسکو گے اور واللہ اگر ابی صفوان تمھارے ساتھ نہ ہوتا تو تم اپنے گھر صحیح وسالم نہ جاسکتے۔

ابوجہل کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ہجرت سے قریش کا غصہ کم ہونے کی بجائے اور بھڑک اُٹھا تھا اور یہ دیکھکر کہ مدینہ کے مسلمانوں نے مہاجرین کا پوری سرگرمی سے استقبال کیا ہے وہ اور کُڑھتے اور دانت پیستے تھے۔ ابوجہل کے مذکورہ بالا الفاظ یعنی " تم نے آبائی مذہب کے تارکوں کو پناہ دی ہے اور تمھیں گمان ہے کہ تم اُنکی مدد اور اعانت کے قابل ہوسکو گے " وغیرہ میں بھی اس بات کی دھمکی دیگئی تھی کہ قریش مدینہ پر حملہ کرینگے اور اہل مدینہ اس قابل نہ ہوسکیں گے کہ قریش کے مقابلہ میں آنحضرتؐ کی امداد کرسکیں۔

الغرض قریش نے جو رویہ مکہ میں مسلمانوں کی نسبت اختیار کیا ہوا تھا اسمیں کبھی تبدیلی نہ کی اور کوئی وقت ایسا نہیں آیا جبکہ یہ کہنے کا موقعہ ملے کہ اُنکی حرکات میں تغیر پیدا ہوگیا تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ اُنکے دشمن اُنکو مدینہ میں بھی چین نہ لینے

دینگے اور اپنے مقدور بھر اسلام کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرینگے۔ خود حفاظتی کیلئے ہتھیار اُٹھانے کی قرآن کریم نے ایک اور دلیل دی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے ولا یزالون یقاتلونکم حتّٰی یردّوکم عن دینکم ان استطاعوا (سورہ بقرہ رکوع ۲۷) (ترجمہ) اور نہیں ٹلیں گے جو لڑے جا دینگے تم سے یہانتک کہ پھیر دیں تمکو دین تمھارے سے اگر کر سکیں۔

لہٰذا پہلا کام جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچکر کیا وہ یہ تھا کہ مدینہ والوں اور وہاں کے یہود کے ساتھ عہدنامہ کر لیا جس کے رو سے دستخط کنندگان کا فرض تھا کہ مسلمانوں کے خلاف اہل مکہ کی امداد نہ کریں اور اس طرح پر قریش کے اس حملہ کی مدافعت کا سامان ہوگیا جس کا ہر وقت کھٹکا لگا ہوا تھا اور دوسرا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو دشمن کا سراغ لگانے اور اُسکی نقل و حرکت کا پتہ رکھنے پر مامور کیا لیکن چونکہ مسلمان چاروں طرف سے دشمن قوموں کے نرغہ میں تھے اسلئے یہ مختصر سی جماعتیں دن کے وقت سفر نہ کر سکتی تھیں اور حضرت نبی کریم صلعم نے انکو حکم دیا کہ رات کو چلیں اور دن کو چھپ رہیں۔ آگے چلکر معلوم ہو جائیگا کہ بعض اوقات تیس تیس بلکہ ستر ستر مسلمانوں کی جماعتوں کو دشمنوں نے موقعہ پاکر قتل کر دیا اور یہی سبب اور خوف تھا کہ آنحضرتؐ نے انکو ہدایت فرمائی کہ رات کو چلیں اور دن کو چھپ رہیں۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ حالات موجودہ کے ماتحت ان جماعتوں کا بھیجنا اشد ضروری تھا عرب کی لڑائی عام طور پر اس طرح ہوتی تھی کہ لوگ ایک دوسرے پر اچانک حملہ کر دیتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی عادات کا پورا علم تھا۔ اسلئے ایسے اچانک حملوں سے بچنے کے لیئے سراغ رساں جماعتوں کا بھیجنا ضروری سمجھتے اور اس طرح قریش اور دیگر مخالف قوموں کی نقل و حرکت سے آگاہ رہتے تھے۔ اور ناظرین جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیا ہے اُنکو پتہ لگ گیا ہوگا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریق عمل سے بہت سارے موقعوں پر مسلمان تکالیف سے بچ گئے اور دشمنوں کی جماعتیں تتر بتر کر دی گئیں۔ الغرض قریش اور عرب کی

اور قوموں کی دشمنی جو اسلام اور مسلمانوں سے تھی۔ اسکے باعث یہ طریق عمل ضروری ہوگیا تھا۔ اور اگر مدینہ کے مسلمان ہمیشہ اپنی حفاظت نہ کرتے تو اسلام کے دشمن اسلام کو عرب کی سرزمین سے مٹا دیتے اور صرف چند حملے ہی مدینہ میں مسلمانوں کی تباہی کا موجب ہو سکتے تھے مگر چونکہ مسلمانوں نے چستی سے کام لیا اسواسطے ایسا نہ ہونے پایا۔ ان واقعات کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب کے سامنے ایک بڑا اہم کام تھا جسکی تکمیل کے لیئے آپ کو بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ انکی مدینہ کی زندگی ایک مسلسل جنگ کا زمانہ تھا اور کیونکر ہو سکتا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنکے حالات پیش آمدہ نے ہمیشہ چوکس رہنے پر مجبور کیا تھا اپنے ان تھک دشمنوں یعنی قریش سے بے خبر رہتے۔

بہت سے تجارتی رستے تھے جنپر قریش کی آمدورفت تھی اور ان میں سے ایک مدینہ سی مغرب کی طرف تھا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد قریش نے وہ رستہ اختیار کر لیا تھا جو قومیں اس رستہ پر مقیم تھیں۔ وہ قریش کی طرفدار تھیں۔ اب چونکہ قریش مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ اسواسطے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو قسم کے خطرات کا سامنا ہوا اوّل تو یہ راستہ ہی قریش کے مدینہ پر اچانک اور خطرناک صورت میں حملہ آور ہونیکے لیئے ایک عمدہ موقع دیتا تھا۔ اور مدینہ سے صرف دو تین منزل کے فاصلہ پر تھا۔ اور اگر مسلمان ایسے حملوں کے متعلق احتیاط نہ کرتے۔ تو مدینہ ان خونخوار دشمنوں کا شکار ہو جاتا۔ اور دشمن بھی ایسے کہ جنکا غیظ و غضب مسلمانوں کی ہجرت کی وجہ سے اور مدینہ میں انکی امداد ہونیسے اور بھی بھڑکا ہوا تھا اور یہ سب باتیں مسلمانوں کو معلوم تھیں۔ لیکن قریش کی ان کارروائیوں سے ایک اور بڑا خطرہ پیدا ہوا۔ وہ یہ کہ قریش عرب کی قوموں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ اور اگر یہ سب قومیں جنگ کے وقت قریش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف مل جاتیں جیسا کہ واقعی طور پر کئی قوموں نے کیا۔ تو یہ مدینہ کے مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کے لیئے ایک بڑی تکلیف کا موجب ہو جاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابوجہل ابوسفیان عکرمہ اور امیہ بن خلف جیسے خوفناک سرداران قریش ان کاروانوں کے ساتھ ہوتے۔ اور انکے ہمراہ ایک سو سے تین سو تک مسلح آدمی ہوا کرتے۔ پھر یہ سردار راستہ کی قوموں کو آسانی سے بھڑکا سکتے۔

اور اگر انکو یہ معلوم ہو جاتا کہ مسلمان چوکس نہیں ہیں تو کبھی ممکن نہیں تھا کہ وہ مدینہ پر قاتلانہ حملے کرنے سے باز رہتے۔ اب چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو خطروں کی انسداد کی فکر تھی۔ اسواسطے آپنے چھوٹی چھوٹی جماعتیں جنکی تعداد بعض دفعہ ۲۰ بیس اور بعض دفعہ ۳۰ تیس ہوتی تھی۔ باہر بھیجنی شروع کیں۔ اور ان جماعتوں کے بھیجنے سے یہ غرض تھی کہ قریش اچانک مدینہ پر حملہ نہ کر سکیں۔ جب قریش مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو رستہ پر دیکھتے۔ تو انکو معلوم ہو جاتا تھا کہ مسلمان غافل نہیں ہیں۔ ان جماعتوں کا کچھ ایسا رعب پڑتا تھا کہ دشمن ڈر جاتے۔ اور بعض اوقات آنحضرت صلعم بذات خود ان جماعتوں کے ساتھ جایا کرتے اور ان راستہ والی قوموں کے ساتھ معاہدہ کر لیا کرتے تاکہ قریش کے کہنے پر مسلمانوں پر حملہ نہ کریں۔ اور نہ ہی اہل مکہ کی طرفدار ہوں۔ ایک دفعہ آپنے ایک مہم میں جو غزوۂ ابواء یا غزوہ ودان کے نام سے مشہور ہے ایک امن کا معاہدہ قوم بنی ضمرہ سے کیا۔ اور یہ قوم پہلے قریش کی حامی تھی اور اس معاہدہ کے رو سے انہوں نے یہ اقرار کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کبھی نہیں لڑیں گے۔ اور نہ ہی ان لوگوں کی مدد کریں گے جو مسلمانوں کے مقابل ہتھیار اٹھائیں۔ نیز ایک غزوہ میں جو غزوۃ العشیرہ کے نام سے مشہور ہے اسی قسم کے معاہدے آپنے بہت سی قوموں کے ساتھ کیئے جو عشیرہ کے گرد و نواح میں رہتی تھیں۔ یہ تمام عہد نامے بدر کی لڑائی سے پہلے ہوئے **نخلہ کا معاملہ** اُن مہمات میں جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ کبھی کوئی کشت و خون نہیں ہوا۔ صرف ایک مہم میں ایسا ہوا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ یا سات آدمیوں کو باہر بھیجا۔ اور انہوں نے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ اور دو آدمیوں کو قید کر کے لائے۔ اس جماعت کے سردار کو جو ہدایت دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ دشمن کے متعلق خبر لائے اور اس جماعت کا کوئی اور کام نہیں تھا۔ اس سے پہلے مکہ کے ایک سردار کرز بن جابر نے مدینہ پر چھاپہ مارا تھا۔ اور مسلمانوں کے کچھ مویشی اور اونٹ جو کہ شہر سے کچھ فاصلہ پر چراگاہ میں چر رہے تھے لوٹ کر لے گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لٹیرے سردار کے پیچھے بدر تک گئے لیکن وہ بچ کر بھاگ گیا۔ اس مہم کے تھوڑی دیر بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ بھیجا۔ اور اسکو ایک

چٹھی دی جسکے متعلق یہ حکم تھا کہ دو دن کے سفر کے بعد اسے کھولے پھر اس کی ہدایتوں کے مطابق عمل کرے اور صرف اُن آدمیوں کو اپنے ساتھ لے جائے جو خوشی سے اس کے ساتھ جانا پسند کریں۔ جب اس نے چٹھی کو کھولا تو اسکو معلوم ہوا کہ اس نے نخلہ تک جانا ہے (یہ جگہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے) وہاں قریش کا انتظار کرنا پھر انکے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینا ہے۔ اس جماعت میں سے دو آدمیوں کے اونٹ راستہ میں گم ہوگئے۔ اور انکی تلاش کے لیئے وہ پیچھے رہ گئے باقی آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیئے آگے چلے گئے۔ چونکہ نخلہ مکہ کے ایک مشہور راستے پر واقع ہے۔ اسلیئے مسلمانوں کی جماعت اس راستے کے گرد و نواح میں انتظار کرنیسے قریش کے متعلق آسانی سے خبر حاصل کر سکتی تھی۔ اب ایسا اتفاق ہوا کہ رجب جو اشہر حرم میں سے ایک مہینہ ہے اسکے آخری دن میں انکو مکہ جاتا ہوا قریش کا ایک قافلہ ملگیا۔ چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انکو لڑائی کے متعلق کوئی حکم نہ تھا اسلیئے انہوں نے خود مشورہ کیا اور یہ امر قرار پایا کہ قریش پر حملہ کرنا چاہیئے۔ پس حملہ ہوا اور قافلہ کا ایک آدمی مارا گیا۔ اور دو قید ہوئے۔ اسکے بعد مسلمان دونوں قیدی اور غنیمت کا مال لیکر مدینہ کو واپس آئے۔

عیسائی معترض اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ معاذاللہ آنحضرت صلعم نے لوگوں کو باہر لوٹنے کی غرض سے بھیجا تھا۔ لیکن مفصلہ ذیل امور سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس جماعت کو بھیجنے سے لوٹ مار کا منشاء ہرگز ہرگز نہ تھا۔

(۱) اُس جماعت کے افراد کے لیئے یہ حکم تھا۔ کہ وہ ہدایات مندرجہ خط مذکور پر عمل کریں چٹھی کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ فترصد بها قريشا وتعلم لنا من اخبارهم جسکے یہ معنی ہیں۔ کہ قریش کی گھات میں رہو۔ اور ہمیں اُنکی خبر لادو (ابن ہشام) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس جماعت کا مدعا یہ تھا۔ کہ وہ پیغمبر خدا صلعم کی خدمت میں قریش کے متعلق خبر لاویں۔

میور نے چٹھی کے الفاظ کو تو نقل کیا ہے۔ مگر ارادتاً آخری الفاظ کو چھوڑ دیا ہے۔

یعنی یہ الفاظ کہ ہمکو انکی خبر لا دو' نہیں لکھے۔

(۲) اُس جماعت کے سرگروہ کو یہ حکم تھا کہ وہ صرف اُن لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاوے۔ جو خوشی سے جانا پسند کریں۔ وہ کسی ہمراہی کو اُسکی مرضی کے خلاف اپنے ساتھ نہ لے جاوے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مہم کا مدعا لڑائی یا لوٹ نہیں تھا۔ بلکہ اُسکا مدعا محض خبر لانا تھا۔ اس جماعت کے سردار کے پاس صرف سات یا آٹھ ہمراہی تھے۔ اور ان ہمراہیوں کو اختیار تھا۔ کہ جب چاہیں واپس چلے آویں۔ سردار کو حکم تھا۔ کہ وہ بہرحال فوراً نخلہ کو روانہ ہو جاوے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جماعت کی روانگی کی غرض صرف دشمن کے حالات کا پتہ لگانا تھا۔

میور لکھتا ہے کہ عبداللہ نے اُس حکم کو پڑھکر اپنے ہمراہیوں کو کہا کہ جو شخص واپس جانا چاہے چلا جائے۔ میں خود تو پیغمبر خدا صلعم کے حکم کی تعمیل میں آگے چلا جاؤنگا۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس جماعت کو قریش کے حالات کا پتہ لگانیکے لیئے بھیجا تھا۔ اور جیساکہ عیسائی معترض کہتے ہیں۔ کاروانوں کے لوٹنے کے لیئے ہرگز روانہ نہیں کیا تھا کیونکہ عبداللہ تنہا قافلہ کو لوٹ نہیں سکتا تھا ہاں قریش کی خبر لا سکتا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو قریش کے حالات کا پتہ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور آپنے عبداللہ کو اہل مکہ کی خبر لانے کے لیئے کیوں بھیجا تھا؟ پس اسکا جواب یہ ہے کہ بموجب روایت ابن ہشام جو چٹھی عبداللہ کے پاس تھی اسمیں قریش کی خبر لانے کی ہدایت تھی۔ اور قریش کے قافلوں کا مطلق ذکر نہ تھا۔ دوم اگر عبداللہ قافلوں کی خبر بھی لاتا تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ مدینہ سے اسقدر دور دراز فاصلہ پر ان قافلوں کو مغلوب کیا جاتا۔ جب تک حضرت عبداللہ کسی کارواں کی خبر پیغمبر خدا صلعم کی خدمت میں پہنچاتے اُس سے بہت عرصہ پہلے وہ قافلہ مکہ پہنچ سکتا تھا اگر کوئی کہے کہ اچھا مانا کہ کارواں پر حملہ کرنا اسکا مدعا نہیں تھا۔ تو پھر اس جماعت کے بھیجنے کی غرض کیا تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کو ایک تو قریش کے حملہ کا خوف تھا اور دوسرا خوف یہ بھی تھا کہ قریش اُن بت پرست قوموں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دینگے جو تجارت کے

راستوں کے آس پاس آباد تھیں یہ قبائل عموماً اہل مکہ کے طرف دار تھے۔ اور آنحضرت صلعم کو اندیشہ تھا کہ کہیں یہ سب قومیں ملکر مدینہ کے تھوڑے سے مسلمانوں کی مخالفت نہ ہو جاویں۔ اور آئندہ واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ آنحضرتؐ کا یہ خوف بالکل سچا تھا۔ اسی خوف کے باعث آنحضرت صلعم نے اُنہیں سے بعض قوموں سے معاہدے کیئے جو ملک شام کے تجارتی راستہ پر آباد تھیں۔ ان معاہدوں کے رو سے ان قوموں نے یہ اقرار کیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہرگز نہ لڑیں گے اور نہ ہی قریش کی مدد کریں گے۔ حضرت نبی کریم کو خوب معلوم تھا کہ قریش مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں اور حفظ ماتقدم کے طور پر ضروری تھا کہ دشمن کے حرکات و سکنات کے متعلق آپ پوری خبر رکھیں۔ اور ایسی خبروں کے معلوم کرنے کے لیئے آنحضرت صلعم چھوٹی چھوٹی جماعتیں باہر بھیجا کرتے تھے اور عبد اللہ کی جماعت بھی اسی قسم کی جماعت تھی جو ہدایت پیغمبر خدا صلعم نے عبد اللہ کو دی تھی اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جماعت کے باہر جانیکا مدعا کیا تھا۔

(۳) حملہ کرنیسے پہلے جو مشورہ اُس جماعت نے آپسمیں کیا اُس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ کی طرف سے حملہ کرنیکا کوئی حکم نہ تھا۔ وہ مدینہ سے شہر حرام میں روانہ ہوئی تھی جس میں لڑائی عام طور پر ممنوع ہے اگر لڑائی کی غرض سے اُنکو بھیجا جاتا تو فوراً یہ سوال پیدا ہوتا کہ شہر حرام میں لڑائی جائز ہے یا نہیں؟ اور ضروری تھا کہ وہ چلنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امر دریافت کر لیتے کہ اگر وہ قافلہ جسپر حملہ کرنے کے لیئے ہم جاتے ہیں شہر حرام کے اندر ملجائے تو کیا ہم اسپر حملہ کریں یا نہ کریں؟ اگر حضرت نبی کریم صلعم نے اُس جماعت کو لڑائی کیلیئے بھیجا ہوتا تو اُنکو آپسمیں مشورہ کرنیکی کیا ضرورت تھی؟

(۴) اُس جماعت کو کوئی زبانی ہدایتیں نہیں دی گئی تھیں جو ہدایتیں اُسکو دی گئی تھیں وہ صرف اُس چٹھی میں درج تھیں جو اُسکو مدینہ سے چلنے کے وقت دی گئی تھی اس مہم کے مدعا کا پتہ لگانے کے لیئے ضروری ہے کہ ہم صرف چٹھی کے مضامین تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھیں۔ کسی کو کیا حق ہے کہ کوئی ایسی غرض پیغمبر خدا صلعم کی طرف منسوب کرے جو اُس چٹھی سے ظاہر نہیں ہوتی؟ اس تحریری چٹھی سے صاف ظاہر ہے کہ اُس جماعت کا

مقصود قریش کے متعلق خبر لانا تھا اور لڑنا یا لُوٹنا ہرگز ہرگز مقصد نہ تھا۔

(۵) جب وہ مدینہ میں قیدی اور غنیمت کا مال لیکر پہنچے تو انکو معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا صلعم اُنپر سخت ناراض ہو گئے ہیں وجہ صرف یہ تھی کہ وہ قیدی اور غنیمت کا مال لیکر کیوں آئے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے عبداللہ سے یوں فرمایا "میں نے تم کو شہر حرام میں لڑائی کے لیے کب کہا تھا"۔ میور لکھتا ہے کہ عبداللہ اور اُسکے ہمراہیوں کو لوگوں نے بڑی ملامت کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عبداللہ نے آنحضرتؐ کے ایما سے قریش پر حملہ نہیں کیا۔ باوجود ان حالات کے پھر بھی یہ خیال کرنا کہ عبداللہ کو پیغمبر خدا صلعم نے قریش پر حملہ کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ پرلے درجہ کا جھوٹ ہے۔

ہم نے اب یہ دیکھنا ہے کہ عبداللہ کا طریق عمل جو کسی صورت میں پیغمبر خدا صلعم کے حکم کے ماتحت نہیں تھا۔ کہاں تک انصاف سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ بلا شبہ اُسکا طریق عمل سراسر انصاف پر مبنی تھا۔ مانا کہ اہل مکہ نے اسپر اعتراض کیا۔ مگر اعتراض کی وجہ یہ نہ تھی کہ عبداللہ کا فعل بذاتِ خود قابل اعتراض تھا۔ بلکہ وجہ یہ تھی کہ ایسا فعل شہر حرام میں کیوں کیا گیا۔ اہل مکہ کو معلوم تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر کوئی کم زیادتیاں نہیں کیں اس واسطے انہوں نے اپنے اعتراض میں یہ زور دیا کہ ایسا فعل ایسے پاک مہینے میں کیوں کیا گیا۔ عبداللہ بھی یہ کام نہ کرتا مگر قریش کی دشمنی نے اُسکو مجبور کیا۔ قریش نے اسلام کے ساتھ دشمنی کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا تھا مسلمانوں نے اپنے تمام حقوق کھو دیئے تھے مسجد مقدس سے نکالے گئے تھے اور اسی مسجد کی عزت کیواسطے یہ مہینے پاک سمجھے جاتے تھے۔ پس قریش اس پاک مہینے میں کسی حفاظت کے مستحق نہیں تھے۔ جو آیتیں اس معاملہ میں نازل ہوئی ہیں وہ سارے معاملہ کو صاف کر دیتی ہیں۔ یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه۔ قل قتالٌ فيه كبير۔ وصدّ عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند الله والفتنة اكبر من القتل ط ولا يزالون يقاتلونكم حتّى يردّوكم عن دينكم ان استطاعوا ط یعنی سوال کرتے ہیں تجھ سے حرمت والے مہینہ میں لڑنے

کے متعلق۔ تُو کہہ کہ اِس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے بند کرنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اُسکے لوگوں کو اُسمیں سے نکال دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے جو لڑتے جاویں گے تم سے یہانتک کہ پھیر دیں تمکو تمھارے دین سے اگر اُن سے ہو سکے۔

اب اہل مکہ کے ان افعال کو عبد اللہ کے فعل کے مقابلہ میں موازنہ کرو۔ اور دیکھو کہ کسکا پلہ بھاری ہے۔ پیغمبر خدا صلعم کو کتنی ہی تکلیف پیش آئی مگر آپنے کبھی کسی امر کے متعلق اجازت نہیں دی جب تک کہ خدا کی طرف سے کوئی حکم اسکے متعلق صادر نہ ہوگیا آپکے آخری الفاظ مفصلہ ذیل تھے۔

"مجھے خدا کی قسم مجھے کوئی شخص کسی معاملہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مَینے اپنے پاس سے کوئی حکم دیا ہے۔ مَینے وہی جائز کیا جسکی بابت خدا نے حکم دیا۔ اور مَینے انہی چیزوں کی ممانعت کی جو خداوند کریم نے اپنی کتاب پاک میں منع فرمائی ہیں" یہی وجہ تھی آپنے عبد اللہ پر ناخوشی ظاہر فرمائی کہ اس نے شہر حرام میں قریش پر کیوں حملہ کیا۔ عبد اللہ نے اجتہاد سے کام لیا اور اسکی رائے میں اُسے یہ فعل جائز معلوم ہوا لیکن چونکہ معاملہ خفیف نہ تھا اور پیغمبر خدا صلعم کو اسکے جواز کے متعلق کوئی وحی الٰہی نہ ہوئی تھی اس واسطے آپنے عبد اللہ پر ناخوشی ظاہر فرمائی۔ عیسائی معترض اپنی طرز کو بھولکر عبد اللہ کے طرز عمل پر کوئی اعتراض کریں تو کریں مگر آنحضرت صلعم کی ذات مبارک اس معاملہ میں تمام ذمہ داری سے بری ہے۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ دو قیدیوں میں سے ایک یعنی حکم بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا اگرچہ اسکو قید سے آزاد کر دیا گیا تھا تاہم اُسنے آنحضرتؐ کی خدمت سے علیحدہ ہونا پسند نہ کیا۔ اگر ان قیدیوں کو ظلم سے پکڑا جاتا تو یہ اسلام کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے چہ جائیکہ اُنمیں سے ایک ایسا مسلمان ہو جاتا کہ اُسنے پھر باوجود آزاد ہونے کے حضرت نبی کریم صلعم کی خدمت سے دُور ہونا گوارا نہ کیا۔ حکم کا ایمان اسقدر محکم ہوگیا تھا کہ آنحضرتؐ نے اُسکو واعظ مقرر فرمایا۔ اور وہ اُن ستر آدمیوں میں سے تھا جو نہایت بے رحمی سے بئر معونہ پر شہید کیے گئے۔

جنگ بدر جس بات کا پیغمبر خدا صلعم کو خوف تھا آخر وہی وقوع میں آگئی۔ قریش کے دس ہزار مضبوط سپاہی مسلمانان مدینہ کو نیست و نابود کرنیکے لیئے مکہ سے روانہ ہوئے اس فوج کے سپہ سالار قریش کے تمام سردار تھے۔ قریش کی اس فوج کے کوچ کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ مکہ میں یہ خبر پہنچی کہ مسلمان ایک مکہ کے قافلہ پر جو شام سے آرہا تھا حملہ آور ہوئے ہیں اور اسکا تعاقب کر رہے ہیں۔ جو شخص خبر لایا تو اسکے منہ سے یہ الفاظ نکلو "اے قریش! اے قریش!! تمھارے قافلہ کا تعاقب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کر رہا ہے۔ پس مدد کرو۔ مدد کرو" لیکن اس بات کے ثابت کرنیکے لیئے کہ اسوقت مسلمان کسی کا تعاقب نہیں کر رہے تھے بڑی مضبوط شہادت موجود ہے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے جس فاصلے پر بدر واقع ہے اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو سکتی ہے۔ مدینہ سے بدر تین دن کا سفر ہے اور مکہ سے بدر نو دن کا سفر ہے۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ جب مسلمان مقام بدر پر پہنچے تو قریش پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ پھر اس بات کو بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ مکہ کی فوج مسلمانوں کی فوج سے تعداد اور سامان میں بہت زیادہ تھی۔ مکہ والوں کو کوچ کی تیاری کرنے کے لیئے تین دن لگے اور چونکہ انکو راستہ میں معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ صحیح سلامت ہے اسواسطے انکی رفتار بھی سست ہونی چاہیئے تھی۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کا قریش کو بدر پر ملنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جب قاصد نے مکہ میں جا کر یہ خبر دی تھی کہ مسلمان قافلہ کا تعاقب کر رہے ہیں اسوقت مسلمان چپ چاپ مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ قریش کی فوج نے پہلے کوچ کیا۔ اور نصف فاصلہ کو وہ طے کر چکے تھے جبکہ مسلمانوں نے شہر کو چھوڑا۔ اب ان حالات کو دیکھکر اس تعاقب کی خبر کے جھوٹا ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اور جنگ کے وقت بسا اوقات ایسی خبریں اڑجایا کرتی ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جب قاصد نے مکہ میں تعاقب قافلہ کی خبر دی تو اسوقت قافلہ کا کوئی تعاقب نہیں ہو رہا تھا۔ ایک دوسری وجہ اس بات کے جھوٹا ہونیکی یہ بھی ہے کہ اگر مسلمانوں کا مدعا قافلہ پر حملہ کرنا تھا تو وہ مکہ سے شمال کی طرف جاتے تاکہ ملک شام سے آتے ہوئے قافلہ کو راستہ پر روک لیتے۔ اور مسلمان ہرگز جنوب کی طرف بدر کو نہ آتے۔ میور کہتا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم پہلے دو یا تین دن تک مدینہ

کو آنیوالی سیدھی سڑک پر چلے۔ لیکن صفرا پر پہنچکر مغرب کو بدر کی طرف تشریف لیگئے۔ بدر مکہ کے راستہ پر واقع ہے۔ مکہ کے ایک لٹیرے سردار کرز بن جابر کو آنحضرت صلعم نے بدر تک بھگایا تھا۔ اور اُحد کی لڑائی کے بعد ابوسفیان نے بدر کو آئندہ لڑائی کی جگہ مقرر کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ ہم آئندہ سال بدر کے مقام پر پھر ملیں گے۔ اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان لڑائی کا مناسب موقعہ بدر ہے۔ مسلمانوں کی فوج ٹھیک اُس طرف روانہ ہوئی جس طرف سے کہ مدینہ پر حملہ ہو سکتا تھا تاکہ اس حملہ کو روک سکیں۔ اور پھر قافلہ میں صرف تیس۳۰ یا چالیس۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت صلعم کو کیا ضرورت تھی کہ وہ اس تھوڑی سی تعداد کو مغلوب کرنیکے لیئے قریبًا اپنی ساری جمعیت کو ہمراہ لاتے۔

لیکن اس خبر کو سنکر کہ مسلمان قافلہ کو روکنا چاہتے ہیں ابوجہل اور دیگر سرداران قریش کو ایک موقعہ ہاتھ آگیا۔ اور اس طرح سے انہوں نے لوگوں کو اُکسایا۔ جو تیاریاں اُنہوں نے کیں اُس سے ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دینا چاہتے تھے۔ بیور کہتا ہے کہ ہر ایک آدمی کی یہ خواہش تھی کہ مسلمانوں کو تباہ کر دیا جائے۔ ہر ایک آدمی یہ چاہتا تھا کہ وہ اس فوج میں شامل ہووے۔ جو شخص فوج میں شامل نہیں ہونا چاہتا تھا اُسکو مجبور کیا جاتا تھا۔ اور بزدلی کا الزام لگا کر اُسکو اُکسایا جاتا تھا۔ چنانچہ کہا ہے کہ اُمیہ بن خلف جو کہ ایک فربہ شخص تھا کعبہ کے پاس اپنے دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اُس نے چلنے کی تیاری نہیں کی تھی۔ عقبہ اُسکے پاس ایک دھکتے ہوئے کوئلوں کی انگیٹھی بھر کر لایا اور کہا یا ابا علی استجمر فانما انت من النساء یعنی ان کوئلوں کو سینک کیونکہ تو ایک عورت ہے۔ اس تحقیر سے اُمیہ پر پورا اثر ہوا۔ اور فورًا لڑائی کے لیئے تیار ہو گیا جو لوگ نہیں جا سکتے تھے اپنے قائم مقام انہوں نے بھیجے۔ بڑی کوشش کی گئی کہ ایک کثیر التعداد فوج میدان میں جاوے اور اس سے مدعا یہ تھا کہ مسلمانوں کی جماعت کا جنہوں نے جاکر مدینہ میں پناہ لی تھی خاتمہ کر دیا جاوے صرف قافلہ کو بچانا اس فوج کا ہرگز مقصود نہ تھا۔ اگر صرف قافلہ کو بچانا مقصود ہوتا۔ تو چند سوار فورًا قافلہ کی حفاظت کے لیئے روانہ کیئے جاتے۔ اس قافلہ کی نسبت یہ کہا جاتا تھا کہ مسلمان بڑی تیزی سے

اسکا تعاقب کر رہے ہیں ۔ اگر صرف اس قافلہ کو بچانا ہی مقصود تھا تو اتنی بڑی فوج کی کیا ضرورت تھی ۔ جس نمائش سے یہ فوج مکہ سے باہر نکلی اس سے اسکا عندیہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے ۔ وہ فوراً مکہ سے باہر نہیں نکلے کہ جلدی سے جاکر قافلہ کو بچائیں بلکہ انہوں نے اس طرح کوچ کیا جیسا کہ کوئی زبردست لشکر اس ارادہ سے روانہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کمزور مخالف کو جاکر تباہ کرے ۔ اُنکے ساتھ ساتھ گانیوالی عورتیں تھیں جنکے پاس طبلے تھے اور یہ عورتیں فوجیوں کے سامنے گاتی تھیں جبکہ وہ چشموں پر ڈیرہ ڈالتے کون دانا ایسی فوج کو دیکھکر یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یہ کسی چھوٹے قافلہ کی حفاظت کے لیئے جارہی ہے جس میں خیر سے صرف چالیس آدمی ہیں ۔ مکہ سے قریش کے لشکر کے روانہ ہونے کی حقیقی اور اصلی غرض اُسوقت بخوبی ظاہر ہوگئی جبکہ راستہ میں لشکر والوں کو معلوم ہوگیا کہ قافلہ بالکل محفوظ ہے باوجودیکہ انکو یہ خبر مل گئی پھر بھی وہ آگے آگے ہی کوچ کرتے گئے یہانتک کہ بدر کے مقام پر پہنچ گئے جہاں مسلمانوں کی چھوٹی سی جمعیت کے ساتھ اُنکا مقابلہ ہوا ۔ جب قافلہ کے محفوظ نکل جانیکی خبر لشکر قریش میں پہنچی تو ایسے لوگوں نے جنکو لشکر کے ساتھ کوچ کرنیکے لیئے مجبور کیا گیا تھا اور جن کے آگے کوچ کی غرض یہ بیان کی گئی تھی کہ مسلمان قافلہ کا تعاقب کر رہے ہیں ۔ واپس جانے کی تجویز پیش کی مگر اُنکی آواز کو کون سنتا تھا ابوجہل اور دیگر رؤسا مکہ نے جنکی غرض مسلمانوں کو نابود کرنا تھی لشکر کو آگے کوچ کرنے کا حکم دیا ۔

قرآن شریف سے بدر کا قصہ بخوبی واضح ہوجاتا ہے ۔ عیسائی مورخ بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے دریافت کرنے کے لیئے اور اس زمانہ کے مسلمانوں اور کفار کی تاریخ معلوم کرنے کے لیئے قرآن شریف سے بڑھکر اور کوئی معتبر اور قابل وثوق ذریعہ نہیں ۔ چنانچہ میور اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "اسلام کی پیدائش اور اُسکے بانی کے حالات کی تفتیش کرنے کے لیئے قرآن شریف ایک صحیح کسوٹی ہے ۔ اس سے ہم آپ کی زندگی اور آپ کی سیرۃ کو اچھی طرح پرکھ سکتے ہیں اور قرآن مجید آپکے حالات کے لیئے ایک چابی کا کام دیتا ہے"۔

یہ ہے میور کی گواہی قرآن شریف کے متعلق۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ بدر کے متعلق قرآن شریف جو سب کے نزدیک ایک مسلم اور قابل اعتبار تاریخ ہے کیا فرماتا ہے چونکہ قرآن شریف کی شہادت یقینی ہے اسلیئے قرآن شریف کے بیانات سے جو صحیح نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ بھی قطعی اور یقینی ہونگے۔ اور کسی کو حق نہ ہوگا کہ اُنپر کوئی اعتراض کرے یا اُنکے قبول کرنے سے انکار کرے قرآن شریف بدر کے واقعہ کا ذکر کرتا ہوا فرماتا ہے۔ کما اخرجك ربك من بیتك بالحق وان فریقاً من المؤمنین لکارھون۔ یجادلونك فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون۔ واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمٰتہ ویقطع دابر الکافرین۔

یعنی جس طرح نکالا تجھکو تیرے ربنے تیرے گھر سے (یعنی مدینہ سے) ساتھ حق کے اور تحقیق ایک فرقہ مسلمانوں میں سے البتہ (جنگ کے لیئے نکلنا) پسند نہیں کرتے تھے۔ جھگڑا کرتے تھے تجھ سے اس حق بات میں بعد اسکے کہ حق ظاہر ہوا گویا کہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ (موت کو) دیکھتے ہیں۔ اور جب وعدہ کرتا تھا تم کو اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا یہ کہ وہ تمھارے لیئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ بن شوکت والا تمھارے لیئے ہو اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں (پیشگوئیوں) کے ذریعہ سے ثابت کرے اور کافروں کی جڑھ کاٹ دے۔

ان آیات سے مندرجہ ذیل امور صاف طور پر ثابت ہوتے ہیں۔ اوّل جب مسلمانوں کو کوچ کرنیکا حکم ہوا تو بعض انہیں سے مدینہ سے نکلنا پسند نہیں کرتے تھے اور وہ کفار کا مقابلہ کرنے سے ڈرتے تھے۔ اگر صرف قافلہ کو لوٹنا ہی اس کوچ کی غرض ہوتی تو بعض مسلمان اسقدر خوف زدہ نہ ہوتے۔ کیونکہ قافلہ کے ساتھ صرف ۳۰-۴۰ آدمی تھے اور اُنکو مسلمان بڑی آسانی سے مغلوب کر سکتے تھے۔ دوم۔ ان آیات میں دو جماعتوں کا ذکر ہے ایک اُنمیں سے وہ جماعت تھی جو قافلہ کی حفاظت کے لیئے اُس کے ساتھ تھی اور دوسری وہ فوج تھی جو مکہ سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے

کے لیئے نکلی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب اسلام کی جمعیت کو مدینہ منورہ سے باہر نکلنے کا حکم ہوا تو اُسوقت دونوں جماعتیں یعنی قافلہ کی محافظ جماعت اور قریش کی فوج دونوں موجود تھے۔ اور مدینہ سے نکلنے سے پہلے خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ دیا کہ ان دو جماعتوں میں سے ایک جماعت پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی اور مسلمانوں کو بھی اس وعدہ کی خبر تھی مگر چونکہ وہ ابھی بہت کمزوری کی حالت میں تھے اسلیئے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کفار کے لشکر جرار سے اُنکا مقابلہ ہو بلکہ وہ یہ پسند کرتے تھے کہ یہ موعودہ جماعت قافلہ کی جماعت ہو جنکو مغلوب کرنے میں اُنکو کوئی دقت نہ ہوگی کیونکہ وہ بن شوکت والی ہے۔ سوم۔ ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت صرف خدائے تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں نہ کسی لوٹ مار کی خواہش اور لالچ سے مدینہ سے روانہ ہوئی تھی۔ کیونکہ قرآن شریف فرماتا ہے اخرجك ربك من بيتك بالحق۔ یعنی تیرے رب نے تجھے تیرے گھر میں سے نکالا حق کے ساتھ۔ یعنی تو خدائے تعالیٰ کے حکم سے مدینہ سے روانہ ہوا۔ اور اس نکلنے کی غرض بھی قرآن شریف خود ہی بیان فرماتا ہے قرآن شریف کے رو سے آپ اور آپکے صحابہؓ حق کے ساتھ نکلے یعنی وہ کسی ظلم اور تعدی کے لیئے مدینہ سے نہیں نکلے تھے۔ بلکہ اُنکا نکلنا حق پر مبنی تھا اور اُنکے لیئے ضروری اور واجب تھا کہ وہ اُسوقت خروج کرتے۔ قرآن شریف صاف فرماتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی غرض اس میں یہ ہرگز نہ تھی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کریں بلکہ جب خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی (صلعم) کو نکلنے کے لیئے حکم دیا تو اُسکی غرض یہ تھی کہ خدا کا وعدہ پورا ہو اور کافروں کی جڑھ کاٹ دیجائے۔ قرآن شریف صاف فرماتا ہے ویرید الله ان یحق الحق بکلمتہ ویقطع دابر الکفرین لیحق الحق ویبطل الباطل ولو کرہ المجرمون یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنی باتوں کو پورا کرکے حق کو ثابت کرے اور (میدان جنگ میں مسلمانوں اور کفار کی مٹھ بھیڑ کراکر) کفار کی جڑھ کاٹ دے تاکہ دین حق کی سچائی ثابت کرے اور (کفار کے) باطل مذہب کا جھوٹا ہونا ظاہر کردے اگرچہ خدائے تعالیٰ سے قطع تعلق کرنیوالے (مجرم) کفار پسند نہ کریں۔ ان آیات سے دو باتیں

صاف طور پر معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ مسلمان خود بخود مدینہ سے نہیں نکلے تھے بلکہ خدائے تعالیٰ کے حکم سے نکلے تھے اور دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ نے اُن کو اس لیئے کوچ کرنیکا حکم نہیں دیا تھا کہ وہ قافلہ کو جا کر لُوٹ لائیں بلکہ اس لیئے حکم دیا تھا کہ کفار پر تباہی اور عذاب نازل ہونے کی پیشگوئی جو مکہ میں آپ نے بار بار اپنے مخالفین کو سنائی تھی وہ اب پوری ہو اور مسلمانوں کے ہاتھ سے کفار کے بڑے بڑے سردار اور مدبّر ہلاک ہوں اور اسی طرح کفار کی جڑھ کاٹی جاوے اور اسلام کا سچا ہونا اور بُت پرستوں کے معبودوں کا باطل ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو جاوے۔ اور ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مدینہ سے کوچ کرنیکے وقت کفار کی دو جماعتیں موجود تھیں ایک قافلہ کی جماعت دوسرے کفار مکہ کی فوج اور خدائے تعالیٰ کی غرض یہ تھی کہ اب مسلمانوں کی کفار سے مٹھ بھیڑ ہو اور کفار کے سرغنے اور ایک بڑا حصہ جماعت کفار کا مسلمانوں کے ہاتھ سے ہلاک ہو کر کئی پیشگوئیوں کو پورا کرے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مدینہ منورہ سے نکلنے کے وقت مسلمانوں کو یہ یقینی طور پر علم نہ تھا کہ ان دو گروہوں میں سے کس گروہ کے ساتھ اُنکا مقابلہ ہوگا۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بعض اُنمیں سے اپنی کمزور حالت کو دیکھ کر دل میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ موعودہ جماعت جنکے ساتھ اُن کا مقابلہ ہوگا وہ قریش کا لشکر نہ ہو بلکہ قافلہ ہو جنکا مغلوب کرنا اُنکے لیئے ایک آسان امر ہوگا۔ مگر قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات سے یہ پتہ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مصلحت کی وجہ سے مسلمانوں کو اس امر کا یقینی علم نہ دیا کہ اُنکا مقابلہ کس گروہ کے ساتھ ہوگا۔ اور اسمیں مصلحت یہ تھی کہ تا بعض کمزور مسلمان یہ سنکر کہ کفار قریش کے لشکر جرار سے اُنکا مقابلہ ہوگا پہلے ہی اپنے جی چھوڑ بیٹھیں اور اُنکی ہمتیں نہ ہار جائیں۔ ایسا ہی خدائے تعالیٰ نے اور بھی کئی ذرائع ایسے استعمال کیئے جنسے یہ غرض تھی کہ مسلمان اپنی ہمت کو نہ ہار دیں مثلاً جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں نے کفار لشکر کا صرف ۲/۳ حصہ دیکھا اور تیسرے حصہ کو بلندی سے پیچھے رکھکر اُنکی نظروں سے غایب رکھا تا کثرت فوج کو دیکھکر حوصلہ نہ توڑ دیں۔ مسلمانوں کو صرف اپنے سے دو چند آدمی دکھائی اور

اُن کو پہلے وعدہ دے چکا تھا کہ کمزوری کی حالت میں بھی مسلمان اپنے سے دُو چند کفار پر غالب آجایا کرینگے اسلیئے مسلمانوں نے ہمت کو نہ ہارا۔ وہ وعدہ جسکا میں نے ابھی ذکر کیا ہے مندرجہ ذیل آیات میں ہے۔ الئٰن خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفا فان يكن منكم مائة صابرة يغلبوا مائتين وان يكن منكم الف يغلبوا الفين باذن الله والله مع الصابرين یعنی اب تخفیف کی اللہ تعالیٰ نے تم سے اور جانا کہ تم میں ناتوانی ہے پس اگر ہوں تم میں سے سَو صبر کرنیوالے غالب آئیں گے دو سَو پر اور اگر ہوں تم میں سے ہزار غالب آویں دو ہزار پر اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں (استقامت والوں) کے ساتھ ہے۔

اس وعدہ کے مطابق جب مسلمانوں نے اپنے سے دُو چند تعداد دیکھی تو انکو تسلی ہوئی۔ خواب میں اور نیز مقابلہ کے وقت کم تعداد دکھانے کا ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں ہے۔ اذ يريكهم الله في منامك قليلاً ولو اراكهم كثيراً لفشلتم ولتنازعتم في الامر ولكن الله سلمؕ انه عليم بذات الصدور۔ واذ يريكموهم اذ التقيتم في اعينكم قليلاً ويقللكم في اعينهم ليقضي الله امراً كان مفعولاً۔ (انفال - ۵) جب تجھے خواب میں کافروں کو تھوڑے دکھاتا تھا اور اگر دکھلاتا تجھکو وہ بہت البتہ تم سستی کرتے اور جھگڑتے اس معاملہ میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سلامت رکھا۔ تحقیق وہ سینہ کی بات کو جانتا ہے۔ اور جس وقت دکھاتا تھا تمھیں تمھاری آنکھوں میں وہ کافر تھوڑے کر جب تم ملے اور تھوڑا دکھلاتا تھا تمکو اُنکی آنکھوں میں تاکہ اللہ تعالیٰ اُس کام کو جو اُس نے کرنا تھا پورا کر دے۔

جیسا خدائے تعالیٰ نے کافروں کو تعداد میں تھوڑا دکھا کر مسلمانوں کو ثابت قدم رکھا ایسا ہی فرشتوں کی مدد کا وعدہ فرما کر اُنکی حوصلہ افزائی کی چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم اني ممدكم بالف من الملئكة

مردفین - وما جعله الله الا بشریٰ ولتطمئن به قلوبکم وما النصر الا من عند الله - ان الله عزیز حکیم - جس وقت فریاد کرتے تھے تم پروردگار اپنے سے پس قبول کیا واسطے تمہارے یہ کہ میں مدد دونگا تمکو ہزار فرشتوں کے ساتھ پیچھے پیچھے آنیوالے - اور نہیں کیا اُسکو اللہ نے مگر خوشخبری اور تاکہ تمہارے دل اسکے ساتھ اطمینان حاصل کریں - مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے تحقیق اللہ غالب ہے حکمت والا -

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا بیان سے مندرجہ ذیل امور صفائی سے ثابت ہوتے ہیں -

ا - جب مکہ کی فوج مدینہ کی طرف کوچ کر رہی تھی اُسوقت کوئی مسلمان قافلہ کا تعاقب نہیں کر رہا تھا -

ب - مسلمانوں کی جمعیت قریش کے لشکر کے مکہ سے روانہ ہونے کے بہت دن بعد مدینہ سے نکلی -

ج - جب مسلمانوں کو نکلنے کا حکم ہوا تو بعض اُنہیں نکلنے سے خوف کرتے تھے -

د - جب خدائے تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو نکلنے کا حکم ہوا تو اس حکم کی غرض یہ ہرگز نہ تھی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کریں بلکہ خدا کا ارادہ اس حکم سے یہ تھا کہ قریش کے لشکر کے ساتھ جو بڑے جوش کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا مسلمانوں کا جنگ ہو اور قریش کی جڑھ جنگ میں کاٹ دیجاوے -

ھ - مدینہ سے نکلنے کے وقت مسلمانوں کو اس بات کا علم تھا کہ قریش کی فوج میدان میں نکل آئی ہے -

و - مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ حق کے ساتھ نکلیں - یعنی کسی تعدی اور ظلم کے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے اُسکے دین کی حفاظت کے لئے نکلیں -

ز - اگر صرف قافلہ کو لوٹنے کے لئے مسلمان خود بخود نکلتے تو انکو چاہیئے تھا کہ مدینہ سے شمال کی طرف جاکر شام سے آتے ہوئے قافلہ کو روک لیتے - مکہ کی سڑک پر کوچ کرتی

ضرورت نہ تھی۔ اور نہ یہ ضرورت تھی کہ اسقدر جمعیت اور تیاری کے ساتھ ایک فوج کی صورت میں ہوکر نکلتے۔

ح - جب اُنکو خدا کی طرف سے نکلنے کا حکم ہوا اور وعدہ دیا گیا کہ دو گروہوں میں ایک پر تم غالب ہوگے تو اُسوقت اُنہیں سے بعض نے دل میں قافلہ کی خواہش کی نہ اسلیئے کہ قافلہ سے لوٹ کا مال ملے گا بلکہ اسلیئے کہ دونوں گروہوں میں سے قافلہ غیرذات الشوکۃ تھا یعنی اُسکے پاس قوت اور شوکت نہ تھی اور اسلیئے اُنکے مقابلہ میں آسانی تھی اور کوئی خوف و خطر نظر نہیں آتا تھا۔ انہوں نے صرف لشکر پر قافلہ کو ترجیح دی اور خیال کیا کہ لڑنا تو ہے ہی کمزور گروہ کے ساتھ لڑائی ہو زبردست جماعت کے ساتھ مقابلہ نہ پڑے۔ پس انہوں نے قافلہ کی کمزوری کی وجہ سے اُسکو ترجیح دی نہ لوٹ کے مال کی وجہ سے۔

قریش کی غرض فوج کشی کرنے میں کیا تھی؟ یہ امر اُن حالات سے ظاہر ہوجاتا ہے جو میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ اُن حالات کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رؤسائے قریش کا اصلی مدعا مسلمانوں کو کچل دینا تھا۔ طرفین کے اغراض جس خوبی سے قرآن مجید بیان فرماتا ہے اُس سے بہتر کوئی بیان نہیں ہوسکتا۔ خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے الذین اٰمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت (النساء) یعنی مومن خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر بتوں کی راہ میں اور اُنکی حمایت میں لڑتے ہیں۔ پس یہ ہے قرآن شریف کی شہادت جسکی شہادت کو عیسائی بھی سب سے زیادہ قابل وثوق یقین کرتے ہیں۔ مسلمان نہ لوٹ مار کے لیئے بلکہ خدا کے حکم سے اُسکی راہ میں جنگ کرتے تھے اور قریش کی بھی اور کوئی غرض نہ تھی سوائے اسکے کہ وہ اسلام کو نابود کرکے اپنے بتوں کی حمایت کریں۔ یعنی کفار تو اسلام کو نابود کرنیکے لیئے جنگ کرتے تھے اور مسلمان اسلام کو کفار کے ہاتھ سے بچانے کے لیئے لڑتے تھے۔

اگر فرض بھی کرلیا جاوے کہ عیسائیوں کا اعتراض ٹھیک ہے اور مسلمانوں کی غرض مدینہ سے نکلنے میں اور کوئی نہیں تھی سوائے اسکے کہ وہ قافلہ کو لوٹیں۔ پھر بھی اس سے مسلمانوں پر کوئی الزام نہیں آسکتا اس امر سے تو عیسائی انکار نہیں کرسکتے کہ قریش مسلمانوں کے دشمن تھے۔

جو قومیں اُنکی تجارت کے راستہ پر رہتی تھیں اُنسے اُنکے دوستانہ تعلقات تھے علاوہ اسکے کعبہ کے پروہت ہونے کی وجہ سے اُنکو کل اقوام عرب میں ایک رسوخ حاصل تھا۔ اس لیئے قریش کے قافلے راستہ کے قبایل کو مسلمانوں کے برخلاف اُکساتے۔ نام کو تو وہ تجارت کے لیئے جاتے مگر تجارت کے بہانے سے ملک عرب میں ایک آگ لگاتے۔ ان قافلوں کی آمد و رفت مسلمانوں کے لیئے ایک خطرہ کا موجب تھی اور مسلمانوں کے لیئے ضروری تھا کہ اس خطرہ سے اپنا بچاؤ کرتے۔ اسی خطرہ سے بچنے کے لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قبایل کے ساتھ امن کے معاہدے کیئے تا وہ مسلمانوں کے برخلاف قریش کا ساتھ نہ دیں۔ پس اگر آپنے اس خطرناک آمد و رفت کو روکنے کیلیئے قافلہ پر حملہ کرنا چاہا تو یہ نہ صرف جائز کام تھا بلکہ امن قائم رکھنے کے لیئے اور اپنی جانوں کو بچانے کے لیئے سخت ضروری تھا۔ ان قافلوں کا مسلمانوں کے لیئے خطرناک ہونا خود میور کے بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ جب مسلمانوں کی چستی اور راستہ کے بدوی قبائل کے ساتھ امن کے معاہدے کر لینے کی وجہ سے قریش کو شام کی تجارت کے اس راستہ پر کامیابی حاصل نہ ہوئی جو مدینہ سے مغرب کی طرف واقع تھا اور اس راستہ کے قبائل کو وہ مسلمانوں کے برخلاف برانگیختہ نہ کر سکے تو انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا جو مدینہ سے مشرق کی طرف نجد کے علاقہ میں سے گذرتا تھا۔ اور اس راستہ کے قبائل کو مسلمانوں کے برخلاف برانگیختہ کرنے اور انہیں مسلمانوں کی دشمنی کی آگ بھڑکانے میں اُنکو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ ولیم میور اس امر کو قبول کرتا ہے وہ لکھتا ہے۔

”یہ راستہ سُلیم اور غطفان دو بڑے زبردست قبائل کے علاقہ میں سے گذرتا تھا۔ اور یہ دونوں قومیں قریش سے رسم اتحاد رکھتی تھیں۔ اور جزیرہ نما عرب کے وسط میں نجد کے میدان کے ایک حصہ میں آباد تھیں۔ اب قریش نے اس علاقہ کی طرف توجہ کی اور جو قومیں ان اطراف میں رہتی تھیں اُنکے ساتھ تعلقات بڑھانے شروع کیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے بعد بنی سُلیم اور بنی غطفان خصوصاً بنی سُلیم مسلمانوں کے سخت دشمن ہوگئے قریش کے اُکسانے سے اور ابوسفیان کے نمونہ کی پیروی کر کے انہوں نے

مدینہ پر لوٹ مار کے حملے شروع کیے اور لوٹ مار تو ایسی قوموں کا پیشہ ہی تھا" یہ ہے ولیم میور کا بیان جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان قافلوں کی آمد و رفت اسلام کے لیے سخت خطرناک تھی یہ با امن تجارت کے قافلے نہ تھے بلکہ یہ اسلام کے دشمن تھے جو تاجروں کے لباس میں اسلام کے برخلاف ملک میں عداوت کی آگ بھڑکاتے تھے - اور ایک باقاعدہ مسلح جماعت مدینہ پر حملہ کر کے اسقدر نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی جتنا کہ نام کے تاجر مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے تھے - میور خود اس بات کو قبول کرتا ہے کہ عرب کے ریگستان کے قبائل نے ان قافلوں کی ترغیب سے اور انکے نمونہ سے متاثر ہو کر مسلمانوں کو دکھ دینا شروع کیا - قریش ان قافلوں کی وساطت سے عرب کے ایک بڑے حصہ کو مسلمانوں کا خونی دشمن بنا کر مسلمانوں کی زندگی انپر دوبھر کر سکتے تھے اور انکو اسمیں بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی - تجارت کے اس راستہ پر جو مدینہ سے مغرب کی طرف واقع تھا قریش کو اس تدبیر میں چنداں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ اول تو مسلمان خود اس راستہ پر عین وقت پر آموجود ہوتے تھے دوسرے مسلمانوں نے قریش کے اس شر سے بچنے کیلیئے راستہ کے قبائل کے ساتھ امن کے معاہدے کر لیئے مگر تجارت کے اس راستہ پر جو مدینہ کے مشرق کی طرف واقع تھا قریش کو بڑی کامیابی ہوئی اور انہوں نے راستہ کے قبائل کو جو پہلے ہی لوٹ مار کے عادی تھے مسلمانوں کا جانی دشمن بنا دیا - اور انہوں نے متواتر مدینہ پر چھاپے مارنے شروع کیے اور مسلمانوں کو بار بار انکے حملوں کے دفعیہ کیلیئے اور انکی جماعتوں کو منتشر کرنیکے لیئے مدینہ سے نکلنا پڑا اور کئی جماعتوں کو یکے بعد دیگرے انکے فتنہ کو فرو کرنیکے لیئے روانہ کرنا پڑا ایک راستہ قریش کی تجارت کا خود مدینہ میں سے گذرتا تھا مگر انکی شر سے بچنے کیلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تشریف لاتے ہی مدینہ والوں سے معاہدہ کیا کہ مدینہ میں کسی دشمن کو جگہ نہ دیجاوے یہانتک کہ یہودی قبائل بھی اس معاہدہ میں شامل ہوئے اور عہد کیا کہ وہ کسی مکہ کے دشمن کو اپنے ہاں پناہ نہ دینگے اسلیئے قریش کے قافلوں کو یہ موقعہ نہیں مل سکتا تھا کہ وہ مدینہ میں سے گذر کر مدینہ والوں کو مسلمانوں کے برخلاف برانگیختہ کریں - غرض اسمیں کچھ شک نہیں کہ قافلوں کا وجود مسلمانوں کے لیئے بڑا خطرناک تھا اور وہ گویا ہاتھ میں آگ کے شعلے لیکر قوموں میں مخالفت کی آگ لگاتے تھے اسلیئے اگر آپ نے ان قافلوں کی آمد و رفت کو روکنا چاہا تو ایسا کرنا اپنے بچاؤ کیلیئے بالکل ضروری تھا - لیکن اگر عیسائی معترضین کو یہ ضرورت نظر نہیں آئی اور وہ دیکھ نہیں سکے کہ قافلوں کی آمد و رفت مسلمانوں کے لیئے ایک سخت خطرہ کا موجب تھی تو کم از کم انہیں یہ دیکھنا چاہیئے تھا کہ سب سے پہلے قریش نے مدینہ پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے تھے - اور مکہ کا

ایک سردار کرز بن جابر مدینہ کی چراگاہوں پر چھاپہ مار کر مسلمانوں کے بہت سے اُونٹ اور مویشی لُوٹ کر لے گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقام تک اُسکا تعاقب بھی کیا تھا مگر وہ بچکر نکل گیا۔ اور اگر عیسائی محققین کے نزدیک مکہ والوں کے ایسے چھاپے بھی اس امر کے مقتضی نہ تھے کہ آئندہ ایسے حملوں کو روکنے کے لیئے اُنسے انتقام لیا جاوے تو کم از کم معترضین کو چاہیئے تھا کہ وہ ان بے رحمیوں اور ظلموں کو ہی یاد کرتے جو مکہ میں قریش نے مسلمانوں پر کیئے جنکی وجہ سے آخرکار مسلمانوں کو اپنا شہر چھوڑنا پڑا اور مکہ والوں نے ہجرت کے وقت اُنکے مالوں کو بھی لُوٹا۔

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب مسلمانوں کی جمعیت کافی ہوگئی تو انہوں نے خود ہی جنگ کو چھیڑا اور قافلوں کو لُوٹنا شروع کر کے قریش کو اور دیگر عرب کے قبائل کو مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کریں اور اس طرح مسلمانوں نے خود لڑائی کو مول لیا۔ مگر یہ الزام سراسر غلط ہے۔ اس الزام کے دُور کرنے کے لیئے قرآن مجید کی ایک ہی آیت کافی ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے "فقاتل فی سبیل اللہ - لا تکلف الا نفسك وحرض المؤمنین - عسی اللہ ان یکف بأس الذین کفروا واللہ اشد بأسا و اشد تنکیلا- (النساء ۱۱۰) (ترجمہ) پس خدائے تعالیٰ کی راہ میں لڑ۔ نہیں تکلیف دی جاتی تجھے مگر تیری جان کی اور ایمان والوں کو رغبت دلا۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو بند کر دے اور اللہ تعالیٰ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے بند کرنے میں"۔ اس آیت میں لڑائی کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے لا تکلف الا نفسك یعنی لڑائی کرنا تیرا فرض ہے خواہ مومن جنگ میں تیرا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ اگر اور کوئی شخص تیرے ساتھ ملکر جنگ نہ کرے پھر بھی تجھے جنگ کرنا چاہیئے۔ ہاں مومنوں کو ترغیب دو تا وہ بھی ثواب میں شریک ہوں مگر اصل ذمہ دار تو ہی ہے۔ اگر جنگ کے آغاز کی بنا ر مسلمانوں کی تعداد ہوتی تو نبی کریم صلعم کو یہ حکم نہ ہوتا کہ اصل میں یہ حکم تیرے لیئے ہے۔ اور نہ خدائے تعالیٰ لوگوں کا محتاج ہے۔ دشمن کو ہلاک کرنے کے لیئے کسی فوج کی

اسکو ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ اسی آیت میں فرماتا ہے واللہ اشد بأسًا و اشد تنکیلا یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی شخص کی امداد کی ضرورت نہیں وہ خود بغیر کسی امداد کے بڑا سخت جنگ کر سکتا ہے اور عبرت انگیز عذاب دیکر مخالفین کو جنگ کرنیسے روک سکتا ہے پس آیت لا تکلف الا نفسک اس بات کی کافی تردید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے بھروسہ پر جنگ کیا۔ اسی لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی میدان جنگ سے نہیں ہٹے۔ اور اگر ساتھیوں نے پیٹھ دکھائی تو آپ میدان میں تنہا کھڑے رہے چنانچہ حُنین کے غزوہ میں جب مسلمان ایک مرتبہ ابتلا میں آکر پیچھے ہٹے تو آپ پیچھے میدان میں کھڑے ہوکر پکار رہے تھے انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔ یعنی میں نبی ہوں۔ اس میں کچھ جھوٹ نہیں اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ ایسا ہی غزوہ اُحد سے دوسرے دن جب آپنے ابوسفیان کے لشکر کے تعاقب کرنیکا حکم دیا تو آپنے فرمایا اگر تم میں سے کوئی بھی میرے ساتھ نہ گیا تو میں تنہا جاؤنگا یہ اسی حکم کی تعمیل تھی لا تکلف الا نفسک۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اُسوقت مسلمانوں کی جمعیت کافی ہوگئی تھی۔ اور وہ تعداد اور سامان کے لحاظ سے اس درجہ تک پہنچ گئے تھے کہ اپنے بے شمار دشمنوں کا جو کل عرب میں پھیلے ہوئے تھے مقابلہ کر سکیں۔ کل عرب تو کجا وہ اپنی طاقت کے لحاظ سے اس قابل بھی نہ تھے کہ صرف قریش کا مقابلہ کر سکیں جو لڑائی قریش نے مسلمانوں کے ساتھ کی اُن سب میں ہمیشہ قریش کا پلّہ بھاری ہوتا تھا اور بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ قریش غالب آئیں گے۔ میں اوپر قرآن شریف کی آیات نقل کر آیا ہوں جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ جب بدر کی لڑائی کے لیئے مسلمانوں کو مدینہ سے نکلنے کا الٰہی حکم ملا تو بعض انہیں خوف کے مارے پسند نہیں کرتے تھے کہ لڑائی کے لیئے نکلیں کیونکہ وہ اپنی جماعت کی کمزوری اور دشمن کی زبردست طاقت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ قرآن شریف اس امر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے وان فریقًا من المؤمنین لکارھون۔ (ترجمہ) اور البتہ مومنوں کی ایک جماعت (نکلنا) ناپسند کرتی تھی۔ یاد رہے کہ یہ لوگ جو دشمن کی زبردست طاقت کے خوف سے نکلنا

پسند نہیں کرتے تھے وہ منافق نہیں تھے بلکہ خدائے تعالیٰ انکو مومنوں کی ایک جماعت قرار دیتا ہے۔ مسلمانوں کی کمزوری کا خود دشمنوں کو بھی علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قریش کی فوج مکہ سے بڑی نمود کے ساتھ نکلی۔ اور گانیوالی عورتیں فوج کے ساتھ طبلے بجاتی ہوئی اور لڑائی کے گیت گاتی ہوئی آتی تھیں۔ یہ دھوم دھام اسی لیئے تھی کہ قریش کو یقین تھا کہ ہم فتح کے ساتھ واپس آئیں گے مدینہ کے مشرکین و منافقین اور یہود کو بھی یہی اُمید تھی کہ مسلمانوں کو ضرور شکست ہوگی اور وہ بڑی خوشی سے اس امر کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کی شکست کی خبر سنیں اور جب ایک مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر فتح کی خبر پہنچانے کے لیئے مدینہ کے قریب پہنچا تو دُور سے ان لوگوں نے اُسکو دیکھکر یہی خیال کیا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور یہ شخص اکیلا میدان جنگ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر بھاگ کر آرہا ہے۔ اور جب اُس نے یہ خبر دی کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی ہے تو پہلے پہل اُنہوں نے اس خبر پر یقین نہ کیا۔ قرآن شریف بدر کے مسلمانوں کی کمزور حالت کی خود شہادت دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے ولقد نصرکم اللّٰہ ببدر وانتم اذلۃ (آل عمران-۱۳) (ترجمہ) اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان پر تمکو مدد دی جبکہ تم قلیل التعداد تھے۔ یعنی تم میں کوئی طاقت نہ تھی اور دشمن کے مقابل میں تمھاری حالت سخت کمزور تھی مگر خدائے تعالیٰ نے اپنی تائید خاص سے تمھیں فتح عطا کی۔ قرآن شریف ایک اور مقام پر لڑائی کے ابتدا کے وقت مسلمانوں کی کمزور حالت کا نقشہ کھینچتا ہے واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاٰوٰکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبٰت لعلکم تشکرون۔ (انفال-۳) (ترجمہ) اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے تھے اور زمین میں تم ناتوان کیئے جاتے تھے تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمھیں اُچک نہ لیجاویں پس اللہ تعالیٰ نے تمکو جگہ دی اور اپنی مدد کے ساتھ تمھیں قوت دی اور تمکو پاکیزہ روزی دی تاکہ تم شکر کرو۔ یہ تھی حالت مسلمانوں کی جب بدر کی لڑائی ہوئی۔ اور اس سے زیادہ کوئی بات بیہودہ نہیں ہو سکتی کہ جب مسلمانوں میں طاقت پیدا ہوگئی تو انہوں نے خود بخود جنگ کو مول لیا۔ بلکہ اپنے

مال وجان وحرمت کی حفاظت کے لیئے انکو مجبوراً تلوار اُٹھانی پڑی امن سے بڑھکر اُنہیں کوئی چیز پیاری نہیں تھی۔ امن کی صورت میں وہ آرام سے زندگی بسر کرتے اور خود اسلام کے پھیلنے کے لیئے امن سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ مفید نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امن کے ایسے طلبگار تھے کہ جب ہجرت کے بعد چھٹے سال میں جب مسلمانوں کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی اور قریش کی قوت اور اقتدار گھٹ گیا تھا اور بڑے بڑے لیڈروں کے مارے جانے سے اُنکی حشمت جاتی رہی تھی ایسے وقت میں جب قریش نے حدیبیہ کے مقام پر مصالحت کے لیئے تحریک کی تو آپنے اُنکی ساری شرائط کو منظور کر کے اُنسے صلح کر لی اور اگرچہ وہ شرائط جنپر صلح کی گئی مسلمانوں کو بظاہر ایسی ہتک آمیز معلوم ہوتی تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جان نثار مسلمان بھی ابتلا میں پڑ گئے مگر آپنے اس امر کی کچھ پروا نہ کر کے مصالحت کر لی۔ مسلمان اپنی جانیں قربان کرنیکے لیئے بالکل تیار تھے اور صلح کی شرائط کی وجہ سے مارے غم کے مر رہے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح ایسی پیاری تھی اور اُس میں اپنی اسقدر کامیابی دیکھتے تھے کہ آنہوں نے کسی کی کچھ پروا نہ کی اور ہر ایک شرط کو جو قریش نے پیش کی منظور کر لیا تاکسی طرح صلح ہو جاوے۔ اس امر کو میور بھی تسلیم کرتا ہے کہ جیسے اسلام کی اشاعت کے لیئے امن مفید تھا ایسی کوئی چیز مفید نہ تھی۔ کیونکہ وہ صلح حدیبیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "در حقیقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (صلح کر کے) ایک بڑی کامیابی حاصل کی۔ دس سال کی صلح کا یہ بڑا فائدہ تھا کہ اسلام کو پھیلنے کا بڑا عمدہ موقعہ مل گیا اور واقعی اسلام (صلح کے ایام میں) بڑی جلدی پھیل گیا۔ اسلام کو موقعہ مل گیا کہ وہ اپنی تعلیم کو قریش کے دلوں میں داخل کر دے اور اُنکو اسلام کی صداقت کا یقین حاصل ہو"۔ پس اگر ہجرت کے چھٹے سال بعد صلح اسلام کی اشاعت کے لیئے مفید اور بابرکت تھی تو ابتدا میں جب مسلمانوں کی حالت نہایت ضعیف تھی اور اُنکو خوف تھا کہ کہیں ہمارے دشمن ہمیں اُچک کر نہ لیجاویں صلح کیوں مفید اور بابرکت نہ ہوتی۔ اور اگر اُنکو امن سے زندگی بسر کرنے کی اجازت دی جاتی تو کیوں وہ خوشی سے اُس کو قبول نہ کرتے۔

قرآن شریف کی ایک اور آیت سے بھی یہ امر کھل جاتا ہے کہ جب لڑائی شروع ہوئی تو اُسوقت مسلمانوں کی حالت کیسی کمزور تھی۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کتب علیکم القتال وھوکرہ لکم (بقرہ - ۲۶) (ترجمہ) یعنی تمپر جنگ فرض کی گئی ہے۔ اور وہ تمھیں ناپسند ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے خود بخود لڑائی کو نہیں چھیڑا بلکہ مجبورًا اپنی مرضی کے برخلاف کفار کے ظلموں سے تنگ آکر اُنکو لڑائی کرنی پڑی۔ مَیں اشاعت اسلام کے مضمون کے پہلے نمبر میں قرآن شریف سے یہ دکھا چکا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو لڑائی کا اُسوقت اذن دیا جب کہ کفار سے ابتداء ہو چکی تھی۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وھم بدؤکم اوّل مرۃ۔ یعنی تم کفار سے کیوں نہیں لڑتے؟ جبکہ ابتداء اُن کی طرف سے ہو چکی ہے۔ ایسا ہی مَیں مضمون مذکورہ بالا میں قرآنی آیات کے حوالہ سے یہ بھی دکھا چکا ہوں کہ مسلمانوں کو صرف ایسے لوگوں سے لڑنے کا حکم تھا جو اُنسے لڑیں۔ دوسروں سے لڑنیکا حکم نہ تھا بلکہ اُنسے نیک سلوک کرنیکا حکم تھا۔ اور لڑنے والوں سے بھی اُسی حد تک لڑنیکا حکم تھا جب تک وہ لڑائی جاری رکھیں اور اگر وہ لڑائی سے باز آجائیں تو مسلمانوں کو بھی حکم تھا کہ وہ بھی لڑائی چھوڑ دیں اور کفار کو اُنکی گذشتہ تعدیاں معاف کردیں۔ ان سب امور سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان صرف اپنے بچاؤ کے لیئے لڑتے تھے اور کبھی اُنکی طرف سے ابتداء نہیں ہوئی۔

اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع جنگ بدر کے وقت تعداد میں قلیل تھے مگر وہ سب وفادار آدمی تھے۔ مہاجرین تو اپنی وفاداری اور ثابت قدمی کا ثبوت پہلے ہی دے چکے تھے۔ انہوں نے طرح طرح کے عذاب برداشت کیئے اور آخر گھروں اور عزیزوں سے بھی جدا ہونا پڑا مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اگر مہاجرین جان نثار تھے تو انصار کی جان نثاری بھی کوئی کم حیرت انگیز نہ تھی۔ بدر پر قریش کا مقابلہ کرنیسے پہلے آپنے مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا۔ مہاجرین کی طرف سے حضرت ابوبکر وحضرت عمر اور حضرت مقداد بن عمر ورضی اللہ عنہم بولے۔ اور سب نے عرض کیا کہ آپ جہاں جائیں ہم آپکے ساتھ جانیں قربان کرنیکے لیئے تیار ہیں۔ حضرت مقدادؓ نے کہا یارسول اللہ

جہاں خدائے تعالیٰ آپ کو لیجاتا ہے آپ جائیں ہم آپکے ساتھ ہیں اور کہا واللہ لانقول لک کما قالت بنوا اسرائیل لموسیٰ اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون ولکن اذھب انت و ربک فقاتلا انا معکما مقاتلون - یعنی ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیتے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم نے اپنے نبی کو دیا تھا کہ تو اور تیرا رب جاکر لڑائی کریں ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا رب جائیں اور جنگ کریں - ہم تم دونوں کے ساتھ ملکر جنگ کریں گے۔ انصار کی طرف سے حضرت سعد بن معاذ بولے اور فرمایا کہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کو ہم صادق یقین کرتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ جو کچھ آپ لائے وہ سچ ہے اور ہم انصار نے آپکے ہاتھ پر عہد کیا ہے اور پختہ وعدہ کیا ہے اے اللہ کے رسول جہاں آپ جانا چاہتے ہیں آپ جائیں ہم سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا - اور کہا لعل اللّٰہ یریک منا ما تقربہ عینک فسر بنا علی برکۃ اللّٰہ - یعنی امید ہے کہ جنگ میں آپ ہم سے ایسی بات دیکھیں گے جس سے آپکی آنکھ ٹھنڈی ہوگی پس اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ آپ ہم کو لے چلیں - اپنی جماعت کے یہ جوابات سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا - سیروا و ابشروا فان اللّٰہ تعالیٰ قد وعدنی احدی الطائفتین واللّٰہ لکأنی الاٰن انظر الیٰ مصارع القوم - چلو - اور تمھیں بشارت ہو کہ خدائے تعالیٰ میرے ساتھ وعدہ کرچکا ہے کہ دو گروہوں میں سے ایک پر تجھے فتح دونگا - اور خدائے تعالیٰ کی قسم گویا میں اسوقت وہ جگہیں دیکھ رہا ہوں جہاں جہاں قریش کی قوم کے لوگ مارے جائیں گے۔

حضرت سعدؓ کا بیان خصوصاً قابل توجہ ہے - انہوں نے کہا کہ ہم آپکے ہاتھ پر عہد کرچکے ہیں اور پختہ وعدہ دے چکے ہیں اسلیئے ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہیگا - وہ اس بیان میں ایک عہد کا ذکر کرتے ہیں مگر وہ عہد کیا تھا - وہ عہد وہ تھا جو انصار کی ایک جماعت نے کل مسلمانانِ مدینہ کی طرف سے منا میں مقام عقبہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کیا تھا کہ دشمن کے حملوں سے ہم آپ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح ہم

اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں اسلیئے سعد بن معاذ کا اس موقعہ پر یہ بیان کرنا کہ ہم اپنے عہد کی وجہ سے پابند ہیں کہ آپکے ساتھ جائیں صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ جنگ دفاعی تھا اور دشمن کے حملے کو روکنے کے لیئے تھا مسلمانوں کی طرف سے بیجا حملہ نہ تھا کیونکہ جس عہد کا سعد ذکر کرتا ہے وہ یہ نہیں تھا کہ ہم تیرے ساتھ ملکر قریش پر حملے کیا کریں گے بلکہ یہ تھا کہ ہم اُنکے حملوں سے تجھے بچائیں گے پس معلوم ہوا کہ اب بھی مسلمان مدافعت کیلیئے جا رہے تھے نہ پیشدستی کے لیئے ورنہ سعد اپنے اُس عہد کا ذکر نہ کرتا جو انصار نے مقام عقبہ پر کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھروسہ محض خدائے تعالیٰ پر تھا۔ آپکے لیئے ایک بیت الدعا تیار کیا گیا تا آپ اُس میں اپنے خدا کے آگے دعا کریں جب لشکر سامنے آیا تو آپنے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی اللّٰھم ھٰذہ قریش جاءت بخیلھا و فخرھا جاءت تحاربک وتکذب رسولک۔ اللّٰھم انجزلی ما وعدتنی اللّٰھم انشدک عھدک ووعدک یعنی اے اللہ یہ قریش ہیں جو اپنے لشکر کے ساتھ بڑے فخر اور نمود سے آئے ہیں یہ تیرے ساتھ جنگ کرنیکے لیئے آئے ہیں اور تیرے رسول کی تکذیب کرنیکے لیئے۔ اے اللہ جو تُو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے اُسکو پورا کر۔ اے اللہ میں تجھے تیرا وعدہ اور تیرا عہد یاد دلاتا ہوں۔ اور نیز آپ بڑے الحاح سے دعا کرتے تھے اللّٰھم ان تھلک ھٰذہ العصابۃ لا تعبد فی الارض۔ یعنی اگر تُو نے اس میدان میں اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر زمین میں تیری عبادت کرنیوالا کوئی نہ ہوگا۔ ان دعاؤں سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ قریش کی طرف سے زیادتی اور پیشدستی تھی اور مسلمان مظلوم تھے۔ آپنے دعا میں فرمایا کہ قریش تیرے ساتھ جنگ کرنے کے لیئے بڑے فخر سے اپنے گھمنڈ میں آ رہے ہیں پس تُو اس چھوٹی سی جماعت کو بچالے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قریش صرف اسلام کی دشمنی کے لیئے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیئے آ رہے تھے۔ آپ کی عادت نہ تھی کہ آپ کسی کے لیئے بد دعا کرتے۔ طایف کے بُت پرستوں نے آپ کو اسقدر تکلیف پہنچائی کہ سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرشتے نے راستہ میں آکر عرض کی کہ آپ طایف والوں کے لیے بد دعا کریں

مگر آپنے نہ کی اور فرمایا لعل اللہ یخرج من اصلابھم من یعبدہ ولا یشرک
بہ شیئاً یعنی امید ہے کہ انکی پشت سے اللہ تعالیٰ ایسی نسل پیدا کریگا جو خدا کی عبادت کرینگے
اور شرک نہیں کرینگے مگر قریش سے آپ اب اسقدر تنگ آگئے کہ بدر کو آتے ہوئے راستہ
میں آپنے بعض قریش کے سرغنوں کے لیئے بد دعا کی کہ اے اللہ انکو زندہ نہ جانے دیجو
ابو جہل کی نسبت آپنے فرمایا کہ یہ اس اُمت میں فرعون کا قائم مقام ہے اس سے اندازہ
لگ سکتا ہے کہ ابو جہل اور اس جیسے دوسرے لیڈروں کو اسلام سے کیسی عداوت تھی
انکی عداوت اسلام کے ساتھ ایسی مشہور تھی کہ جب ابو جہل وغیرہ کے مارے جانے کی
خبر مدینہ میں پہنچی تو بچے بھی مدینہ کے کوچوں میں مارے خوشی کے اپنے کپڑوں میں پھولے
نہیں سماتے تھے اور کہتے تھے کہ اب اسلام کا دشمن ابو جہل مارا گیا۔

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فتح کی خوشخبری اپنے ساتھیوں کو سنا دی تھی اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم
میں اسوقت وہ مقامات دیکھ رہا ہوں جہاں جہاں قریش کے سردار اور دوسرے
آدمی مارے جائیں گے بلکہ آپنے بڑے بڑے لیڈروں کے قتل ہونیکے مقامات کا
نشان بھی ایک ایک کرکے دیدیا تھا اور آخر میں ہر ایک شخص اُسی جگہ قتل ہوا جہاں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان دیا تھا۔ لڑائی میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی
لڑائی شروع ہونیسے پہلے جب آپنے اُن بڑے بڑے آدمیوں کے نام سنے جو فوج کے
ہمراہ تھے تو آپنے اپنے صحابہؓ کو مخاطب ہوکر فرمایا ھٰذہ مکۃ قد القت الیکم افلاذ
کبدھا۔ یعنی مکہ نے تمھاری طرف اپنے جگر کے ٹکڑے پھینک دیئے ہیں۔ ان الفاظ
کا مطلب یہ تھا۔ کہ خدا نے مکہ کے بڑے بڑے لیڈر اور سردار اور چیدہ چیدہ آدمی اس لیئے
تمھاری طرف بھیجے ہیں تا تمھارے ہاتھ سے آج قتل ہوں اور ویقطع دابر الکافرین کا
خدائی وعدہ پورا ہو۔ آپکے دل میں اُسوقت وہ مکی پیشگوئیاں تھیں جنمیں شدید درجے
کے مخالفین کی ہلاکت کا وعدہ تھا اور جب آپنے کفر کے ارکین کے نام سنے جو اُسوقت
لشکر کے ساتھ آرہے تھے تو آپ کو یقین ہوا کہ اب وعدہ کا وقت آگیا اور اسی وعدہ کو

پورا کرنے کے لیئے خدائے تعالیٰ اُن اسلام کے دشمنوں کو گھروں سے نکالکر میدان میں بھیجا ہے۔ اور جیسا آپنے قبل از وقت فرمایا تھا ایسا ہی ہوا۔ ستر بڑے بڑے کافر قریش میں سے میدان میں مارے گئے اور قریباً اتنے ہی آدمی قید ہوئے۔ مقتولین میں ابو جہل بھی تھا جو کہ بدترین دشمن اسلام تھا گویا اُس زمانہ کا فرعون تھا اور جس کو اپنی عظمت کا اسقدر گھمنڈ تھا کہ اُسنے مرتے ہوئے کہا۔ ھل فوق رجل قتلتموہ کیا تم نے مجھ سے بڑھ کر کسی آدمی کو قتل کیا ہے؟ ایسا ہی عتبہ۔ ولید۔ شیبہ۔ اُمیہ بڑے بڑے سربرآوردہ قریش لڑائی میں مارے گئے۔ خدا کی تقدیر نے چن چن کر قریش کو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کرایا اور نہایت حیرت انگیز بات ہے کہ اکثر لیڈر قریش کے جو قوم کی روح و رواں تھے پکڑے گئے بعض مارے گئے اور بعض گرفتار کیئے گئے

جس جانفشانی سے مسلمان لڑے اُسکے دکھلانے کیلیئے معاذ کا نمونہ کافی ہے۔ جب لڑائی زور میں تھی تو معاذ کا بازو کاٹا گیا صرف تھوڑا سا چمڑا رہ گیا اب بازو اُسکے کندھے کے ساتھ لٹک رہا تھا اُس نے دیکھا کہ یہ لٹکتا ہوا بازو میرے لڑنے میں حارج ہے اُس نے اپنے پاؤں کو اُس بازو پر رکھ کر بازو کو کندھے سے الگ کرکے پھینک دیا اور اُسی طرح لڑتا گیا گویا کچھ بھی نہیں ہوا۔

ابولہب اس لڑائی میں شامل نہیں ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کی ہمشیرہ عاتکہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ قریش پر ایک سخت تباہی آنیوالی ہے اسلیئے اُس تباہی سے بچنے کے لیئے اپنی جگہ ایک اور آدمی بھیجدیا اور آپ لشکر کے ساتھ نہ آیا۔ مگر تقدیر جو کہ اسوقت مکّہ کے سرداروں کو چن چن کر مار رہی ہے اُس نے مکّہ میں بھی اُسے تلاش کرلیا اور جب قریش کی بھاگی ہوئی فوج جو اپنے سرداروں کو کھیت میں ہی چھوڑ آئی تھی مکّہ میں پہنچی تو اس سے پندرہ روز بعد ابولہب طاعون کے سخت پھوڑوں سے ہلاک ہوا اور اُس کے پھوڑوں کی وجہ سے اُس سے اسقدر بُو آتی تھی کہ کوئی شخص اُس کے نزدیک نہیں جاتا تھا دو تین دن اُس کا مردہ بغیر تدفین کے پڑا رہا آخر اُسکو کھینچ کر مکّہ کے ایک پرانے کوئیں میں پھینکدیا گیا اور پتھروں سے اُس کوئیں کو

بند کر دیا گیا۔

فتح بدر ایسا ہی عظیم الشان معجزہ تھا جیسا کہ فرعون اور اسکے لشکر کی تباہی صرف یہی نہیں کہ متکبروں کی ایک فوج جو کہ تعداد میں مسلمانوں سے ۳ چند تھی اور ساز و سامان میں مسلمانوں سے بڑھی ہوئی تھی ایک ایسی چھوٹی سی جماعت سے ہزیمت اٹھا کر بھاگی جنکو وہ ایک حقیر جماعت سمجھتے تھے اور جنکو انہوں نے طرح طرح کی اذیتیں دیکر اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر ایک دوسرے شہر میں جا کر پناہ لیں بلکہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ قریش کے بڑے بڑے سردار جو لشکر کے ہمراہ آئے تھے اکثر یا تو مقتول ہوئے یا گرفتار ہوئے اور جو خوشخبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے شروع ہونے سے پہلے اپنے ساتھیوں کو سنائی تھی وہ نہایت ہی روشن طور پر پوری ہوئی بلکہ جہاں جہاں آپ نے نشان دیئے تھے کہ فلاں شخص اس جگہ مارا جائیگا اور فلاں شخص اسجگہ مارا جائیگا ہر ایک اُن میں سے اُسی جگہ پر مرا ہوا پایا گیا نیز بدر کے دن وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو یسعیا نبی نے خدا سے الہام پاکر بیان کی تھی اور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے اور بدر کی لڑائی کا بالصراحت ذکر ہے۔ وہ پیشگوئی حسب ذیل ہے ”عرب کی بابت الہامی کلام عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے۔ اے ددانیوں کے قافلو! پانی لیکے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو! روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھکو یُوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ٹھیک ایک برس قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کی جو باقی رہی۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یُوں فرمایا“ عیسائی صاحبان اس پیشگوئی پر غور کریں۔ کسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اور پھر قیدار کی حشمت جاتے رہنے کی پیشگوئی بدر میں پوری ہوئی (قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا دوسرا بیٹا تھا اور قیدار سے یہاں مراد قریش

ہیں کیونکہ قریش حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں) اور کسطرح قریش کے بڑے بڑے بہادروں کے مارے جانے سے یہ الفاظ پورے ہوئے کہ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے۔ اس پیشگوئی میں عیسائیوں کے اس اعتراض کا بھی جواب ہے کہ زیادتی مسلمانوں کی طرف سے ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے متعلق خدا کا کلام جو یسعیاہ نبی پر نازل ہوا کہتا ہے "روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف رکھتے تھے اُسوقت خدائے تعالیٰ نے فرمایا۔ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً۔ فعصیٰ فرعون الرسول فاخذ ناہ اخذاً وبیلا فکیف تتقون ان کفرتم یوما یجعل الولدان شیبا (مزمل) تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے تم پر گواہی دینے والا۔ پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی پس پکڑا ہم نے اُسکو بھاری پکڑنا پس اگر تم بھی (فرعون کی طرح) کفر کروگے تو کس طرح بچوگے اُس دن جو لڑکوں کو بوڑھا کر دیگا۔ یعنی سخت عذاب کا دن ہوگا۔

اس آیت میں قریش کو صریح الفاظ میں سنایا گیا تھا کہ جیسا فرعون اور اُسکا لشکر ہلاک ہوا تھا اُسی رنگ کی سزا انھیں بھی ملے گی۔ پس ایسا ہی ہوا۔ جسطرح فرعون اپنا لشکر لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکلا تھا ایسا ہی ابوجہل جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرعون ہٰذہ الامہ کا خطاب دیا تھا مسلمانوں کی ہجرت کے بعد اُنکے تعاقب میں ایک لشکر جرار لیکر نکلا اور جس طرح فرعون اپنے ساتھیوں سمیت سمندر میں ہلاک ہوا اسطرح ملک عرب کا فرعون اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ ریگستان میں ہلاک ہوا۔ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے بڑھکر تھا۔ فرعون کے ساتھی سب چھوٹے بڑے ہلاک ہوئے اور اُنمیں سے کسی کو بھی ہدایت نصیب نہ ہوئی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ایک ایسا حصّہ جسمیں شدید

قسم کے عدو جنہوں نے ہلاک ہوا اور جو ہلاکت سے بچ رہے اُن سب نے بلا اکراہ انشراح صدر سے آخرکار اسلام قبول کیا۔ اور پھر اسلام کی طرف سے جہاد بھی کیا۔ یہ ایک ایسی فتح تھی جسکی نظیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا کسی نبی کے سوانح میں نہیں مل سکتی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن تو سمندر میں ہلاک ہوئے مگر آپکے دشمن خشکی میں غرق ہوئے۔

قرآن شریف کی بہت سی آیات میں سے ایک اور مکّی آیت جس میں فتح بدر کی پیشگوئی کی گئی تھی یہ ہے۔ وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منہا و اذاً لا یلبثون خلفک الا قلیلا۔ سنۃ من قد ارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا۔ (بنی اسرائیل) اور تحقیق نزدیک تھے کہ پھسلا دیں تجھکو اس زمین سے تاکہ تجھے اُس میں سے نکال دیں اور اسوقت (نکالنے کے بعد) نہ رہیں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑا عرصہ یہی معاملہ خدائے تعالیٰ کا اُن رسولوں کے ساتھ رہا ہے جو تجھ سے پہلے آئے اور تو ہماری عادت میں کوئی تغیر نہ پائیگا (یعنی تیرے نکالنے والے بھی تیرے بعد تھوڑا عرصہ ہی ٹھہرینگے کیونکہ یہی سنت اللہ ہمیشہ سے چلی آتی ہے) پس اس پیشگوئی کے مطابق ہجرت کے بعد جلدی ہی قریش مکّہ سے نکل آئے اور جنکے لیئے ہلاکت مقدر تھی بدر کے مقام پر ہلاک ہو گئے۔ ایک دوسری مکّی آیت جس میں بدر کے متعلق پیشگوئی ہے یہ ہے ویقولون متیٰ ھٰذا الوعد ان کنتم صٰدقین۔ قل لکم میعاد یوم لا تستأخرون عنہ ساعۃ ولا تستقدمون (سبا-۳) یعنی (کافر) کہتے ہیں کب یہ (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ کہ تمھارے لیئے وعدہ ہے ایک دن کا۔ نہ پیچھے رہوگے اُس سے ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھوگے۔ وہ مکّہ کے لیئے ایک سخت مصیبت کا دن تھا جب قتل کفار کی خبر شہر میں پہنچی مکّہ والوں کو ہلاکت کی خبر سنکر اسقدر صدمہ پہنچا کہ اُنکی زبانیں بند ہوگئیں اور ایک مہینہ تک اُن کا غم اُنکے سینوں کے اندر ہی بند رہا۔ ابوسفیان نے کہا اپنے مُردوں کے لیئے ماتم مت کرو اور اُنکی موت پر واویلا نہ کرو۔ اور کوئی شاعر اُنکی ہلاکت کا مرثیہ نہ پڑھے کیونکہ اس طرح تمہارا غصّہ ٹھنڈا ہوجائیگا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُس کے ساتھیوں کے ساتھ تمھاری عداوت گھٹ جائیگی۔ مَیں خود تو یہ قسم کھاتا ہوں کہ مَیں اپنی

بیوی کے قریب نہیں جاؤنگا اور نہ بالوں کو تیل لگاؤں گا۔ جبتک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جاکر پھر جنگ نہ کروں۔ قریش میں ایک بڈھا نابینا اسود نامی تھا اور اسکے دو بیٹے اور ایک پوتا لڑائی میں مارے گئے تھے۔ ایک رات اُسنے ایک عورت کے رونے کی آواز سُنی۔ اُسنے اپنے نوکر کو کہا جا دیکھ شاید قریش نے اپنے مُردوں پر رونا شروع کر دیا ہے۔ تاکہ مَیں بھی اپنے بیٹوں کے لیئے رولوں۔ غم نے میرے اندرونہ کو جلا دیا ہے۔ نوکر جواب لایا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے وہ اُسکے لیئے روتی ہے۔ اُسوقت قریشی بڈھے نے آہ بھر کر اپنے درد دل کا اظہار چند شعروں میں کیا جنکا مطلب یہ ہے۔ کیا وہ عورت اپنے اونٹ کیلیئے روتی ہے اور اُسکے لیئے نیند کو اپنی آنکھوں سے دُور کرتی ہے۔ اگر تم نے رونا ہی تو آؤ ہم بدر پر روئیں۔ عقیل کیلیئے روئیں۔ حارث کے لیئے روئیں جو شیروں کا شیر تھا الخ

ایک مہینہ تک بدر پر کوئی شخص نہ رویا۔ ایک مہینہ کے بعد قریش اپنے غم کو روک نہ سکے اور جب انہوں نے رونا شروع کیا تو سارا شہر ماتم کے آہ و نالہ کے ساتھ گونج اُٹھا۔ تمام شہر میں شاذ و نادر کوئی ایسا گھر تھا جو ماتم سے خالی ہو۔ قریبًا ہر ایک گھر کسی مقتول یا اسیر پر رو رہا تھا کیونکہ جیسا کہ عاتکہ نے خواب میں دیکھا تھا یہ ایک ایسا پتھر تھا جس سے کوئی گھر نہ بچا اور شاذ و نادر کوئی ایسا خاندان ہوگا جسمیں اُس پتھر کا کوئی ٹکڑا نہ گرا ہو۔ سب گھروں میں ماتم تھا مگر ایک گھر خاموش تھا۔ وہ ہندہ کا گھر تھا۔ جب اُس سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تو اپنے باپ عتبہ۔ اپنے چچے اور اپنے بھائی کیلیئے کیوں نہیں روتی تو اُسنے جواب دیا کہ مَیں نہیں روؤں گی جبتک کہ تم پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُسکے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کرنے کیلیئے نہ نکلو۔ اگر آنسو میرے سینے سے غم کو دھو سکتے تو مَیں بھی روتی مگر ہندہ کے غم اور درد کو کوئی رونا دُور نہیں کر سکتا۔ اُسنے بھی یہ قسم کھائی تھی کہ جبتک مکّہ والے پھر مسلمانوں پر چڑھائی نہیں کرینگے مَیں نہ تیل لگاؤنگی اور نہ خاوند کے نزدیک جاؤنگی

بدر کی لڑائی مکّہ والوں کے لیئے کیسا عذاب تھا یہ امر اُس صدمہ اور غم اور درد سے ظاہر ہو سکتا ہے جو مکّہ والوں کو پہنچا۔ جب قریش کے سرداروں کی لاشوں کو کھینچکر مسلمان ایک کوئیں میں پھینک رہے تھے تو اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اندرونی درد کا نہایت ہی رقت آمیز الفاظ میں اظہار کیا۔ آپنے اُن لاشوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بئس عشیرۃ النبی کنتم لنبیکم کذبتمونی

وصدقنی الناس واخرجتمونی وآدانی الناس وقاتلتمونی ونصرنی الناس

یعنی تم اپنے نبی کے لیئے بُرے رشتہ دار تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا۔ دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے اپنے شہر سے نکالدیا اور لوگوں نے مجھے جگہ دی۔ اور تم نے مجھ سے جنگ کی اور لوگوں نے میری مدد کی۔ یہ آپکے اُس دردِ دل کا اظہار تھا جو آپکو ان قریبیوں کی ہلاکت کو دیکھ کر پہنچا۔ ان الفاظ میں جو کسی بناوٹ پر مبنی نہیں تھے اس امر کی بھی صریح شہادت ہے کہ جنگ کی ابتدا قریش کی طرف سے تھی اور مسلمان مظلوم تھے۔ اور جب ان سرداروں کی لاشیں کوئیں میں پڑی ہوئی تھیں تو آپنے اُن وعدوں کو یاد کر کے جو خدائے تعالیٰ نے مکہ میں کیئے تھے اُن لاشوں کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فانی وجدت ما وعدنی ربی حقا۔ جو کچھ تمھارے ربنے تم سے وعدہ کیا تھا کیا تم نے اُس وعدے کو سچا پایا ہے میں نے تو اپنے رب کے وعدہ نصرت کو سچا پایا ہے۔

عجیب بات ہے کہ جس طرح دوسرے آئمۃ الکفر کی لاشیں کوئیں میں ڈالی گئیں ابولہب کی لاش بھی مکہ میں بوجہ بدبودار ہونیکے کوئیں ہی میں پھینک دیگئی۔ ابولہب نے پیچھے رہ کر ہلاکت سے بچنا چاہا تھا مگر حیرت اور عبرت کی جگہ ہے کہ وہ نہ صرف ہلاکت سے نہ بچ سکا بلکہ جیسی قبر اُسکے دوستوں کو ملی ایسی ہی قبر اُسکے حصہ میں بھی آئی خدائے تعالیٰ کے فرشتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمنوں کو خوب چن چن کر عذاب سے حصہ دیا۔ ستر قیدیوں میں سے صرف دو کو جو سب سے زیادہ سخت اور قتل کے مستحق تھے مار ڈالا گیا باقیوں کے ساتھ جیسا سلوک کیا گیا اُسکے متعلق میور کی شہادت کو پڑھو میور ایک قیدی کے بیان کو اس طرح نقل کرتا ہے۔ "رحمتیں ہوں مدینہ والوں پر۔ وہ آپ پیادہ چلے اور ہمیں سوار کیا۔ ہمیں گیہوں کی روٹی دی جب گیہوں کی سخت قلت تھی اور آپ کھجوروں پر گذارہ کرتے تھے" اگر مسلمان قریش کے ہاتھ میں قید ہوتے تو قریش اُنکے ساتھ کیسا سلوک کرتے یہ خبیب اور اُسکے ساتھی زید کے قصے سے واضح ہو سکتا ہے جنکو سخت بیرحمی سے قتل کیا گیا۔ بعض اوقات قریش کے خیر خواہوں نے مسلمانوں کی جماعتیں کی جماعتیں قتل کر دیں۔ مگر عیسائی ایسے ظالم ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے قریبی قریش کے خون کا پیاسا بیان کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی کہ اسیروں سے نہایت ہی عمدہ سلوک کیا جاوے۔ بہت سے اسیر فدیہ لینے کے بعد رہا کیئے گئے۔ اور جنکے پاس کچھ بھی نہ تھا اُن کو بغیر معاوضہ کے رہا کر دیا گیا۔ مگر چونکہ ان اسیران قریش کو بہت عرصہ مسلمانوں کے ساتھ رہنے اور ان کے حالات کے مطالعہ کرنیکا موقعہ ملا اس لیئے کئی اُنمیں سے مسلمان ہو گئے۔ یہ تھا اثر اسلام کا اُن لوگوں پر جو قریب ہو کر اُسکو دیکھتے تھے حتیٰ کہ دشمن بھی دوست ہو جاتے تھے۔ ان لوگوں کی عملی شہادت کے مقابل میں عیسائیوں کے بیانات کو ہم کیا کریں جو اتنے فاصلے سے تعصب کے چشمے چڑھا کر اسلام پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

مدرسہ۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ موسمی تعطیلات کے بعد یکم ستمبر سے کھل گئے ہیں۔ جناب مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی کی کوشش اور محنت اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنا نیک نتیجہ دکھلا رہی ہے۔ اور بہت سے نئے طلبا راسوقت بھی داخل ہو رہے ہیں مولوی صاحب موصوف ہر قسم کے انتظامی اور تعلیمی نقصوں کے دُور کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں انکی مخلصانہ کوششیں جو لڑکوں کی دینی و دنیوی تعلیم۔ انکی تربیت۔ انکے اخلاق۔ انکی جسمانی صحت کے لیئے وہ کر رہے ہیں امید ہے کہ بہت جلد اس مدرسہ میں ایک امتیازی رنگ پیدا کر دیں گی۔ اور وہ وقت دُور نہیں کہ اس مدرسہ کی رونق اور اسکے نیک نتائج قوم کے اندر خود بخود یہ تحریک پیدا کریں کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ہی نہیں بلکہ تعلیم الاسلام کالج کی سخت ضرورت ہے۔ مگر مدرسہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہمارے احباب کو اپنی کوششوں میں بھی جو اس مدرسہ کو کامیاب اور بارونق بنا سکتی ہیں ترقی کرنی چاہیئے۔ بچوں کی اصلاح کا عمدہ وقت کم سنی کا زمانہ ہوتا ہے جب انکے دل بالکل صاف ہونیکی وجہ سے ہر ایک قسم کے اثر کو قبول کرنیکے لیئے تیار ہوتے ہیں ایسے وقت میں اگر سعید فطرت کے بچوں کو نیک صحبت میسر آجائے اور انکی تربیت عمدہ ہو اور اخلاق اور نیکی کی محبت انکے دل میں جگہ پکڑ جائے تو پھر خدا کے فضل سے زمانہ کے فسادوں کا کوئی اثر انپر نہیں ہو سکتا۔ پس ہمارے احباب اگر اپنے بچوں کی زندگی میں اسجگہ کی تعلیم کے نیک نتائج کو دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ چھوٹی عمر میں بچوں کو یہاں بھیجیں۔ یہ بالکل غلط خیال ہے کہ چھوٹی عمر کے بچوں کا ماں باپ سے علیحدہ ہو کر دل نہیں لگتا۔ بلکہ جسقدر دیر سے انہیں علیحدہ کیا جائیگا اسیقدر مشکلات انکے علیحدہ کرنے میں ہونگی۔ اور ہمارے بورڈنگ ہوس میں تو اسوقت بھی بہت سے چھوٹی عمر کے بچے موجود ہیں جو عملی طور پر اس غلط خیال کی تردید کر رہے ہیں۔ انسان کے بچے کو جہاں رکھا جائیگا۔ وہیں اسکے لیئے دلچسپی اور دل لگی کے سامان موجود ہو جاتے ہیں۔

بورڈنگ ہوس۔ اسی خیال کو مدِ نظر رکھکر انجمن نے ضرورت سمجھی ہے کہ بورڈنگ ہوس کا

ایسا انتظام کیا جائے جو گو کسیقدر خرچ کی زیادتی کا باعث ہو مگر اس سے لڑکوں کی خارج از وقت مدرسہ تعلیم۔ اور انکے چال چلن کی پوری نگرانی ہو سکے۔ معمولی بورڈنگ ہوسوں میں کسی ایک یا دو مدرسین کو کچھ الاؤنس دیکر بورڈنگ ہوس کی نگرانی کا کام لے لیا جاتا ہے۔ لیکن ایسے ادھورے انتظام سے ہماری اغراض پوری نہیں ہو سکتیں۔ پس ایک پورے وقت کے سپرنٹنڈنٹ اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کے علاوہ جنکے ذمہ بورڈران کے ہر ایک قسم کے اخراجات کی نگرانی علاوہ تمام انتظامی نگرانی کے، ہے تین پرائیوٹ خصوصیت سے تعلیمی نگرانی کے لیئے مقرر کیئے گئے ہیں۔ جو بورڈنگ ہوس میں مدرسہ کے وقت سے علاوہ انکے ہر ایک مضمون کی پڑھائی کرائیں گے تاکہ جو سبق وہ روزانہ مدرسہ میں پڑھتے ہیں انہیں گھر میں تیار کریں یا دوہرائیں یا جو کام اُستاد گھر میں کرنیکے لیئے دیتے ہیں انہیں پورا کرکے لیجائیں۔ امید ہے کہ یہ انتظام جو بالفعل انجمن نے چھ ماہ کے لیئے امتحاناً جاری کیا ہے بہت مفید ثابت ہوگا۔ اور اس صورت میں یہ مستقل کر دیا جائیگا۔

مدرسہ احمدیہ میں بورڈنگ ہوس کا انتظام اور لڑکوں کی نگرانی تربیت وغیرہ کا انتظام مدرسہ انگریزی کی طرح ہی ہے۔ مگر تعداد طلبار بہت تھوڑی ہے اور قوم میں دینی تعلیم پھیلانیوالوں کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔

عید فنڈ۔ اگلے رسالہ کے نکلنے سے پہلے عید الفطر ہو چکی ہوگی۔ اس موقعہ کے لیئے دو امور کی یاد دہانی ضروری ہے۔ اول یہ کہ ماہ رمضان صدقات کا مہینہ ہے۔ مساکین ویتامیٰ کی ایک معقول تعداد کی پرورش تعلیم اور تربیت انجمن کے ذمے ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح کو اس بات سے بہت صدمہ ہوتا ہے کہ کسی مستحق امداد کی درخواست آئے اور وہ رد کیجائے مگر روپیہ کی کمی اس امر کے لیئے مجبور کر دیتی ہے۔ لہٰذا ذی استطاعت احباب اس ماہ مبارک میں ان مساکین ویتامیٰ کا خصوصیت سے خیال رکھیں۔ دوسرے عید فنڈ کا مقررہ روپیہ ہر ایک دوست سے وصول کرنیکا انتظام جملہ انجمنیں پہلے سے کریں۔ اس فنڈ کے روپے میں ابتک ترقی نہ ہونیکی وجہ سوائے اسکے کچھ نہیں کہ سب احباب اور انجمنیں اسکی طرف پوری توجہ نہیں کرتے۔

اشاعت اسلام - جلسہ مہوتسو والے لیکچر کے انگریزی ترجمہ اور دوتین اور رسالوں کے لیئے گذشتہ ماہ میں تحریک کی گئی تھی - جملہ انجمنوں کے کارکنوں کی خدمت میں یاددہانی کے لیئے پھر اسکا ذکر کیا جاتا ہے کہ تین ہزار روپے کی فراہمی کے لیئے بہت جلد کوشش کیجاوے - ریویو کی ایڈیٹری کے متعلق یہ خیال صحیح نہیں کہ جو کام پہلے صرف ایڈیٹر کرتا تھا اب وہی کام ایک اسسٹنٹ کو ساتھ بڑھاکر ہو رہا ہے اور اگر کچھ زیادتی ہے تو صرف سکرٹری شپ کے ٹوٹے پھوٹے اور ادھورے کام کی - انجمن کا سکرٹری اگر اس بات کے پیچھے پڑے کہ ہر ایک غلط خیال کی جو انجمن کے متعلق کسی نہ کسی ذریعہ سے جماعت میں پھیلایا جاتا یا پھیلانیکی کوشش کیجاتی ہے تردید کرے تو اسے اپنے وقت کے ایک قیمتی حصہ کو ضائع اور بہت سے اوراق کو سیاہ کرنا پڑے گا ہاں بعض وقت جب ایک غلط فہمی کا اثر دور تک پہنچتا ہو تو ایسے خیالات کی تردید کی ضرورت پڑ جاتی ہے - اور سال گذشتہ میں خود حضرت خلیفۃ المسیح کو انجمن کے متعلق بہت سے اعتراضات کا ذب کرنا پڑا تھا - اشاعت اسلام میں سو روپے ماہوار کا خرچ بڑھنے کے ساتھ ایک اہم کام کا سرانجام دینا بھی بڑھایا گیا ہے اور وہ ہے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ - اور پھر اسکے علاوہ ٹریکٹوں کی اشاعت بھی ہے ترجمہ ایک ایسا کام ہے جو سالوں کی محنت چاہتا ہے - اور مجلس معتمدین نے سب مشکلات کا اندازہ کرکے اس کام کو ہاتھ میں لیا ہے - اسکی تکمیل کی توفیق دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے گو اس کا اعلان پہلے بھی ہو چکا ہے - مگر ضرورتاً یہ چند لفظ پھر لکھنے پڑے -

بجٹ کئی جگہ سے واپس آرہا ہے - اور امید ہے کہ ۵ ستمبر کو دوسری مرتبہ مجلس معتمدین میں پیش ہو کر یکم اکتوبر سے عملدرآمد کے لیئے پاس ہو جائیگا - جہاں جہاں سے اسوقت تک رائیں پہنچ چکی ہیں انجمنوں نے ان جملہ قومی ضرورتوں کو محسوس کیا ہے جو بجٹ میں پیش کی گئی تھیں - بروئے قاعدہ نمبر ۲۰ قواعد شاخہائے صدر انجمن احمدیہ بجٹ کا آخری منظوری سے پہلے کانفرنس انجمنہائے احمدیہ میں پیش ہونا ضروری تھا - مگر چونکہ کانفرنس دسمبر سے پہلے نہیں ہو سکتا - اور بجٹ کا اختتام ستمبر سے پہلے

منظوری حاصل کرنا ضروری ہے اسلیئے ۵ ستمبر کے اجلاس مجلس معتمدین میں قاعدہ مذکورہ نمبر ۲۰ کی بجائے ذیل کا قاعدہ منظور کیا گیا ہے۔

"کانفرنس انجمنہائے احمدیہ بجٹ منظور کردہ مجلس معتمدین اور سالانہ رپورٹ اور دیگر امور پر (جو مجلس معتمدین کانفرنس میں پیش کرے گی) غور اور بحث کرے گی اور آمد کے وسائل سوچے گی اور جو امور کانفرنس میں پاس ہوں گے انکے جسقدر جلدی ممکن ہو سکے عملدرآمد میں لانے کی کوشش کرے گی۔"

کانفرنس انجمنہائے احمدیہ کی حالت ابتک ایک ابتدائی حالت رہی ہے۔ مگر امید ہے کہ اس سال سے قومی دلچسپی کے اہم معاملات اور اہم قومی اغراض (جنکا اعلان بروئے قاعدہ مرمہ مذکورہ مجلس معتمدین پہلے سے کریگی) باقاعدہ کانفرنس میں پیش ہوا کریں گے۔ تاکہ احمدیہ انجمنیں اغراض سلسلہ میں پورا حصہ لینے کے قابل ہو جائیں۔ مگر یہ غرض اسوقت تک پوری نہیں ہو سکتی جبتک جملہ انجمنیں اپنے نظم ونسق کو قواعد کے مطابق نہ بنادیں۔ اگر کوئی انجمن کسی معاملہ کو کانفرنس میں پیش کرنا چاہے تو اسکی اطلاع ۱۵۔ اکتوبر سے پہلے پہلے دفتر صدر انجمن احمدیہ میں دینی چاہیئے تاکہ مجلس معتمدین کی منظوری حاصل کر کے اسکا باقاعدہ اعلان دیگر انجمنوں کی آگاہی کے لیئے کیا جاوے۔

تعمیر کا کام شروع کرنیکے لیئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک وفد احباب کی خدمت میں حاضر ہو۔ غالباً ۱۵۔ اکتوبر یعنی رمضان کے بعد یہ وفد نکل سکے گا۔

کتاب اظہار حق:۔ سکھ مذہب کے پیروؤں میں شائع کرنیکے لیئے ایک بہت مفید کتاب ہے اگر انجمنیں اسکی تھوڑی تھوڑی کاپیاں منگواکر تقسیم کریں تو اشاعت اسلام کا یہ ایک نہایت مفید کام ہوگا۔ اگر کوئی انجمن قیمتاً نہ منگوا سکتی ہو تو مفت اشاعت کے لیئے درخواست آنے پر امید ہے صدر انجمن منظور کرلے گی۔ بہرحال جہاں جہاں انجمنیں ہیں یا جو ذی وسعت احباب انجمنوں سے علیحدہ اور دور ہیں وہ سب کوشش کریں کہ اس کتاب کی اشاعت حتی الوسع جلدی ہو جائے۔

(سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)

گوشوارہ جمع خرچ خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۹ء

اشاعت اسلام

اعانت	اردو	انگریزی	ضمیمہ	متفرق	بک ڈپو	کرایہ	میزان	بقایا گذشتہ	کل	عملہ	طبع	سایر	ٹکٹ	متفرق	اسباب	انتظامی اخراجات	میزان	باقی
۲۵۰ مالصہ ۱۱ر ۹ پائی	مالوسہ ۱۰ر ۶ پائی	امامعہ ۵ر	عہ ۸ر	مومعہ ۱ر	مہ ۱ر ۳ پائی	لعہ	لعماسہ ۵ر ۶ پائی	للعماموسہ ۷ر ۹ پائی	صمہ عہ ۱۳ر ۳ پائی	مالہ لہ	للولعہ ۱۴ر	عسہ ۱۴ر ۹ پائی	سہ	لہ مہ ۳ر ۳ پائی	مالہ مہ ۸ر	صہ	۸۲۰ لاغسہ ۱۱ر	للعم مالعہ ۲ر ۳ پائی

تعلیم

فیس مدرسہ	فیس بورڈنگ	چندہ مدرسہ	عید فنڈ	میزان	بقایا گذشتہ	کل	عملہ	سایر	انتظامی	متفرق	کرایہ	میزان	باقی
سہ ۱۴ر ۶ پائی	ہے ۷ر	اماللعہ ۱۲ر ۳ پائی	للعہ ۱۳ر ۱ پائی	امالعہ ۱۵ر ۶ پائی	اماللوسہ ۳ر ۷ پائی	لعمامللعہ ۳ر ۱ پائی	ماعہ ۷ر ۹ پائی	عسہ ۱۳ر	ماللعہ	للوعہ ۱ر ۶ پائی	موعسہ ۱۵ر ۶ پائی	مالہ عہ ۵ر ۹ پائی	معماعسہ ۱۳ر ۴ پائی

مقبرہ بہشتی

حصہ آمد	حصہ جائداد	فروخت جائداد	آمد اراضی	متفرق	کرایہ	میزان	بقایا	کل	دفتر مقبرہ	باغیچہ	مساجد	واعظین	انتظام جائداد	انتظامی اخراجات	کل	باقی
للعہ ۱۳ر ۳ پائی	سامہ للعہ ۸ر	مالہ ر	للعہ	عہ ۹ر	معہ ر ۶ پائی	سمامعہ ۱۴ر ۹ پائی	معما ۹ر ۱ پائی	السامعہ ۷ر ۱۰ پائی	صہ	عہ	ہے ۱۲ر ۳ پائی	عہ ۱ر ۶ پائی	موللعہ ۳ر	عا ۸ر	ماللوسہ ۸ر ۹ پائی	المالہ عسہ ۱۵ر ۱ پائی

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ | بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۹ء | نمبر ۱۰

فہرست مضامین

آریہ سماج کے اصول ۳۶۱ - ۳۶۷

تصحیح ۳۶۷

اشاعت اسلام ۳۶۷ - ۳۹۰

وید ۳۹۰ - ۳۹۶

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ ۳۹۷ - ۴۰۰

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- اکتوبر ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے عار طلبا سے عہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آریہ سماج کے اصول

رسالہ ویدک میگزین کی ایک گذشتہ اشاعت میں ایک مضمون نکلا ہے جس کا عنوان ہے "آریہ سماج کی مذہبی حیثیت" اس مضمون کے اثنا میں مضمون نویس آریہ سماج کے دس اصولوں کا ذکر کرتا ہے جنکی نسبت وہ فخریہ کہتا ہے کہ مذہبی دنیا میں ایسے دس اصول کبھی قائم نہیں کیئے گئے باوجود اس فخر کے آریہ سماج کے اصولوں میں ایک ایسی کمی ہے جس سے کہ وہ تمام اصول بدنما ہوجاتے ہیں آریہ سماج کے اصولوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا خدا نہ خالق ہے نہ عفو کرنیوالا ہے اور نہ ہی رحم کرنیوالا ہے ان دس اصولوں میں سے دوسرا اصول یہ ہے ایشور سچدانند سروپ (مجسم راستی) نراکار (اشکال سے پاک) سروشکتیمان (قادر مطلق) نیاکاری (منصف) دیالو۔ اجنما (پیدائش سے مبرا) انت (لا انتہا) نروِکار (غیر محیط) انادی (ازلی) انوپم (بے مثل) سروآدھار (سب کا سہارا) سروایشور (سب کا مالک) سرو دیاپک (حاضر و ناظر) سروانتریامی (عالم کل) اجر (لازوال) امر (نہ مرنیوالا) ابھے (نہ ڈرنے والا) نت (ابدی) پوتر (پاک) اور سرشٹی کرتا (صانع) ہے۔

پرمیشور کی صفات بہت سی شمار کی گئی ہیں لیکن اُسکے غفور رحیم ہونے کا کوئی ذکر نہیں ناظرین یہ خیال کرینگے کہ یہ ایک صرف بلا ارادہ فروگذاشت کا نتیجہ ہے مگر فی الواقع ایسا نہیں یہ صفات ارادتاً چھوڑ دیئے گئے ہیں چونکہ آریہ سماج والے مسئلہ تناسخ کے قائل ہیں اسواسطے انکو یہ صفات چھوڑنے پڑے آریہ سماج کے عقائد کے بموجب خدا انسان کا ایک

گناہ بھی نہیں بخش سکتا بلکہ اُنکے عقائد کے بموجب ضروری ہے کہ انسان گناہ کی سزا میں بلی یا چوہے یا کسی اور جانور کا جنم لے ایک آریہ خدا کے حضور میں اپنے گناہوں کی معافی کے لیئے دعا نہیں مانگ سکتا کیونکہ اُسکا خدا کوئی گناہ خواہ کیسا ہی صغیرہ ہو معاف نہیں کرسکتا چاہے کتنی عاجزی سے ایک آریہ اپنے پرمیشور کے حضور میں عفو کیلیئے دعا کرے آریہ سماج کا خدا اُسپر کوئی رحم نہیں کرے گا یہی وجہ ہے کہ عفو اور رحم کی صفات ویدکے خدا کی صفات میں مذکور نہیں ہیں۔

یہ کہ عفو اور رحم کی اوصاف اعلیٰ درجہ کی اوصاف ہیں آریہ سماج والے بھی اس بات کو جانتے ہیں کیونکہ وہی مضمون نویس دھرم کی دس صفات میں عفو کی صفت کو دوسرے درجہ پر رکھتا ہے لیکن گو عفو خود آریہ سماج والوں کے نزدیک ایک اعلیٰ درجہ کی صفت ہے مگر آریہ سماج کا خدا اس صفت سے محروم ہے وہ مضمون نویس یہ بھی مانتا ہے کہ انصاف بلا رحم ایک بڑی سخت چیز ہے اور یہ کہ رحم انصاف کو معتدل کردیتا ہے لیکن افسوس ہے کہ وید کے خدا کا انصاف رحم سے معتدل نہیں ہوتا آریہ سماج کے عقیدے کے مطابق انسان عفو کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہونا چاہیئے۔ لیکن پرمیشور کو ایسی صفات سے متصف نہیں کیا جاتا۔ خداوند کریم کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک عاجز گنہگار پر کوئی رحم نہیں کرتا۔ اور نہ اُسکا کوئی گناہ بخش سکتا ہے۔ خواہ وہ گناہ کیسا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اور گنہگار اسکی معافی کے لیئے کیسی ہی عاجزی سے دعائیں کیوں نہ کرے۔

اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک معمولی آریہ سماجی کے اخلاق پرمیشور کے اخلاق سے بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ ایک سماجی میں وہ اوصاف حمیدہ موجود ہیں جو پرمیشور میں موجود نہیں ہیں۔

اب اسکے مقابل میں قرآن شریف کی تعلیم کو دیکھو۔ قرآن کریم کی پہلی ہی آیت میں لکھا ہے کہ خداوند کریم رحمٰن اور رحیم ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے گناہ معاف کرنیکے لیئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ رحمٰن کے معنے ہیں محض اپنے لطف سے نہ کسی کے عمل کی

پاداش میں جانداروں کی ہستی اور انکے اعمال سے پہلے سامان رحمت میسّر کرنیوالا - رحیم کے معنے ہیں نیک عملوں کی نیکتر جزا دینے والا - اور رحم کرنیوالا پرمیشور کی صفات میں آریہ سماج کے عقائد کے بموجب صفت خالقیت بھی شامل نہیں ہے - پرمیشور کو دنیا کا بنانیوالا مانا جاتا ہے اُسکو دنیا کا خالق نہیں مانا جاتا - آریہ سماج کے عقائد کے مطابق پرمیشور کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتا - وہ صرف موجودہ مصالح کو جوڑ جاڑ سکتا ہے - اس طرح بھی اُسکی طاقت ایک آدمی کی طاقت کے مشابہ ہے - جیسا کہ ایک آدمی بلا مادہ کے کوئی چیز نہیں بنا سکتا اسی طرح سے آریہ سماج کا خدا بھی بلا روح اور مادہ کے کچھ نہیں بنا سکتا - یہ ضروری ہے کہ روح اور مادہ پہلے پرمیشور کے پاس موجود ہوں تب وہ کچھ بنا سکتا ہے - عفو اور رحم کی صفات میں تو انسان خدا سے بڑھ کر ہے اور چیزوں کے بنانے میں انسان خدا کے برابر ہے - جیسا کہ انسان کوئی چیز نہیں پیدا کرسکتا ایسا ہی آریہ سماج کا پرمیشور بھی کوئی چیز نہیں پیدا کرسکتا - اس طرح آریہ سماج والے پرمیشور کو اُسکی ایک نہایت بڑی صفت سے معزول کرتے ہیں - صفت خلق اگر پرمیشور میں نہ ہو تو پرمیشور پرمیشور ہی نہیں ہوسکتا -

آریہ سماج کے عقائد کے مطابق مادہ اور ارواح پرمیشور کی طرح ازلی اور ابدی ہیں - لیکن یہ سمجھ نہیں آتا کہ روح اور مادہ پرمیشور کے ماتحت کیسے ہوگئے - کیا خدا نے اُنکو مغلوب کر لیا جیسا کہ کوئی بادشاہ کسی قوم کو مغلوب کر لیتا ہے - یا خود ارواح اور مادہ نے خدا کو اپنا مالک مان لیا ہے جسکا حکم اب اُن کو ماننا پڑتا ہے؟ اس سوال پر آریہ سماج والوں کو ضرور سوچنا چاہیئے -

نامہ نگار مذکور الصدر آریہ سماج کو ایک مشنری جماعت قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ تبلیغ کرنا ہی اسکا کام ہے اور یہ بھی لکھتا ہے کہ اسی وجہ سے آریہ سماج کو مباحثوں میں حصّہ لینا پڑتا ہے - لیکن آریہ سماج کے مباحثے بدزبانی میں مشہور ہیں - اور یہ بدزبانی خود آریہ سماج کے اصول کا ثمرہ ہے - نامہ نگار کے بیان کے

بموجب آریہ سماج کا فرض ہے کہ "وہ موجودہ برائیوں کی بڑی سختی اور تلخی کے ساتھ بیخکنی کرے" اور اُسکو یہ بھی خوف ہے کہ گورنمنٹ آریہ سماج کی سختی کو روکنے کے لیئے ضرور مداخلت کرے گی مگر وہ آریہ سماج کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے فرض پر قائم رہے اور گورنمنٹ کی مداخلت کی پروا نہ کرے۔ کیونکہ اگر آریہ سماج نے اس راہ کو چھوڑ دیا تو عیسائی لوگ اس راہ کو اختیار کر لینگے۔ نامہ نگار مذکور اس بات کی تشریح نہیں کرتا کہ اگر عیسائی مشنری اُس راہ کو اختیار کرلیں جبکہ آریہ سماج خود قدم مار رہی ہے تو اس میں کونسی خرابی ہے۔ کیوں عیسائی اُس نیک کام کو اختیار نہ کریں جو آریہ سماج نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آریہ سماج غیر مذاہب کے لوگوں سے حسد رکھتی ہے اور اُنکو نفرت اور کینہ کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان موجودہ مذاہب کو نامہ نگار "موجودہ برائیوں" کے نام سے یاد کرتا ہے یہ امر دوسرے مذہب والوں کے لیئے بدقسمتی کا موجب ہے کہ "موجودہ برائیوں" یعنی موجودہ مذاہب کی تردید ایسے آدمیوں کے سپرد ہوئی ہے جنکی بے لگام زبانیں.... دیگر مذاہب کے مقدس لوگوں پر بیجا حملے کرنے میں بڑی تیز ہیں۔ وہ نہایت دریدہ دہنی سے مسلمانوں مسیحیوں اور پُرانے ہندوؤں کے مقدس بزرگان دین کو گالیاں دیکر آریہ سماج کی شاباش حاصل کرتے ہیں۔ اور اُنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بُرائی کو جڑھ سے کاٹتے ہیں دوسرے مذاہب کے لوگوں نے سماج کی خدمت میں بارہا عرض کی کہ ان دریدہ دہن بے باک پرچارکوں کو لوگوں کی دل آزاری سے روکیں لیکن سماج نے اِن لوگوں کی درخواست پر کبھی توجہ نہیں کی۔ اور اُسکے پرچارک دوسرے مذاہب کے لوگوں کی دل آزاری اپنی بے لگام زبان کے ساتھ کرتے رہے ہیں لیکن تھوڑا عرصہ ہوا کہ ان واعظین میں سے بعض نے خود سماج پر بھی حملے کرنے شروع کیئے اب سماج کو معلوم ہو گیا ہے کہ ان لوگوں کی زبان سے لوگوں کو کیسا دُکھ پہنچتا ہے اب اُسکی آنکھیں کھل گئی ہیں اور بعض خیر خواہان سماج نے یہ شور مچایا ہے کہ

ان واعظین کو اس دشنام دہی کے پلید طریق سے روکا جائے مضمون زیر بحث کا لکھنے والا آریہ سماج کے واعظوں کی نسبت حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے "آریہ سماج کے بعض تازہ مشکلات بعض بے باک مباحثین اور ان گھڑ معلمین کی بے سمجھی کی تحریروں کا نتیجہ ہیں اور سماج کا فرض ہے کہ وہ آئندہ ایسے ذلیل لوگوں اور ان گھڑ ہرزہ درائی کرنیوالوں کو روکے" یہی واعظ جنکا اوپر نقشہ کھینچا گیا ہے اب تک مسلمانوں عیسائیوں اور عام ہندوؤں کی دل آزاری کرتے رہے ہیں لیکن سماج کے کسی ممبر نے ان ان گھڑ منہ زور واعظوں کو کبھی نہیں روکا اور اُسوقت ہوش آیا جبکہ انکی تحریروں سے خود سماج میں ایک طوفان پیدا ہوگیا۔ روکنا تو کجا ان واعظین کے جاہلانہ حملے جو وہ غیر مذاہب پر کرتے تھے آریہ سماج کی طرف سے تحسین کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور جن لوگوں کے خلاف یہ حملے ہوتے تھے اُن میں کثرت سے شائع کیے جاتے تھے آریہ سماج کی تازہ تکلیفیں باقی دنیا کے لیئے بڑی مفید ثابت ہونگی اگر اُنسے یہ نتیجہ پیدا ہو کہ آریہ سماج والے اپنے ان گھڑ واعظوں کو آئندہ ہرزہ درائی سے روکیں ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه۔ ترجمہ حدیث شریف کا یہ ہے تم میں سے کوئی آدمی مسلمان کہلانیکا مستحق نہیں جب تک کہ وہ اپنے دوسرے بھائی سے وہی سلوک پسند نہ کرے جو اپنے لیئے پسند کرتا ہے یہ اصول آریہ سماج والوں کے لیئے واجب التعمیل ہے اگر وہ اپنے واعظوں کے زہریلے تیروں سے آپ بچنا چاہتے ہیں تو اُنکو چاہیئے کہ وہ اپنے واعظوں کو یہ بھی اجازت نہ دیں کہ وہ دیگر مذاہب کے لوگوں پر بیجا حملے کریں اصل میں گناہ ان ناتجربہ کار معلمین کا نہیں ہے بلکہ یہ آریہ سماج کا قصور ہے جنھوں نے موجودہ برائیوں کے دفعیہ کے لیئے ناجائز سختی کا طریق قائم کر رکھا ہے اُنکے نزدیک موجودہ برائیوں کے معنے موجودہ مذاہب ہیں اور ان برائیوں کے دفعیہ کے لیئے تلخی اور سختی کا جو دستور العمل آریہ سماج والوں نے

مقرر کر رکھا ہے اُس سے غیر مذاہب والوں کو کافی زخم پہنچ چکے ہیں۔ اس خطرناک دستور کو آریہ سماج نے اپنے بانی پنڈت دیانند سے لیا ہے۔ جونکتہ چینی پنڈت دیانند نے اسلام اور عیسائی مذہب کے متعلق کی ہے۔ اسکو ہر ایک آدمی پڑھکر کانپ اُٹھتا ہے ان اَن گھڑ واعظین آریہ سماج نے جو حملے دیگر مذاہب پر کیئے ہیں وہ اُن حملوں سے بڑھکر نہیں جو کہ آریہ سماج کے بڑے بڑے لیڈروں نے دیگر مذاہب پر کیئے ہیں۔ کیا اس مضمون زیر بحث کا لکھنے والا بتلا سکتا ہے کہ ان اَن گھڑ واعظین میں سے کسی نے دیانند اور لیکھرام سے بڑھکر دشنام دہی سے کام لیا ہے اور یہ ہر دو پنڈت حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے مطابق مرے۔ موجودہ واعظین اپنے معزز لیڈروں کے قدم بقدم چل رہے ہیں اور جب تک دیانند اور لیکھرام کی کتابیں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہونگی تب تک آریہ سماج والے ایسے رویہ سے باز نہیں آویں گے۔ سماج کے مذکورۃ الصدر ناپاک اصول کے ساتھ قرآن کریم کے احکام کا اگر مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہو جاویگا کہ قرآن شریف کی تعلیم کیسی پاک اور مقدس ہے۔ اس بارہ میں قرآنی احکام مفصلہ ذیل آیتوں میں درج ہیں۔

(۱) ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة یعنی حکمت اور نیک نصیحت کے ساتھ خدا کے راستہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ (سورۃ النحل ع ۱۶)

(۲) ولا تجادلوا اھل الکتٰب الا بالتی ھی احسن۔ یعنی اہل کتاب کے ساتھ مباحثہ کرنےمیں نہایت ہی احسن طریق اختیار کرو (سورۃ عنکبوت ع ۵)

(۳) وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن۔ یعنی میرے بندوں سے کہو کہ وہ بات کرتے وقت نہایت ہی پسندیدہ راہ اختیار کریں (سورۃ بنی اسرائیل ع ۶)

(۴) ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ۔ یعنی جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودونکو پکارتے ہیں اُنکے معبودونکو گالیاں مت دو (سورۃ انعام ع ۱۳)

(۵) ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینك و بینه عداوۃ کانه ولی حمیم۔ یعنی بُرائی کا بھلائی سے مقابلہ کرو۔ اور تم دیکھ لوگے جو پہلے تمہارا

دشمن تھا وہ پھر تمہارا سرگرم دوست بنجائیگا۔ (سورہ فصلت ع ۵)

آریہ سماج کا چوتھا اصول یہ ہے کہ ہم کو سچائی کے لینے کیلئے اور جھوٹ کو چھوڑ دینے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔ اگر اس اصول کو صرف زیبائش کی خاطر نہیں لکھا گیا تو آریہ سماج والوں کو چاہیئے کہ وہ دیگر مذاہب کے ساتھ ناجائز سختی سے پیش آنے کے ناپاک دستور العمل کو ترک کر کے قرآن کریم کی پاک تعلیم کو اختیار کریں۔ جو مذکورہ بالا آیات میں دی گئی ہے ÷

تصحیح

ماہ ستمبر کے پرچہ میں صفحہ ۳۳۲ سطر ۲ میں غلطی سے بجائے "قریباً ایک ہزار" کے "دس ہزار" لکھا گیا ہے۔ جنگ بدر میں کفار کی صحیح تعداد ۹۵۰ تھی اور مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳۔ ناظرین اس غلطی کو درست کر لیں ÷

اشاعت اسلام نمبر ۵

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات

(سلسلہ کیلئے دیکھو گذشتہ نمبر)

قبائل عرب کے حملے مسلمانوں پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر سے واپس آئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا تھا کہ آپ کو جزیرہ نما عرب کے وسط سے خطرناک خبر پہنچی۔ بنی سلیم اور بنی غطفان نے جو کہ نجد کے میدان کے ایک بڑے حصہ میں آباد تھے مدینہ منورہ پر چھاپہ مارنے کا ارادہ کیا اور مقام قرقرۃ الکدر پر جمع ہونے شروع ہوئے۔ چونکہ مسلمان سب طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے اسلیئے انکو ہمیشہ چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ اور جب کبھی وہ سنتے کہ مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے بعض قبائل کسی مقام پر جمع ہو رہے ہیں تو ان کے منتشر کرنیکے لیئے فوراً مسلمانوں کی ایک جماعت

روانہ ہوتی تاکہ وہ قبائل مدینہ پر حملہ کرنیسے پہلے ہی تتر بتر کر دیئے جائیں یہی سب سے بہتر طریق تھا جو مسلمان اُن حالات میں اختیار کر سکتے تھے اور اگر وہ ہر وقت ہوشیار اور بیدار نہ رہتے تو اُن کے دشمن اُنپر بار بار حملے کرکے اُنکو چبا ڈالتے۔ چنانچہ جب بنی سلیم اور بنی غطفان کے اجتماع کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پہنچی تو آپ بذات خود ۲۰۰ آدمی ہمراہ لیکر اس مجمع کو منتشر کرنیکے لیئے روانہ ہوئے دشمن کو جب آپکے آنیکی خبر لگی تو وہ آپکے پہنچنے سے پہلے ہی تتر بتر ہو گئے[۵۱]

اس کے بعد جلدی ہی مکہ کے سردار ابوسفیان نے مدینہ پر چھاپہ مارا۔ جب بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تو اُنکے بعد ابوسفیان نے قریش کی جرنیلی اختیار کی۔ جب قریش کے لشکر کو بدر میں شکست فاش حاصل ہوئی تو اسپر ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مَیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ نہ کرلونگا غسل جنابت نہ کرونگا۔ جب بدر کے قیدی رہا ہو کر آگئے تو ابوسفیان نے اپنی قسم کو پورا کرنیکے لیئے ۲۰۰ آدمیوں کو ہمراہ لیا اور مدینہ پر چھاپہ مارنیکے لیئے نجد کے راستہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ رات کے وقت یہود کی ایک آبادی میں پہنچا۔ قبیلہ بنو نضیر کے ایک سردار سلام بن مشکم نے اُس میثاق کے برخلاف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد یہود کے قبائل سے لیا تھا۔ ابوسفیان کو جگہ دی اور ابوسفیان نے اور اُسکے ساتھیوں نے خوب دعوت اُڑائی۔ یہودی نے مدینہ کے حالات کے متعلق ابوسفیان کے پاس مخبری کی۔ اُسکے ساتھیوں نے صبح ہونیسے پہلے مدینہ کی کھجوروں کو جلا دیا اور دو آدمیوں کو قتل بھی کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپنے ابوسفیان کا تعاقب کیا مگر وہ نکل گیا۔ اس غزوہ کو غزوۃ السویق کہتے ہیں کیونکہ ابوسفیان کے ہمراہی بھاگتے وقت اپنے کھانے کے ستو چھوڑ گئے تھے[۵۲]

---

[۵۱] ابن ہشام ذکر غزوہ بنی سلیم بالکدر۔

[۵۲] ابن ہشام۔ ذکر غزوۃ السویق۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے تعاقب سے واپس آکر چند روز ہی مدینہ میں قیام فرمایا تھا کہ آپ کو پھر خبر پہنچی کہ بنی ثعلبہ بن سعد بن قیس بن غطفان اور بنی محارب نجد میں مدینہ پر شبخون مارنے کی غرض سے جمع ہو رہے ہیں اور دعثور اُنکا سرغنہ ہے۔ آپ فوراً ۴۵۰ آدمی ہمراہ لیکر نجد کی طرف روانہ ہوئے اور آپکی آمد کی خبر سُنکر دشمن کی جمعیت منتشر ہوگئی اور کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ اس غزوہ کا نام غزوہ ذی امر اور غزوہ انمار ہے [1]

جب غزوہ انمار سے آپ واپس تشریف لائے تو پھر آپ کو خبر پہنچی کہ بنی سلیم کا ارادہ مدینہ پر چھاپہ مارنے کا ہے اسلیئے آپ کو پھر دشمن کے منتشر کرنیکے لیئے کوچ کرنا پڑا۔ اسوقت آپکے ہمراہ ۳۰۰ صحابی تھے۔ اسکو غزوہ بحران اور غزوہ بنی سلیم بھی کہتے ہیں [2]

بنی سلیم اور بنی غطفان کے بار بار مدینہ پر شبخون مارنے کیلیئے جمع ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ بیابان کے زبردست قبائل اسلام کے ایسے ہی سخت دشمن تھے جیساکہ قریش۔ مسلمانوں کی حالت کا اندازہ لگاؤ۔ انکو صرف اپنے پُرانے اور خونی دشمنوں یعنی قریش کے حملوں سے ہی اپنا بچاؤ نہیں کرنا پڑتا تھا بلکہ عرب کے اور بہت سے زبردست قبائل تھے جو اُن کے خون کے ایسے ہی پیاسے تھے جیساکہ قریش اور مسلمانوں کو انکے چھاپوں اور حملوں سے بھی اپنے تئیں بچانا پڑتا تھا بدر سے واپس آنیکے بعد چند مہینوں کے اندر آپ کو بذات خود تین مرتبہ بنی غطفان اور بنی سلیم کے زبردست اور وحشی قبائل کو اُنکے بد ارادوں سے روکنے کے لیئے نجد کیطرف کوچ کرنا پڑا۔ اگر خدائے تعالیٰ کی نصرت مسلمانوں کے شامل حال نہ ہوتی اور اگر مسلمان ہر وقت خبردار اور ہوشیار نہ رہتے اور دشمنوں کی جمعیت کو چھاپہ مارنے سے پیشتر ہی منتشر کرنے میں چستی سے

---

[1] زرقانی علی المواہب اللدنیہ جزو ثانی صفحہ ۱۷۔

[2] زرقانی جزو ثانی صفحہ ۱۹۔

کام نہ لیتے تو اُن کے دشمن جو ہر طرف سے اُنپر منڈلا رہے تھے اُنکو نابود کر دینے میں کچھ کمی نہ کرتے۔ اگر جیسا کہ مسیحی صاحبان چاہتے ہیں مسلمان خاموش ہو کر مدینہ میں بیٹھ رہتے اور اپنے بچاؤ کیلئے اپنے ہاتھ پاؤں نہ ہلاتے اور دشمنوں کے آگے اپنے تئیں ایک بے جان نشانہ کی طرح پیش کر دیتے دشمن اُنکو لوٹتے قتل کرتے اور اُنکے بچے اور اُنکی عورتیں قید کر کے لیجاتے مگر مسلمان ہاتھ نہ ہلاتے اور خاموشی سے سب کچھ سہتے رہتے بلکہ عیسائی تعلیم کے بموجب اپنی دوسری گال بھی دشمن کے آگے پیش کر دیتے تو چند دنوں میں اسلام کا خاتمہ ہو جاتا اور جلدی ہی سارا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا مسیحی لوگ اعتراض تو بڑی جلدی سے کر دیتے ہیں مگر مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ نہیں کرتے۔ اور نہیں دیکھتے کہ وہ کس قسم کے لوگ تھے جن سے مسلمانوں کو واسطہ پڑا اور اُنکے ظلم سے بچنے کیلئے کونسی راہ تھی جو مسلمان اختیار کر سکتے تھے۔

خود مدینہ اور اُسکے گرد و نواح کی حالت بھی مسلمانوں کے لیئے کسی اطمینان کا موجب نہ تھی بلکہ اُنکے مشکلات کو اور بھی بڑھانے کا موجب ہو رہی تھی۔ صرف یہی نہیں تھا کہ مسلمانوں کا بیرونی دشمنوں نے احاطہ کیا ہوا تھا بلکہ خود مدینہ اور اُسکے مضافات میں ایسے لوگ موجود تھے جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے اور یہ اندرونی دشمن بیرونی دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک تھے۔ اندرونی دشمنوں میں ایک تو منافقین کا گروہ تھا جو مسلمانوں کو حسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا ان کا سردار عبد اللہ ابن ابی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے مدینہ کا بادشاہ بنتے بنتے رہ گیا تھا۔ کیونکہ مدینہ والوں نے بالاتفاق یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ عبد اللہ ابن ابی کے سر پر تاج رکھکر اُسکو اپنا بادشاہ بنالیں مگر اسلام کے داخل ہونیکی وجہ سے یہ تجویز عمل میں نہ آسکی۔ اسلیئے طبعاً عبد اللہ ابن ابی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض تھا اور اسکے ساتھ اوّل اوّل ایک خاصی جماعت منافقین کی تھی جنہوں نے بظاہر اسلام

قبول کر لیا تھا مگر دل میں مسلمانوں کے دشمن تھے اور یہ چھپے دشمن ظاہری دشمنوں سے
زیادہ خطرناک تھے۔ دوسرے اندرونی دشمن مدینہ اور اُسکے قرب وجوار کے یہودی قبائل تھے۔
ان کو بھی مسلمانوں سے سخت بُغض تھا کیونکہ یہ لوگ انبیاء اور صلحاء سے دشمنی رکھنے
کے عادی تھے انہوں نے بھی بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امن کا معاہدہ کر لیا
تھا مگر دراصل مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف
قریش اور قبائل عرب کے حملوں اور شبخونوں کا ہی فکر نہ تھا بلکہ ان اندرونی دشمنوں کیطرف سے
بھی اُنکو ہر وقت خطرہ رہتا تھا اور انکی عداوت کے بدنتائج سے بچنے کے لیئے بھی آپکو ایسی
ہی تدبیر کرنی پڑتی تھی جیساکہ بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچنے کیلیئے آپ کو تدبیر کرنی
پڑتی تھی۔ جو معاملات یہود کے قبائل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے اُن کو میں
انشاء اللہ تعالےٰ ایک الگ مضمون میں بیان کروں گا اسجگہ صرف اُنکی عداوت کا
اور منافقین کی پوشیدہ دشمنی کا ذکر اسلیئے کیا ہے تا ناظرین کو معلوم ہو کہ مدنی زندگی میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو کسقدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مکہ معظمہ میں تو صرف قریش ہی اسلام کے
دشمن تھے اور اُسجگہ آپ کی قوم بنو ہاشم آپکے حامی بھی تھے مگر مدینہ میں آکر جو ایک اجنبی
شہر تھا اور جہاں کوئی ایسی قوم نہ تھی جو قرابت کی وجہ سے آپکے ساتھ ہمدردی کرنیوالی
ہو آپ کو دس مختلف اور زبردست قوموں سے مقابلہ کرنا پڑا۔

اوّل۔ قریش جو پیشتر کی نسبت اسلام کے مٹانیکے لیئے زیادہ جان توڑ کوششیں کر رہے تھے

دوم وسوم۔ اوس وخزرج۔ یہ مدینہ کے دو قبائل تھے جو اسلام کی آمد سے پہلے باہم
سخت جانی دشمن تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی باہمی عداوت کا فکر رہتا تھا چنانچہ
آپ کی آمد کے بعد بھی اوس اور خزرج کے قبیلوں کے مسلمانوں میں یہود کے اکسانے
سے لڑائی ہو چلی تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی آپ جھٹ تشریف لائے
آپ کو دیکھکر اور آپ کی دردانگیز نصیحت کو سنکر وہ رو پڑے اور بجائے اسکے کہ ایک
دوسرے کو تلواروں سے کاٹیں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ انکے تعلقات یہود
کے ساتھ تھے اور یہود انکو طرح طرح کی تدبیروں سے اُکساتے تھے منافقین کی جماعت

بھی انہی میں سے تھی جو اسلام سے پوشیدہ دشمنی رکھتے تھے اور یہود سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے (۴) بنی قینقاع (۵) بنی نضیر (۶) بنی قریظہ (یہ تینوں یہود کے قبیلے تھے) (۷) عرب کے عیسائی (۸) بنی غطفان۔ بنی سلیم اور عرب کے دیگر مشرک قبائل (۹) سلطنت ایران (۱۰) سلطنت روم۔ ان سب کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ اپنے اپنے موقعہ پر آئیگا۔

مسٹر آرنلڈ مصنف کتاب پریچنگ آف اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "اگر یہ اعتراض کیا جاوے کہ یہ امر ایک نبی کے مشن کے برخلاف ہے کہ وہ جنگ کے معاملات میں دخل دے تو اسکے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس نبی کی تعلیم میں یہ بات داخل نہ تھی کہ "میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں ہے"۔ مسٹر آرنلڈ کے اس بیان میں ایک باریک شرارت مخفی ہے۔ اس بیان سے یہ پایا جاتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے کہ جنگ سے کوئی سروکار نہ رکھتے گویا آپکے اختیار میں تھا خواہ جنگ کرتے یا نہ کرتے مگر آپنے اپنے اختیار سے جنگ کی راہ اختیار کی۔ اس امر کو دیکھکر دل کو سخت دُکھ پہنچتا ہے کہ مسیحی نکتہ چین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے سمجھنے کے لیئے کوئی کوشش نہیں کرتے۔ ایک سرسری نظر سے بھی دیکھنے والا یہ امر بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ عرب کا قریباً کُل جزیرہ نما اسلام کی مخالفت پر ایسا تُلا ہوا تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چھوٹی سی جماعت کی حفاظت کیلیئے کوئی تدبیر نہ کرتے تو دشمن اسلام کو بیخ و بن سے اُکھیڑ دیتے۔ کیا مسیحی صاحبان کا یہ منشاء ہے کہ مسلمان اپنے خونی دشمنوں کو یہ اجازت دیتے کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں بکروں کی طرح اُنکو ذبح کر دیتے۔ آئے دن جو دشمن مدینہ پر چھاپہ اور شبخون مارنیکی تیاریاں کرتے تھے کیا مسلمان اُنکے روکنے کیلیئے کوئی تدبیر نہ کرتے۔ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ جب دشمنوں کو موقع ملتا تو وہ مسلمانوں کی جماعتوں کی جماعتیں ذبح کر دیتے اور ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتے؟ چنانچہ ایک موقعہ پر ۷۰ مسلمان بلاگناہ شہید کیئے گئے۔ کیا مسلمان ایسے قتل عام پر خاموش بیٹھے رہتے اور آئندہ

ایسے جان کاہ حادثوں کے انسداد کیلیئے ظالم قاتلوں کی سرکوبی نہ کرتے؟ کیا عرب کے خونخوار بھیڑیوں کے درمیان ایک بے دست و پا بھیڑ کی طرح رہ کر وہ زندہ رہ سکتے تھے؟ مثال کے طور پر دیکھو۔ مسلمانوں نے بنو سلیم اور بنو غطفان کو ذرہ بھی دکھ نہیں دیا تھا اور کسی قسم کی مضرت مسلمانوں کی طرف سے ان وادیوں اور بیابانوں کے رہنے والوں کو نہیں پہنچی تھی۔ پھر بھی وہ بار بار مدینہ پر چھاپے اور شبخوں مارنیکے لیئے تیار ہو جاتے۔ اب ایسی حالت میں مسلمانوں کیلیئے سوائے اسکے اور کیا چارہ تھا کہ وہ ان جنگل کے درندوں سے اپنے آپ کو بچائیں اور حتی الوسع کوشش کریں کہ یہ وحشی قومیں مسلمانوں پر حملہ آوری کرنیسے روکی جائیں۔ جب یہ قومیں خود بخود چڑھ کر آتی تھیں تو مسلمانوں کے لیئے سوائے اسکے کیا چارہ تھا کہ وہ بھی اپنی حفاظت کیلئے ہتھیار اٹھاتے۔ اگر مسلمان اپنے بچاؤ کی تدبیر نہ کرتے اور بیجا حملہ آوروں کے مقابلہ کیلیئے مستعدی ظاہر نہ کرتے تو نہ صرف بنی سلیم اور بنی غطفان ہی مسلمانوں کو قتل کرتے اور انکے کھیتوں کو غارت کرتے اور انکے مویشی اور اونٹوں کو لوٹ لیجاتے اور ان کے مردوں۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر کے غلام بناتے بلکہ اور بیابانی قومیں بھی دلیر ہو کر حملہ آور ہوتیں اور مسلمان اپنے دشمنوں کی خونخواری اور غارتگری کا شکار ہو جاتے۔ افسوس ہے کہ معترض یہ نہیں دیکھتے کہ عرب کے ملک میں اس زمانہ بے امنی میں سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرنیکا یہی طریقہ تھا کہ ہر ایک قوم اپنی اپنی حفاظت کا سامان مہیا کرتی اپنے بچاؤ کیلیئے بعض قبیلے دوسرے قبیلوں کے ساتھ ملجاتے تا دشمنوں کے مقابلہ کے قابل ہو جاویں اور تعدی کرنیوالوں سے انتقام لے سکیں۔ اگر معترضین اس زمانہ کے حالات پر غور کرتے تو کبھی اعتراض نہ کرتے کہ مسلمانوں نے کیوں ہتھیار اٹھائے۔ وہ اپنے مسیح پر قیاس کرتے ہیں جو ایک مہذب سلطنت کے زیر سایہ زندگی بسر کرتا تھا مگر پھر بھی اپنے کمزور دشمنوں سے جو اسکا باختیار خود کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے تھے چھپتا پھرتا تھا اور عدالتوں میں لیجانیکے واسطے بھی یہودیوں کو اسے باغوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنا پڑتا تھا۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ اپنی جان۔ مال اور اپنے بیوی بچوں کی

حفاظت کے لیئے اور دشمن کے پنجے سے انہیں بچانیکے لیئے کوئی تدبیر کرنا کس نبی کی تعلیم کے برخلاف ہے؟ کیا خود مسیح نے اپنے شاگردوں کو یہ حکم نہ دیا تھا کہ تم اپنے کپڑوں کو بھی بیچکر ہتھیار خریدو؟ حالانکہ کسی نے اسکے برخلاف تلوار نہیں اُٹھائی تھی۔ اگر کچھ کیا تھا تو باضابطہ عدالت میں اُسکے برخلاف کارروائی کی تھی۔ اُسکا تلوار اُٹھانیکے لیئے حکم دینا سوائے اسکے اور کوئی وجہ نہیں رکھتا تھا کہ داؤد کے کھوئے ہوئے تخت کو دوبارہ حاصل کرے مگر جب اُس نے دیکھا کہ اُسکے شاگرد اس کام کی قابلیت نہیں رکھتے تو اُسکی ساری اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ اور اُسکی کمر ٹوٹ گئی پھر آسمانی بادشاہت کا شہزادہ ہونیکا دعویٰ کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کے مقام پر یہ دعا کرنا کہ اللّٰھم ان اھلکت ھٰذہ العصابۃ فلا تعبد فی الارض (یعنی اے اللہ اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر دنیا میں تیری عبادت کرنیوالا کوئی نہ ہوگا زاد المعاد ابن قیم) صاف بتلا رہا ہے کہ آپ اپنی جماعت کی حفاظت کے لیئے جسکی زندگی پر اسلام کی زندگی کا مدار تھا دشمن سے لڑے کیونکہ دشمن نے خود پیشدستی کی اور آپ کی جماعت کو نابود کردینے پر کمر بستہ ہوگیا۔ غرض آپ نے مجبور ہوکر تلوار اُٹھائی اور ایسے کرنیکے سوا آپ کے لیئے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

غطفانیوں کے حملے میں جسکا اوپر ذکر ہوچکا ہے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال رحم اور کرم ثابت ہوتا ہے۔ اِس غزوہ میں مینہ برسا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھیگ گئے آپنے اُتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے اور آپ اُس درخت کے نیچے سایہ میں لیٹ گئے لوگ بھی متفرق طور پر درختوں کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ وعثور جو غطفانیوں کا سرغنہ تھا آپ کو لشکر سے الگ اُس درخت کے نیچے تنہا لیٹا ہوا پاکر آپ کی طرف آیا اور آپ کی ہی تلوار جو درخت پر لٹک رہی تھی کھینچکر اور آپکے سر پر کھڑا ہوکر پکار کر کہا من یمنعک منی الیوم۔ آج کون تجھے مجھ سے بچا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اللہ اس جواب پر

اُسپر اسقدر رُعب پڑا کہ تلوار اُسکے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپنے وہی تلوار اُٹھا کر للکار کر کہا کہ بتا اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ اُسنے کہا کوئی نہیں آپنے اُسے معاف کر دیا اور فرمایا مَیں رحم کرنیکے لیئے آیا ہوں قتل کرنیکے لیئے نہیں۔ آپکے اس کمال رحم کو دیکھکر اور اسکے مقابل میں اپنی عداوت کو سوچکر اُسنے اُسی جگہ اسلام قبول کیا۔ آپنے اپنے صحابہؓ کو بلایا جو متفرق طور پر مختلف درختوں کے نیچے سوئے پڑے تھے جب وہ آئے تو اُس اعرابی کو آپکے پاس بیٹھا ہوا دیکھکر حیران ہوئے اور آپنے سارا واقعہ بیان کیا۔ (صحیح بخاری۔ جزو ثالث۔ کتاب المغازی صفحہ ۲۳) واقدی اور ابن سعد کے قول کے بموجب اسی غطفانی حملے کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت اُتری۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ ھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم (سورہ مائدہ پارہ ۶ رکوع ۲۔) (ترجمہ) اے ایمان والو! اللہ کی نعمت کو جو تمپر ہے یاد کرو جب ایک قوم نے تمپر دست درازی کرنی چاہی۔ پھر اُسکے ہاتھوں کو تم سے ہٹا رکھا۔

وعثور کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کمال درجے کے رحیم و کریم تھے۔ اور یہ اگر آپنے کفار سے جنگ کی تو مجبور ہوکر کی جب آپنے دشمن پر قابو پایا ایسے دشمن پر جو آپکو قتل کر دینا چاہتا تھا تو آپنے اُسکو اپنے کامل رحم سے معاف فرما دیا پس آپ کا ارادہ جنگ سے کفار کو قتل کرنا یا اُن کا مال لوٹنا معاذ اللہ نہ تھا جس طرح آپنے اس موقعہ پر دعثور کے قصور کو معاف فرما دیا ایسا ہی آپنے فتح مکہ پر تمام خونی دشمنوں کے قصور معاف فرما دیئے ایک منصف انسان صرف اسی امر سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ کی لڑائیاں کسی جبر و اکراہ کیلیئے نہ تھیں آپ کی فطرت پر رحم غالب تھا۔ ایسے رحیم و کریم سے یہ بعید ہے کہ خود بخود لوگوں کے ساتھ اُنکو قتل کرنے اور لوٹنے کی غرض سے لڑائی چھیڑ دے ورنہ قدرت پانے پر اپنے دشمنوں کو آپ کیوں چھوڑ دیتے؟

مَیں گذشتہ نمبر میں بیور کی شہادت اس امر کی نقل کر چکا ہوں کہ قریش کے قافلوں نے جب شام کا تجارتی راستہ جو مدینہ سے مغرب کی طرف واقع تھا چھوڑ دیا اور

نجد کے راستے اپنے قافلوں کو بھیجنا شروع کیا تو اُن قافلوں نے بنی سلیم و بنی غطفان اور دیگر بیابانی قوموں کو اُکسانا شروع کیا اور یہ زیادہ تر انہی کے اُکسانے اور انہی کے نمونہ کا نتیجہ تھا کہ بنی غطفان و بنی سلیم کے قبائل نے مسلمانوں پر شبخونی کرنیکے ارادہ سے بار بار اپنی جمعیت کو اکٹھا کرنا شروع کیا اور اس طرح مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ انکی جماعتوں کو منتشر کرنیکے لیئے بار بار کوچ کریں مگر جب یہ قبائل بھاگ جاتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم ان کا تعاقب نہیں کرتے تھے بلکہ اُنکا منتشر کر دینا ہی کافی سمجھ کر واپس مدینہ تشریف لاتے تھے۔ غرض جو کچھ بنو سلیم و بنو غطفان وغیرہم کی وجہ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی یہ زیادہ تر مکّی قافلوں کی شرارت کا نتیجہ تھا۔ اور اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا تو خطرہ تھا کہ مخالفت کی آگ مکّہ کے قافلے دوسرے قبائل میں بھی بھڑکا دینگے غرض یہ نہایت ضروری تھا کہ ان قافلوں کی شر سے بچنے کیلیئے حتی الوسع انکی آمد و رفت کو روکا جاتا جو تجارتی راستہ مدینہ سے مغرب کی طرف واقع تھا۔ اُس راستہ پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تشریف لیجا کر اُدھر کے بہت سے قبائل سے امن کے معاہدے کر لیئے تھے مگر اس نئے راستے پر جو قومیں آباد تھیں غارت گری اُنکا پیشہ تھا اسلیئے یہ امن کے معاہدوں کو نہیں جانتے تھے اور اُدھر مکّہ کے قافلوں کی شر کا سخت خطرہ تھا بلکہ اُس کا نتیجہ بھی مسلمان دیکھ رہے تھے اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شر کا انسداد کرنیکے لیئے۔ ان قافلوں میں سے بعض کو روکنے کی تدبیر کی۔ اور جب تک ان نام کے قافلوں کو روکا نہ جاتا امن کا حاصل ہونا محال تھا۔ اسلیئے جب آپ کو ایک قافلہ کے گذرنیکی خبر پہنچی (جسکا سردار وہی ابوسفیان بن حرب تھا جس نے ۲۰۰ آدمیوں کو ساتھ لیکر مدینہ پر شبخون مارا تھا کھجوروں کو آگ لگا دی تھی اور دو آدمی قتل کر دیئے تھے) تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت ایک جماعت بھیجی جس نے قافلہ پر مقام قردہ پر حملہ کر کے اسکو مغلوب کیا اور یہ قریش کا پہلا قافلہ تھا جسکو مسلمانوں نے روکا (ابن ہشام ذکر سریہ زید بن حارثہ) میور جسکو دشمنانِ اسلام کے ساتھ خاص ہمدردی ہے شکایت کرتا ہے کہ

مسلمانوں نے قریش کے قافلوں کی آمد ورفت کو روک کر بیچارے قریش کا قافیہ تنگ کردیا۔ مسیحی معترض اُن تکالیف کو نہیں دیکھتے جو قریش اور دیگر دشمنان اسلام مسلمانوں پر وارد کرتے تھے۔ اسلام کے دشمن مسلمانوں کو خواہ کتنا ہی دُکھ دیں اور اُنپر خواہ کتنا ہی ظلم کریں مسیحی معترض اُنکے فعل کی بُرائی ظاہر کرنیکے لیئے ایک سطر بھی نہیں لکھ سکتے۔ لیکن اگر مسلمان دشمن کو ظلم و تعدّی سے روکنے کے لیئے ہاتھ اُٹھائیں تو یکلخت کُل مسیحی صاحبان شور برپا کردیتے ہیں کہ دیکھو ظلم ہوگیا ظلم ہوگیا! اُنکے نزدیک کفار عرب کے لیئے تو مسلمانوں پر ہر ایک قسم کا ظلم کرنا جائز تھا مگر مسلمانوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ دشمن کو ظلم سے روکنے کیلیئے بھی ہاتھ اُٹھائیں۔

میور خود اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۶ و ۲۳۷ پر اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ جب قریش کے قافلوں نے نجد میں سے گذرنا شروع کیا تو اُنہوں نے راستہ کے قبائل کو مسلمانوں کے برخلاف اُکسانا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی سلیم و بنی غطفان مسلمانوں کی مال وجان کے دشمن ہوگئے۔ مگر قریش کے قافلوں کی اس شر کو مان کر بھی میور واویلا کرتا ہے کہ دیکھو مسلمانوں نے قریش کے قافلوں کو بھی لُوٹنا شروع کردیا۔ تعجب ہے کہ مسیحی لوگوں کو قریش کے ساتھ اسقدر ہمدردی کہاں سے پیدا ہوگئی جسکی وجہ سے اُنکو قریش پر اسقدر رحم آتا ہے مگر مسلمانوں پر اُنکو کوئی رحم نہیں آتا اور اُنکے مشکلات کو دیکھکر اُنکے دلمیں کوئی ہمدردی پیدا نہیں ہوتی۔

ایک راستی پسند آدمی آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ ان قافلوں کی آمد ورفت کو روکنا مسلمانوں کیلیئے صرف جائز ہی نہ تھا بلکہ ضروری تھا۔ کیونکہ اوّل تو یہ قافلے ملک میں مسلمانوں کے برخلاف عداوت کی آگ بھڑکاتے تھے اور وحشی قوموں کو اُکساتے تھے کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوں اور چونکہ اُنکا رسوخ ملک میں بہت بڑھا ہوا تھا اسلیئے وہ آسانی سے قوموں کو مسلمانوں کے برخلاف بھڑکا سکتے تھے۔ دوم ان قافلوں کے ذریعہ مکّہ والے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کیلیئے سامان جنگ منگواتے تھے۔ چنانچہ جو قافلہ جنگ بدر کے موقعہ پر شام سے ابوسفیان کے ساتھ آرہا تھا

وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنیکے واسطے سامان جنگ لا رہا تھا۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مکہ میں پہنچا تو اس کا سامان لوگوں میں تقسیم نہیں کیا گیا تھا بلکہ دارالندوہ میں رکھا گیا تھا اور جب دوسرے سال قریش کے لشکر نے مدینہ پر چڑھائی کی اور اُحد کے مقام پر مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اُسوقت اُسی سامان قافلہ کے ذریعہ لشکر کو مسلح کیا گیا۔ پس اس لحاظ سے بھی ضروری تھا کہ ان قافلوں کو روکا جاتا تا انکی مدد سے دشمن مسلح ہوکر مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو۔

سوم۔ قریش مسلمانوں سے جنگ چھیڑ چکے تھے اور جیسا کہ قرآن شریف شہادت دیتا ہے ابتداء قریش کی طرف سے ہوئی تھی (وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ۔ سورہ توبہ ۲) اسلیئے مسلمانوں کیلیئے ضروری تھا کہ ہر طرح دشمن کی قوت اور طاقت کو توڑیں۔ اگر جیسا کہ میور لکھتا ہے قافلوں کی آمد و رفت کے روکنے سے مکہ والوں کا قافیہ تنگ ہو گیا تھا تو کونسی چیز انکو مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرنیسے روکتی تھی۔ اگر قافیہ تنگ ہو گیا تھا تو انکو اختیار تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت صلح کے لیئے تیار تھے اور آپ کا منشا ہی یہ تھا کہ امن قائم ہو جاوے۔ چنانچہ جب حدیبیہ کے موقعہ پر دشمن نے صلح کرنی چاہی تو اگرچہ شرائط صلح بظاہر مسلمانوں کیلیئے موجب ہتک تھے اور سب مسلمان ایسی شرائط پر صلح کرنیکے مخالف تھے پھر بھی آپ نے بڑی خوشی سے قریش سے صلح کر لی اور صحابہؓ کی ناراضگی کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ آپ دشمنوں کے ساتھ صلح کرنیکے لیئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اور خدائے تعالیٰ کا بھی یہی حکم تھا کہ اگر دشمن تجھ سے صلح کرنا چاہیں تو اُنسے صلح کرلے اور اُنکے گذشتہ ظلموں کو بھی معاف کردے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ (انفال ۸) یعنی اگر (تیرے دشمن) صلح کیطرف جھکیں تو تُو بھی صلح کی طرف جھک اور خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کر یعنی اس امر کی پروا

نہ کرکہ شاید یہ صلح کرکے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ خواہ اُنکی نیت کیسی ہو تو بہر حال اُنکے ساتھ صلح کرلے) تحقیق خدائے تعالیٰ سُننے والا اور جاننے والا ہے (یعنی تیرا خدا اُنکی نیتوں کو جانتا ہے) اور اگر وہ تجھے (صلح کرکے) دھوکہ دینا چاہیں تو تیرا خدا تیرے لیئے کافی ہے۔ جنگ بدر کے بعد خدائے تعالیٰ نے فرمایا اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انفال-۲) یعنی (اے کفار) اگر تم فتح مانگتے تھے پس تحقیق فتح تو تمھارے پاس آگئی ہے (بدر کی فتح) اور (اب بھی) اگر باز آجاؤ (اور مسلمانوں سے لڑائی چھوڑ دو) تو تمھارے لیئے بہتر ہے اور اگر تم (لڑائی کی طرف) لوٹو گے تو ہم بھی لوٹیں گے اور تمھاری جماعت تمھیں کچھ بھی فائدہ نہ دیگی خواہ وہ (مسلمانوں کی نسبت) بہت ہی زیادہ ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ دیکھو بدر کے بعد بھی قریش کو موقعہ دیا کہ اب بھی وقت ہے صلح کرلو۔ اپنی کثرت کا گھمنڈ نہ کرو۔ خدائے تعالیٰ مومنوں کی مدد کریگا اور تمھیں ذلیل کرے گا۔ بہتر ہے کہ اب بھی صلح کرلو۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا (اگر تم فتح مانگتے تھے) یہ الفاظ ابوجہل کے اُس مباہلہ کو یاد دلاتے ہیں جو اُس نے بدر کے موقعہ پر کیا تھا۔ اُسکے مباہلہ کے الفاظ یہ ہیں۔ اللّٰھم من کان منا افسد فی القوم واقطع للرحم فاحنہ الیوم۔ اے اللہ ہم دونوں میں سے جس نے قوم میں بگاڑ ڈالا ہے اور قطع رحمی کا باعث ہوا ہے اُسکو آج تباہ کردے۔ (ابن ہشام) چنانچہ اس مباہلہ کے بموجب وہ خود بھی اُسی دن ذلت کے ساتھ مارا گیا اور اُسکا لشکر بھی تباہ ہوا۔ غرض اگر مسلمانوں نے قریش کے قافلہ کو روکا تو میور مسلمانوں کو کیوں ملامت کرتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وہ قریش کو ملامت نہیں کرتا کہ وہ خود جنگ کو جاری رکھنے تھے اور صلح کی طرف نہیں جھکتے تھے٭

غزوہ اُحد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے قبائل کے حملوں کو روکنے اور شہر مدینہ کی حفاظت کی تدابیر میں مصروف تھے۔ قریش مدینہ پر دوبارہ چڑھائی کرنے کی تیاریاں کررہے تھے۔ عرب کے قبائل کی طرف قاصد بھیجے گئے اور اُنکو بھی اس آنیوالے

٭ اس قافلہ کا سردار ابوسفیان تھا جو اس سے پہلے ۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ مدینہ پر شبخون مار چکا تھا اور دو آدمیوں کو قتل کرکے اور کھجوروں کو جلا کر بھاگ گیا تھا منہ

حملے میں شریک ہونیکے لیئے اُکسایا گیا۔ ابوسفیان کے قافلہ کا سامان جو دارالندوہ میں اسی غرض کیلیئے رکھا گیا تھا اُسکے ذریعہ فوج کے لیئے رسد اور ہتھیار مہیا کیئے گئے۔ اسی مال کی طرف قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ؕ (انفال ۴) یعنی یقیناً جو لوگ کافر ہیں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تاکہ (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکیں۔ سو ابھی اور خرچ کرینگے پھر (وہ مال) اُن کے لیئے حسرت اور افسوس کا موجب ہوگا پھر وہ مغلوب کیئے جائیں گے (انفال ۴) اس طرح جنگ بدر سے ایک سال بعد تین ہزار آدمیوں کا لشکر مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے روانہ ہوا جنمیں ۷۰۰ زرہ پوش اور ۲۰۰ سوار تھے ابوسفیان اس لشکر کا سردار تھا۔ قریش کے ساتھ بنی تہامہ اور بنی کنانہ بھی شریک ہو گئے تھے۔ فوج کے ہمراہ قریش کی عورتیں بھی تھیں جن میں سب سے زیادہ جوشیلی ہندہ ابوسفیان کی بیوی تھی۔ یہ عورتیں لڑائی کے گیت گا کر سپاہیوں میں جوش پیدا کرتی تھیں۔ فوج کے ہمراہ مدینہ والوں کی بھی ایک جماعت تھی جنکا سردار ابو عامر راہب تھا۔ جب اس آنیوالے حملہ کی خبر مدینہ میں پہنچی تو مدینہ کے یہود اور منافقین میں ایک ولولہ پیدا ہو گیا اور وہ یہ سوچکر نہایت خوش ہوئے کہ اب یہ لشکر مہاجرین اور اُنکے مددگاروں کا خاتمہ کر کے واپس جائیگا دشمن بھی بڑے گھمنڈ سے جا رہا تھا۔ اِس فوج نے مدینہ کی طرف اُس راہ سے کوچ کیا جو ساحل کے قریب تھا یعنی وہ راہ جسپر ابوجہل کی فوج نے (جس نے مقام بدر پر شکست کھائی تھی) کوچ کیا تھا۔ مدینہ پہنچکر لشکر نے اُحد کے پہاڑ کے دامن میں مدینہ سے ۲ یا ۳ میل شمال مشرق کی طرف ایک مختص مقام میں ڈیرے لگائے اور مدینہ والوں کے کھیتوں اور باغوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار آدمی ساتھ لیکر شہر سے نکلے عبداللہ بن اُبیّ ایک سردار جسکا پہلے ذکر گذر چکا ہے اب عین معرکہ جنگ اور اس لڑے وقت میں اپنے تین سو آدمی لیکر الگ ہو گیا اور مسلمانوں کی تعداد اب صرف ۷۰۰ رہ گئی۔ جنہیں صرف دو گھوڑے تھے۔ منافقین کی اس کارروائی

سے جو انہوں نے یہود کے مشورہ سے کی صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا ارادہ تھا کہ مسلمان تباہ ہو جاویں اور عین معرکہ جنگ کے وقت الگ ہونا اسلیئے اختیار کیا گیا کہ مسلمان حوصلے ہار دیں مگر مسلمانوں کا بھروسہ خدائے تعالیٰ پر تھا۔ باقی ۷۰۰ آدمیوں کی جمعیت برابر بڑھتی گئی۔ اور کوہ اُحد پر پہنچکر رات اس پہاڑ کی کھو میں کاٹی۔ صبح ہوتے ہی لشکر نے نماز فجر ادا کی اور دشمن کا مقابلہ کرنیکے لیئے میدان میں اُترے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہاڑ کے پیچھے نیچے کھڑا کیا۔ اور عبداللہ بن جبیر کو چند آدمیوں کے ساتھ لشکر کے پیچھے ایک ٹیلے پر جدھر سے دشمن کو حملہ کرنیکا موقعہ مل سکتا تھا کھڑا کر دیا۔ اور حکم دیا کہ جو ہو سو ہو خبردار یہاں سے ہرگز نہ ہلنا۔ مشرکین اپنی کثرت کے گھمنڈ میں اپنے ٹھاکروں کو وسط لشکر میں رکھے ہوئے آگے بڑھے اور اُنکے سرداروں کی بیبیاں لڑائی کے گیت گاتی تھیں۔ اس لڑائی کا نقشہ جو میور نے کھینچا ہے مَیں وہی اس جگہ نقل کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے۔

"قریش کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے طلحہ (ابن عبدالعزیٰ) اکیلا آگے بڑھا۔ اور مسلمانوں کو للکار کر مقابلہ کے لیئے بلایا۔ مسلمانوں کی طرف سے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) نکلے اور اُسپر حملہ کر کے ایک ہی تلوار سے اُسکو مار کر زمین پر گرا دیا۔ اسکے بعد طلحہ کا بھائی عثمان آگے بڑھا اور اپنے مُردہ بھائی کے پاس ہی جھنڈا اُٹھا کر میدان میں کھڑا ہو گیا۔ عثمان کے مقابل میں (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) نکلے اور تھوڑی دیر کے بعد اُسکو بھی مار کر نیچے گرا دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے طلحہ کے خاندان یعنی دو بھائیوں اور تین بیٹوں نے جھنڈے کو اُٹھایا اور سب باری باری قتل ہوتے گئے۔ جب تک یہ طریق جو عرب کے طرز جنگ کے مطابق تھا جاری رہا قریش نے اپنی کثرت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا اور اُنکے علم برداروں کے یکے بعد دیگرے قتل ہونے سے اُنپر دہشت چھا گئی۔ اب گھمسان کا جنگ شروع ہوا مگر مسلمان ایسی بہادری اور جانفشانی سے لڑے کہ قریش کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اُن کے سواروں نے مسلمانوں کی جماعت پر بار بار حملہ کرنا چاہا

مگر عبداللہ بن جبیر کی جماعت نے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کے پیچھے ایک ٹیلے پر کھڑا کیا تھا ہر مرتبہ ان سواروں پر ایسے تیر برسائے کہ انکو واپس ہٹنا پڑا۔ جیسا بدر کے مقام پر مسلمانوں نے اپنی جانوں کی کچھ بھی پروانہ کرکے نہایت شجاعت اور جانبازی سے دشمن کا مقابلہ کیا تھا ایسا ہی اب بھی کیا۔ جب ابوُدجانہ جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار دی تھی اپنے سر پر سُرخ رُومال باندھے ہوئے دشمن کی صفوں کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک کاٹتا ہوا جاتا تھا تو اُسکے آگے دشمن کی صفیں متزلزل ہوتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) اپنے سر پر ایک لمبا سفید پر بطور نشان کے باندھے ہوئے۔ (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) جنکے سر پر شتر مرغ کا پر لہرا رہا تھا۔ اور (حضرت) زبیر (رضی اللہ عنہ) چمکیلی زرد پگڑی باندھے ہوئے جدھر جاتے تھے دشمن میں ہل چل پڑ جاتی۔ ایسی نظارے تھے جن میں اسلامی فتوحات کے لیڈروں نے تربیت پائی ''

(لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ ولیم میور)

قریش کی صفوں کی پریشانی کو دیکھکر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ قریش کی فوج کے اندر گھس گئے اور جو سامنے آتا اُسکو تہ تیغ کرتے تھے۔ مسلمانوں کو فتح ہو چکی تھی اور دشمن کے تین ہزار مسلح جوانوں کو صرف سات سَو مسلمانوں نے بھگا دیا تھا کہ عبداللہ بن جبیر کی جماعت جو گھاٹی پر کھڑی تھی دشمن کو بھاگتے ہوئے دیکھکر اور یہ خیال کرکے کہ اب تو لڑائی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے برخلاف غنیمت میں حصّہ لینے کے لئے نیچے اُتر آئی۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا مگر انہوں نے کچھ پروانہ کی۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ خود اور چند اُنکے ساتھی اُسی مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کھڑے رہے۔ باقی اُتر آئے۔ خالد بن ولید جو قریش کیطرف سے لڑتا رہا تھا اور اب قریش کے سواروں کے ساتھ بھاگ رہا تھا جب اُس نے اُس مقام کو خالی دیکھا جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

عبداللہ بن جبیرؓ کی جماعت کو کھڑا کیا تھا تو وہ سواروں کو ساتھ لیکر لوٹا حضرت عبداللہؓ اور آپکے چند ساتھی جو گھاٹی پر کھڑے تھے اُن سواروں کا مقابلہ کر کے شہید ہو گئے اور اب ان سواروں نے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا۔ قریش کی جو فوج بھاگ رہی تھی وہ بھی ان سواروں کو دیکھکر لوٹی مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت آگے پیچھے دونوں طرف سے کثیر التعداد دشمنوں سے گھر گئی مگر پھر بھی وہ بہادری سے لڑتی رہی۔ اُس گھمسان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے دیگر مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت علی۔ حضرت عمر۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہم بھی سخت زخمی ہوئے۔ اب دشمنوں نے ملکر خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نشانہ بنا لیا اور سب آپ پر امنڈ آئے۔ اور چند صحابہؓ نے جو اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے نہایت ہی جوانمردی سے اپنی جانیں قربان کر کے آپکے پاک وجود کو دشمن کے حملوں سے بچانیکی کوشش کی۔ اور کئی آپکے پاس شہید ہوئے۔ طلحہ (ابن عبداللہ) آپکے مبارک چہرہ کے آگے اپنا ننگا بازو رکھکر آپکے چہرہ مبارک کو دشمن کے حملوں سے بچاتا تھا اور اُسکے بازو پر اسقدر زخم لگے کہ وہ بازو ہمیشہ کیلئے شل ہو گیا۔ ابو دجانہ نے اپنے وجود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دشمنوں کے درمیان حائل کر دیا اور جو وار دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے وہ اپنے جسم پر جھیلتا مگر اپنی جگہ سے نہ ہلتا۔ کیا مسیحی صاحبان دنیا کی تاریخ میں ایسی وفاداری اور جان نثاری کی نظیر پیش کر سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے ظہور میں آئی۔

دشمنوں نے تیر۔ تلوار اور پتھروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملے کیئے۔ آپ کا نچلا ہونٹ زخمی ہوا۔ آپکے دانت شہید ہوئے۔ آپکے خود کے حلقے آپکے چہرہ میں گھس گئے۔ آپ کی پیشانی مبارک پر بھی زخم پہنچا۔ جنگ کے اثنا میں ایکدفعہ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ ایک شیطان نے بلند آواز سے پکار کر کہا ان محمداً قد قتل کئی مسلمانوں کے دل چھوٹ گئے۔ اور کئی میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ انس بن النضر کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ایک جماعت کے پاس سے گذرا جو دل چھوڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس نے دریافت کیا تم کس چیز کی انتظار کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ انس بن النضر نے کہا ما تصنعون بالحیوٰۃ بعدہ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تم جی کر کیا کرو گے۔ اُٹھو اور جس طرح آپ نے
خدا کی راہ میں جان دیدی تم بھی اُسی راہ میں اپنی جان دیدو۔ یہ کہکر وہ کفار کی طرف
بڑھا۔ راستے میں اُسکو سعد بن معاذ ملا۔ انس نے اُسے کہا انی لاجد ریح الجنة
من دون احد۔ مجھے اُحد کی طرف سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ پھر وہ کفار کے
ساتھ جاکر لڑا اور لڑتے لڑتے شہید ہوگیا اور اُس کے جسم پر ستر زخم تھے یہانتک کہ کوئی
اُسے پہچان بھی نہیں سکتا تھا۔ اُسکی ہمشیرہ نے انگلیوں کے پوروں کے ذریعہ اُسے پہچانا۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ نے یعصمك من الناس کے وعدہ کے مطابق دشمن
کی تلواروں اور تیروں اور پتھروں میں سے بچا لیا۔ صحابہؓ دشمنوں کو مارمار کر پیچھے ہٹاتے
رہے یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر محفوظ جگہ میں پہنچا دیا۔ جب مسلمانوں کو معلوم
ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو رفتہ رفتہ سب صحابہؓ آپکے پاس جمع ہوگئے۔
ستر مسلمان اس جنگ میں شہید ہوئے۔ کفار نے بڑی بیرحمی سے صحابہؓ کی لاشوں کو کچلا۔
عورتوں نے مقتولین کے گوش و بینی کاٹ کر اُنکے ہار بنائے اور گلے میں پہنے ہندہ
نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکالکر چبایا۔ جب صحابہؓ نے شہیدوں کی لاشوں کا
یہ حال دیکھا تو اُنکی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسقدر صدمہ پہنچا
کہ آپ نے اپنے صحابہؓ کو حکم دیا کہ آئندہ تم بھی کفار کی لاشوں سے ایسا ہی سلوک کرنا اور
اپنے پیارے جان نثار چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھکر فرمایا لامثلن
بسبعین منھم مکانك یعنی تیرے عوض میں اُنکے ستر کو مثلہ کروں گا۔ مگر
فطری رحم عارضی بشری غضب پر غالب آکر مندرجہ ذیل آیت کے نزول کا محرک ہوا۔
وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ
لِّلصّٰبِرِيْنَ (پارہ ۱۴۔ سورہ نحل۔ رکوع ۱۶) یعنی اگر تم سزا دینی چاہو تو بس اتنی ہی
جتنی تمکو تکلیف دیگئی۔ اور اگر تم برداشت کر جاؤ تو یہ امر صابرین کیلئے بہت اچھا ہے۔
اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاشوں کے پامال کرنے اور مثلہ کرنے کی قبیح
رسم کو ہمیشہ کیلئے قطعاً حرام کر دیا اور صرف اسلام کو ہی یہ فخر حاصل ہوا۔ یہ رسم اسلام

سے پہلے سب قوموں میں جاری تھی۔ یہود اپنے اسیروں کو زندہ جلا دیتے تھے اور مقتولین کی لاشوں کو بڑی بے رحمی سے پامال کرتے۔ رومیوں۔ فارسیوں اور یونانیوں میں بھی یہ قبیح رسم جاری تھی عیسائیت نے بھی اس خوفناک رسم میں کوئی اصلاح نہ کی۔ سولھویں صدی مسیحی تک عیسائی زندہ آدمیوں کے اعضا کاٹ کاٹ کر انکو قتل کرتے تھے۔

جنگ کے ختم ہونیکے بعد کفار کے لشکر نے مکہ کی راہ لی۔ اب انہیں یہ طاقت نہ تھی کہ مدینہ پر حملہ کرکے دوبارہ لڑائی کو چھیڑیں۔ کیونکہ وہ میدان میں مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکے تھے۔ اگر مسلمانوں کو اس جنگ میں تکلیف پہنچی تو وہ ان تیراندازوں کی غلطی کا نتیجہ تھا۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا خلاف کیا کفار کی بہادری تو اسوقت ظاہر ہوگئی تھی جب کہ وہ میدان چھوڑکر بھاگ گئے تھے یہانتک کہ وہ اپنی عورتوں تک پہنچ گئے۔ اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو چکی تھی۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰٮكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۔ (آل عمران ۔۱۶) اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو اپنا وعدہ (فتح کا) سچا کر دیا تھا جب تم انکو (کفار کو) اللہ تعالیٰ کے حکم سے کاٹتے تھے یہانتک کہ تم پھسل گئے اور جھگڑا کیا (نبی کے) حکم میں اور نافرمانی کی بعد اسکے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو وہ چیز دکھا دی تھی جو تم چاہتے تھے (یعنی فتح دکھا دی تھی) غرض کفار نے لڑائی کا مزہ چکھ لیا تھا انہوں نے اتنے ہی کو غنیمت سمجھا کہ ہم اس کہنے کے لائق ہوگئے ہیں کہ ہمیں فتح ہوئی۔ اسلیئے انہوں نے مدینہ کا رُخ نہ کیا تا بنا ہوا کام کہیں پھر نہ بگڑ جائے اور نہ انہیں اب یہ سکت رہی تھی کہ مدینہ پر حملہ کرکے لڑائی کو دوبارہ اپنے ذمہ ڈال لیں۔ اسلیئے انہوں نے سیدھا مکہ کا رُخ کیا لشکر کی روانگی سے پہلے کفار کا سردار ابوسفیان اس جگہ آیا جہاں مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع تھے۔ یہاں آکر اسکو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اسلام کے ارکین جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما صحیح وسالم ہیں۔ اور جو صدمہ وہ

اسلام کو پہنچانا چاہتا تھا اُس میں اُس کو ناکامی ہوئی ہے۔ اور جو جوابات اُسکو مسلمانوں کی طرف سے ملے اُن سے بھی اُسکو ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کی قوت اور شجاعت میں ابھی کوئی ضعف نہیں آیا۔ چلتے ہوئے وہ مسلمانوں کو چیلنج دے گیا کہ آئندہ سال پھر بدر پر لڑائی ہو گی۔ راستے میں جب قریش نے شیخی سے لوگوں کو سنایا کہ ہم فتحیاب ہو کر آئے ہیں تو لوگوں نے اُنسے دریافت کیا کہ اگر تم درحقیقت فتح پاکر آئے ہو تو فتح کے نشان دکھلاؤ۔ قیدی اور غنیمت کا مال تمھارے پاس کہاں ہیں چنانچہ جب کفار کا لشکر حمراء الاسد میں پہنچا جو مدینہ سے قریباً ۸ میل کے فاصلہ پر ہے تو لوگوں نے اُن کو ملامت کرتے ہوئے کہا۔ لا محمداً قتلتم ولا الکواعب اردفتم بئس ما صنعتم۔ ارجعوا۔ یعنی تم کس فتح پر ناز کرتے ہو۔ نہ تو تمنے محمد (صلی اللہ علیہ سلم) کو قتل کیا اور نہ مسلمانوں کی جوان عورتیں (لوٹ کر) اپنے پیچھے چڑھالائے تم نے بُرا کیا۔ پھر لوٹ جاؤ۔ یہ ایسی باتیں تھیں کہ انکا جواب انکے پاس کچھ نہ تھا۔ سوچا کہ واقعی ہمیں کوئی ایسی کامیابی حاصل نہیں ہوئی جسکا ہم فخر کر سکیں اسلیئے شرم کو مٹانیکے لیئے پھر لوٹنا چاہا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قریش پھر لوٹنا چاہتے ہیں تو آپ نے صحابہؓ کو فوراً جنگ کے لیئے نکلنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی بھی میرے ساتھ نہ گیا تو مَیں تنہا جاؤں گا اور کفار سے جنگ کروں گا۔ مسلمان اگرچہ اکثر زخمی تھے۔ اور دن بھر کی گھمسان کی لڑائی کا تھکان بھی تھا پھر بھی لڑائی کے لیئے مستعد ہو گئے۔ اور اُحد کی لڑائی سے دوسرے دن ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب صحابہؓ کو ساتھ لیکر حمراء الاسد تک دشمن کا تعاقب کیا۔ مگر کفار کو کہاں حوصلہ تھا کہ پھر مسلمانوں سے لڑائی کریں اسی میں اُنہوں نے خیر سمجھی کہ ایک دفعہ بھاگ گئے اور شکست کھانے کے بعد شرم رہ گئی۔ آخر پھر مکّہ کی طرف مُنہ کیا اور ابو سفیان نے راستے سے یہ پیغام بھیجا کہ مَیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کی دوسرے سال آکر بیخکنی کروں گا۔ اگر اُس میں بیخکنی کی طاقت تھی تو اُسی وقت لوٹ کر بیخکنی کیوں نہ کر لی۔

یہ تیسی صرف فرار کو ڈھانپنے اور بزدلی پر پردہ ڈالنے کیلئے تھی۔ راستے میں ابوسفیان کے سپاہیوں کو دو مسلمان ہاتھ آگئے اُنکو قتل کر کے مکہ کی طرف چلدیئے۔

قریش تو اسلام کے دشمن تھے ہی مگر ہمارے مسیحی مہربانوں کو اسلام کے ساتھ اُنسے کم بُغض نہیں۔ قریش خواہ کیسی بے رحمی کے مرتکب ہوں اُنکو معاف۔ اگر مسلمان مجبور ہوکر اپنی اور اپنے اہل وعیال اور اپنے دین کی حفاظت کے لیئے ہاتھ اُٹھائیں تو مسیحی صاحبان شور مچا دیتے ہیں کہ دیکھو بھائیو! ظلم ہوگیا۔ اسی جنگ اُحد کو دیکھو۔ کفار نے مسلمانوں کی لاشوں کی کیسی بے رحمی سے بے حرمتی کی۔ مگر کیا مسیحی صاحبان میں سے کسی نے کبھی قریش کو ظالم اور بیرحم ٹھہرایا۔ اور جیسا کہ مسلمانوں کے ایک ایک کام کو چُن چُن کر اور اُسپر اپنا رنگ چڑھا کر شور ڈالتے اور واویلا کرتے ہیں اس طرح کبھی قریش کے مظالم کو گن گن کر کبھی اُنپر بھی ایسا ہی شور مچایا ہے؟ برخلاف اسکے قریش تو انکے نزدیک بالکل بے قصور اور مظلوم ہیں اور مسلمانوں کو عجیب عجیب ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ کاش کہ مسیحی صاحبان کے دل میں رائی بھر بھی انصاف ہوتا اور وہ اُنہی دردانگیز الفاظ پر غور کرتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے بلاکسی بناوٹ اور تکلف کے اسوقت نکلے جب صحابہؓ آپکے چہرہ مبارک سے خون کو دھو رہے تھے کیونکہ وہی الفاظ اِس امر کے فیصلہ کیلئے ایک انصاف پسند آدمی کے نزدیک کافی ہیں کہ فریقین میں سے کس کی طرف سے زیادتی تھی جب آپکے زخموں کو دھویا جارہا تھا تو آپنے فرمایا کیف یفلح قوم خضبوا وجہ نبیھم وھو یدعوھم الی ربھم (ابن ہشام۔ بیان غزوہ اُحد) یعنی وہ قوم کس طرح بامراد ہوسکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو اُسی کے خون سے رنگ دیا صرف اس وجہ سے کہ وہ اُنکو اُنکے رب کی طرف بلاتا ہے۔ یہ الفاظ بالکل بناوٹ اور تکلف سے خالی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرونی خیالات کا صحیح صحیح نقشہ پیش کرتے ہیں اور ایک منصف مزاج انسان کیلئے انسے بہتر حقیقی فیصلہ تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ انسے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لیئے نہیں لڑتے تھے کہ آپنے اُنسے پہلے جنگ چھیڑی تھی بلکہ انکی لڑائی کی بنا اُس عداوت پر تھی جو قریش لوگوں کو ہمیشہ

اپنے انبیاء کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر مسیحی صاحبان اس امر کو صفائی سے سمجھنا چاہتے ہیں تو یہی بات دوسرے الفاظ میں اس طرح بیان ہو سکتی ہے کہ قریش کے جنگ کی بناء اُسی عداوت پر تھی جو مسیحؑ کے صلیب پر لٹکایا جانے اور مُنہ پر تھوکا جانے کا باعث ہوئی۔ اور اگر مسیحی صاحبان اس امر کو اور بھی واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں تو میں یوں کہوں گا کہ قریش کے حملے مسلمانوں پر اُسی بُغض اور کینہ کی وجہ سے تھے جس کی وجہ سے ابتک مسیحی صاحبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک حملے کر رہے ہیں۔ دونوں قسم کے حملوں کا دراصل باعث ایک ہی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ عرب کے جاہل تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کرتے تھے مگر آجکل کے تہذیب کے مُدعی قلم اور زبان سے اسلام پر حملے کرتے ہیں۔ تعجب ہے کہ مسیحی صاحبان کو اسلام سے اسقدر تعصب اور بُغض ہے کہ اس تعصب کی وجہ سے وہ دنیا کی تاریخ کو بدلنا چاہتے ہیں۔ پہلے تو ہمیشہ سے سُنت اللہ یہی چلی آئی ہے کہ قومیں اپنے ناصحین سے عداوت کرتی تھیں مگر انکے نزدیک جب عرب میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے اپنی قوم کو توحید کی طرف بلایا اور بت پرستی سے اُنکو نفرت دلائی اور کئی سال صبر سے طرح طرح کے مظالم کو بھی برداشت کیا مگر عجیب بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام تاریخ کے برخلاف مسیحی صاحبان اُسی ناصح کو ظالم ٹھہراتے ہیں اور اُسکی قوم کو مظلوم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس امر سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ وہ شرک و گمراہی کے گڑھے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اُس ناصح نے اُنکو توحید اور ہدایت کی طرف بلایا۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے تئیں دُہراتی رہتی ہے مگر تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے نزدیک زمانہ کی تاریخ بالکل اُلٹ گئی وہ جو ناصح تھا ظالم ٹھہرا اور اُسکی قوم دنیا کی تمام قوموں کے برخلاف مظلوم بنی۔

اسی جنگ اُحد میں اور کئی ایسی باتیں ہیں جنسے ایک انصاف پسند انسان نتیجہ نکال سکتا ہے کہ قریش کی غرض مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے میں کیا تھی۔ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ کفار اپنے ساتھ اپنے بُت لائے تھے اور لڑائی کے وقت انہوں نے اُن ٹھاکروں کو قلب لشکر میں رکھا۔ اور پھر جب ابوسفیان کی گفتگو لڑائی کے بعد مسلمانوں

کے ساتھ ہوئی اُسوقت اُسنے پکار کر کہا اعل ھبل (ھبل دیوتے کی جے!) جسکے جواب میں مسلمانوں نے کہا اللہ اعلیٰ واجل (یعنی اللہ تعالیٰ سب سے اونچا اور سب سے بزرگ ہے) پھر اُسنے پکار کر کہا لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم یعنی عُزیٰ (بُت کا نام ہے) ہمارا ہے تمہارا نہیں جسکے جواب میں مسلمانوں نے کہا اللہ مولٰنا ولا مولیٰ لکم یعنی اللہ تعالیٰ ہمارا آقا و مددگار ہے اور تمہارا کوئی حامی و مددگار نہیں۔

لڑائی کے وقت بتوں کو اپنے قلب لشکر میں اس طرح رکھنا جس طرح بادشاہ اپنے لشکر کے وسط میں کھڑے ہوتے ہیں اور مقابلہ میں اپنے بتوں کی جے پکارنا جس طرح سپاہی اپنے بادشاہ کا نام فتح کے وقت پکارتے ہیں صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تئیں بتوں کے سپاہی خیال کرتے تھے اور انکی ساری لڑائیاں اپنے بُتوں کی عزت کے لیئے تھیں۔ چونکہ اسلام کا حملہ اُنکے بُتوں پر تھا اسلیئے اپنے بُتوں کی حمایت میں اُنکی سلطنت قائم رکھنے کے لیئے وہ اسلام پر حملہ کرکے اُسکو نابود کرنا چاہتے تھے۔

اس جنگ سے دو بڑے فائدے حاصل ہوئے۔ اوّل تو منافقین کا نفاق اور یہود کا عناد صاف طور پر کُھل گئے۔ دوسرا مسلمانوں کو یہ سبق حاصل ہوا کہ انکی کامیابی کی مدار کسی اُنکی اپنی طاقت اور قوت پر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ رسول کی اطاعت سے کسی وقت روگردانی نہ کریں۔ اُنکو اطاعت رسول کا ضروری سبق دیا گیا اور اُنکو دکھا دیا گیا کہ خدائے تعالیٰ تو تمہیں فتح دینے پر قادر ہے خواہ تم تعداد میں تھوڑے اور سامان میں کمتر ہو مگر یہ فتح اس شرط کے ساتھ وابستہ ہے کہ تم رسول کے حکم پر چلو رسول کی معصیت سے انکو شکست کا منہ دکھا کر اُنپر ثابت کر دیا کہ اطاعت کیسی ضروری ہے۔ یہ ایک ایسا سبق مسلمانوں کو سکھایا گیا جسکی قیمت کا اندازہ اس نقصان کے اندازہ سے زیادہ ہے جو مسلمانوں کو اُحد کے دن پہنچا۔

آپنے مدینہ سے نکلنے سے پہلے اپنے صحابہؓ کو اپنا ایک رؤیا سنایا آپنے دیکھا کہ آپ زرہ پہنے ہوئے ایک مینڈھے پر سوار ہیں۔ آپکی تلوار نوک کے پاس سے ٹوٹ گئی مگر دوبارہ جلدی درست ہو گئی۔ اور آپ کی آنکھوں کے سامنے ایک بیل ذبح کیا گیا۔ آپنے فرمایا کہ تلوار کے

ٹوٹنے سے مراد ہے کہ مجھے کچھ نقصان پہنچیگا۔ بیل ذبح ہونے سے میری جماعت کے بعض افرام کا شہید ہونا مراد ہے۔ مینڈھے پر سوار ہونا دشمن میں خونریزی ظاہر کرتا ہے اور زرہ سے مراد مدینہ ہے جو محفوظ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ صحابہؓ نے جب یہ سُنا کہ مسلمانوں میں کئی آدمی شہید ہونگے تو بعض صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ دعا فرمادیں کہ اُن شہدا ءمیں ہم بھی شامل ہوں۔

دیکھو ابن ہشام۔ زاد المعاد۔ مواہب زرقانی۔ فصل الخطاب مصنفہ حضرت مولوی نورالدین لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ ولیم میور)

آریوں کا ایک رسالہ گروکل سے انگریزی میں نکلتا ہے جسکا نام "ویدک میگزین" ہے اس میں ایک نامہ نگار الہام کی ضرورت کے بارے میں لکھتا ہے "انسان فطرتاً کامل نہیں۔ ہر ایک سچائی کا چشمہ پرماتما کی ذات ہے۔ وہی ایک کامل حاضر و ناظر اور علیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے نقائص کے سبب سے ہر لحظہ مزید روشنی کے محتاج ہیں اور باوجود تمام علوم و ہنر اور فلسفہ کے ہمکو مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ اے خدا تیرا کلام میرے راستہ کی روشنی ہے"۔ یہانتک تو مضمون نگار صاحب بالکل ایک مسلمان کی طرح لکھتے ہیں لیکن تعجب کی بات ہے کہ باوجود ایسے معتقدات کے آریہ سماج بھارت ورش کے چند رشیوں کے سوا جو انکے خیال کے مطابق ابتدائے عالم میں تھے اور سب پر الہام کا دروازہ مسدود کرتی ہے۔ نامہ نگار موصوف دوسری الہامی کتابوں کی نسبت اُسقدر سختی سے کام نہیں لیتا جو کہ آریہ سماجی دوستوں کا خاصہ ہے۔ جہانتک ہمارا علم ہے آریہ سماج کا یہ عقیدہ ہے کہ ویدوں کے سوا تمام کتابیں انسانی بناوٹ ہیں اور یہ کہ تمام انبیاءؑ جو آریہ ورت میں پیدا نہیں ہوئے معاذ اللہ راستباز نہیں تھے۔ لیکن نامہ نگار مذکور آریہ سماج کے

اس عقیدہ کے متعلق لکھتا ہے "کہ یہاں پر آریہ سماج نے ایک مدعیانہ رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اور چونکہ الہام انسانی ضروریات میں سے ہے اسلیئے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وید کے سوا دوسری کتابوں کو کیوں الہامی نہ مانا جاوے۔ یہ ایک متنازعہ فیہ امر ہے اور جبتک وید۔ بائبل اور قرآن زمین پر موجود ہیں یہ جھگڑا باقی رہیگا اور اسکا حل مشکل بھی ہے"۔ اگرچہ مضمون نگار اس سوال کو مشکل اور ناقابل حل قرار دیتا ہے مگر اُسکے ہم مذہب دوسرے آریہ سماجی اسے ایک فیصلہ شدہ امر سمجھتے ہیں۔ اور آریہ سماج نے کبھی اشارۃً بھی اس امر کا اظہار نہیں کیا کہ وید کے سوا کوئی اور بھی الہامی کتاب ہو سکتی ہے۔ مگر یہ مضمون نگار صاحب آریہ سماج کے اس عقیدہ کو ماننے کے لیئے تیار نہیں اور اُنکے خیال میں اس امر کا فیصلہ کرنا ہی مشکل ہے۔ لیکن ایک مسلمان کو اس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جو لالہ صاحب کی اسقدر پریشانی کا موجب ہوئی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہر قوم میں خدا کے تعالیٰ کے رسول مبعوث ہوئے چنانچہ ارشاد باری ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ (فاطر) یعنی ہر ایک قوم میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا آتا رہا ہے۔ اسلیئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک مسلمان ویدوں کے در اصل الہامی ہونیکا انکار کرے۔ اور اگر ویدوں میں کوئی ایسی تعلیم ملتی ہے جو کہ خدائے تعالیٰ کے نبیوں کی پاک تعلیم کے مخالف ہے مثلاً نیوگ یعنی اولاد حاصل کرنیکے لیئے کسی مرد کا اپنی بیوی کو دوسروں سے ہم بستر کرانا وغیرہ تو ایسی غلط تعلیم کو انسانی دست اندازی اور تحریف قرار دیا جا سکتا ہے۔ الغرض فرقان حمید کے ماننے والوں پر لازم آتا ہے کہ وہ دنیا کے ہر ایک نبی کی توقیر کریں خواہ وہ کسی قطعہ زمین پر پیدا ہوئے ہوں۔ لائق نامہ نگار کو جو مشکل پیش آئی ہے وہ آریہ سماج کے اس عقیدہ کا ہی نتیجہ ہے کہ آریہ ورت کے علاوہ کسی ملک میں الہام الٰہی نہیں ہوا۔

لیکن اس اعتقاد کی لغویت کسی تصریح کی محتاج نہیں۔ زمانہ قدیم میں قوموں کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ اور واسطہ نہیں تھا۔ ایک ملک کے لوگوں کو یہ معلوم

نہیں تھا کہ دوسرے ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ اس سبب سے جیسا کہ قرآن مجید سے پایا جاتا ہے مختلف ممالک میں مختلف انبیاءؑ کا ظہور ہوا۔ اب دیکھیئے کہ ویدوں کو ہندوستان میں بھی لوگ اچھی طرح نہیں جانتے پھر دوسرے ممالک کا خیال محض خیال ہی نہیں تو اور کیا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ویدوں کا نزول دنیا کی تمام قوموں کیلئے ہوا ہی نہیں اور بڑے لطف کی یہ بات ہے کہ اس زمانہ میں بھی جبکہ تمام دنیا صرف ایک بڑے ملک کا حکم رکھتی ہے ویدوں کے ماننے والوں میں بھی اُن کے پڑھنے والے بہت ہی کم ہیں۔ ہمارے آریہ دوست اگرچہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ویدوں کا پرچار کُل دنیا پر کریں گے مگر تاحال اُنکا ہاتھ بھی اُن مخفی خزانوں تک نہیں پہنچا جو عالم خیال میں مقدس ویدوں کے اندر جمع ہیں! اگرچہ آریہ سماج کا تیسرا نیم یہ ہے کہ ”ہر ایک آریہ کا فرض ہے کہ ویدوں کو پڑھے پڑھائے۔ سُنے اور سُنائے“ مگر باوجود اس حکم کے بہت سے مہاشہ ایسے ہونگے جنکو یہ بھی نصیب نہیں ہوا کہ وید کو ایک نظر سے تو دیکھ لیں۔

اب ہمارے ناظرین ان حالات کا مقابلہ ذیل کی تحریر سے کریں۔ جو کہ سی ڈبلیو آر چیولڈ ایک امریکن اخبار میں لکھتے ہیں صاحب موصوف لکھتے ہیں ”مسلمانوں کے ملکوں کی سیر کرنیوالے سیاحوں نے عموماً بیان کیا ہے کہ اہل اسلام جسقدر قرآن سے محبت رکھتے ہیں اسقدر مسیحی لوگ بائبل سے نہیں رکھتے۔ میرا اپنا علم یہ ہے کہ مسجدوں اور اسلامی مکتبوں میں میں نے سوائے قرآن کے اور کسی چیز کی تعلیم نہیں دیکھی اور میں سمجھتا ہوں کہ قاہرہ کی اسلامیہ یونیورسٹی میں بھی یہی حال ہوگا جسکی نسبت ایک مصنف لکھتے ہیں کہ ایک وسیع احاطہ میں پختہ فرش پر دو ایکڑ زمین میں صرف پگڑیاں ہی پگڑیاں دکھائی دیتی ہیں اور چھت کے . . ۴ ستونوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک معلم شاگردوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے“

پروفیسر نولڈیک انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں لکھتے ہیں کہ ”دنیا کی

سب کتابوں میں سے قرآن مجید سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے" اور اسی وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ وید ایک ایسی کتاب ہے جو سب سے کم پڑھی جاتی ہے۔ القصہ ایسا اعتقاد رکھنا بیہودہ اور لغو ہے کہ پرماتما نے اپنا الہام وید جیسی گمنام کتاب تک ہی محدود رکھا۔ حالانکہ ویدوں کے جوشیلے پیرو آریہ سماجی بھی اُنکو بہت کم پڑھتے ہیں۔ اگر کوئی معقول عقیدہ ہے جو کہ قابل پذیرائی ہوسکتا ہے تو وہ اسلامی عقیدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی خاص قوم کی رعایت ملحوظ نہیں بلکہ اُس نے تمام قوموں میں اپنے رسول مبعوث فرمائے ہیں اور ہم جائز فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں اس قسم کی تعلیم ہے اور جسکے ماننے والوں کو ہدایت ہے کہ دوسرے مذاہب سے اسقدر نرم برتاؤ کریں یہی سبب ہے کہ ہم دوسرے مذاہب کے رشیوں یا پیغمبروں یا اُنکی کتابوں کی نسبت سخت کلامی نہیں کرسکتے جس میں ہمارے آریہ دوست آئے دن مصروف رہتے ہیں۔ برعکس اسکے ہم ان سب کو عزت اور ادب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ زمانہ قدیم میں تمام قومیں ایک دوسرے سے علیحدہ تھیں اور اُنکے درمیان ناقابل عبور رکاوٹیں واقع تھیں اسلیئے ممکن نہ تھا کہ تمام دنیا کے لیئے ایک رسول اور ایک کتاب اُتاری جاتی مگر جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو یہ تمام رکاوٹیں اُٹھ گئیں آمدورفت کے ذرائع وسیع ہوگئے اور تمام قومیں ملکر گویا ایک ہوگئیں اسلیئے اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا تمام آئندہ زمانوں اور تمام قوموں کیلیئے ایک کامل نبی بھیجا اور ایک کامل کتاب نازل فرمائی۔ صرف ہم ہی یہ دعویٰ قرآن مجید کے لیئے نہیں کرتے بلکہ قرآن کریم خود صاف اور کھلے طور پر دعویٰ فرماتا ہے کہ آنحضرتؐ کل قوموں کیلیئے رسول ہوکر آئے ہیں اور آپکی کتاب بھی کل دنیا کیلیئے ایک کامل شریعت ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء - ۷) یعنی ہم نے تجھکو (اے نبی صلعم) کل عالموں کیلیئے رحمت کرکے بھیجا ہے۔ اور پھر فرمایا ہے قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ یعنی اے (نبی صلعم) کہدے کہ لے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوکر آیا ہوں۔ پھر فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا - ۳) یعنی اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر سب لوگوں کے واسطے۔ مزید برآں قرآن کریم کامل کتاب ہونیکا بھی دعویٰ کرتا ہے جیسا کہ

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ - ۱) آج میں نے تمہارے لیئے تمہارے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا اور میں نے تمہارے لیئے اسلام کا دین پسند کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عالمگیر بعثت کا عملی ثبوت اس طرح دیا کہ آپ نے قرب و جوار کے تمام بادشاہوں اور حکام کو اسلام کی طرف بلایا - دنیا کی تمام مقدس کتابوں میں سے ایک قرآن شریف ہی ہے جو کہ کامل شریعت لانیکا مدعی ہے اور تمام سچائیوں کو جو مختلف کتابوں میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں اُنکے جامع ہونیکا دعویٰ بادلیل کرتا ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً فِیْہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (بینہ) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول جو کہ پاک صحیفوں (یعنی قرآن مجید) کو پڑھتا ہے جنمیں تمام راست کتابیں شامل ہیں - پھر فرماتا ہے - یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَہْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (نساء - ۵) اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ تمھیں کھولکر بیان کرے اور ہدایت کرے تمھیں اُن لوگوں کی راہیں جو تم سے پہلے تھے ۔ کامل اور عالمگیر ہونیکا دعویٰ صرف قرآن مجید نے کیا ہے - اور کسی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا - کیا قرآن مجید کی طرح وید یا انجیل نے کسی جگہ اس تصریح سے یا کسی اور کتاب نے اپنے کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے ؟ جبتک یہ کتابیں خود اپنے کامل یا عالمگیر ہونیکی مدعی نہ ہوں اُسوقت تک اُنکے ماننے والوں کے دعاوی مدعی سست اور گواہ چست سے بڑھکر وقعت نہیں رکھ سکتے اور اُنکی خاموشی اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ خاص قوموں اور خاص زمانوں کیلیئے تھیں اور انمیں جو ہدایات مندرج ہیں وہ خاص لوگوں کیلیئے خاص حالات کے ماتحت دیگئی تھیں - اگر وید کی نسبت یہ کہا جائے کہ الہام الٰہی کی ابجد ہے تو شاید موزون ہوگا لیکن اس زمانہ میں ویدوں کو گوشۂ گمنامی سے باہر لانے کی کوشش کرنا محض تضیع اوقات ہے - کیا دنیا کی امیدوں کا سہارا کوئی ایسی کتاب ہو سکتی ہے جس کے جوشیلے پیرو بھی اس سے ناواقف ہوں ؟ اسکی تصدیق میں دیکھو ایک اور نامہ نگار میگزین مذکورہ میں کیا کہتا ہے - اُسکی شہادت پڑھنے کے قابل ہے - وہ لکھتا ہے "آریہ سماج میں

ہمارے ہاں سنسکرت دان پنڈتوں کی نہایت افسوسناک غلطی ہے ہم نے ویدک تعلیم کی ترقی کے لیئے کچھ بھی نہیں کیا۔ یورپ کے علماء اور انکے ہندوستانی شاگرد وید کے منتروں کے خوفناک تراجم کر رہے ہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس نقصان پر ہمیں افسوس کرنا پڑتا ہے۔ مگر اسکے اثر کا زائل کرنا ہماری طاقت سے بالاتر ہے۔ وہ وید کے الفاظ کو موڑتے اور توڑتے ہیں اور وہی معنے کرتے ہیں جنسے انکی مطلب برآری ہوتی ہے۔ ہم نہایت بیکسی سے اس دردانگیز اور ہتک آمیز نظارہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن ہمارے درمیان کوئی نہیں جو ہماری مقدس کتابوں کی حمایت میں ایک کلمہ بھی کہہ سکے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ویدوں کا پرکاش اُسوقت ہوا جبکہ انسان نے اس زمین پر اپنا پہلا قدم رکھا۔ مگر مغربی علماء اس عقیدہ کو بیہودہ اور بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ وید تمام علوم کا مخزن ہیں مگر یوروپین سنسکرت دان اس بات پر ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ ویدوں میں یا تو وہ گیت ہیں جو آریہ گڈریوں نے قدرت کے مظاہر کو دیوتا سمجھکر انکی تعریف میں گائے ہیں یا وہ قواعد ہیں جو ان دیوتاؤں کی رضا کیلیئے حیوانوں اور بعض اوقات انسانوں کی قربانیوں کے وقت آریوں کا دستور العمل تھے۔ مجھے یہ بات شرم سے تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ ہمارے ہاں کوئی ایسا عالم نہیں جو وید کے تراجم کے قاعدوں سے واقف ہو اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ہے جو مغربی علوم میں کامل مہارت رکھتا ہو تا کہ ان الزامات کا کافی جواب دے سکے ...... اس میں کیا کلام ہے کہ اسوقت ہم ایسے مقابلہ کی بالکل طاقت نہیں رکھتے .... ہم بڑھ چڑھ کر یہ تو کہدیتے ہیں کہ تمام دنیا کو ویدک دھرم کے جھنڈے کے نیچے لائینگے مگر میرے نزدیک یہ ایک خالی شیخی ہے۔ آریہ سماج کے بانی کی موت کو ۲۵ برس سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا مگر باوجود بڑے بڑے ڈینگ مارنے اور شیخی بگھارنے کے ہم وید اور شاستروں کی تعلیم رائج کرنے میں ناکام رہے ہیں + ہمارے علماء سے یہ بھی نہیں ہوسکا کہ ویدوں اور شاستروں پر ایک ہی عالمانہ بھاشیں لکھدیں .... اگر کسی جگہ ہمارے پنڈتوں کے خیالات کو ذرا سی بھی مدد ملتی دکھائی دیتی ہے تو فوراً اصل متن کو بیان کرتے وقت ہماری پنڈت الفاظ کو مروڑتے توڑتے ہیں اور وہی معنے گھڑے جاتے ہیں جو کہ انکی عین خواہش ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی منتر ایسا ہے کہ جسکو وہ کسی طرح توڑ مروڑ نہیں سکتے تو اسکی نسبت بلا سوچے سمجھے یہ فیصلہ دیدیتے ہیں کہ یہ پوپوں کی گھڑنت ہے۔ کسی منتر کا ترجمہ کرنیکے وقت

ہمارے پنڈت اس بات کے ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں کہ ویدوں میں تمام علوم کے بنیادی اصول ہیں اور اسلیئے اُنکو ہرایک ایسے منتر کا ترجمہ کرتے وقت جسمیں اگنی۔ وایو وغیرہ کا ذکر ہوتا ہو ذرا بھی یہ کہنے میں تامل نہیں ہوتا کہ اس منتر میں فلاں فلاں چیز کے مخفی رازوں کا ذکر ہے۔ ..... اس کا نتیجہ قابل افسوس ہے۔ انکی تشریح ایسی بے محل اور بھونڈی ہوتی ہے کہ پڑھنے والا نفرت سے کتاب کو پھینک دیتا ہے اور ویدوں کی نسبت اُسکی اچھی رائے نہیں رہتی"۔

مذکورہ بالا تحریر جو ایک لائق آریہ لالہ گھاسی رام ایم اے۔ ایل ایل بی کی قلم سے نکلی ہوئی ہے اُن کوششوں کی ایک افسوس ناک مگر بالکل صحیح تصویر ہے جو کہ آریہ سماج ویدوں کے زندہ کرنے اور دنیا کو ویدک دھرم کے جھنڈے کے نیچے لانیکے لیئے کر رہی ہے۔ آریہ صاحبان مغربی لوگوں کے تراجم کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی اُن ہندوؤں کا ترجمہ انکی آنکھ میں وقعت رکھتا ہے جو دیانند کے پیرو نہیں۔ اور افسوس کا مقام ہے کہ آریوں کے اپنے پنڈت ایسے بے دست و پا ہیں کہ دنیا کے سامنے ویدوں کی صحیح صحیح تفسیر پیش نہیں کر سکتے۔ اور جب کبھی وہ کسی منتر کی تشریح کرتے ہیں تو دیانت سے کام نہیں لیتے بلکہ ایسا ترجمہ کرتے ہیں جو در اصل ان منتروں میں موجود ہی نہیں ہوتا پھر وید کے ایسے مفسرین سے دنیا کس فائدہ کی امید کر سکتی ہے؟ اگر مغربی سنسکرت دانوں کے اور پرانے ہندوؤں کے تراجم معتبر نہیں تو پھر کس طرح مانا جاوے کہ آریہ سماج نے جو ویدوں کی تشریحات کی ہیں وہ درست اور قابل پذیرائی ہیں۔ آریہ سماج کے ہی نقطہ خیال سے اگر دیکھیں تو دنیا تو ویدوں کے سمجھنے سے عاری ہے اور سماجی پنڈتوں کے بیانات ابھی تک قابل اعتبار نہیں اور پھر بدقسمتی سے وید ہی ایک ایسی کتاب ہے جسکو پرماتما نے دنیا کی رہنمائی کے لیئے بھیجا ہے۔ اب بیچاری دنیا کا کیا حال جسے کتاب بھی ملی تو ایسی کہ صدہا سال ایک معمہ ہی رہی اور اب بھی ایک سربمہر کتاب ہے۔ مضمون نگار صاحب تو پنڈتوں کو الزام دیتے ہیں مگر ان غریبوں کا کیا قصور ہے۔ ابتدا پنڈت دیانند بانی آریہ سماج کی طرف سے ہوئی ہے باقی سب اُنکے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

چونکہ عنوان بالا کے ماتحت ہر ماہ میں ایک دو یا چار صفحوں تک ہوتے ہیں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اسے ایک مبتذل مضمون کی طرح سمجھکر بے توجہی سے کام نہ لیا جاوے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ رپورٹ نہ کوئی دلکش مضمون اور نہ ہی کوئی دلچسپ کہانی ہے۔ اور نہ ہی اسکے اندر کوئی ایسے لطائف یا نکات موجود ہیں جو خود بخود توجہ کو کھینچ لیں۔ لیکن اس کا پڑھنا سب احمدیوں کا قومی فرض ہے۔ کیونکہ یہ اس سلسلہ کی زندگی کا ایک ورق ہے۔ اسکے پڑھنے میں گو لذت نہ ملے بلکہ بجائے اسکے اسپر عمل کرنے میں مشقت اُٹھانی پڑے۔ مگر یہ مشقت ہی ان راحتوں کا سرچشمہ ہے جنکے حاصل کرنیکے لئے ہم سے پہلے لوگوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کر دیا یہ اعلائے کلمتہ اللہ اور اشاعت حق کی کوششوں میں اس راہ پر قدم مارنا ہے جس راہ پر خدا کے برگزیدہ مرسل آخری زمانہ کے مصلح نے اٰخرین منھم کی جماعت کو چلایا ہے۔ پس یہ حق ان صفحات کا ان تمام احباب پر ہے جو اس سلسلہ میں منسلک ہیں۔

بجٹ ۲۵ ستمبر کے اجلاس معتمدین میں کئی ایک اہم معاملات پیش تھے۔ مختلف انجمنوں کی آرا بجٹ کے متعلق پیش ہو کر ایک لاکھ اکیس ہزار سات سو چودہ روپے کا بجٹ خرچ یکم اکتوبر سے ۳۰ ستمبر ۱۹۱۰ء تک کے بارہ مہینوں کیلئے پاس کیا گیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ وہ ان کاموں کو نئے سال میں پورا کرنیکی توفیق دے۔ چونکہ بورڈنگ میں تعیین اخراجات بورڈران کی تجویز کی سوائے ایک دو انجمنوں کے باقی سب نے تائید کی تھی اسلئے پندرہ ہزار روپیہ آمد و خرچ بورڈنگ ہوس کا بجٹ میں بڑھایا گیا ہے۔ اب اس تعیین کے قواعد زیر تجویز ہیں اور امید ہے کہ اخیر دسمبر تک قواعد وغیرہ طے ہو کر جنوری ۱۹۱۰ء سے اس تجویز پر عملدرآمد شروع ہو جائیگا۔ انجمن احمدیہ سیالکوٹ کی رائے کہ گرلز سکول کا خرچ قادیان کی مقامی انجمن برداشت کرے اور صدر انجمن پر یہ بوجھ نہ ڈالا جائے منظور ہوئی۔ اور اسی انجمن کی یہ تجویز کہ قریب کے دیہات میں جو شاخیں کھولی گئی ہیں انکی ضرورت نہیں پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ شاخیں چونکہ کھل چکی ہیں اور قریب دو سال سے جاری ہیں اسلئے سردست توڑی نہیں جاسکتیں لیکن وہاں کی جماعتوں سے دریافت کیا جاوے کہ وہ کسقدر مدد صدر انجمن کو دے سکتی ہیں۔ انجمن احمدیہ

کپورتھلہ نے یہ رائے پیش کی تھی کہ کانفرنس انجمنہائے احمدیہ سالانہ جلسہ دسمبر کے ساتھ نہ ہوا کرے اور بجٹ بجائے انجمنوں کو بھیجنے کے مناسب ہے کہ کانفرنس میں ہی پیش ہوا کرے۔ مجلس معتمدین نے اسکے متعلق قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھا ہے کہ اس سوال کو دیگر انجمنہائے احمدیہ کے سامنے پیش کیا جاوے۔ صدر انجمن کا مالی سال چونکہ ۳۰ ستمبر کو ختم ہوتا ہے اسلیئے ستمبر کا مہینہ ہی ایسی کانفرنس کے لیئے مناسب ہے۔ پس کانفرنس کے اجتماع کیلیئے ستمبر کے شروع میں ہر ایک انجمن کے سکرٹری و پریزیڈنٹ کا آنا ضروری ہوگا۔ اگر انجمنیں اس تجویز کو پسند کر سکیں تو یہ اس لحاظ سے بھی عمدہ تجویز ہے کہ ان احباب کو جو ان دینی کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں سال میں دو بار جمع ہونیکا موقعہ مل جائیگا۔

متفرق چندے۔ کسی گذشتہ رپورٹ میں احباب کو یہ توجہ دلائی گئی تھی کہ متفرق چندوں سے قوم کی توجہ تقسیم ہو کر وہ کام جو کل قوم کی متفقہ توجہ سے ہو سکتے تھے ادھورے رہ جاتے ہیں۔ یہ کسی ایک شخص کا ذاتی خیال نہیں بلکہ سب جگہ وہ احباب جنکے سپرد احباب سے چندہ وصول کرنیکا کام ہے اس دقت کو محسوس کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے احباب نے مجھ سے خود اس دقت کا ذکر کیا ہے۔ کہ جب کبھی کوئی خاص چندہ اس طرح پر کیا جاتا ہے تو ماہوار مقررہ چندوں کے لازماً بقائے رہ جاتے ہیں۔ گذشتہ اجلاس مجلس معتمدین میں ایک درخواست اس مضمون کی مجلس کے سامنے پیش ہوئی ہے کہ بعض لوگ بلا استصواب صدر انجمن احمدیہ چندہ کیلیئے عام طور پر جماعت میں تحریک کرتے رہتے ہیں اسکے لیئے کوئی مناسب انتظام ہونا چاہیئے۔ اس درخواست پر صدر انجمن کی طرف سے یہ اعلان ضروری سمجھا گیا ہے کہ "بجٹ میں جن اخراجات کو منظور کیا جاتا ہے سب احمدیہ انجمنوں اور احمدیہ پبلک کا یہ فرض ہے کہ اسے پورا کرنیکے لیئے پہلے کوشش کیجاوے اور اسے سب تحریکوں پر مقدم کیا جاوے۔ بجٹ کے اخراجات کے علاوہ اگر کسی صاحب کے خیال میں کوئی نئی ضرورت پیش آئی یا نئی تحریک کرنا چاہیں تو لازم ہوگا کہ اسے صدر انجمن میں پیش کریں صدر انجمن اگر مناسب دیکھے گی تو اسی سال کے بجٹ کے منظور شدہ اخراجات سے اسے پورا کریگی یا آئندہ سال کے بجٹ تک اسے ملتوی رکھیگی یا اسکے لیئے خاص چندہ کریگی"۔ گذشتہ سالانہ اجلاس دسمبر میں بھی جب یہ سوال حضرت خلیفۃ المسیح کے سامنے پیش ہوا تھا تو آپنے فرمایا تھا کہ صدر انجمن کے چندے ایسے ہیں جیسا ایک مہمان ہوتا ہے جسکی دعوت کیجاتی ہے اور جسکے لیئے ہر طرح سے تیاری کی جاتی ہے پھر عین اسوقت جب وہ کھانا تیار ہو چکا ہے تو ایک سوالی بھی آجاتا ہے یہ متفرق چندوں کی مثال ہے اصل غرض تو مہمان کو ہی کھلانا ہوتا ہے مگر سوالی کو بھی خالی ہاتھ نہیں پھیرا جاتا۔ اگر کسی صاحب کے

دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ صدر انجمن کے چندوں کو کیوں مقدم کیا جاوے تو اسے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ صدر انجمن انہی کاموں کو کرتی ہے جنکا اجرا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود کیا اور جنکے لیئے چندونکو لازمی قرار دیا۔ پس صدر انجمن کے اغراض سے مراد ہی وہ سلسلہ کے اغراض ہیں جنکو حضرت مسیح موعود نے اغراض قرار دیا۔ ہماری جماعت ایک ضعفار کی جماعت ہے کس شخص کا دل نہیں چاہتا ہو گا کہ وہ حضرت صاحب کے اس ارشاد کی تعمیل میں پوری کوشش کرے جسکے نکلے ہوئے بھی پانچ سال ہو گئے کہ میگزین کی اشاعت دس ہزار تک پہنچ جائے لیکن کہانتک ہمنے اسے پورا کر دکھایا جو اور بکھیڑوں میں بھی لگ گئے؟

ولایت میں احمدیہ مشن۔ مسٹر وب امریکہ کے مشہور نومسلم ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے اس لیکچر کو پڑھکر جو انہوں نے گذشتہ دسمبر میں بعنوان انگریزی ممالک میں تبلیغ اسلام دیا تھا۔ لکھتے ہیں کہ نہ صرف انکی بلکہ اور لوگوں کی بھی جو اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں یہ خواہش ہے کہ کوئی پیدائشی مسلمان ان ممالک میں تبلیغ اسلام کرے۔ اسلیئے اگر صدر انجمن احمدیہ اپنی طرف سے کوئی ایسا قابل آدمی بھیجے جو اسلام کی تعلیم بخوبی واقف ہو اور انگریزی میں تبلیغ کر سکے تو امید ہے کہ بہت کامیابی ہو گی۔ مگر ابتدا میں اس مشن کے اخراجات انجمن کو ادا کرنے ہونگے جبتک کہ وہاں معاونین پیدا ہو جائیں۔ مسٹر وب نے خود بھی ہر طرح سے امداد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یورپ یا امریکہ میں احمدیہ مشن کا قائم کرنا کثیر اخراجات کو چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف صدر انجمن نے جو تجویز بعض کتابوں کے ولایت میں شائع اور تقسیم کرنیکی کی ہے وہ بھی دراصل اسیوقت مفید ہو سکتی ہے جب مشن وہاں قائم ہو تاکہ کتابیں انہی لوگوں میں تقسیم ہوں جو دلچسپی بھی رکھتے ہیں۔ اور جنکے انسے فائدہ اُٹھانیکی امید ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک رؤیا بھی ایک مرتبہ بیان فرمایا تھا جسکا مضمون قریب قریب ایسا تھا کہ آپ لنڈن میں لیکچر دے رہے ہیں کیا عجب کہ آپکے کسی غلام کے ہاتھ پر یہ رؤیا پورا ہو۔ پس ایک طرف تو ضرورت اور دوسری طرف اخراجات کا مقابلہ۔ اس مشکل کو بھی صدر انجمن نے انجمنہائے احمدیہ کے سامنے رکھا ہے کہ انکی رائے کو معلوم کر کے اسپر کوئی فیصلہ کیا جاوے۔

جلسہ سالانہ۔ سالانہ جلسہ میں دو ہی ماہ باقی رہ گئے ہیں۔ چونکہ عید الضحیٰ کی مبارک تقریب ۲۴ دسمبر کو ہے اسلیئے مجلس معتمدین نے ۲۴-۲۵ اور ۲۶ دسمبر سالانہ جلسہ کی تاریخیں مقرر کی ہیں۔ تخفیف کرایہ ریلوی کیلیئے عنقریب درخواست کی جاوے گی۔ مکان کے متعلق ابھی تک کسیقدر دقتیں ہیں۔ سال گذشتہ میں ایک عارضی چھپر تیار کرایا گیا تھا مگر وہ اس قابل نہ تھا کہ برسات کی بارشونکی برداشت کر تا لہذا

اسے اُتارنا پڑا۔ خیموں کے ملنے میں نمائش کی وجہ سے دِقّت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سوال پر بھی انجمن غور کر رہی ہے۔ سالانہ جلسہ کے اخراجات کا تخمینہ تین ہزار کیا گیا ہے۔ اور اس رقم کا بہت جلد پورا ہونا ضروری ہے کیونکہ لنگر کی ماہوار آمد بمشکل اسکے اخراجات کے لیے مکتفی ہوتی ہے۔ اس رقم کے پورا کرنیکے لیے بھی امید ہے کہ انجمنیں تجاویز سوچکر پیش کرینگی تا کہ کسی ایک تجویز کے مطابق عمل کرکے جلد انجمنوں کو اطلاع دیجاوے۔

تعمیر کے چندہ کیلیئے جس وفد کے نکلنے کا خیال گذشتہ ماہ میں کیا گیا تھا بعض روکوں کی وجہ سے اس میں ادر التوا واقع ہو گیا ہے۔ اور تعمیر کا روپیہ نہ ہونیکی وجہ سے بورڈنگ کی تعمیر کا کام بھی کا رُکا ہے۔

عید فنڈ۔ عید الفطر گذر چکی۔ عید فنڈ کا جسقدر روپیہ جمع ہو چکا ہو وہ بہت جلد محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام بھیجدیا جاوے۔ امید ہے کہ اگلے رسالہ میں یہ اعلان ہو سکیگا کہ کس کس جماعت سے کس کس قدر چندہ عید فنڈ کا وصول ہوا۔

انجمنہائے احمدیہ۔ جس صورت میں سلسلہ کے کام اور اسکی ذمہ داریاں دن بدن بڑھتی جاتی ہیں۔ انجمنہائے احمدیہ کا باضابطہ قیام ہر جگہ ضروری ہے۔ دو سال ہوئے کہ ان انجمنوں کے لیے قواعد تجویز کرکے بھیجے گئے تھے مگر ابتک اکثر مقامات پر انجمنوں کی حالت قابل اطمینان نہیں۔ وصولی چندہ میں بہت تساہل سے کام لیا جاتا ہے۔ ان انجمنوں کے قیام سے اصل غرض تو یہ تھی کہ ہر جگہ کے احباب کو سلسلہ کی ضروریات خود بخود مدّ نظر رہیں اور بار بار صدر مقام سلسلہ سے تحریک کی ضرورت نہ رہے۔ مگر بہت تھوڑی انجمنیں ہیں جو اس غرض کو پورا کر رہی ہیں۔ اکثر جگہ وصولی چندہ کا باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ خدا کرے کہ اس ضرورت کی طرف ہمارے احباب کو جلدی توجہ ہو۔

واعظین۔ حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے ارشاد سے یہ تجویز ہے کہ تین چار احباب جن میں مفتی محمد صادق صاحب بھی ہونگے۔ ہندوستان میں تبلیغ کیلیئے جاویں۔ اور جہاں جہاں آریہ سماج نے ارتداد کا جال پھیلانا چاہا ہے وہاں مشن قائم کرنیکے لیے عملی تجاویز سوچیں۔ امید ہے کہ مفتی صاحب موصوف جو صدر انجمن احمدیہ کے محاسب ہیں اس دورہ میں احمدیہ انجمنوں کے قیام کی طرف پوری توجہ فرماوینگے۔ اور ان علاقوں میں انجمن کی طرف سے چندہ تعمیر کی فراہمی کی کوشش کریں گے۔ التماس ہے کہ سب احباب انکو ان اغراض کی تکمیل میں مدد دیں۔

(سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)

گوشوارہ آمد و خرچ خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ضلع گورداسپور بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء

اشاعت اسلام

اعانت	اردو	انگریزی	ضمیمہ	متفرق	کرایہ	بکڈپو	میزان	بقایا گذشتہ	کل میزان	عملہ	طبع	کاغذ	بکڈپو	سائر	ٹکٹ	لائبریری	متفرق	انتظامی اخراجات	اسباب	تعمیر	میزان خرچ	باقی یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء
مالالعہ ۶/۵ پائی	سماعہ ۱۱/۶ پائی	ماللعہ ۵/	عہ ۱۲/	للعہ ۱۵/۶ پائی	عہ	للعہ ۱۵/۹ پائی	مالاللعہ ۱/۳ پائی	الاللعہ ۲/۳ پائی	صماعہ ۳/۶ پائی	سماعہ ۶/	مالاللعہ ۷/۳ پائی	للعہ ۸/	[illegible]	ماعہ ۸/	ماعہ	عماعہ ۱/	عہ ۸/۹ پائی	صہ	عہ ۷/	ماعہ ۱۴/۹ پائی	سماعہ ۱۴/۶ پائی	الاللعہ ۷/

تعلیم

چندہ مدرسہ	فیس مدرسہ	فیس بورڈنگ	عید فنڈ	کرایہ مکانات	سرکاری گرانٹ	میزان	بقایا گذشتہ	کل میزان	عملہ	سائر	سامان	مرمت	غیر معمولی اخراجات	متفرق	انتظامی اخراجات	کرایہ	میزان خرچ	فاضل یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء
صماعہ ۶/۳ پائی	اساللعہ ۱۳/۳ پائی	ساللعہ ۱۲/۳ پائی	۱/	للعہ ۸/	مالعہ ۲/۲ پائی	سماعہ ۱۱/۱ پائی	سماعہ ۱۳/۹ پائی	اساعہ ۸/۳ پائی	لماعہ ۳/۳ پائی	ماعہ ۱۰/۳ پائی	مالعہ ۱۴/	مالعہ ۳/۶ پائی	للعہ ۸/	للعہ ۸/	للعہ	للعہ	صماعہ ۱۲/	ماعہ ۳/۹ پائی

مقبرہ بہشتی

حصہ آمد	حصہ جائداد	متفرق	کرایہ مکانات	شرط اول	فروخت جائداد	امداد اضیاف	میزان	بقایا گذشتہ	کل میزان	عمود دفتر مقبرہ	باغیچہ	مساجد	واعظین	متفرق	تعمیر	انتظامی اخراجات	انتظام جائداد	میزان خرچ	باقی یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء
ماعہ ۳/۹ پائی	عہ	معہ ۸/۳ پائی	صہ ۸/	مہ ۸/	ماعہ	مالعہ ۳/۶ پائی	صماللعہ ۱۵/۳ پائی	مالعہ ۱۵/۱ پائی	الاعہ ۱۴/۴ پائی	ماعہ ۵/	عہ	لہ ۸/	عہ ۳/	لہ	صہ ۱۳/۶ پائی	عاعہ ۸/	اسالعہ ۱۴/	ساعہ ۲/۶ پائی	اسالعہ ۱۱/۱۰ پائی

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ | بابت ماہ نومبر ۱۹۰۹ء | نمبر ۱۱

فہرست مضامین

اشاعت اسلام ۴۰۱ - ۴۳۶

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ ۴۳۶ - ۴۳۹

ریویو ۴۳۹ - ۴۴۰

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - نومبر ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہو۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلباء سے عہ

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق حکیم نور الدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے۔ اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نور الدین سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے کو آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کے لئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلئے ہر ایک کی قیمت جُدا جُدا ہے۔ قیمت سرمہ اوّل قسم عہ قسم دوم عہ قسم سوم عہ۔ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عہ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے ... اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

علاوہ ازیں میرے پاس ہر قسم کی لُنگی۔ زری۔ ریشمی۔ پشاوری۔ سوتی۔ زرد۔ سیاہ۔ بادامی۔ مشہدی۔ افسری وسفید پٹکہ ٹسری (جسکو لوگ ریشمی کہتے ہیں) وغیرہ عہ سے لیکر عہ روپے تک موجود ہیں اور نیز کلاہ ہر قسم زری وسادہ اور ٹوپی رومی ہر قسم میرے پاس موجود ہے اور قیمت میں بالکل کوئی زیادتی نہیں دریافت کرلیں۔ جو چیز پسند نہ ہو۔ معقول وجہ بیان کرنے پر خریدار کو واپس کرنیکا اختیار ہے۔ خرچ آمد ورفت بذمہ خریدار۔

المشتہر

احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

نوٹ:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط وکتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

اشاعتِ اسلام نمبر ۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات

(سلسلہ کیلئے دیکھو گذشتہ نمبر)

قبایل عرب کی عداوت کا ازسرِنو بھڑک اُٹھنا

مَیں نے گذشتہ نمبر میں یہ لکھا تھا کہ جنگ احد کے بعد جب ابوسفیان کا لشکر حمراء الاسد میں پہنچا اُس جگہ کے لوگوں نے مکہ والوں کو ملامت کرتے وقت کہا لا محمدًا قتلتم ولا الکواعب اردفتم بئس ما صنعتم ارجعوا۔ یعنی تم نے نہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کیا اور نہ اُنکی کنواری عورتیں تم لُوٹ کر چڑھالائے تمنے بُرا کام کیا۔ پھر لَوٹ کر لڑائی کرو۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب کے قبائل کو قریش کی طرح مسلمانوں کے ساتھ کسقدر عناد تھا اور وہ مسلمانوں کی تباہی کو کسقدر چاہتے تھے۔ اُن کو اسلام سے اسقدر بُغض تھا کہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل اور مسلمانوں کی عورتوں کو لُوٹ کر لیجانے کے اور کسی بات پر راضی نہیں ہو سکتے تھے حمراء الاسد مدینہ سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ جب مسلمانوں کے ایسے جانی دشمن اُنکے قرب وجوار میں رہتے تھے تو پھر کسطرح ممکن تھا کہ مسلمان اپنی حفاظت کا سامان کرنے کے بغیر ان خونی دشمنوں کے درمیان امن سے زندگی بسر کرتے۔ لیکن یہ عداوت صرف قرب وجوار تک ہی محدود نہ تھی ملک عرب میں بہت سے سینے ایسے تھے جنہیں دشمنی کی آگ جل رہی تھی۔ غزوہ احد کے بعد عظیم الشان

جنگ جو قریش اور قبائل عرب نے ملکر مسلمانوں کے ساتھ کی غزوہ احزاب ہے جو غزوہ احد سے دو سال بعد واقع ہوا مگر اس درمیانی عرصہ میں عرب کے قبائل نے مسلمانوں کو چین لینے نہ دیا۔ غزوہ احد کی وجہ سے وہ زیادہ گستاخ ہوگئے اور یہ خیال کرکے کہ غزوہ احد کے بعد مسلمانوں کی طاقت پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہوگئی ہے انکو بار بار مدینہ پر چھاپہ مارنیکی تیاریاں کرنے کی جرأت ہوگئی۔ اور انکی جمعیتوں کو منتشر کرنے کے لیئے مسلمانوں کو بار بار دور دراز سفر اختیار کرنے پڑے۔ شمال میں انکو شام کے حدود تک جانا پڑا۔ جنوب میں مکہ معظمہ کے قرب وجوار تک اور مشرق میں بنی اسد اور بنی غطفان کے علاقوں تک۔ میور لکھتا ہے کہ غزوہ احد کے بعد دو ماہ تک مسلمانوں کو مدینہ میں امن سے رہنے کا موقعہ ملا۔ مگر جونہی کہ ہجرت کا چوتھا سال شروع ہوا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مختلف مقامات سے قبائل کے جمع ہونے کی خبریں آنے لگیں اور آپنے ارادہ کیا کہ پیشتر اسکے کہ یہ قبائل مدینہ پر حملہ کرسکیں انکو منتشر کیا جائے" (لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۲۶۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ طلیحہ اور سلمہ جو کہ وسط عرب کے قبیلہ بنی اسد کے سردار تھے مدینہ پر شبخون مارنیکے لیئے اپنے قبیلہ کو اکٹھا کررہے ہیں یہ سُنکر آپنے ایک جماعت ابو سلمہ کے ساتھ روانہ کی ابو سلمہ کے پہنچنے سے پہلے بنی اسد کی جمعیت منتشر ہوگئی۔ اور وہ واپس چلا آیا۔ (لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۲۶۶) ابو سلمہ کی جماعت کو مدینہ سے روانہ ہوئے ابھی چار پانچ دن ہی ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ بنی ہذیل کے سردار خالد بن سفیان نے طایف اور مکہ کے درمیان ایک بھاری جماعت اکٹھی کی ہے اور اُس کا ارادہ ہے کہ احد کی لڑائی میں جو نقصان مسلمانوں کو پہنچا ہے اُس سے فائدہ اُٹھایا جائے اور پیشتر اسکے کہ مسلمان اپنی حالت کی اصلاح کرسکیں ایک یکلخت ایک بھاری جماعت کے ساتھ حملہ کرکے انکا قلع قمع کیا جاوے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے جو مسلمانوں کا حامی تھا اُسے موقعہ نہ دیا کہ وہ اپنے بدارادہ میں کامیاب ہو۔ ایک صحابی عبداللہ بن اُنیس نے موقعہ پاکر اُسکو قتل کردیا اور اس طرح مدینہ شریر دشمن کے

بد ارادوں سے محفوظ رہا (مواہب زرقانی جزو ثانی صفحہ ۵۷) ناظرین غور کریں
کہ کس طرح متواتر مختلف قبائل مدینہ پر شبخون اور چھاپے مارنےکی تیاریاں کرتے۔
اب عیسائی صاحبان خود ہی فیصلہ کریں کہ اگر ایسی صورت میں مسلمان اپنی حفاظت
کے لیئے تلوار نہ اُٹھاتے تو باویہ کے رہنے والے قبائل اُنکے ساتھ کیا سلوک کرتے؟
عرب کے اکثر قبائل مسلمانوں کے ایسے جانی دشمن تھے کہ اُن کی بیخکنی کیلیئے نہایت
ہی ظالمانہ دغا بازی اور فریب سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے۔ بنو اسد اور بنو ہذیل
کے منتشر کیا جانیکے قریباً ایک مہینہ بعد عرب کے دو قبائل قارہ اور عضل نے چند
آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے اور انہوں نے ظاہر کیا کہ ہماری ہم قوم
لوگ اسلام قبول کرنیکے لیئے تیار ہیں آپ چند مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ اور تعلیم
کے لیئے ہمارے ساتھ روانہ کردیں اُمید ہے کہ اُنکے جانیسے اسلام ہماری قوم میں
بہت ترقی کریگا۔ اس سے بڑھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے اور کونسی بات
زیادہ مرغوب ہوسکتی تھی۔ آپ نے چھ یا دس نہایت چیدہ اور مخلص مسلمان جو قرآن شریف
کے حافظ تھے قارہ اور عضل کی تعلیم کے لیئے اُن سفیروں کے ساتھ روانہ کردیئے
جب یہ قاری مقام رجیع میں پہنچے تو اُن دھوکہ بازوں نے بنی ہذیل کی ایک جماعت
کی مدد سے ان بیچارے مسلمانوں کو گھیر لیا اور سوائے حضرت خبیب اور حضرت
زید رضی اللہ عنہما کے اور سب کو نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کردیا اور حضرت
خبیب و حضرت زید رضی اللہ عنہما کو پکڑ کر مکہ میں جاکر بیچدیا۔ جہاں ایک مجمع عام
کے سامنے مقام تنعیم میں ان دونوں مسلمانوں کو نہایت ظالمانہ طریق سے شہید
کیا گیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا جانے سے پہلے دو رکعت نماز
ادا کرنے کی اجازت طلب کی۔ اور جب نماز ادا کرچکے تو فرمایا خدا کی قسم اگر تم
یہ نہ کہتے کہ میں موت کے خوف سے نماز کو لمبا کررہا ہوں تو میں نماز کو لمبا کرتا۔ ابو سفیان
نے اُسے کہا کیا تُو پسند کرتا ہے کہ تیری جگہ اسوقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتا
اور تُو اپنے گھر میں امن سے بیٹھا ہوتا۔ خبیب نے جواب دیا کہ میں تو یہ بھی پسند

نہیں کرتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک کانٹے کا بھی دُکھ پہنچے۔ ابوسفیان نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے کبھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس سے لوگ اسقدر محبت رکھتے ہوں جسقدر کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رکھتے ہیں۔ حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو کہا گیا کہ اگر تم اسلام سے توبہ کروگے تو تمھیں رہا کر دیا جاویگا۔ مگر انہوں نے کفر پر موت کو ترجیح دی اور نہایت ثبات قدم سے خدائے تعالیٰ کی راہ میں جان دی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جب قید میں تھے تو قتل ہونیکی تاریخ سے ایک دن پہلے آپ نے اُسترا منگوایا۔ ایک عورت نے آپ کو اُسترا دیا اسکے بعد اس عورت کا لڑکا آپ کے پاس چلا گیا۔ آپ نے اُسے اپنی ران پر بٹھا دیا لڑکے کی ماں لڑکے کو آپ کے پاس بیٹھا دیکھکر گھبرائی اور اُس نے خوف کیا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ شخص اُسترے سے میرے بچے کو ذبح کر دے۔ آپ اُس کی حالت کو دیکھکر سمجھ گئے کہ اس کو اپنے بیٹے کی جان کا خوف ہے۔ آپ نے اُسکو تسلی دی اور فرمایا کہ تُو خوف نہ کر۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ ہمارے مذہب میں غدّاری جائز نہیں ہے۔ (صحیح بخاری۔ زاد المعاد ابن قیم۔ ابن ہشام۔ لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ ولیم میور)۔ مکہ والوں کا حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو یہ کہنا کہ اگر تم اسلام سے توبہ کروگے تو تمھیں رہا کر دیا جاویگا۔ صاف ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار کے جنگ کرنیکی وجہ صرف یہی تھی کہ مسلمانوں نے اسلام کو قبول کیا تھا یعنی وہ صرف مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنیکے لیئے اُنسے جنگ کرتے تھے۔ اور اس کُشت وخون سے سوائے اسکے اُن کی اور کوئی غرض نہ تھی کہ اسلام کو مٹا دیا جاوے۔

اسی ماہ میں یعنی ماہ صفر ۴ھ ہجری المقدس میں ایک اور خطرناک واقعہ ہوا جو پہلوں سے کہیں بڑھکر تھا۔ یعنی ابوبرار جو کہ بنی عامر کا ایک سن رسیدہ سردار تھا حضرت نبی کریم صلعم کے پاس آیا اور تحفہ تحائف گذرانکر ملتجی ہوا کہ اُسکو اسلام کی تعلیم سے مطلع کیا جاوے۔ جب اس نے آنحضرتؐ کا وعظ سُن لیا تو کہنے لگا کہ عمدہ مذہب ہے آپ اپنے چند خدّام کو میری قوم میں بنو عامر کے پاس بھیجدیں اور میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ آپکے دعاوی

کی تصدیق کر دیں گے " اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمکو نجد کی دغاباز اقوام میں اپنے آدمی بھیجتے وقت خطرہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے بعض قبائل قریش کے دوست اور مددگار ہیں ابیبراء ابو براء نے عرض کی کہ "ان لوگوں کی حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں اور آپ اتنی بات کریں کہ عامر بن طفیل کو جو دوسرے قبیلہ کا سردار ہے ایک خط بھی لکھدیں" اس بڈھے عرب سردار کی بات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین فرمالیا اور صحابہ کرامؓ میں سے ستر چیدہ قاریوں کو منتخب کر کے بنی عامر کی طرف بھیجدیا اور ساتھ ہی عامر کو ایک خط بھی لکھدیا۔ اس جماعت نے روانہ ہو کر بیر معونہ نام ایک چشمہ پر قیام کیا اور ایک ساتھی کو عامر بن طفیل کے پاس خط دیکر روانہ کیا۔ اس سردار نے خط کا مضمون پڑھنے کے بغیر ہی اس ایلچی کو برچھے سے شہید کروادیا اور بنی سلیم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ باقی مسلمانوں پر جو کہ اپنے ساتھی کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے یک بیک حملہ کردیا اور بے ایمانی سے ان سب کو شہید کر دیا۔ ستر مسلمانوں میں سے صرف دو شخص جان سلامت لیجا سکے ایک کو تو مقتولوں کی لاشوں میں مردہ سمجھکر چھوڑ دیا اور دوسرا عمرو بن امیہ اونٹ چرانے کیلئے گیا ہوا تھا۔ آہ۔ کسقدر انسانیت کا خون کیا گیا۔ ستر بے گناہ شخصوں کو محض اس وجہ سے قتل کیا گیا کہ وہ خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے اور کعبہ کے بتوں کی پرستش سے دست بردار ہو گئے تھے۔ انہوں نے عامر کا کیا بگاڑا تھا؟ وہ تو محض پیغامبر ہو کر آئے تھے اور وہ بھی ایک قبیلہ کے سردار کی دعوت پر اور حفاظت کا پختہ وعدہ لیکر (زاد المعاد ابن قیم) اب ناظرین خود غور فرمادیں کہ مسلمانوں کو کس قسم کے غیر مہذب خونخوار وحشیوں سے سابقہ پڑا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب عامر کے حکم سے اسکے کسی آدمی نے جواب کے منتظر بیکس قاصد کی پیٹھ میں برچھا ٹھونک دیا تو یہ بے رحم سردار بولا۔ "کعبہ کے خدا کی قسم تو نے خوب وار کیا" اس واقعہ سے صریحاً اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ صحرائے عرب کے خونخوار بت پرستوں کی آنکھ میں کعبہ کے بتوں کی خوشی اسی میں تھی کہ بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا جاوے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایک

مقتول مسلمان ہندوؤں کے نزدیک بہ انسانی قربانی کی طرح دیوتاؤں کی بھینٹ سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے لیئے یہ آسان تھا کہ وہ جنگل کے خوفناک درندوں کے درمیان گذارہ کریں مگر ان خونخوار شیطان سیرت صحرائی وحشیوں سے نبھاؤ مشکل تھا۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔ اگر معاملات کی اس صورت پر بھی حفاظت ذاتی کیلیئے مسلمان ہتھیار نہ اٹھاتے تو وہ یقیناً ان انسان صورت بھیڑیوں کا شکار ہو جاتے۔

اس مصیبت سے بچکر جب عمرو بن امیہ گھر کو واپس جا رہا تھا تو اُسے بنی عامر کی قوم کے دو آدمی ملے جنکو اس ستم رسیدہ مسلمان نے بیر معونہ کے حادثہ کے انتقام لینے کی غرض سے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ لیکن یہ دونوں آدمی مدینہ سے آنحضرت صلعم کے ساتھ عہدو پیمان کرکے واپس آرہے تھے۔ جب اس خوفناک قتل سے بچکر آئے ہوئے آدمی نے حضرت نبی کریم صلعم سے تمام واقعہ عرض کیا اور ساتھ ہی جو کچھ راستہ میں گذرا تھا وہ بھی بتادیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مقتولوں کا خون بہا مع اُس اسباب کے جو عمرو بن امیہ اپنے ساتھ لایا تھا بنو عامر کی قوم کے پاس بھیجدیا۔ ایک منصف مزاج خداترس انسان کیلیئے یہ خوب موقعہ ہے کہ وہ ان عربوں کی دغابازیوں اور فریبوں کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن سلوک اور خوش معاملگی کا موازنہ کرے۔

رجیع کا صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ یہ جانکاہ حادثہ وقوع میں آیا۔ پیارے ناظرین آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ ان جانکاہ واقعات نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحیم قلب پر کیا اثر ڈالا ہوگا اور آپ کو کیسا صدمہ ہوا ہوگا۔ بیر معونہ کے ستر اور رجیع کے دس شہداء سب کے سب چیدہ مسلمان تھے اور انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض کے لیئے منتخب کیا تھا کہ وہ عرب کے اقوام میں داعیان اسلام بنیں دین حقہ کے پاک اصول ان لوگوں کو سکھائیں اور اپنی زندہ مثال سے اسلام کی صداقت کا اظہار کریں۔

ان حوادث پر بس نہیں ہوئی بلکہ ان تازہ زخموں پر نمک لگانیکے لیئے اقوام عرب نے جمع ہوکر مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم

ہوا کہ اسلام کے پرانے دشمن بنی غطفان ذات الرقاع میں جمع ہو گئے ہیں تو آپ صحابہؓ کی ایک جماعت لیکر انکو منتشر کرنیکے لیئے روانہ ہوئے۔ یہاں پر یہ بتلا دینا بے محل نہ ہوگا کہ بنی غطفان جیساکہ میور بھی لکھتا ہے قریش کے مددگار تھے اور جو کچھ اُنسے ہوا وہ قریش کے اُکسانے سے ہوا۔ جس کثرت سے مدینہ پر حملہ کرنیکی دھمکیاں دیجاتی تھیں شاید وہ کسی کے لیئے جائے تعجب ہو مگر اُس زمانے کی تاریخ بتلا رہی ہے کہ ان سب واقعات کا ظہور ہوا۔ اگر کوئی اصل عربی کتابیں نہیں پڑھ سکتا تو سرولیم میور کی لائف آف محمد (صلعم) ہی پڑھکر دیکھ لے اور اپنا اطمینان کرلے۔ بیرٔ معونہ اور رجیع کے حادثات پر ایک نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمان ایک گال پر طمانچہ کھاکر دوسری سامنے کر دیتے تو اُنکی بیویاں اور بچے قید کر لیئے جاتے اور غلام بنا کر فروخت کر دیئے جاتے اور خود ان پر اسی طرح ہاتھ صاف کیا جاتا جسطرح اُنکے بھائیوں کی جماعتوں پر مذکورہ بالا مقامات میں کیا گیا تھا۔ اگر مسلمانوں کے لیئے اُن کے دشمنوں کی طرف سے کوئی نرمی ہو سکتی تھی تو یہ تھی کہ وہ ارتداد کرکے اپنی جانیں بچا لیتے مگر وہ رسولؐ عربی کے صحابی تھے نہ کہ یسوع مسیح کے شاگرد۔

اس میں کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ارادہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخکنی کرنیکا تھا۔ اور اگر ان کا بچاؤ مطلوب تھا تو دشمنوں کی روک تھام کا کوئی بندوبست ضروری تھا جو تدابیر مسلمانوں نے اختیار کیں اگر وہ ہمارے مسیحی معترضین کی نظر میں ٹھیک نہیں ہیں تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ ان حالات کے ماتحت اور کیا کیا جا سکتا تھا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ کفار نے مکہ میں ہی اسلام کو نیست و نابود کرنیکے لیئے ناخنوں تک زور لگایا؟ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے مسلمان مہاجرین کا بحیرہ قلزم تک تعاقب کیا؟ اور وہ بھی اس حالت میں جبکہ وہ ایک غیر ملک میں پناہ گزین ہونا چاہتے تھے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے نجاشی شاہ حبش کے پاس اپنے قاصد قیمتی تحائف دیکر بدیں غرض بھیجے کہ وہ مسلمان مہاجرین کو جنہوں نے اُسکے ملک میں پناہ لی تھی انکے حوالہ کردے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو ایک وادی

میں بند کردیا تھا جسکا نام شعب ابو طالب مشہور ہے اور جہاں وہ تین سال تک بند رہے اور وہ وہ ناقابل بیان تکالیف برداشت کیں کہ جن سے بعض مکہ والوں کے بھی دل اسقدر نرم ہوئے کہ وہ امداد کے لیئے آمادہ ہوگئے ؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ وہ شریف النسب رسول صلعم قریش کے مظالم سے تنگ آکر ایک بے خان و مان انسان کی طرح ہوگیا اور اپنی حفاظت کے لیئے اُسکو پڑوس کی دوسری قوموں سے مدد کی درخواست کرنی پڑی ؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب مدینہ والوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں پناہ دینی چاہی تو قریش جامہ سے باہر ہوگئے اور اہل مدینہ کے قافلہ کا محض اسوجہ سے تعاقب کیا کہ اُنہیں وہ آدمی بھی تھے جنہوں نے کمال جرأت سے حضرت نبی کریم صلعم کو مدینہ میں پناہ گزین ہونے کیلیئے کہا تھا کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت تک مکہ کو نہیں چھوڑا جبتک کہ مدینہ کے نومسلموں سے یہ پختہ وعدہ نہ لے لیا کہ وہ آنحضرت صلعم اور دوسرے مہاجرین کی اس طرح حفاظت کرینگے جسطرح کہ وہ اپنے بیوی بچّوں کی حفاظت کرتے ہیں ؟ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکّہ کی کینہ توز طبیعت کے باعث یقین تھا کہ وہ آپ کا مدینہ میں بھی تعاقب کرینگے ؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اہل مکہ نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ؟ جسے پکڑ سکے اُسے قید کرلیا اور جسپر زور چلا اُسے ارتداد پر مجبور کیا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابی مکہ سے ہجرت کرچکے تو کفار قریش نے مکّہ کے تمام قبائل کو گانٹھ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر حملہ کرنیکے لیئے آپکے گھر کا محاصرہ کرلیا ؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب ان لوگوں کے منصوبے خاک میں مل گئے اور خدا کا رسولؐ جس کی نسبت واللہ یعصمك من الناس کا وعدہ تھا ان کفار کے چنگل سے صحیح سلامت نکل گیا تو آپکی تلاش میں ہر طرف سوار دوڑائے گئے اور آپکے سر مبارک کی قیمت مقرر کیگئی ؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ قریش اُن مسلمانوں کو برابر ایذائیں دیتے رہے جو مکّہ سے ہجرت

نہ کرسکے؟ کیا اس سے انکار ہوسکتا ہے کہ مکّہ کے قافلوں نے اپنی دوست قوموں اور دوسرے عربی قبائل کو مسلمان مہاجرین کے خلاف اُکسایا؟ کیا یہ بات مسلم نہیں ہے کہ جب کفار کی فوج نے ابوجہل کے ماتحت مکّہ سے کوچ کیا تو ہر ایک فرد کو جو لڑنے کے قابل تھا اس فوج کی شمولیت کیلیئے مجبور کیا گیا اگر آنکھیں ہوں تو یہ صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی نیّت یہی تھی کہ اسلام اور مسلمانوں کو بزور تلوار ہمیشہ کے لیئے نابود کردیا جائے؟ کیا کوئی اس امر کو چھپا سکتا ہے؟ کہ عرب کے قبائل نے جابجا جمع ہوکر مدینہ پر حملے کرنیکی ٹھان لی تھی۔ کیا یہ سچ نہیں؟ کہ جب کبھی مسلمان کفار کے ہاتھ پڑے تو کمال بے دردی سے شہید کئے گئے یا ارتداد پر مجبور کیئے گئے۔ کیا اس میں کوئی شبہ ہوسکتا ہے؟ کہ مخالفین نے شروع ہی سے اسلام کی بیخکنی کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا اور جس سرعت سے دین حقہ کی ترقی ہوتی تھی اس سے دُگنے زور کے ساتھ مخالف کی آگ بھڑک رہی تھی۔ منصف ناظرین اب ہم ان سوالوں کے ساتھ ہی یہ بھی پوچھنے کی جرأت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیئے ان حالات کے ماتحت اسکی سوا اور کیا صورت ہوسکتی تھی؟ کہ وہ ذاتی حفاظت کے لیئے تیار ہوجاتے اور جو کچھ اُنسے بھی بن پڑتا اپنی حفاظت کے لیئے کرتے۔ کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کی نقل و حرکت کی خبر رکھتے؟ اور اُنکے اچانک حملوں کے جواب کی تیاری کرتے؟ کیا ہمارے معترض اب بھی اس امر کو تسلیم نہیں کرینگے کہ ان بے شمار دشمنوں کے نرغہ سے اگر مسلمانوں کا بچاؤ ہوا تو خدا کے فضل کے ساتھ اور اُسکی امداد سے محض اُنکی ہوشیاری اور مستعدی سے ہوا دشمنوں کو اُٹھتے ہی دبانے سے دوہرا فائدہ ہوا ایک تو یہ کہ مفسد قبائل کو آیندہ شرارت کا کم موقعہ ملا۔ اور دوم یہ کہ دوسری قومیں اپنے پڑوسیوں کی پیروی سے باز رہیں۔ اگر اب بھی کوئی شخص مسلمانوں کو جنگوں کی ابتدا کا ملزم بنائے اور اُن تمام حالات کو نظر انداز کردے جنکے باعث مسلمان ہتھیار اُٹھانے پر مجبور ہوئے تھے تو ایسے شخص کو معذور اور ظلمت کا فرزند سمجھکر ہم حوالہ خدا کرتے ہیں۔

سریہ ذات الرقاع کے متعلق ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کس رنگ کے انسان تھے۔ دو شخصوں کی نوکری لگائی گئی کہ

وہ اُس کھوہ کے منہ پر پہرہ دیں جس کے اندر مسلمان قیام پذیر تھے۔ ایک نے پہلی رات کا پہرہ لیا اور دوسرے نے پچھلی رات کا۔ جب ایک شخص پہرہ پر کھڑا ہوا تو اُس نے خیال کیا کہ وقت گذارنے کے لیئے سب سے بہتر طریق عبادت الٰہی ہے اسلیئے اُس نے اپنے مولا کے حضور نماز نیت لی اور اس اثنا میں اُس کا دوسرا ساتھی سو گیا ایک دشمن نے جو کسی مسلمان کو شہید کرنیکا موقعہ ڈھونڈ رہا تھا اس عابد سپاہی کو دیکھا۔ اور یہ معلوم کرکے کہ وہ ایک مسلمان پہرہ دار ہے فوراً ایک تیر چلا دیا جو سیدھا اُس باخدا صحابی کے جسم میں داخل ہو گیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ادنیٰ خادم نے اس تیر کو کھینچکر نکال ڈالا اور نماز جاری رکھی۔ اس دشمن نے دوسرا تیسرا اور پھر چوتھا تیر مارا مگر اُس مرد خدا نے ہر دفعہ تیر کو کھینچکر نکال ڈالا اور آخر نماز ختم کرکے ہی چھوڑی سلام پھیر کر اُس نے اپنے ساتھی کو جگایا اور دشمن نے جب دیکھا کہ دو آدمی ہیں تو وہ بھاگ گیا۔ جب دوسرا صحابی جاگا تو اُس نے کہا کہ مجھکو پہلے ہی تیر پر جگا دیا ہوتا۔ اسکے جواب میں اُس خدا پرست بزرگ نے کہا کہ میں قرآن کریم کی ایک سورۃ پڑھ رہا تھا اور اس میں مجھے کچھ ایسی لذت آئی کہ میرے دل نے بغیر ختم کیئے چھوڑنا پسند نہ کیا۔ سبحان اللہ! کیا ایمان ہے اور کیسے خدا پرست لوگ ہیں مگر غضب ہے تو یہ کہ ان لوگوں کو ہمارے مخالفین نے نہایت بے رحمی سے اور انصاف کا خون کرکے "لٹیرے" اور "خون کے پیاسے" وغیرہ قابل نفرت ناموں سے یاد کیا ہے۔ حالانکہ ہمارے عیسائی معترضین کو یسوع مسیح کے حواریوں میں بھی ایسے بردبار اور راہ خدا میں جان قربان کرنیوالے وجود نہیں مل سکتے۔ ان دو صحابیوں کا نام عمار بن یاسر اور عباد بن بشر تھا (ابن ہشام) چونکہ قریش اور دوسرے طاقتور عربی قبائل نے مسلمانوں کی بیخکنی کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اسلیئے ہمیشہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرتے رہتے تھے ان لوگوں کے ہاتھوں سے آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کو متواتر اسقدر تکالیف پہنچیں کہ آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہوکر دعا کی کہ غضب الٰہی سخت قحط کی شکل میں ان لوگوں پر نمودار ہو تاکہ اس طرح ہی یہ خونخوار دشمن کم از کم مسلمانوں کو لگاتار ایذا دینے سے تو رک جائیں۔

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ ابو سفیان نے احد کے میدان جنگ سے واپس ہوتے وقت

مسلمانوں کو دھمکی دی تھی کہ آیندہ موسم سرما میں بدر کے مقام پر انسے مقابلہ کیا جائیگا۔ اُس نے راستہ سے بھی بعض بُت پرستوں کی زبانی کہلا بھیجا کہ (خاک بدہنش) آیندہ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ دوسرا جاڑا تو آ گیا مگر خشک سالی تھی۔ اسلیئے ابوسفیان اس لفظی دھمکی کو عملی صورت میں لانیکے لیئے کافی تیاری نہ کر سکا یا یُوں کہیں کہ خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سُن لی اور سیہ کار دُشمن اپنی کوششوں میں ناکام ہوا اور اُسنے مجبوراً اس مہم کو کسی دوسرے فارغ البالی کے زمانہ تک ملتوی کر دیا۔ عرب کی بعض قومیں ایسی تھیں کہ انہوں نے نہ تو قریش کا ساتھ دیا تھا اور نہ مسلمانوں کی طرف داری کی تھی ان غیر طرفدار لوگوں میں سے ایک شخص نعیم بن مسعود نام تھا جسکو ابوسفیان نے مدینہ بھیجا تاکہ وہاں جا کر مکّہ والوں کی تیاریوں کو مبالغہ آمیز الفاظ میں مشہور کرے اور اس طرح مسلمانوں کو کوچ کرنیسے باز رکھے۔ قرآن کریم اس وقعہ کی طرف مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابہم القرح للذین احسنوا منہم واتقوا اجر عظیم۔ الذین قال لہم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل (آل عمران - ۱۸) جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا بعد اسکے کہ انکو زخم پہنچ چکا تھا (احد کی لڑائی کی طرف اشارہ ہے) اُن لوگوں کے واسطے جو اُنمیں سے نیک اور پرہیزگار ہیں بڑا اجر ہے*۔ وہ لوگ جنکو لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے برخلاف جمع ہو رہے ہیں اسلیئے انسے ڈرو۔ لیکن اس سے اُنکے ایمان میں زیادتی ہوئی اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی کارساز ہے۔

الغرض ان مبالغہ آمیز افواہوں کا صحابہؓ پر کچھ اثر نہ ہوا اور آنحضرتؐ پندرہ سو ۱۵۰۰ آدمیوں کے ساتھ (یعنی جنگ احد میں جانیوالے مجاہدین سے دگنی تعداد لیکر) مدینہ سے روانہ ہوئے اور مقام بدر پر ڈیرہ ڈالکر قریش کی فوج کے حملہ کا انتظار کرنے لگے۔ ابوسفیان دو ہزار ۲۰۰۰ پیادہ اور پچاس سوار لیکر مکّہ سے روانہ ہوا مگر ایک دو دن کے سفر کے بعد ہی اُسکو خیال آیا کہ اسقدر آدمیوں کے ساتھ وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکیگا اس لیئے

* یہاں تک واقعہ حمرا الاسد کا ذکر ہے جسکا ذکر پہلے گذر چکا ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر صفحہ ۳۸۶ منہ

وہ اس عذر سے کہ امسال بوجہ گرانی لڑائی مناسب نہیں ہے مکّہ کو واپس آگیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ دن تک بدر پر انتظار کرکے مدینہ کو واپس تشریف لے آئے (مواہب زرقانی۔ جزو ثانی۔ ۱۱۱)

آئندہ موسم گرما میں حضرت نبی کریم صلعم کو ایک نئی طرف کا لمبا اور بامشقت سفر درپیش ہوا یعنی دومۃ الجندل نام مقام کی طرف جانا پڑا جو کہ مدینہ سے سولہ[16] دن اور دمشق سے پانچ[5] دن کی مسافت پر ملک شام کی حدود پر واقع تھا یہاں پر راہ زنوں نے مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیا تھا اس طرح انہوں نے نہ صرف ملک شام اور مدینہ کے درمیان کی تجارت کو ہی روک دیا تھا بلکہ مدینہ پر حملہ کرنیکا منصوبہ بھی کیا تھا۔ یہ خبر پاکر آنحضرت صلعم مدینہ سے ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ عین موسم گرما میں روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کی آمد پر راہ زن قبائل جو عیسائی تھے تتر بتر ہوگئے اور نبی کریم صلعم قریباً ایک ماہ کے بعد مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے۔ راستہ میں آپ نے قوم فزارہ کے سردار عیینہ بن حصن سے ایک معاہدہ کیا اور اُسکو مدینہ کے نواح کی بعض زمینوں پر جہاں باوجود قحط سالی کے کافی چارہ تھا مویشی چرانے کی اجازت دی۔ یہ سفر ماہ ربیع الاول ۵ھ ہجری المقدس میں پیش آیا (زاد المعاد ابن قیم) اس شمالی سفر یعنی دومۃ الجندل کی لمبی اور تھکانے والی مہم سے واپس آئے آنحضرت صلعم کو چند ماہ ہی گذرے تھے کہ آپکو ایک لمبا سفر جنوب کی طرف کرنا پڑا یعنی نواح مکّہ کی جانب جانا پڑا۔ اس دفعہ بنی مصطلق پر چڑھائی کی گئی جو کہ مکّہ کے نواح میں رہنے والے قبیلہ بنی خزاعہ کی ایک شاخ تھے۔ اسوقت تک تو ان لوگوں کے مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات تھے مگر اُنکے سردار الحرث نامی نے انکو مسلمانوں کی طرف سے برگشتہ کر دیا۔ اس شخص نے محض اپنی ہی قوم پر اثر نہیں ڈالا تھا۔ بلکہ دوسرے قبائل میں بھی چکر لگا کر مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے ایک بڑا لشکر فراہم کر لیا تھا۔ جب ان حالات کی اطلاع آنحضرت صلعم کو ہوئی تو آپنے الحرث کے منصوبوں کو توڑنیکا مصمم ارادہ کر لیا اور صحابہؓ کی ایک جماعت ساتھ لیکر فوراً روانہ ہو پڑے۔ آخر آٹھ دن کی مسافرت کے بعد مریسیع کے کوئیں پر ڈیرے لگا دیئے۔ آپکے یک بیک آ جانیسے

الحرث کے ساتھیوں پر خوف طاری ہوگیا اور اُسکے مددگاروں نے علیحدہ ہونا شروع کردیا تاہم بنی مصطلق کی طرف سے ہی پہلا تیر چلا اور جس طرح آغاز انکی طرف سے ہوا اسی طرح اس لڑائی کا انجام بھی اسی قبیلہ کی شکست پر ہوا۔ اس طرح اس خطرناک مجمع کو منتشر کرکے آنحضرت صلعم مدینہ کو واپس تشریف لائے۔ یہاں پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر مسلمان وقت پر نہ پہونچتے تو بہت بڑے خطرہ کا اندیشہ تھا۔ (ابن ہشام) اس غزوہ میں عبداللہ بن ابیّ اور منافقین کی ایک جماعت بھی اسلامی جھنڈے کے نیچے آموجود ہوئے تھے اور اس شمولیت سے انکی مراد ظاہرًا دوستی کا اظہار تھا مگر اس دفعہ اتفاق سے ایک جھگڑا پیدا ہوگیا اور اس میں عبداللہ بن ابیّ بول اُٹھا کہ "تم نے ان اجنبیوں کو اپنے ہاں بلاکر یہ سب کچھ اپنے آپ سہیڑا ہے" اور کہا لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل یعنی مدینہ جاکر عزت والے یعنی ہم ذلت والوں یعنی مسلمانوں کو شہر سے نکالدینگے"، اس شخص کا بیٹا عبداللہ پکا مسلمان تھا اور وہ اپنے باپ کو اس بات پر ملامت کررہا تھا کہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کو اذل کیوں کہا اسی اثنا میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر بھی اس طرف ہوا اور بیٹے اور باپ کی تکرار سُنکر فرمایا۔ "اُسے اپنے حال پر چھوڑدو۔ کیونکہ میری جان کی قسم جبتک وہ ہمارے ساتھ ہے ہماری رفاقت اُسکے لیئے ہر طرح خوشی کا موجب ہونی چاہیئے" قرآن مجید میں سورۃ منافقون میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

مدینہ کا محاصرہ یا غزوہ احزاب

جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شمال۔ مشرق۔ اور جنوب کی طرف حملہ آوروں کے مجمعوں کو منتشر کررہے تھے تو آپکے دشمن مسلمانوں کے نیست و نابود کرنیکے لیئے بہت بڑے پیمانہ پر تیاریاں کررہے تھے۔ میور لکھتا ہے کہ "قریش ہر جاڑے کے موسم میں مدینہ پر حملہ کرنیکی تیاری کرتے تھے مگر اب کی دفعہ انہوں نے بہت ہی بڑھ چڑھکر سامان کیا تھا" (لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۹۶) ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ ابوسفیان نے جنگ احد سے واپس آتے وقت آنحضرت صلعم کو یہ دھمکی آمیز پیغام بھیجا تھا کہ وہ آیندہ سال (خاک بدہنش) آپ اور آپکے صحابہ رض کا قلع قمع

کریگا۔ اگرچہ اُس سال وہ اپنی لفظی دھمکی کو عملی لباس پہنانے میں ناکام رہا مگر دوسرے سال اُس نے (بزعم خود) مسلمانوں کی بیخکنی کیلئے بہت بڑی بڑی تیاریاں کیں۔ یہودی بھی جو کہ مسلمانوں کی تباہی چاہنے میں قریش سے کسی صورت میں کم نہیں تھے اُنکے ساتھ مل گئے اور اُنکو ہر طرح کی امداد دینے لگے۔ بعض بارسوخ یہودی مثلاً سلام بن حقیق نضری وحُیی بن اخطب نضری وکنانہ بن ربیع نضری وہوزہ بن قیس وائلی اور ابو عمار وغیرہم بنی نضیر اور بنی وائل کے چند آدمیوں کو ساتھ لیکر خیبر سے مکہ کو گئے اور قریش کو اپنی امداد کا یقین دلا کر اُنسے درخواست کی کہ ایک بڑی فوج سے مدینہ پر حملہ کریں اور مسلمانوں کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کردیں مکہ سے وہ بدّو اقوام کے پاس گئے اور اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُکساتے پھرے قریش اور یہودیوں کی متفقہ کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکثر صحرائی قبائل اُنکی امداد کے لئے آمادہ ہوگئے۔ ان بدّو اقوام میں غطفان قبیلہ کی بھی کئی قومیں شامل تھیں جن کے ہاتھ سے مسلمانوں کو پہلے بھی بہت ایذا پہنچ چکی تھی۔ قریش کا افسر ابوسفیان تھا اور صحرائی قبائل کا سردار عیینہ بن حصن تھا۔ اس تمام لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ قوم خزاعہ نے مسلمانوں کو اس آنیوالے طوفان کی خبر تو دیدی مگر اب تیاری کا کوئی وقت نہ تھا۔ اقوام عرب کے اس جم غفیر کی طرف قرآن کریم نے مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرمایا ہے إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝* یعنی جب وہ تم پر اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی چڑھ آئے۔ اور جب آنکھیں کج ہوگئیں اور کلیجے مُنہ کو آنے لگے۔ لوگوں کے دلوں میں خدائے تعالیٰ کی نسبت عجیب عجیب خیالات پیدا ہوئے اُس جگہ مومنین کے لئے آزمائش کا وقت تھا اور وہ ہلائے گئے سخت ہلانا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنکو مولا کریم کی ذات پر پورا بھروسہ تھا دعا میں مشغول ہوگئے اور جناب باری میں اس طرح عرض کیا "اے مولا! اے کتاب کے نازل کرنیوالے! تو جلدی خبر لینے والا ہے پس ان جماعتوں کو منتشر کردے۔ اے مالک! تو انکو بھگا دے اور ان میں تزلزل ڈال" آپ اس دعا کو کئی روز تک برابر مانگتے رہے پھر اپنے صحابہؓ سے

* احزاب ۲

مشورہ کیا اور سلمان فارسی کی تجویز پر شہر کے گرداگرد خندق کھودنیکا ارادہ کرلیا گیا یہ تدبیر بہت کارگر ہوئی کیونکہ عربوں میں اسوقت تک خندق کھودنے کا رواج نہ تھا۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنیکا حکم دیدیا تاکہ یہ خندق مسلمانوں اور حملہ آوروں کے درمیان ایک روک اور حد فاصل کا کام دے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے بنفس نفیس بھی اس خندق کے کھودنے میں حصہ لیا اور کھدی ہوئی مٹی کی ٹوکریاں بھر بھر کر پھینکتے رہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسوقت صحابہ کرامؓ و آنحضرتؐ کے جسم مبارک پر مٹی اور گرد جمی ہوئی تھی اور آپ کی زبان مبارک پر اکثر یہ اشعار جاری ہوتے تھے۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا ٭ ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزلن سکینۃ علینا ٭ وثبت الاقدام ان لاقینا

ان الألی قد بغوا علینا ٭ اذا ارادوا فتنۃ ابینا

یعنی اے اللہ اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو ہم راہ راست کو حاصل نہ کرسکتے اور نہ خیرات کرسکتے اور نہ نمازیں پڑھ سکتے۔ (تو نے ہی ہمیں اسلام کی طرف ہدایت کی) پس اب مقابلہ کے وقت تو ہم پر سکینۃ نازل فرما کر اور ہمارے قدموں کو لڑائی میں مضبوط کر۔ ان لوگوں نے ہم پر زیادتی اور تعدی کی ہے اور جب کبھی انہوں نے جبر اور تلوار کے زور سے ہمیں اسلام سے پھیرنا چاہا تو ہم نے انکار کیا۔ (صحیح بخاری)

مذکورہ بالا اشعار کا حوالہ میور نے بھی دیا ہے اور ان کے یہاں لکھنے سے میرا منشاء صرف اس امر کا اظہار کرنا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان اشعار میں بھی اپنے تئیں مظلوم اور ستم رسیدہ ظاہر فرماتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو جابر اور زیادتی کرنیوالے ٹھہراتے ہیں پانچویں مصرعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مخالفین نے ہی مسلمانوں سے مقابلہ کیلئے ابتدا کی تھی اور انکی غرض بھی مسلمانوں کو راہ راست سے برگشتہ کرنیکی تھی۔ جن الفاظ کا ترجمہ میور نے "مقابلہ کے لیئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں" کیا ہے وہ بغوا علینا ہیں جنکے زیادہ صحیح معنے یہ ہوتے ہیں کہ "انہوں نے ہم سے ظالمانہ سلوک کیا ہے یا ہم پر تعدی اور زیادتی کی ہے۔" کیونکہ لین پول کی انگریزی عربی لغات میں بغیٰ کے معنے مفصلہ ذیل دیئے گئے ہیں۔ "تعدی کا مرتکب ہونا۔ ایذا پہنچانا یا ظالمانہ سلوک کرنا۔ یا سختی کرنا" وغیرہ وغیرہ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے صاف

ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مخالفین ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں سے ظالمانہ وجابرانہ برتاؤ کیا تھا اور انکو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیئے ہر طرح ابتلاؤں۔ دکھوں۔ مصیبتوں اور سختیوں میں ڈالا تھا۔ کیا یہ الفاظ ہی اس امر کی کافی شہادت نہیں ہیں کہ مسلمان مظلوم اور انکے دشمن ظالم تھے؟ ہمیں اگر تعجب ہے تو یہ کہ ایسی صاف اور صریح شہادتوں کی موجودگی میں بھی مسیحی صاحبان اور انکے ہمرنگ معترضین کو یہ کہتے وقت شرم نہیں آتی کہ مسلمانوں نے عربوں پر ظلم کی تلوار چلائی اور انکو بزور شمشیر اسلام میں داخل کیا۔

اب ہم پھر محاصرہ کی داستان کی طرف عود کرتے ہیں چھ دن کی متواتر کھدائی کے بعد خندق مکمل ہوگئی اور مسلمانوں کی تین ہزار فوج اس وسیع میدان میں نکل آئی جو خندق اور شہر کے درمیان تھا۔ قریش اور صحرائی قبائل کا ٹڈی دل سمندر کی طوفانی لہروں کی طرح مدینہ پر بڑھتا چلا آرہا تھا کہ خندق پر آکر یکایک رک گیا۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ آگے بڑھنا محال ہے تو خندق کے پار والے میدان میں ہی ڈیرے ڈالدیئے۔

اب دشمن نے مدینہ کے اندر اپنے مددگار پیدا کرنے چاہے اور بنی قریظہ کی یہودی قوم سے گفتگو کا سلسلہ جاری کیا۔ خیبر کے یہودیوں میں سے ایک شخص حُیی بن اخطب بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ پہلے پہل تو کعب نے حُیی کو ملنے سے انکار کیا اور کہا کہ مسلمان اپنے عہد کا بڑا پاس کرتے ہیں لہٰذا مجھے عہد شکنی سے خوف آتا ہے مگر جب اسکو یہ بتلایا گیا کہ مخالفین کی فوج مدینے کے باہر ڈیرہ ڈالے پڑی ہے اور طوفانی سمندر کی طرح معاذ اللہ آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کو بہا لیجانے کیلئے تیار ہے اور یہ کہ حملہ آوروں نے اس بات پر حلف کرلیا ہے کہ مسلمانوں کو تباہ کیئے بغیر واپس نہ جائیں گے جب یہودی سردار نے یہ باتیں سنیں تو وہ نرم ہوگیا اور قریش کی امداد کرنیکا پختہ وعدہ کرلیا۔ حضرت نبی کریم صلعم کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے اس تصدیق کیلیئے اپنے آدمی بھیجے۔ وہاں پہنچکر جو دیکھا تو بنی قریظہ کے تیور ہی بدلے ہوئے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ "محمدؐ کون ہے اور خدا کا رسولؐ کون ہے جسکی ہم اطاعت کریں۔ ہمارے اور اسکے درمیان کوئی معاہدہ وغیرہ نہیں ہے۔" یہ پیغامبر جب حضور نبوی میں واپس آئے تو عرض کیا کہ یہودیوں کا مزاج تو اس سے بھی زیادہ خراب ہے جسقدر کہ ہم نے

خیال کیا تھا۔ اس بغاوت کی خبر سے مسلمانوں پر بہت خوف طاری ہوا۔ کیونکہ شہر میں ان یہودیوں کے بہت لوگ طرفدار تھے اور شہر کے اس حصہ سے جس طرف بنو قریظہ رہتے تھے دشمن آسانی سے اندر گھس آسکتا تھا اچانک حملے یا دغا بازی سے بچنے کے لیئے حضرت نبی کریم صلعم کو مجبورًا اپنی فوج کا ایک حصّہ علیحدہ کر کے شہر کے دوسرے حصّہ کی طرف بھیجنا پڑا حالانکہ آپکے پاس خندق کی حفاظت کے لیئے بھی کافی آدمی نہیں تھے اور اس علیحدہ کردہ دستہ کو دو جماعتوں میں تقسیم کر کے آپنے حکم دیا کہ شہر کے گلی کوچوں میں شب و روز گشت لگائیں اور خطرہ کے مقامات کی نگرانی کریں۔ مسلمان بظاہر اسقدر کمزور اور بیکس تھے کہ اکثروں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عذر کر کے چلے آنیکی اجازت مانگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ بدول لوگوں اور منافقین نے تو اب علانیہ کہنا شروع کر دیا کہ "رسول اللہ کی وہ امیدیں اب کدھر گئیں اور آسمانی امداد کے وعدے کیا ہو گئے" قرآن کریم اس کیفیت کی طرف مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا۔ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا۔ (احزاب ۲) اور جس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہتے تھے کہ نہیں وعدے دیئے تھے اللہ نے اور اُسکے رسول نے مگر دھوکہ دینے کو۔ اور جسوقت کہتا تھا ایک گروہ اُنہیں سے اے مدینہ والو! تمھارے رہنے کے واسطے کوئی جگہ نہیں پس پھر جاؤ۔ اور ایک فریق اُن میں سے نبیؐ سے اجازت مانگتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں تھے وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

لیکن اگرچہ ظاہری آنکھ میں مسلمانوں کی حالت کمزور معلوم ہوتی تھی اور اگرچہ وہ لوگ جنکے قلوب میں بیماری تھی اس بات پر یقین رکھنے لگے کہ مسلمان تباہ ہو جائیں گے مگر سبحان اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت میں رہنے والے صحابہؓ کا کیا ایمان ہے کہ مخالفین کے اس دل بادل لشکر کو دیکھکر بجائے دل چھوڑنے کے اسطرح فرماتے ہیں۔ هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (احزاب ۳) یعنی یہ وہ ہے جس کا ہم سے اللہ اور اُسکے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اُسکے رسول نے سچ کہا تھا۔

یعنی اب اُس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے جو خدائے تعالیٰ نے فرمایا تھا
جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ - (ص ۱)

پھر اِس متفقہ اور متحدہ افواج نے اُن پر کیا اثر کیا؟ صرف یہ کہ اُنکے ایمان اور اطاعت میں ترقی ہوئی چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝ (احزاب ۲) ان وفادار مسلمانوں نے ایسے ابتلا اور خوف کے موقعہ پر بڑی بہادری سے کام لیا اور شب و روز اچانک حملوں اور دغابازیوں سے بچنے کے لئے شہر کے گلی کوچوں میں پہرہ دیا۔ اُنہوں نے اپنے آقا و مولا اپنے پیشوا و ہادی اپنے روحانی باپ اور سپہ سالار کے خیمہ کی حفاظت کی اور جب کبھی دشمنوں نے خندق کو عبور کرنا چاہا تو فوراً نہایت ہوشیاری اور جانبازی سے مقابلہ کر کے اُنکو پسپا کر دیا۔ اللہ اللہ ان لوگوں کا کیسا ایمان اور کیسا خدا کی ذات پر بھروسہ تھا کہ چاروں طرف سے دشمنوں کا نرغہ ہے اور محاصرہ کے اُٹھائے جانیکی ظاہراً کوئی امید نہیں اور پھر سامنے سے یہ ڈر ہے کہ دشمن خندق عبور کر کے حملہ نہ کر دیں اور پیچھے سے یہ خدشہ ہے کہ کہیں یہودی اور منافقین نہ آ پڑیں تاہم یہ قدوسیوں کا گروہ کبھی بیدل نہیں ہوتا اور کبھی مایوسی انکے پاس نہیں پھٹکتی۔ خدائے تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں نے ایسی ہوشیاری اور مستعدی سے کام کیا کہ دشمنوں کا بے شمار لشکر اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ایک دفعہ سواروں کا ایک دستہ خندق کے پار آنے میں کامیاب ہو گیا اور مسلمانوں کی صف کے عین مقابل بڑی دلیری سے نمودار ہوا۔ ان میں ایک بڑا بہادر قریش عمرو نامی تھا اُس نے مسلمانوں کو چیلنج کیا کہ کوئی شخص تنہا ہو کر اُس سے نبرد آزمائی کر لے۔ اس چیلنج کا جواب اہل اسلام کی طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیا آخر دونوں بہادر مصروف پیکار ہو گئے اور گرد و غبار کا ایک بادل اُٹھا اور کچھ عرصہ کے لئے ہر دو کو دیکھنے والوں کی نظروں سے غائب کر دیا۔ لیکن بہت دیر نہیں ہونے پائی تھی کہ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کا نعرہ مار کر یہ اطلاع کر دی کہ دشمن مقتول ہو گیا ہے یہ سُنکر عمرو کے ساتھیوں پر دہشت چھا گئی اور وہ خندق کو پھلانگ کر بھاگ گئے۔ مگر خندق کو عبور کرتے وقت ایک سوار نیچے گرا جسے حضرت

زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً دوسرے عالم میں پہنچا دیا۔ قریش نے اس مقتول کا جسم کچھ معاوضہ دیکر واپس لینا چاہا مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر معاوضہ ہی آپکی لاش واپس کردی۔ اس واقعہ کے بعد کی شب کو دشمنوں نے خندق پر قبضہ کرنیکے لیئے بہت بڑی بڑی تیاریاں کیں اور صبح ہوتے ہی مسلمانوں نے دیکھا کہ مخالفین کی ساری فوج اُنکے مقابل صف آرا ہے۔ سر ولیم میور کی مفصلہ ذیل عبارت اس منظر کا بخوبی نقشہ کھینچ رہی ہے اور اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ کس بہادری اور مستعدی سے مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کی متفقہ اور متحدہ افواج کے حملوں کا دفعیہ کیا تھا۔ میور لکھتا ہے "کبھی تو وہ ملکر حملہ کرنے کی دھمکی دیتے اور کبھی کئی دستوں میں تقسیم ہوکر مختلف مقامات پر بڑی سرعت کے ساتھ حملہ کرنیکی آمادگی ظاہر کرتے تاکہ مسلمانوں کی توجہ بٹ جائے اور پھر موقعہ دیکھکر اور کسی غیر محفوظ مقام کو تاڑ کر سب کے سب یکدفعہ ہل پڑتے اور تیروں کی بوچھاڑ کی آڑ میں خندق کو عبور کرنا چاہتے۔ کئی دفعہ خالد اور عمرو جیسے قریش بہادروں نے شہر پر حملہ کیا اور ایک مرتبہ تو محمد (صلعم) کا اپنا خیمہ بھی خطرہ کیحالت میں ہوگیا۔ مگر مسلمانوں کے بہادرانہ مقابلہ اور تیروں کی بوچھاڑ نے حملہ آوروں کا مُنہ پھیر پھیر دیا۔ یہ حالت تمام دن جاری رہی اور چونکہ مسلمانوں کے پاس بمشکل تمام اسقدر فوج تھی کہ مقابلہ جاری رکھتے اسلیئے انہیں آرام کے لیئے ذرا بھی مہلت نہیں مل سکتی تھی۔ مزید برآں رات کو بھی خالد کی فوج کی طرف سے برابر خطرہ رہا اور اسلیئے اکثر دُور کی چوکیوں کے تعین کی ضرورت لاحق ہوئی۔ لیکن دشمنوں کی تمام کوششیں رائگاں اور بے سود رہیں اور وہ کبھی خندق کو پوری طاقت سے عبور نہ کرسکے"۔ خندق پر ایسا سخت اور لگاتار کام رہا کہ مسلمان وقت پر نمازیں بھی نہ پڑھ سکے۔ اور پانچوں نمازیں ملاکر اسوقت پڑھیں جبکہ دشمن شب گذاری کے لیئے میدان کارزار سے واپس ہوئے کئی روز تک متواتر جاگنے اور شب و روز کام کرنیسے مسلمان پریشان اور تھک کر چُور ہو رہے تھے اس محنت شاقہ کو سوائے آنحضرت صلعم کے وفادار اور جان نثار اصحاب کے بھلا اور کون برداشت کرسکتا تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آخرکار خدائے تعالیٰ نے جو ہر ایک چیز پر قادر اور حاکم ہے ایک سخت آندھی کے رنگ میں

اپنی آسمانی کمک بھیجدی اور یہ طوفان ایسا سخت تھا کہ خیمے اکھڑ گئے آگیں بجھ گئیں اور دشمنوں کا ہر ایک سامان تہ و بالا ہوگیا۔ اور انکے کیمپ میں ایسی کھلبلی مچ گئی کہ ابو سفیان جو کفار کی فوج کا سپہ سالار تھا سب سے پہلے بھاگ کھڑا ہوا اور گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ ابو سفیان کو سوار ہونیسے پہلے اونٹ کی ٹانگیں کھولنے کا بھی خیال نہ رہا۔ قریش نے مکہ کی راہ لی اور بدو اپنے صحرائی گھروں کی طرف روانہ ہوگئے۔ مومن کامیاب ہوئے اور منکر ناکام رہے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے اپنے بندوں کا ساتھ دیا اور قدرت کے زبردست ہاتھ نے اپنے لشکروں سے انکی نصرت اور یاری کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے سہ

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے ٭ جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہوا اور ہر خس رہ کو اڑاتی ہے ٭ وہ ہوجاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے
کبھی وہ خاک ہو کر دشمنوں کے سر پڑتی ہے ٭ کبھی ہو کر وہ پانی اُنپہ اِک طوفان لاتی ہے

اسی فتح و نصرت کی طرف قرآن کریم مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَ کَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ (احزاب ۲)
یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کی جب کئی لشکر تم پر حملہ آور ہوئے پھر ہم نے اُنپر ایک ہوا بھیجی اور (فرشتوں کی) فوجیں بھیجیں جنکو تم نہیں دیکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ تمہارے (بہادری کے) کاموں کو دیکھتا تھا۔ پھر فرماتا ہے وَرَدَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِغَیْظِھِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ط وَکَانَ اللّٰہُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ۝ (احزاب ۳) اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو اُنکے غیظ و غضب کے ساتھ واپس پھیر دیا انہوں نے کوئی بھلائی حاصل نہ کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جنگ سے بچالیا (یعنی خود ہی لشکر کو بھگا دیا اور لڑائی کی نوبت نہ آئی) اور اللہ تعالیٰ طاقتور اور زبردست ہے اور پھر اُس خوف کا حوالہ دیکر جو کہ مخالفوں کی کثرت اور یہودیوں کی بغاوت سے منافقین اور بیمار دل لوگوں پر طاری ہوگیا تھا اس طرح فرماتا ہے۔ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ تَدُوْرُ اَعْیُنُھُمْ کَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْہِ مِنَ الْمَوْتِ ج (احزاب ۲)

یعنی جب خوف آیا تو نے انکو دیکھا کہ وہ تیری طرف دیکھتے تھے اور انکی آنکھیں اس طرح پھرتی تھیں جیسا کسی پر موت کی غشی طاری ہوجاتی ہے۔

جو دعا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی روز سے اللہ تعالیٰ کے حضور مانگ رہے تھے آخر وہ سنی گئی اور خدائے تعالیٰ نے دشمنوں کی کثیر التعداد فوج کے دلوں پر رعب ڈالدیا اور وہ اپنے گھروں کو پشیمانی۔ حیرانی اور سرگردانی سے واپس ہوئے مسلمانوں میں سے پانچ آدمی شہید ہوئے جنمیں سے ایک حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بنی اوس کے سردار تھے آپ نے حالت نزع میں جو کچھ فرمایا وہ یہ ہے "اے رسول اللہ تجھ پر اللہ کی برکتیں نازل ہوں میں شہادت دیتا ہوں کہ تو خدا کا فرستادہ پیغمبر ہے" جب یہ الفاظ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے منہ سے دھیمی اور لڑکھڑائی ہوئی آواز میں نکل رہے تھے اسوقت انکا سر رسول خدا صلعم کے زانو مبارک پر رکھا ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کر رہے تھے "اے مولا! درحقیقت سعد نے تیری راہ میں محنت اٹھائی ہے اس نے تیرے رسول پر ایمان لاکر اپنے عہد کو پورا کیا ہے اسلئے اے خدا جو تیرے انعام اس جہان سے رخصت ہونیوالوں کی ارواح پر ہوتے ہیں ان میں سے بہتر سے بہتر انعام اس شخص کی روح پر نازل فرما"

(ابن ہشام ولائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ میور)

اس میں کلام نہیں کہ اب مدینہ پر ہر سال حملہ کرنیکی تیاریوں سے اور پہلے مکہ میں مسلمانوں کو ایذا دینے سے قریش کی ایک ہی غرض تھی یعنی اسلام کا قلع قمع کر دینا مگر فرق صرف یہ ہوا کہ مکہ میں تو مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور ارتداد پر مجبور کرنے سے انکی غرض پوری ہوجاتی تھی مگر مدینہ میں انکا مطلب سوائے مسلمانوں کے تباہ کر دینے کے اور کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ جوں جوں اسلام نے مضبوطی پکڑی مخالفین کی سختی میں بھی ترقی ہوئی۔ اسلام کی مخالفت میں جو آخری کوشش شہر میں کفار کی طرف سے ہوئی وہ یہ تھی کہ اسلام کے بانی علیہ الف الف سلام کے قتل کا منصوبہ کیا گیا اور اس طرح انہوں نے اس مذہب کا خاتمہ کرنا چاہا جس سے انکو دلی نفرت تھی۔ آنحضرت صلعم کے قتل کی کوشش سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کو مٹا دینے پر تلے بیٹھے تھے۔

لیکن جب وہ اسمیں بھی ناکام رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کو مدینہ میں جائے پناہ ملگئی تو جلے بھنے قریش کے لیئے اسکے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کا تلوار سے ہی صفایا کردیں۔ بڑی بڑی تعداد میں مسلمانوں پر حملہ کرنیسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قریش کا ان جنگوں سے مسلمانوں کی کامل تباہی کے سوا اور کوئی مدعا ہی نہ تھا۔ انہوں نے ہر جاڑے کے موسم میں مدینہ پر حملہ کرنا ایک ضروری امر سمجھ لیا تھا ہر دفعہ بڑی بڑی تیاریاں کرتے تھے پہلے سال جبکہ مسلمان ابھی کمزور ہی تھے تو ہر ایک لڑنے کے قابل مرد کو مکہ والوں نے مجبور کیا کہ انکی فوج میں شامل ہو۔ اور پھر ابوجہل اور دوسرے رؤسائے مکہ قریباً ایک ہزار آدمی کی جمیعت سے بدر کے میدان تک کوچ کر آئے۔ اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمشکل تمام تین سو تیرہ آدمی جمع کرسکے اور ان میں سے بھی اکثر خام اور ناتجربہ کار تھے اور طرفہ یہ کہ علاوہ کمی تعداد کے سامان جنگ بھی کافی نہیں رکھتے تھے۔ دشمن تو چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو بالکل کچل ڈالے مگر الہام الٰہی کے مطابق خدا کے زبردست ہاتھ نے اپنی امداد کا وعدہ پورا کیا اور مسلمانوں کے چیدہ چیدہ دشمن قید ہوگئے یا مارے گئے۔ مسلمانوں کی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ منافقین مدینہ اور یہودی تو امید لگائے بیٹھے تھے کہ اب وہ ضرور لڑائی میں تباہ ہو گئے ہونگے اور جو ایلچی فتح کی خبر لیکر آیا اسکو انہوں نے سمجھا کہ ساری فوج میں سے ایک بچکر آیا ہے۔ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی باوجود نصرت الٰہی کے متواتر وعدوں کے خدائے تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈر کر اپنے صحابہؓ کی سلامتی کے لیئے رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ پہلے حملہ کی تو یہ کیفیت تھی۔ اب سُنیئے کہ دوسرے حملے کے وقت قریش نے تین ہزار نبرد آزما کی ایک مضبوط فوج جمع کی اور سب کو سامان جنگ سے خوب آراستہ کرلیا مگر مسلمان صرف ۷۰۰ آدمی تھے اگلے سال قحط ہوگیا اور قریش مسلمانوں کے کچلنے کے لیئے کافی فوج نہ جمع کرسکے اسلیئے یہ سال بغیر کسی جنگ کے ہی گذر گیا۔ دوسرا سال غیر معمولی تیاریوں میں صرف ہوا اور چونکہ پہلی تمام کوششیں بے سود ہوئی تھیں لہٰذا قریش نے اب آخری اور فیصلہ کن حملے کا ارادہ کرلیا۔ یہودیوں نے بھی انکی امداد کی اور چاروں طرف بدّو اقوام میں آدمی بھیج بھیجکر انکو بھی امداد کے لیئے بلایا گیا۔

ان محنتوں کا جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ نتیجہ ہوا کہ ہجرت کے پانچویں سال دس ہزار جنگجوؤں کی متحدہ فوج نے مدینہ پر حملہ کیا اور سوائے چند منتخب لوگوں کے باقی سب شہر والوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس متفقہ فوج کا جو اثر شہر والوں پر ہوا اُسکو قرآن کے الفاظ سے بہتر عبارت میں ادا کرنا مشکل ہے چنانچہ فرماتا ہے اِذْ جَآؤُكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ جسوقت آئے تمھارے پاس (دشمن) اوپر سے اور نیچے سے (یعنی شہر کی دونوں طرف سے) اور جسوقت آنکھیں ٹیڑھی ہو گئیں اور دل (بوجہ گھبراہٹ کے) حلق تک پہنچ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرتے تھے۔ اُسوقت مومن آزمائے گئے مسلمانوں کی ظاہری حالت ایسی نازک تھی کہ خود اُنکے درمیان سے ایسے لوگوں نے جنکے قلوب میں امراض تھیں علانیہ کہنا شروع کر دیا۔ "وہ اب رسول خدا (صلعم) کی امیدیں کہاں ہیں اور آسمانی امداد کے وعدے کیا ہو گئے؟"

الغرض اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ قریش کا ارادہ مسلمانوں کو کچل ڈالنے کا تھا اور یہی ارادہ تھا جو اُنسے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنیکی تیاریاں کراتا تھا۔ اب جو شخص اس بات سے انکاری ہو کہ قریش کا اسلام اور مسلمانوں کی بیخکنی کا ارادہ نہیں تھا وہ ایک ثابت شدہ امر کا منکر ہے کیونکہ قریش کی لمبی چوڑی تیاریاں اس امر پر پوری روشنی ڈالتی ہیں کہ اُنکا مسلمانوں کو کچل ڈالنے اور صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا پختہ ارادہ تھا۔

ایک یاد رکھنے کے قابل بات

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان جو لڑائیاں ہوئی تھیں ان سب میں ابتدا قریش کی طرف سے ہوئی۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فوج مدینہ سے اسوقت روانہ ہوئی جب مکہ والوں کی فوج نصف سے زیادہ راستہ طے کر چکی تھی۔ جب مسلمان میدان بدر میں پہنچے تو قریش کی فوج وہاں پہلے ہی سے موجود تھی اب دیکھیے کہ بدر مدینہ سے تین روز کا اور مکہ سے نو روز کا راستہ ہے پس اس صورت میں مکہ والے مسلمانوں کی روانگی سے کئی

روز پہلے چلے ہونگے۔ اب قرآن کریم سے جو ان معاملات میں میور اور دوسرے عیسائی معترضین کے نزدیک بھی ہماری نہایت ہی معتبر سند ہے (ملاحظہ ہو لائف آف محمدؐ صفحہ ۲۹۹ اور دیباچہ صفحہ ۲۶) جیساکہ میں پہلے ایک نمبر میں بھی ظاہر کرچکا ہوں یہ صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ سے روانہ ہونے کے وقت مسلمانوں کو اس بات کا علم تھا کہ اُن کا مقابلہ دو جماعتوں میں سے ایک کے ساتھ ہوگا یعنی اُنکو قریش کے لشکر کا علم تھا۔ یہی حالت ہر ایک جنگ میں ہوتی رہی جنگ احد جنگ احزاب اور بدر کی دوسری لڑائی میں بھی قریش ہی کی طرف سے پیشدستی ہوئی۔ ان واقعات سے جنکا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ قریش کی طرف سے زیادتی ہوئی اور مسلمانوں نے محض حفاظت ذاتی کے لیئے ہتھیار اُٹھائے۔ لیکن جائے افسوس ہے تو یہ کہ عیسائی معترض ان کھُلی کھُلی شہادتوں پر آنکھ بند کرکے نہایت دلیری سے مسلمانوں کو ظالم اور قریش کو مظلوم ٹھہراتے ہیں۔ آہ اس سے بڑھکر انصاف کا خون اور کون کریگا۔ منصف ناظرین! اگر آپ عرب کا نقشہ لیکر مقامات جنگ پر ایک نظر ڈالیں تو آپکو فوراً معلوم ہوجائیگا کہ کس نے زیادتی کی اور کس نے محض مدافعت اور حفاظت ذاتی کا سامان کیا۔

آسمانی امداد اللہ تعالیٰ اور اُسکے فرشتوں کا اہل اسلام کی امداد کرنا بھی ایک بدیہی امر ہے جسکے لیئے مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔ جب مسلمان کمزور اور بیکس تھے اور قریش اُنپر ہر طرح کی سختیاں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُنکو اپنی امداد کا وعدہ فرمایا تھا۔ وہ خونخوار بھیڑیوں کے مُنہ میں آئے ہوئے تھے اور ظاہراً مخلصی کی کوئی امید نہ تھی مگر مولا کریم نے مکّہ میں ہی اُنسے وعدہ فرمایا کہ میں ان بھیڑیوں کو ہلاک کردونگا اور اسلام کو دنیا کے کونوں تک پھیلادونگا خواہ دشمن اسکی بنیادیں اُکھاڑنے کے لیئے ناخنوں تک زور ہی کیوں نہ لگائیں اگر آسمانی وعدوں پر ایمان اور کامل یقین نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس خطرناک مایوسی کے عالم میں مسلمان دل توڑ بیٹھتے۔ اور ہم تو صریحاً دیکھ رہے ہیں کہ خدائی ہاتھ اپنے وفادار بندوں کی شروع سے ہی دستگیری کرتا رہا تھا۔ یہ خدا کا ہی فعل تھا۔

صادق اور راستی پسند قلوب کو اسلام کی طرف پھیر دیا اور باوجود قریش کی سخت سے سخت مخالفت اور ایذادہی کے دین حقہ کی اشاعت جاری رہی۔ یہ تائید الٰہی کی پہلی علامت تھی۔

اسلام لانے میں کیا کیا خطرات تھے اسکا اندازہ ان لوگوں کے عذرات پڑھکر لگ سکتا ہے جوکہ قبول اسلام میں متردد تھے۔ یہ ایسے لوگ قریش کی ایذا رسانی سے ڈر کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جو عذرات کرتے تھے انکو قرآن کریم ذیل کی عبارت میں پیش کرتا ہے وَقَالُوا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا (قصص ۶) یعنی یہ لوگ عذر کرتے ہیں کہ جو ہدایت تو لایا ہے اگر ہم اسکی پیروی کریں اور تیرے ساتھ شامل ہو جاویں تو (اسلام کے دشمن) ہمیں اس زمین پر سے اچک لیں گے۔

تائید آسمانی کی ایک اور علامت یہ تھی کہ مسلمانوں کو ایک ایسے عیسائی بادشاہ کے ملک میں پناہ مل گئی جس نے قریش کے سفیروں کی اس درخواست کو کہ مسلمان مہاجرین کو انکے سپرد کر دیا جائے بالکل رد کر دیا۔ اور پھر خدا کے سوا یہ کس کا کام تھا کہ حضرت نبی کریم صلعم کے قریبی رشتہ داروں کو آپکا محافظ بنا دیا اور وہ اپنے امکان کے مطابق دشمنوں کے حملوں سے آپکی حفاظت کرتے تھے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی تائید کا ثبوت ایک اور طرح بھی دیا یعنی مدینہ میں انصار کی جماعت پیدا کر دی جو خدمت اسلام میں دل وجان سے مصروف ہو گئے اور مکہ کے برادران دینی کو اپنے ہاں پناہ دی۔ یا یوں کہو کہ مدینہ والوں کے اس فعل سے قریش کا یہ منصوبہ خاک میں ملگیا کہ اسلام کو مکہ سے باہر نہ پھیلنے دیا جاوے۔ پھر جبکہ جلے بھنے غضب آلود قریش نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کیلئے اپنی تلواروں کو نیام سے باہر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی کھینچی ہوئی تلواروں سے اپنے نبی کو اعجازی طور پر محفوظ رکھا اور صحیح سلامت مدینہ پہنچا دیا۔ اگرچہ دشمنوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی قیمت مقرر کی اور تیز سواروں کو آپکی تلاش میں روانہ کیا بلکہ ایک موقعہ پر تو وہ نشان لگاتے لگاتے آنحضرتؐ اور آپکے یار غار رضی اللہ عنہ کے اسقدر قریب آگئے کہ انکے پاؤں دکھائی دیتے تھے تاہم خدائی ہاتھ نے انکی آنکھیں بند کر دیں اور وہ اپنی کوششوں میں نامراد رہے۔ پھر جب دشمنوں نے مسلمانوں پر مور و ملخ سے لشکر

کے ساتھ چڑھائیاں کیں اور اُنکو تباہ کرنا چاہا اور ظاہر بین آنکھ میں وہ ہر طرح کمزور اور بیکس دکھائی دیتے تھے تو تائید ایزدی نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور قریش کو اکثر ناکام نامراد واپس آنا پڑا۔ مقام بدر پر اللہ تعالیٰ نے بارش کر دی اور اس طرح سے ریت جم گئی اور مسلمانوں کے قدم مضبوط ہو گئے اور ایک آندھی نے چلکر مخالفوں میں پریشانی پھیلادی اور اُنکی آنکھوں کو ریت سے بھر دیا۔ پھر مدینہ میں آندھی اور طوفان ہی کا لشکر تھا جس نے مخالفین کے جم غفیر کو شکست دی اُنکے خیمے اکھاڑ ڈالے اور ایسی گھبراہٹ پیدا کر دی کہ اُنکو راتوں رات سردی طوفان اور جاڑے کی مار کھاتے ہوئے بھاگنا پڑا۔ پھر کوئی بتلائے کہ خدا کے سوا اور کون تھا جس نے آنحضرت صلعم کو میدان احد میں بال بال بچا لیا جبکہ مکہ والوں کی تمام فوج آپ پر حملہ آور تھی اور آپ تن تنہا تیروں اور تلواروں کا نشانہ ہو رہے تھے۔ یہ ہیں تائید ایزدی کے صریح اور بدیہی نشان جسکی آنکھ ہو دیکھے جسکا دل ہو غور کرے۔ ہم خدائے تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتے۔ مگر ہم اُسکے نشانات سے اُسکے وجود کا پتہ لیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خدائے تعالیٰ کے مظاہر قدرت اور نشانات کی وہ کثرت پائی جاتی ہے جو اپنی نظیر آپ ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے تنہا انسان کا اپنے طاقتور دشمنوں پر غلبہ اور فتح پانا سوائے خدائے تعالیٰ کی تائید کے اور کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اور آنحضرت صلعم کی اس کامیابی اور فتح کے ساتھ اگر اُس پیشگوئی کو بھی شامل کر لیا جائے جو کئی سال پیشتر اور ایسے وقت میں کی گئی تھی جبکہ دشمنوں کا پورا زور تھا اور نبی کریم صلعم محض بیکس اور دشمنوں کی ہنسی کے مورد تھے۔ تو یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے ایک تن تنہا انسان کا قبل از وقت ان پیشگوئیوں کی اشاعت کرنا دشمنوں کے جوش اور غصہ کو بھڑکانا تھا اور مخالفین نے اس خیال سے کہ مبادا یہ سب کچھ لفظ بہ لفظ پورا ہو جائے اسلام کا قلع قمع کرنیکے لئے دُگنی کوششیں شروع کر دیں لیکن جائے تعجب ہے کہ جسقدر ان لوگوں نے جان توڑ کوششیں کیں کہ یہ پیشگوئیاں پوری نہ ہوں اُسی قدر صراحت اور بداہت کے ساتھ آئے دن یہ پیشگوئیاں پوری ہوتی رہیں۔ اور آخر کار طاقتور اور مغرور دشمنوں کو اُسی بیکس داعی کے ہاتھ سے نیچا دیکھنا پڑا اور اسلام کی آخری اور پوری کامیابی نے اُس

پیشگوئی کی تصدیق کردی جو کئی سال پہلے شائع ہو چکی تھی۔ قریش نے جو کچھ اس پیشگوئی کا ظہور دیکھا وہ انکے متعلق تھا لیکن اور زیادہ اسکے بعد ظہور میں آیا۔ الغرض جو کچھ خدا نے چاہا وہی ہوا اور خدائے تعالیٰ کے کام بندوں سے نہ رُک سکے۔ دشمنوں کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ الحق کی فتح اور کفر کی مذلت ہوئی اور کسی کی کچھ پیش نہ گئی سے

غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے ؛ بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

اسلام کی ترقی جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم اور آپکے صحابہؓ دشمنوں کے حملوں کا دفعیہ کرنے میں مصروف تھے تو اسلام چپ چاپ اور سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا تھا۔ اسکا پتہ بڑے بڑے جنگوں میں مسلمانوں کی آئے دن بڑھتی ہوئی تعداد سے بخوبی چلتا ہے۔ جنگ بدر جو ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہوئی تھی اُس میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی۔ دوسرے سال جب مسلمانوں اور کفار کا احد کے میدان میں مقابلہ ہوا تو انکی تعداد تین سو منافقین کے سوا ۷۰۰ تھی۔ آئندہ سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم ابوسفیان کی فوج سے مقابلہ کرنیکے لیئے دوبارہ میدان بدر پر تشریف لائے تو آپکے ساتھ پندرہ سو ۱۵۰۰ آدمی تھے۔ مگر ایک ہی سال بعد جب عربوں کی متفقہ فوج نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا تو خندق کی حفاظت کے لیئے تین ہزار مسلمان موجود تھے۔ اگرچہ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کی کل تعداد اسی قدر تھی تاہم ان اعداد سے بڑھتی ہوئی تعداد کا اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے۔ اس طرح باوجود جنگ کے زور وشور کے جو اشاعت کا سد راہ تھا اسلام برابر ترقی کرتا گیا۔ اس بات کو میور بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہ تمام لوگ اپنی رضا و رغبت سے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ وہ محاصرہ مدینہ کے بعد کے واقعات کا تذکرہ کرتے وقت لکھتا ہے کہ نبی کریمؐ نے "دو تا حال لوگوں کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا تھا اور نہ ہی مسلمان نہ ہونے پر سزا دی تھی" لائف آف محمدؐ صفحہ ۳۱۱۔ اگرچہ میور 'تا حال' کا لفظ ایزاد کرتے وقت یہ بتلانا چاہتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بعد میں جبر سے کام لیا مگر کیا خوب ہو تا کہ میور ہی کوئی ایسی مثال پیش کرتا جہاں کسی کو آنحضرت صلعم نے اسلام لانے پر مجبور کیا ہو یا انکار پر سزا دی ہو۔

دراصل بات یہ ہے کہ میور کا "تاحال" ایزاد کرنا اُس تعصب کا نتیجہ ہے جو اسلام کی دشمنی کے باعث عیسائی طبیعتوں میں داخل ہوگیا ہے اور جسکے باعث اگر وہ کبھی سچ بولنے پر مجبور بھی ہو جائیں تو بھی۔ اُنکے مُنہ سے صاف صاف کوئی کلمہ خیر نہیں نکل سکتا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی میں کوئی بھی ایسی مثال نہیں جہاں کسی فرد یا قوم کو اسلام لانے پر مجبور کیا گیا ہو یا انکار پر سزا دی گئی ہو۔ اگر کوئی جبر اور سختی کا موقعہ تھا تو فتح مکّہ کے بعد تھا جب آپکے تمام دشمن مغلوب اور مطیع ہوچکے تھے مگر اس موقعہ کے متعلق بھی ہم میور کا ہی بیان پیش کرتے ہیں وہ لکھتا ہے "اگرچہ شہر مکّہ نے آنحضرتؐ کی اطاعت۔ تو خوشی سے قبول کرلی تھی لیکن تمام باشندوں نے تاحال اسلام قبول نہیں کیا تھا اور نہ ہی آنحضرتؐ کے دعوائے رسالت کو تسلیم کیا تھا شاید آپ کا منشا یہ تھا کہ یہاں بھی مدینہ کا سا ہی طرز اختیار کریں اور بلا جبر و اکراہ لوگوں کو حلقہ اسلام میں داخل کریں" شہادت وہی ہے جو دشمن کے مُنہ سے نکلے اب دیکھئے خود میور شہادت دیتا ہے کہ نہ مدینہ میں اور نہ ہی فتح کے بعد مکّہ میں کسی شخص کو جبرًا مسلمان کیا گیا مسلمانوں کے ایمان کی صداقت کے لیئے یہی ایک شہادت کافی ہے کہ اُنہوں نے خطرناک سے خطرناک موقعہ پر آنحضرت صلعم کا ساتھ دیا۔ فتح مکّہ کے بعد مکّہ کے جو لوگ مسلمان ہوئے اُنکی نسبت میور لکھتا ہے کہ "اُنہیں منافق کوئی نہیں تھا۔ بلکہ آنحضرتؐ کی وفات پر جو بغاوت ہوئی اس میں بھی کوئی متزلزل نہیں ہوا۔ اور فتح مکّہ سے دو ہی ہفتہ کے اندر اندر ہم دو ہزار مکّہ والوں کو آنحضرتؐ کے پہلو بہ پہلو نہایت وفاداری سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں" میور اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اُن لوگوں کے لیئے 'بددل' یا 'ناراض' کا لفظ استعمال کرتا ہے جنہیں قرآن کریم کی اصطلاح میں 'منافقین' کہا جاتا ہے اسلیئے ہم نے بھی ترجمہ میں منافقین کا لفظ ہی اختیار کیا ہے۔ پس ہر ایک شخص جو فتح مکّہ کے بعد مسلمان ہوا وہ میور کے اپنے الفاظ اور اُسکی اپنی شہادت سے 'بلا جبر و اکراہ' مسلمان ہوا اور خلوص نیت سے مسلمان رہا کیونکہ ان لوگوں میں کوئی منافق ہی نہ تھا۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ باوجود لڑائیوں کی شدت کے اسلام کی برابر اشاعت ہوتی رہی ہاں مخالفت اور لڑائیاں اسلام کی اشاعت میں سدّراہ ضرور ہوئیں - اگر جنگ نہ ہوتا تو ضرور بالضرور اسلام اور زیادہ سرعت سے ترقی کرتا - اسکے لیئے ہمارے پاس یہی صریح شہادت ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد کثرت سے مسلمان ہوگئے اور اس طرح ظاہر کر دیا کہ اشاعت اسلام میں اگر کوئی سدراہ تھی تو لڑائی تھی اور جب یہ رکاوٹ دُور ہوگئی تو لوگ جوق در جوق آکر مسلمان ہونے لگے۔

مدینہ کا محاصرہ بھی بلا نتائج نہیں رہا۔ مسلمانوں کے کچل ڈالنے کیلیئے مخالفین کی طرف سے یہ آخری کوشش تھی اور اس حملہ کے لیئے عظیم الشان تیاریاں کیگئی تھیں۔ سب کے سب دشمن اُسوقت ملکر چڑھ آئے تھے۔ چار ہزار تو قریش نبرد آزما تھے اور یہودیوں نے تمام عرب کو مسلمانوں کے خلاف اُکسایا تھا تاکہ اسلام کا تازہ لگا ہوا پودا جو روز بروز زیادہ سرسبز ہو رہا تھا عرب کی زمین میں نشوونما نہ پاسکے علاوہ ازیں صحرا کے خانہ بدوش بدوؤں کے گروہ در گروہ جمع ہوگئے اور کُل تعداد مع قریش کے جوانوں کے دس ہزار ہوگئی تھی۔ اگرچہ اسلام کے دشمنوں نے اس طرح متفق ہو کر دین اسلام کی بنیادیں ہلا دینے کی کوشش میں بال بھر بھی فرق نہیں چھوڑا تھا۔ اور انہوں نے ایک ماہ کامل مدینہ کا محاصرہ کر رکھا لیکن آسمانی لشکر ان متحدہ اور متفقہ افواج سے کہیں زیادہ زبردست تھا جسکے آتے ہی ان لوگوں کو نہایت سرگردانی سے محاصرہ اُٹھانا پڑا اور اپنے اپنے گھروں کو راتوں رات سردی اور اندھیرے میں طوفان اور آندھی کے تھپیڑے کھاتے ہوئے روانہ ہونا پڑا۔ اس ناکامی اور ذلت سے مغرور دشمنوں کے حوصلے پست ہوگئے اور اب یہ ناممکن تھا کہ متکبر قریش یا چالباز یہودی مسلمانوں کی بربادی کے لیئے پھر کوئی بڑی فوج جمع کر سکیں اس شکست اور ذلت کے بعد یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ بدو اقوام کو اُکسا کر قریش کی امداد کیلیئے بلایا جائے اور دوبارہ مدینہ پر حملہ کیا جائے۔ اب بدو لوگ مسلمانوں کے خلاف قریش کی ایسی امداد نہیں کرنا چاہتے تھے جیسی کہ مشہور محاصرہ مدینہ میں اُنہوں نے پہلے کی تھی بلکہ اب انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں اور کفار قریش کے معاملات میں بالکل مداخلت نہ کریں

اور جنگ کے نتیجہ کا صبر سے انتظار کریں۔ ان لوگوں نے خیال کیا کہ کفار رشتہ دار اپنے مسلمان عزیزوں سے محض اسوجہ سے برسر پیکار ہیں کہ وہ رسول اللہ پر ایمان لے آئے ہیں اور اسلیئے انہیں باہم لڑنے دو تاکہ دیکھ لیں کہ کون فتحیاب ہوتا ہے۔ اور اگر رسول اللہ کا دعویٰ سچا ہے اور وہ درحقیقت دنیا کی اصلاح کے لیئے مامور ہوکر آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کفار کے مقابل اُنکی ضرور تائید کریگا اور پیغمبر خداؐ کو اپنے دشمنوں پر مظفر و منصور کرے گا۔

ایک دلچسپ منظر کیا یہ ایک معمولی جنگ و جدل تھا؟ نہیں نہیں یہ ایک دلچسپ واقعہ تھا۔ مکہ میں ایک خدا کا رسول پیدا ہوا اور اُسنے اپنی قوم کو خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی مگر اُسکے اپنے ہی عزیز اقربا اُسکے دشمن بن گئے اور ناکامی کیلیئے ناخنوں تک زور لگایا۔ مگر وہ برابر اپنا کام کرتا گیا اور بہت آدمی اُسپر ایمان لے آئے۔ مگر جن لوگوں نے اُسکے دعویٰ کو تسلیم کیا اُنپر کفار کی طرف سے وہ وہ سختیاں کی گئیں کہ آخر وہ اپنے گھروں کو چھوڑنے اور ایک دُور شہر میں اجنبی لوگوں کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اقوام عرب نے بھی حج کے موقعہ پر اس نبیؐ کا وعظ سُنا تھا اور اُسکے نرالے وعظ کی شہرت دُور دُور تک پہنچ گئی تھی۔ جس استقلال سے یہ نبی اپنا دعویٰ بیان کرتا رہا اور جس اخلاص سے اُسکے صحابہؓ نے اُسکا ساتھ دیا۔ اُسکو دیکھکر اہل عرب حیران اور متعجب تھے۔ جب اس مقدس نبی نے یہ اعلان کیا کہ میں آخر کار کامیاب ہونگا اور میرے دشمن اگر باز نہ آئیں گے تو نیچا دیکھیں گے اور مغلوب ہونگے تو مکہ میں آنیوالے حاجیوں اور تاجروں نے ان باتوں کو بڑے تعجب سے سُنا جب ایذا دہی آخر حد تک پہنچگئی اور جب یہ نبی بالکل ایک بے خان و مان انسان کی طرح ہوگیا۔ اور جب عرب کی کوئی قوم اُسکو قریش کی تعدی سے پناہ دینا منظور نہیں کرتی تھی تو مدینہ کے بعض لوگوں نے اُسکی درخواست پر پناہ دینے کا وعدہ کرلیا۔

قریش نے مہاجرین کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالنی چاہیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر بھی وار کرنا چاہا مگر سب جگہ ناکام و نامراد رہے۔ تب جلے بھُنے قریش نے مسلمانوں سے جنگ کرکے اُنکو تباہ کرنا چاہا۔ الغرض یہ ایک عجیب نظارہ تھا اور

تمام عرب بڑے شوق سے اسکے نتیجہ کا منتظر تھا۔ ایک گمنام انسان کے ہاتھ سے مغرور اور طاقتور قریش کا مغلوب ہونا اس نظارہ میں سب سے دلچسپ امر تھا اور ابوجہل۔ عتبہ اور شیبہ جیسے مشہور قریش سرداروں کے قتل ہونے سے دشمنوں کی ذلت ہوئی اور عرب ششدر رہ گئے۔ جس اخلاص سے اس نئے نبیؐ کے صحابیوںؓ نے اپنے آقا کے لیئے لڑائیاں لڑیں اس سے لوگوں کے دل میں تعریف بھی اور تعجب بھی پیدا ہوا۔ جب قریش تنہا اسلام کو کچل نہ سکے تو انہوں نے دوسری اقوام کو اُکسا کر اپنے ساتھ ملایا۔ مگر بدقسمتی سے یہ متفقہ فوجیں بھی اُنکی دلی خواہش کو پورا نہ کر سکیں یعنی اُنسے مسلمانوں کی تباہی نہ ہو سکی بلکہ اُنکو خود ناقابل بیان پریشانی سے واپس بھاگنا پڑا اور بھاگنے والونکا آسمان کی زبردست فوجوں نے تعاقب کیا پھر اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ قریش کے بہت سے مددگار اُنسے علیحدہ ہو گئے اور باقی عربوں کے ساتھ ملکر دیکھنے لگے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اور کامیابی کس کے حصہ آتی ہے۔ حضرت نبی کریم کی روزانہ فتح و نصرت سے ان لوگوں کو آپ کی مکہ والی باتیں یاد آتی تھیں جہاں کہ ناموافق حالات اور سخت ایذا دہی کے زمانہ میں یہ پیشگوئی کیگئی تھی کہ آخر کار میں کامیاب ہونگا اور اسلام کے دشمن خائب و خاسر ہونگے۔ اُسی زمانہ میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں پہلے انبیاءؑ کی طرح ایک نبی ہوں اور میں اُسی طرح کامیاب ہونگا جس طرح مجھ سے پہلے رسولؑ کامیاب ہوئے ہیں۔ اسلیئے اکثر قومیں نتیجہ کا بڑے شوق سے انتظار کر رہی تھیں اور آنحضرتؐ کی روزانہ کامیابیوں سے انکو آپ کی صداقت پر دن بدن زیادہ یقین ہوتا جاتا تھا۔

چھوٹی چھوٹی مہمیں

مگر یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ عربوں کی طرف سے بالکل امن امان ہو گیا چونکہ لوٹ مار کرنا اُنکی طبیعت ثانی ہو رہا تھا اسلیئے اگرچہ اکثر قومیں کھلم کھلا جنگ کرنے سے باز آگئی تھیں تاہم بعض افراد اور بعض قبائل محاصرہ مدینہ کے بعد بھی مسلمانوں کو تنگ کرتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو جنگ احزاب اور صلح حدیبیہ کے درمیان بھی چھوٹی چھوٹی مہموں پر جانا پڑا۔ لہذا یہ مناسب ہوگا کہ ان مہمات کا بھی مختصر تذکرہ کر دیا جائے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ حضرت نبی کریم صلعم کو

کس قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس صرف دو مہموں میں تشریف لے گئے جنہیں سے اول بنی لحیان یا بنی ہذیل کے مقابل تھی کیونکہ ان لوگوں نے مقام رجیع پر (جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے) چند صحابہؓ کو قتل کر دیا تھا اور ایسے واقعات کے اعادہ کو روکنے کے لیئے ان کی گوشمالی کرنا نہایت ضروری تھا۔ اس قبیلہ کے لوگوں نے جونہی آنحضرت صلعم کی آمد کی خبر سُنی سب کے سب پہاڑیوں میں بھاگ گئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس مقام پر ٹھہرے جہاںکہ آپکے صحابہؓ کو دغا بازی سے شہید کیا گیا تھا اور ان شہیدوں کے لیئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی۔ اگر حضرت نبی کریم صلعم ایسے مجرموں کی گوشمالی کے لیئے مستعدی ظاہر نہ کرتے تو یہ وحشی قومیں دلیر ہو جاتیں اور بڑی بڑی سختیاں کرگذرتیں۔ یہ مُہم اُنکو اس امر کا یقین دلانیکے لیئے کافی تھی کہ آئندہ اگر وہ ایسے جرائم کے مرتکب ہوں گے تو مسلمان ایسے لوگ نہیں کہ اُنکو بغیر سزا کے چھوڑ دیں۔ چند ہی ایّام کے بعد قوم فزارہ کا سردار عیینہ مقام الغابہ پر سے جو مدینہ سے چند ہی میل کے فاصلہ پر تھا اونٹوں کا ایک گلّہ پکڑ کرلے گیا۔ ڈاکہ میں اونٹ چرانے والا تو مارا گیا اور اُسکی بیوی کو ڈاکو پکڑ کرلے گئے۔ سلع کی پہاڑی پر سے ایک شخص کے پکارنے سے شہر والوں کو خبر ہوئی اور فوراً سواروں کا ایک دستہ تعاقب میں روانہ ہو گیا جنکے بعد ہی تھوڑی سی فوج لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی روانہ ہوئے۔ کچھ اونٹ واپس کر لیئے گئے اور قیدی عورت پکڑے ہوئے اونٹوں میں سے ایک پر چڑھکر بھاگ آئی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذی قرد تک تشریف لیگئے لیکن لُٹیرے صحرا کے اندر محفوظ مقامات میں چلے جا چکے تھے اسلیئے آنحضرت صلعم مدینہ کو واپس تشریف لے آئے۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ یہ وہی عیینہ تھا جسکے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دومتہ الجندل سے واپس آتے وقت عہد و پیمان کیا تھا اور جسکو مدینہ کی بعض زمینوں پر اونٹ چرانے کی اجازت دیگئی تھی مگر یہ لُٹیرے بدّو عہد و پیمان وغیرہ کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ یہی عیینہ محاصرہ مدینہ میں کُفّار کی فوج کے ساتھ بڑی جماعت سے شامل ہوا تھا بلکہ ایک ہزار اونٹ سے بھی اُنکو مدد دی تھی اور اب یہی شخص مسلمانوں

کے اونٹوں کا گلہ بھگا لے گیا تھا۔ قوم فزارہ ہی نے وادی القری کے نزدیک رہ زنی کر کے حضرت زید رضؓ کو لوٹا تھا جبکہ وہ شام کے سفر پر تشریف لیجا رہے تھے۔ اسلیئے جب حضرت زید رضؓ کے زخم اچھے ہو گئے تو انکو ایک مضبوط فوج کے ساتھ اس ڈاکو سردار کی سرکوبی کیلیئے بھیجا گیا۔ اسی وادی القری میں بنی جذام نے بھی لُوٹ مار کی۔ جب حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ ملک شام سے اپنی کامیاب سفارت کے بعد واپس آ رہے تھے تو بنی جذام نے وادی القری میں اُنکا سب سامان لُوٹ لیا۔ اس لُوٹ کا حال سُنکر حضرت نبی کریم صلعم نے زید رضؓ کو لٹیروں کی گوشمالی کیلیئے روانہ فرمایا۔ حضرت زید رضؓ نے عدم واقفیت کے باعث بنی جذام کے ایک اور قبیلہ پر حملہ کر دیا جو کہ آنحضرتؐ سے عہد و پیمان کر چکے تھے۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو فی الفور مال غنیمت اور قیدیوں کو اس قبیلہ کے سردار کے حوالہ کر دیا۔

ملک نجد میں ابھی تک قحط تھا اور غطفان کے قبیلے اپنے علاقے سے نکل آئے تھے اور مسلمانوں کے چند اونٹ بھی اُس طرف چرنیکے لیئے گئے ہوئے تھے اسلیئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا کہ قبیلہ والے حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں تو آپنے محمد ابن مسلمہ کو دس آدمیوں کے ساتھ اس بات کی تصدیق کرنیکے لیئے بھیجا۔ مگر ذی القصہ پر بہت سے لوگوں نے اُسکو گھیر لیا اور تھوڑے سے مقابلہ کے بعد محمد ابن مسلمہ کے سب ساتھی شہید ہو گئے اور وہ خود بھی مردہ سمجھکر چھوڑ دیا گیا۔ جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو ان مجرمین کی سرکوبی کے لیئے فوراً چالیس سوار روانہ کیئے گئے لیکن وہ پڑوس کی پہاڑیوں میں جا چُھپے۔ مسلمانوں کی اس جماعت کا سردھری سے شہید کر دینا اور بار بار لُوٹ مار کا مرتکب ہونا ایسے امور ہیں جو مسلمانوں کے گرد و نواح کی اقوام کے اوضاع و اطوار پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کیا ان واقعات کو دیکھکر بھی عیسائی اور ہمارے دوسرے مخالف اب بھی اس امر کو تسلیم نہیں کرینگے ؟ کہ مسلمانوں کو تلوار مجبوراً اُٹھانی پڑی تھی (مواہب زرقانی)

حضرت نبی کریمؐ کی رحم دلی

اگرچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرموں کو مناسب سزائیں دیں۔ مگر آپ کا انصاف بھی رحم سے بھرا ہوا ہوتا تھا اور آپ اپنے سخت سے سخت دشمن سے بھی فیاضانہ سلوک کرتے تھے حملہ آور اقوام کی گوشمالی کے لیئے

جو نہیں بھیجی جاتی تھیں انہیں سے ایک یہ ایسا ہوا کہ بنی حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اثال الحنفی مسلمانوں کے ہاتھ پڑا۔ وہ مدینہ کو لایا گیا اور آنحضرت صلعم کی رحمدلی اور غریب نوازی سے اسقدر متاثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ جب اس سردار سے پوچھا گیا کہ اب تمھارا کیا حال ہونا چاہیئے تو اُسنے جواب دیا ان تقتل تقتل ذا دم وان تنعم تنعم علیٰ شاکر یعنی اگر آپ مجھے قتل کریں تو آپ ایسے شخص کو قتل کرینگے جو مسلمانوں کے قتل کی باعث اس سزا کا مستحق ہے لیکن اگر آپ مجھ پر رحم کریں تو آپ ایسے شخص پر رحم فرمائیں گے جو اسکا شکر گذار ہوگا۔" یہ جواب سُنکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو رہا کر نیکا حکم دیدیا۔ لیکن وہ بجائے اسکے کہ اپنے گھر واپس جائے ایک باغیچہ میں گیا اور نہا کر لوٹ آیا اور اسلام قبول کر لیا اُس نے حضرت نبی کریم صلعم کو مخاطب کر کے کہا کہ و اللّٰہ ما کان علیٰ وجہ الارض وجہ ابغض علیّ من وجھک فقد اصبح وجھک احب الوجوہ الیّ واللّٰہ ما کان علیٰ وجہ الارض دین ابغض الیّ من دینک فقد اصبح دینک احب الادیان الیّ (زاد المعاد صفحہ ۳۷۷) یعنی "واللہ روئے زمین پر مجھے کسی چہرہ سے اسقدر نفرت نہ تھی جسقدر کہ آپکے چہرہ سے تھی لیکن آج آپکا چہرہ ہی مجھے دنیا بھر کے چہروں سے خوبصورت دکھائی دیتا ہے اور واللہ مجھے کسی دین سے اسقدر نفرت نہ تھی جسقدر آپکے دین سے تھی مگر یہی مذہب آج میرے نزدیک دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ پیارا ہے" پھر مدینہ سے وہ عمرہ کرنیکے لیئے مکہ گیا اور وہاں جب لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ آیا تو بھی بے دین ہو گیا ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں نے خدا کے رسول کے دین کو قبول کیا ہے۔ اللہ اللہ کہاں وہ مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا اور کہاں اب جان نثار دوست بنگیا اور قریش سے کہنے لگا کہ ملک یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی تمھارے پاس نہیں پہنچیگا۔ جبتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نہ ہوگا۔ سامان خورد نوشی کی بندش سے قریش کا ناک میں دم آگیا اور انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنکی فیاضانہ طبیعت سے وہ واقف تھے سفارش کرنیکی درخواست کی اور باوجود قریش کی مخالفت اور سخت دشمنی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اُنکی درخواست کو قبول کرلیا اور آپ کی شفاعت اور سفارش سے قریش کو یمامہ کیطرف
اناج وغیرہ کے قافلے آنے شروع ہو گئے۔ لیکن ناسپاس اور محسن کُش قریش اسلام کے
اب بھی ویسے ہی دشمن رہے جیسے کہ پہلے تھے۔

کیا ہمارے مخالفین ثمامہ کی تبدیلیٔ مذہب اور آنحضرت صلعم کی فیاضی پر غور کرینگے؟
یا بدستور ناسپاس اور محسن کُش قریش کا ہی ساتھ دینگے ؟۔ افسوس اسی رحیم کریم انسان
کی نسبت یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ وہ محض لُوٹ کی غرض سے قریش کے قافلوں کا مزاحم
ہوتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اب کیوں قریش کی درخواست پر ثمامہ کو سفارش کرتا کہ قریش کے
قافلوں کی آمد و رفت کو نہ روکے۔ اور نہ ہی قریش آپکے پاس ایسی درخواست لاتے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی کا ایک اور واقعہ بھی قابل تذکرہ ہے وہ یہ ہے کہ
ابو العاص جس سے آنحضرت صلعم کی بیٹی زینب رض بیاہی ہوئی تھی اور جو کہ ایک بڑا مالدار
تاجر تھا وہ ابھی تک بُت پرست ہی تھا اور جنگ بدر میں کفّار کی طرف سے لڑتا ہوا پکڑا
آیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو اس شرط پر رہا کردیا کہ زینب رض کو مدینہ بھیجدے
محاصرہ مدینہ کے بعد وہ آنحضرت کے بعض صحابہ رض کے ہاتھ پڑ گیا اور وہ اُسکو مدینہ میں نبی کریم
کے پاس لے آئے۔ اُنھوں نے آنحضرت صلعم کے تعلق کے باعث نہ تو اُسکے ساتھیوں
میں سے کسی کو قتل کیا اور نہ ہی اُسکو کوئی تکلیف دی بلکہ بعض راوی تو یہ کہتے ہیں کہ
انھوں نے اُسکو فوراً آزاد کردیا لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں آیا
اور درخواست کی کہ اُنکا تمام مال جو کہ دراصل قریش نے تجارت کیلئے اُسکے سپرد کیا ہوا تھا
واپس دلایا جائے۔ حضرت نبی کریم نے اس درخواست کو منظور فرمالیا اور تمام اسباب
واپس کرادیا۔ خون کے پیاسے دشمنوں سے آنحضرت صلعم کا اس فیاضی سے سلوک کرنا
ابو العاص کے دل پر گھر کر گیا اور مکہ پہنچکر اُس نے تمام لوگوں کا مال اسباب اُنکو واپس کردیا
اور جب سب کچھ ادا کرچکا تو اُس نے قریش سے پوچھا "اے قریش کیا تمھاری کوئی چیز
ایسی باقی رہ گئی ہے جو مینے ادا نہیں کی"؟ اُنھوں نے جواب دیا "خدا تمھیں اجر دے
ہمنے تمکو دیانتدار اور راستباز پایا ہے" اسپر ابو العاص نے قریش کو مخاطب کرکے

دوبارہ کہا " بخدا اسوقت تک مَیں مسلمان ہونے سے محض اسوجہ سے رکا رہا کہ میرے اسلام لانے سے شاید تم یہ خیال کرو کہ مَینے تمھارا مال اڑانے کے لیئے مسلمانوں کا ساتھ دیا ہے۔ مگر اب مَیں تمھارے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی خدا کا رسول ہے (زاد المعاد ابن قیم) یہ تھیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی فتوحات جنہوں نے ظاہری فتوحات سے بھی بڑھ چڑھکر کام کیا۔

ایک اور مہم عیسائی بدو لٹیروں کی سرکوبی کے لیئے عبدالرحمن کی سرکردگی سے روانہ کی گئی یہ دومۃ الجندل کی طرف دوسری مہم تھی اس میں جو ہدایات آنحضرت صلعم نے امیر جیش کو دی تھیں وہ قابل غور ہیں۔ اُسکو حکم دیا گیا کہ پہلے اگر ممکن ہو تو اُنکو صلح کی طرف بلائیں اور اگر کچھ بھی نہ بن پڑے تو پھر جنگ کریں مگر کسی صورت میں دھوکہ و فریب سے کام نہ لیں اور نہ ہی بچّوں وغیرہ کو قتل کریں (ابن ہشام) کیا اب بھی آنحضرت کی فیاضی اور رحمدلی میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے ؟۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

معائنہ مدرسہ تعلیم الاسلام | تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کا معائنہ مسٹر گراس صاحب ایم۔ اے انسپکٹر مدارس اور خلیفہ عماد الدین صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور نے ۲-۳- اور ۴- نومبر ۱۹۰۹ء کو کیا۔ انسپکٹر صاحب اور اسسٹنٹ انسپکٹر صاحب کی آرائے جو انھوں نے بعد معائنہ سکول کے متعلق لکھی ہیں۔ یہاں پہنچ گئی ہیں۔ جن میں ہردو صاحبان نے سکول کی تعلیمی اور انتظامی حالت کو قابل اطمینان ظاہر فرمایا ہے۔ اور عمدہ رائے دی ہے۔ اور ہر ایک پہلو پر رائے دیتے ہوئے صاحب بہادر نے حصہ مڈل اور ہائی کے متعلق یہ عام رائے لکھی ہے کہ " راقم بحیثیت مجموعی مدرسہ کے کام سے بہت ہی محظوظ ہوا ضبط اچھا ہے اور تعلیم بڑے جوش اور فہمیدہ طور سے ہوتی ہے۔ مولوی

صدرالدین صاحب ہیڈ ماسٹر بی۔ اے۔ بی۔ ٹی اپنے اعلیٰ کام کے لیئے قابل تعریف ہیں"
ایسا ہی خلیفہ صاحب نے پرائمری کے متعلق عام طور پر یہ رائے دی ہے۔ کہ "راقم مولوی
محمد علی صاحب ایم۔ اے مینجر مدرسہ ہٰذا سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوا۔ اور جو گفتگو انسے
مدرسہ اور آئندہ ترقیات کی بابت ہوئی اس سے بھی مَیں بہت خوش ہوا۔ مَیں کمیٹی کو
مبارکباد دیتا ہوں کہ جس نے مولوی صدرالدین صاحب بی۔ اے بی۔ ٹی کو ہیڈ ماسٹر
مدرسہ مقرر کیا۔ تمام مدرسین سرگرمی سے کام کر رہے ہیں" غرض کہ انسپکٹر صاحب
یہاں سے بہت خوش ہو کر واپس تشریف لے گئے۔ چنانچہ سکول کی حالت دیکھ کر زبانی
فرمایا۔ کہ "ضلع ہٰذا میں یہ مدرسہ اوّل نمبر پر ہے۔ اور بالخصوص انگریزی تعلیم میں طلباء
نے بہت عمدہ نمونہ دکھایا ہے" ایسا ہی شاخ تلونڈی کے متعلق اسی اسسٹنٹ انسپکٹر
.... نے اعلیٰ رائے دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ مولوی صدرالدین صاحب
بی۔ اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام قادیان کو مبارکباد دیتا ہوں جنکی کوشش سے
اس برانچ سکول نے کامیابی حاصل کی ہے۔ لہٰذا قوم کے لیئے بڑی خوشی اور خدا کا
شکر بجا لانیکا مقام ہے کہ انکی مخلصانہ کوششیں دینی اور دنیاوی رنگ میں عمدہ ثمرات
لا رہی ہیں۔ اسکے بعد اس امر کا اعلان کیا جاتا ہے کہ افسران سررشتہ تعلیم نے آئندہ
کے لیئے یہ انتظام کیا ہے۔ کہ کُل پنجاب کے مدرسوں میں جماعت بندی یکم اپریل سے
ہوا کرے۔ جس سے کسی طالب علم کے ایک سکول سے دوسرے سکول میں جانے سے
حرج نہ ہوگا۔ لہٰذا احباب اس سے فائدہ اُٹھا دیں اور سالانہ امتحان ہو جانے پر اپنے
بچّوں کو یہاں بھیجنے کی کوشش کریں۔ دینیات کی تعلیم کے سوا ر باقی کورس یہاں وہی
ہے جو دوسرے سکولوں میں ہے۔

جلسہ سالانہ جلسہ سالانہ کی تاریخیں بجائے ۲۴۔ ۲۵۔ اور ۲۶۔ دسمبر کے ۲۶
۲۷ اور ۲۸۔ دسمبر مقرر کی گئی ہیں احباب انپر آنیکی کوشش کریں۔ تخفیف کرایہ کے لیئے
محکمہ ریلوے میں درخواست کی ہوئی ہے۔ جو انشاء اللہ عنقریب منظور ہو کر آنیوالی
ہے۔ اسکے متعلق یہ تجویز بہتر معلوم ہوتی ہے کہ سکرٹری صاحبان انجمن ہائے احمدیہ

جلسہ پر شریک ہونیوالے احباب کی ایک فہرست پہلے سے ہی مکمل کریں۔ اور دفتر ہذا میں اسکی نقل بھیجدیں۔ تاکہ اسکے مطابق تخفیف کرایہ کے لیئے سرٹیفکیٹ ارسال کیئے جاویں محصول کے لیئے ٹکٹ ساتھ آنے بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس تجویز پر عمل کرنے سے ایک تو یہ معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ جلسہ پر آنیوالوں کی تعداد قریباً کسقدر ہو گی۔ دوسرے فرداً فرداً سرٹیفکیٹ ارسال کرنیکے سے ٹکٹوں کا خرچ بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور ایسا ہی سکرٹری صاحبان دیگر ضروری امور کے متعلق پہلے ہی سے طیاری کر کے دفتر ہذا میں اطلاع دیں۔ احباب کو اپنے بستر ساتھ لانے چاہیئے۔ جلسہ سالانہ کے لیئے ضروری اشیاء مثل آٹا گھی۔ چاول۔ ایندھن وغیرہ کے بہم پہنچانے کیلیئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے۔ اسلیئے بذریعہ سرکلر انجمنوں کو اطلاع کی گئی تھی۔ کہ سر دست ان اخراجات کیلیئے کچھ روپیہ بہت جلد بھیجدیں۔ تاکہ انتظام کیا جاوے۔ اور باقی جلسہ پر ہمراہ لے آویں۔ لہٰذا احباب اس طرف توجہ فرماویں اور کوپن میں لکھدیں کہ روپیہ اخراجات جلسہ سالانہ کیلیئے ہے۔ چونکہ جلسہ پر آنیسے پہلے غالباً آئندہ نمبر تمام احباب کو نہ مل سکے اسلیئے جلسہ سالانہ کے متعلق ضروری ہدایات یا تو بذریعہ سرکلر پہنچتی رہیں گی یا اخباروں کے ذریعہ اطلاع کیجاوے گی۔

چندہ عید فنڈ عید الفطر کا موقع تو گذر گیا۔ لیکن جلسہ سالانہ کی تقریب کے متصل عید الضحیٰ کی تقریب بھی ہے۔ احباب کو اور خصوصاً سکرٹری صاحبان کو کوشش کے ساتھ کھالوں اور عید فنڈ کا روپیہ بھی وصول کر کے ہمراہ لانا چاہیئے۔

مناظرہ منصوری جماعت احمدیہ منصوری اور مخالفوں کے مابین مناظرہ قرار پایا جو ۱۳-۱۴-نومبر کو ہے۔ اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے ارشاد سے قادیان سے چند احباب بمع جناب مولوی محمد علی صاحب تشریف لے گئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ اس سلسلہ کی نصرت فرماوے اور مخالفوں کو سمجھ دے مفصل حالات بعد میں دیئے جاوینگے۔*

کانفرنس پروگرام جلسہ سالانہ اور تاریخ انعقاد کانفرنس سے بعد میں اطلاع کیجاویگی۔ کانفرنس میں غالباً وہی سوالات پیش ہونگے۔ جو انجمنوں کے پاس بذریعہ سرکلر جا چکے ہیں۔ سکرٹری صاحبان اس سے جلد اطلاع دیں کہ کانفرنس میں انجمن کی طرف سے

*۱۶- نومبر کو منصوری سے جناب مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے بذریعہ تار اطلاع پہنچی کہ ”مباحثہ بڑی کامیابی کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔ الحمد للہ“

کونسے دو ڈیلیگیٹ ہوں گے۔

رپورٹ سالانہ رپورٹ سالانہ انجمنوں سے طلب کی گئی ہے۔ لہٰذا سوالات مندرجہ سرکلر کا جواب بہت جلد ۲۰۔ نومبر تک دفتر ہٰذا میں آجانا چاہیئے۔

از دفتر صدر انجمن احمدیہ قادیان

ریویو

ضرورت زمانہ:۔ یہ وہ کتاب ہے جو حال ہی میں ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب نومسلم نے ایسے سوالوں کے جواب میں لکھی ہے جو آئے دن عیسائیوں اور آریوں کی طرف سے اسلام اور آنحضرت صلعم پر ہوتے رہتے ہیں یہ کتاب بطور سوال و جواب ہے اور اسمیں قریباً ایک صد اہم سوالات مثلاً شق القمر کا معجزہ حجر اسود کی حقیقت عرش و روح کی کیفیت وغیرہ وغیرہ کے جوابات آسان عبارت میں مندرج ہیں کتاب بہت مفید ہے اور بڑی محنت سے تیار کی گئی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف احمدیوں کے لیئے بلکہ ہر ایک شخص کے لیئے جسے آریوں یا عیسائیوں سے پالا پڑتا ہے۔ ایک رہنما ہے۔ ماسٹر صاحب موصوف نے یہ کتاب اسلامی ہائی سکولوں اور دیگر مدارس اور مکاتب کے طلبار کے لیئے بطور تقرر کورس کے لکھی ہے تقطیع بھی کتب سرکاری کے مطابق رکھی گئی ہے نہایت خوشخط اعلیٰ درجہ کے ڈمی کاغذ پر چھپکر دو سو صفحہ پر ختم ہوئی ہے۔ قیمت علاوہ محصولڈاک ۸ درخواستیں بنام ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب قادیان آویں +

عشرہ کاملہ:۔ یہ کتاب مولوی شیخ الہ دین صاحب واعظ انجمن حمایت اسلام لاہور نے آریوں کی تردید میں لکھی ہے۔ اس کتاب میں بہت سے مفید مضامین پر بحث کیگئی ہے۔ مثلاً مسئلہ تناسخ۔ دوران دنیا۔ قدامت روح و مادہ۔ مکتی۔ ان مسائل پر دلچسپ پیرایہ میں بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ آریوں کے بزرگ گئو وغیرہ کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ اور آریوں کے دیوتاؤں کیلیئے

نہ صرف گائے اور گھوڑے قربان کیئے جاتے تھے بلکہ آدمیوں کی بھی قربانی ہوتی تھی - کتاب مذہبی مباحثات کے لیئے بہت مفید ہے - ۹۲ صفحہ کی کتاب ہے قیمت ۳ر - محمد اصغر علی محمد قاسم مالکان قاسمی پریس لدھیانہ سے مل سکتی ہے -

شُدھی کی اشدھی یہ کتاب دہلی کے مشہور مناظر مولوی قاسم علی صاحب کی تصنیف ہے - اسمیں انہوں نے دھرم پال - ڈکی نام ایک انگریز اور ایک آسٹریلین لیڈی کے شدھ ہونے کی اصل کیفیت دکھائی ہے جنپر آریوں نے اسقدر ناز کیا تھا - اخیر میں دکھایا ہے کہ ہندوؤں کی کتب مقدسہ میں غیر مذاہب والوں کو ہندو کرنے کے متعلق کہیں ہدایات نہیں پائی جاتیں - یہ کتاب میر قاسم علی احمدی واعظ ترایا بیرام خان دہلی سے ۶ر پر ملسکتی ہے -

نور :- یہ اخبار قادیان سے شیخ محمد یوسف صاحب نو مسلم (سابق سورن سنگھ) نے نکالا ہے - پندرہ روز کے بعد شائع ہوتا ہے - اس اخبار کی غرض غیر مذاہب کے حملوں خصوصاً آریوں اور عیسائیوں کے اعتراضات کا دفیعہ اور سکھوں کو انکے گرو کی سچی تعلیم کی طرف بلانا ہے - تین نمبر نکل چکے ہیں اور امید ہے کہ یہ اخبار مذہبی مباحثات میں دلچسپی لینے والوں میں بہت قبولیت حاصل کریگا - قیمت عہر سالانہ - درخواستیں بنام شیخ محمد یوسف صاحب مالک و ایڈیٹر اخبار نور آنی چاہییں ؛

جس دریدہ دہنی سے آریہ لوگ اسلام پر حملے کرتے ہیں اسکی نظیر شاید پادریوں کی تحریروں کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی - مسلمان گالی کا جواب گالی تو نہیں دے سکتے مگر پھر بھی ضروری ہے کہ انکے حملوں کا معقولیت سے جواب دیکر عوام الناس کو دھوکہ میں پڑنے سے بچایا جاوے اور انکے اپنے مذہب کے اندرونی حالات کو پیش کرکے دکھایا جاوے کہ انکے اپنے مذہب میں کیا کیا ناپاک باتیں بھری پڑی ہیں - نور کے نوجوان ایڈیٹر نے اسی غرض کو مدنظر رکھکر یہ اخبار جاری کیا ہے - خدائے تعالیٰ انکی مدد فرماوے - آمین

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ — بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء — نمبر ۱۲

فہرست مضامین

اشاعتِ اسلام ۴۴۱-۴۷۲

التوائے جلسہ سالانہ ۴۷۳-۴۷۵

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ ۴۷۵-۴۸۴

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا ۔ چندہ سالانہ عوام سے عے طلباء سے عہ

نوٹ۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۲

(سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر)

حضرت نبی کریمؐ کے امن پسند ارادے

جب اس بات پر غور کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اقوام عرب کے ساتھ عہد و پیمان کرنیکے لیئے تیار رہتے تھے تو یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپؐ اپنی طبیعت کے خلاف جنگ کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو آپنے پہلا کام یہی کیا کہ کفار مدینہ اور گرد و نواح کی یہودی اقوام کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدہ کی رو سے ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل تھی اور یہ بھی شرط تھی کہ امن سے زندگی بسر کریں اور ایک دوسرے کیلیئے اچھے پڑوسی بنکر رہیں پھر آپنے شام کے راستہ پر رہنے والی اقوام سے جو مدینہ کے مغرب کی طرف آباد تھیں عہد و پیمان کیئے۔ پھر جب آپ غزوہ دومۃ الجندل سے واپس آ رہے تھے تو راستہ میں فزارہ قوم کے سردار عیینہ سے بھی ایک عہد نامہ کیا۔ علاوہ ازیں آپنے مدینہ کے شمال کی طرف رہنے والی بعض اقوام سے بھی معاہدہ کر لیا تھا۔ چنانچہ جب دحیہ کو شام سے آتے وقت لوٹ لیا گیا تو پڑوس کی ایک اور قوم نے جنکے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن کا معاہدہ کیا ہوا تھا لٹیروں پر حملہ کر کے تمام مال واپس دلا دیا (دیکھو ولیم میور) اور جس قوم پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے غلطی سے حملہ کیا تھا اور پھر انکا مال اور قیدی واپس کیئے تھے وہ بھی آنحضرت صلعم سے معاہدہ کر چکے ہوئے تھے جسکا میں پہلے

بھی ذکر کر چکا ہوں۔ اگرچہ عرب کی خانہ بدوش لٹیری قومیں جنگ و جدل کی اسقدر مشتاق تھیں کہ اُنسے کوئی معاہدہ کرنا محال تھا۔ تاہم دیکھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن قائم رکھنے کے لیئے جو قوم بھی رضامند ہوئی اُسی سے امن کا عہدنامہ کر لیا۔ اور معاہدوں کی پابندی میں آپ جسقدر محتاط اور مضبوط تھے اُسکا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب بیرِ معونہ کے حادثہ سے بچے ہوئے صحابی نے راستہ میں غلطی سے ایسے دو شخصوں کو قتل کر دیا جو آنحضرت صلعم سے معاہدہ کر آئے تھے تو آپنے اُن دونوں شخصوں کا خون بہا ادا کر دیا۔ اور اُن کا مال بھی واپس کر دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) امن کے اسقدر خواہشمند تھے کہ آپ نے اسلام کے دشمنوں کو راضی کرنیکے لیئے اُنسے ناطہ رشتہ کرنیکی بھی کوشش کی اور اسطرح بنی مصطلق جنکو آنحضرتؐ نے مُریسیع کے مقام پر شکست بھی دی تھی آخر اپنے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی آنحضرتؐ سے شادی ہونے پر مسلمانوں کے ساتھی ہو گئے جب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد ہوا تو مسلمانوں نے بنی مصطلق کو اپنے رشتہ دار سمجھکر اُنکے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اور اس بات کا انپر ایسا اثر ہوا کہ سب کے سب بطیب خاطر مسلمان ہو گئے اور اس طرح وہ قوم جو پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت دشمن تھی اب گہری دوست اور جان نثار بن گئی۔ (ابن ہشام) انہی صلح آمیز اغراض کو مدِّ نظر رکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عبدالرحمٰن کو دومۃ الجندل کی عیسائی قوموں کے مقابلہ کے لیئے بھیجا تھا تو اسکو ہدایت فرمائی تھی کہ بنی کلب کے عیسائی سردار اصبغ کی لڑکی سے شادی کر لے۔ (زاد المعاد)

پھر محاصرہ مدینہ کے بعد کا برس تو امن کے معاہدوں کے لیئے خاص ہی شہرت رکھتا ہے کیونکہ اسی سال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور مکہ کے درمیان رہنے والی بہت سی قوموں کے ساتھ دوستانہ عہدنامے کیئے تھے۔ (لائیف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۳۴۰)

ان معاہدوں سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً امن کے خواہاں تھے اور آپکو جہاں کہیں لڑنا پڑا وہ مجبوراً اور آپکی رحیم کریم طبیعت کے خلاف تھا۔

ہر ایک عقلمند آدمی اس بات کو آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کیلئے جنگ کی نسبت امن زیادہ موزون تھا۔ زمانہ امن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسانی سے وعظ فرما سکتے تھے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دے سکتے تھے مگر جنگ کے وقت یہ کہاں ممکن ہو سکتا تھا۔ اگر کل دنیا بھی تلوار کے زور سے مسلمان ہو جاتی تو متکبر عرب پھر بھی کل دنیا کے بعد اسلام کے مطیع ہوتے۔ اگر عربوں کو جبراً مسلمان کرنے کیلئے تلوار اٹھائی جاتی تو بجائے رغبت کے انکو اسلام سے نفرت ہو جاتی اور اشاعت رک جاتی۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ عربوں کو انکی طبیعت کے خلاف اسلام لانے پر مجبور کیا گیا وہ انکے چال چلن اور اخلاق و عادات سے اپنی ناواقفیت ظاہر کرتا ہے اسلام ایک ایسا مذہب تھا جسکی تعلیم عین فطرت انسانی کے مطابق تھی اور اسکی اشاعت کا سب سے بہتر ذریعہ یہ تھا کہ لوگوں کے نور قلب اور انکی فراست سے اپیل کیجاتی اور اسلام کی خوبیاں انکے سامنے پیش کیجائیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مذہب کی طاقت سے واقف تھے اور آپکو یقین تھا کہ اگر آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو آپکی کامیابی تلوار کی فتوحات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتی۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ دل و جان سے امن کے خواہاں تھے۔

صلح حدیبیہ اب سنہ ہجری کا تو چھٹا سال ہو گیا تھا مگر اس عرصہ دراز میں قریش کی دشمنی کے باعث مہاجرین کو نہ تو اپنا وطن عزیز دیکھنا ملا اور نہ سالانہ حج کر سکے۔ اور اگرچہ قریش مجاز نہ تھے کہ کسی شخص کو خواہ وہ انکا دشمن ہی کیوں نہ ہو حج سے باز رکھ سکیں تاہم ان لات و مناۃ کے پجاریوں نے خدائے واحد کے ماننے والے مسلمانوں کو اس قاعدے سے بھی مستثنےٰ کر دیا اور بیت الحرام کی مقدس و مبارک چار دیواری کے طواف سے انکو محروم رکھا۔ مکہ سے ہجرت کر جانیکے چھ سال بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ اور آپکے صحابہؓ امن امان سے عمرہ کے فرائض ادا کر رہے ہیں آپ (صلعم) نے یہ رؤیا اپنے صحابہؓ کو سنا دیا اور انہیں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اگر یہ رؤیا کل پورا ہونیوالا ہے تو آج ہی پورا ہو جائے اب ذوالقعدہ کا مقدس مہینہ آنیوالا تھا اور عرب کے رواج کے مطابق اس ماہ کے اندر ملک بھر میں عموماً اور حدود حرم میں خصوصاً جنگ و جدل کی قطعی ممانعت تھی علاوہ ازیں

دشمن اقوام کے ساتھ مٹ بھیڑ ہو جانے کا اس ماہ میں چنداں اندیشہ نہیں تھا البتہ اگر زیادہ خوف ہو سکتا تھا تو آئندہ مہینے میں حج کے موقعہ پر تھا۔ پس ان امن پسند ارادوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہؓ کو ہمراہ لیکر عمرہ کرنیکے لیئے مکہ کو روانہ ہوئے۔ ان سب نے احرام باندھا ہوا تھا۔ اور انکے پاس صرف وہی ہتھیار تھے جنکی روا جا اجازت تھی یعنی اوّل تلوار جو میان میں ہو دوئم کمان اور سوئم ترکش۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بہت دور نہیں گئے تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ قریش اپنے بیوی بچوں سمیت مدینہ کی سڑک پر ڈیرے ڈالے پڑے ہیں اور وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہوتا دیکھنے کے بجائے مرمٹنا پسند کرتے ہیں۔ اور انکے جنگی مردوں نے چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں جسکا یہ مطلب ہے کہ درندوں کی طرح لڑینگے اور جبتک دم میں دم ہے منہ نہیں پھیرینگے۔ آنحضرت صلعم نے یہ خبر سنکر اپنے صحابہؓ سے مشورہ کیا انہوں نے یک زبان ہوکر کہا کہ "ہم تو عمرہ کرنیکے لیئے آئے ہیں نہ کسی سے جنگ کرنیکے لیئے۔ ہاں اگر کوئی ہمکو کعبہ کی زیارت سے روکے گا تو ہم اس سے لڑیں گے۔" پس جنگ سے بچنے کے لیئے حضرت نبی کریم صلعم راستہ سے دائیں طرف ہو لیئے اور بڑی سخت کوچ کے بعد پگ ڈنڈیوں میں سے ہوتے ہوئے حدیبیہ پہنچے یہ مقام مکہ کی مقدس سرزمین کی سرحد پر تھا۔ یہاں پہنچکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جسکا نام القصوا تھا۔ ٹھہر گئی اور آگے بڑھنے سے انکار کیا۔ لوگوں نے کہا کہ "القصوا تھک گئی ہے" مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "وہ تھکی نہیں بلکہ اسکو وہی ہاتھ روک رہا ہے جس نے اصحاب الفیل کو روکا تھا۔" الغرض آنحضرتؐ اور آپکے ساتھ کے دوسرے مسلمان سب کے سب حدیبیہ میں اتر پڑے۔ اور اب قریش اور آپکے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ جاری ہوا۔ قریش نے یکے بعد دیگرے یہ پیام بھیجا کہ "ہم لڑنے مرنے پر آمادہ ہیں"۔ قریش نے جو سفیر بھیجے تھے انمیں طائف کا ایک سردار عروہ نام بھی تھا۔ اس شخص نے آکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "قریش جامے سے باہر ہو رہے ہیں اور وہ تمہاری اس آوارہ جماعت کو شہر کے نزدیک تک بھی نہیں پہنچنے دینگے۔ اور واللہ مجھے تو دکھائی دیتا ہے کہ یہ سب لوگ تیرا ساتھ چھوڑ کر بھاگ

جائیں گے" یہ سنکر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اُٹھے اور بڑے جوش سے اس کا جواب دیا
پھر جب عروہ نے اثنائے گفتگو میں ایکدفعہ اپنی عادت کے موافق حضرت نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی ریش مبارک کو ہاتھ لگانا چاہا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو پاس کھڑے تھے
فوراً اُسکا ہاتھ ٹھکرکر پیچھے ہٹا دیا اور سختی سے کہا "خبردار! اپنا ہاتھ پیغمبر خدا ؐ سے
دُور رکھو" صحابہؓ کی اس غیرت اور اپنے آقا و مولا کے ساتھ سچی اُلفت کا یہ اثر ہوا کہ اس
عربی سردار نے قریش کے پاس واپس جاکر کہا "مَیں نے کسرے قیصر اور نجاشی شاہ حبش کو
دیکھا ہے اور اُنکی شاہانہ تزک و احتشام کا ملاحظہ کیا ہے مگر مَیں نے کسی بادشاہ کی رعایا میں
اپنے فرمانروا کی وہ اطاعت اور عزت نہیں دیکھی جسقدر مسلمانوں کے نزدیک اُنکے
نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے"۔ غرض ان سب سفیروں کو آنحضرت صلعم نے ایک ہی
جواب دیا وہ یہ کہ "طواف مکہ کے سوا ہماری کوئی اور غرض مطلقاً نہیں ہے"۔ ان سفیروں کو
مسلمانوں کی پاک اغراض کا کامل یقین ہو گیا اور اسی لیئے اُنہوں نے واپس جاکر قریش
کو بھی یقین دلانا چاہا اور مسلمانوں کے مقابلہ سے روکنا چاہا مگر اُنہوں نے کوئی بات
نہ سُنی بلکہ یہ جواب دیا کہ "ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُسکے پیروؤں کو مکہ میں داخل
ہونیکی اجازت دیکر اہل عرب کی نظروں میں ذلیل اور حقیر نہیں ہونا چاہتے"

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امن پسند ارادوں کا اظہار کرنیکے لیئے اپنے
خاص سفیر بھی قریش کے پاس بھیجے جنہیں سے پہلا تو خود آنحضرت صلعم کے اونٹ پر
سوار ہوکر گیا۔ ظالم قریش نے اس پیام امن کا جواب یہ دیا کہ اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں
اور سفیر کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور قریب تھا کہ اُسے شہید ہی کر دیتے جبکہ بدوؤں نے
مداخلت کرکے چھڑا دیا۔ اللہ اللہ۔ آنحضرت صلعم کی ذات بابرکات بھی کیا ہی رحم مجسم تھی
کہ باوجود قریش کی اس ظالمانہ حرکت کے آپنے دوبارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے امن پسند
ارادوں کا اظہار کرنیکے لیئے ایلچی بناکر اُنکے پاس بھیجدیا۔ چونکہ قریش کے درمیان حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ کے اکثر ذی اثر رشتہ دار موجود تھے اس لیئے اُنکی زندگی زیادہ خطرہ
میں نہیں ہو سکتی تھی۔ پس حضرت عثمانؓ براہ راست سرداران مکہ کے پاس گئے اور اُنسے

کہا "ہم تو خانہ کعبہ کی زیارت اور اُسکی تعظیم و تکریم کرنے کے لیئے آئے ہیں اور ہمارے ساتھ قربانی کے جانور بھی ہیں اُنکو قربان کرکے ہم امن و خوشی سے روانہ ہو جائینگے"۔ اس دوسرے پیام کا جواب بھی قریش کی طرف سے یہی ملا کہ "ہم نے تو محمد (صلعم) کو کعبہ کی چاردیواری میں داخل ہونے سے روکنے کی قسم کھائی ہوئی ہے" ایک طرف تو یہ نامہ و پیام ہو رہا تھا مگر دوسری طرف اُنہوں نے اسّی آدمیوں کے ایک دستہ کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ مسلمانوں کے اردگرد منڈلائیں اور اگر کوئی مسلمان ہاتھ لگ جائے تو اُسکا کام تمام کردیں۔ پھر یہ لوگ تو یہاں تک بڑھ گئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پتھر اور تیر برسانے لگے۔ مگر آخر کار گرفتار ہوکر آنحضرت صلعم کے حضور پیش کیئے گئے۔ اور آپنے حسب عادت اُنکو معاف کردیا اور واپس چلے جانے کی اجازت فرمادی۔ سبحان اللہ ہمارے نبی بھی کیا رحیم کریم اور رحمۃً للعالمین تھے کہ پتھروں اور تیروں کا جواب رحم اور عفو سے دیتے تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عثمان رضؓ کو گئے ہوئے جب بہت دیر ہوگئی اور مسلمانوں کو خوف پیدا ہوا کہ مبادا آپکو شہید نہ کردیا گیا ہو۔ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوگئے اور تمام صحابہؓ نے آپکے گرد حلقہ باندھ لیا اور آپکے ہاتھ پر اس امر کا عہد کیا کہ ہم موت تک آپ کا ساتھ دینگے۔ اس کو بیعت رضواں کہتے ہیں اس واقعہ کی طرف قرآن کریم مفصلہ ذیل الفاظ میں اشارہ فرماتا ہے جنسے آنحضرت صلعم کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے اخلاص اور اُنکی جان نثاری کا پتہ چلتا ہے:۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ یعنی البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جسوقت کہ بیعت کرتے تھے تجھ سے درخت کے نیچے پس اللہ تعالیٰ جانتا تھا جو کچھ اُنکے دل میں تھا اور (اُنکے اخلاص کو دیکھکر) خدا نے اُنپر سکینت نازل فرمائی۔ (فتح - ۳) بارے حضرت عثمانؓ کے صحیح سلامت واپس آجانیسے مسلمانوں کو جو کھٹکا اُنکی جان کی نسبت لگا ہوا تھا وہ دُور ہوگیا۔

پیارے ناظرین! خدا کے مامورین کے ساتھ تائید غیبی ہمیشہ اور ہر حالت میں عجیب عجیب

اندازسے ہوا کرتی ہے اور یہی اُنکی سچائی کا بڑا نشان ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُنکے ارادوں کو
پورا کرنیکے لیئے اپنے فرشتوں کی فوجیں بھیجتا ہے جو دلوں کو تسخیر کر لیتی ہیں اور جس طرح وہ
چاہتے ہیں عموماً وہی ہوتا ہے اور دنیا اور دین میں ہمیشہ بامراد ہوتے ہیں اب دیکھئے
کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح چاہتے ہیں اور قریش جنگ۔ وہ پیام صلح دیتے ہیں
اور یہ مسلمانوں کے قتل اور خود آنحضرتؐ پر پتھر اور تیر برسانے کے لیئے اسّی آدمیوں کا ایک
دستہ بھیجتے ہیں آخر وہی ہوتا ہے جو خدا کا رسول چاہتا ہے اور اُسکی کیفیت یہ ہے کہ قریش کے
سفیروں میں نواح مکّہ کا ایک بدّو سردار بھی تھا۔ اسکو بھی دوسرے سفیروں کی طرح مسلمانوں
کے امن پسند ارادوں اور صدق وصفائی کا کامل یقین ہو گیا۔ چنانچہ اُس نے واپس آکر
قریش سے کہا کہ مسلمانوں کو عمرہ کرنیسے نہ روکیں۔ اس بدّو سردار کے قول کا قریش پر
کچھ اثر نہ ہوا وہ باوجود اس علم کے کہ مسلمانوں کا ارادہ نیک ہے برابر اپنی ہی ہٹ پر مصر رہے
بدّو سردار یہ دیکھکر برافروختہ ہو گیا اور قسم کھائی کہ اگر قریش نے اب بھی آنحضرت صلعم کو
زیارت کعبہ سے باز رکھا تو مَیں اپنے بدّوؤں سمیت اُنکا ساتھ چھوڑ دونگا۔ اس دھمکی سے قریش کو
کسیقدر ہوش آگیا اُنکے غضب کی آگ دھیمی ہو گئی اور اس بدوی سردار سے کہنے لگے کہ
"تم اُسوقت تک انتظار کرو جبتک ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مناسب عہد و پیمان کرلیں"
پھر انہوں نے اپنے ایک سردار سہیل نام کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کرنے
کے لیئے بھیجدیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی صلح صفائی کے ارادوں سے
آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے ارادہ کو پورا کرنیکی خاطر قریش کو صلح کی تجویز کرنے پر
مجبور کیا تھا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کیلئے بالکل تیار تھے کہ جس طرح ہو سکے صلح و
صفائی کرلیں اسلیئے آپنے تمام شرائط کو تسلیم کر لیا جو قریش کے قائم مقام نے حضورؐ کے سامنے
پیش کیں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عہد نامہ لکھنے کا ارشاد
فرمایا اور خود لکھانا شروع کیا ابھی حضور صلعم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھایا تھا کہ سہیل
بول اُٹھا کہ ٹھہرو اللہ کا نام تو ہم جانتے ہیں مگر ان نئے ناموں یعنی رحمٰن وغیرہ سے ہم
ناآشنا ہیں آپ اُسی طرح کہیں جس طرح ہم ہمیشہ سے کہتے ہیں یعنی باسمک اللھم حضرت

نبی کریم صلعم نے اس بات کو مان لیا اور فرمایا اچھا اسی طرح سہی اور پھر لکھنا شروع کیا "بسمک اللھم یہ شرائط صلح مابین محمد رسول اللہ اور ....' اب یہاں پر سہیل نے پھر روک دیا اور کہا اگر ہم تمہارے دعوے رسالت کو تسلیم کر لیتے تو پھر تمکو کعبہ سے کیوں روکتے اور تم سے لڑائی کیوں کرتے آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیئے اور بس۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی مان لیا اور فرمایا اچھا اسی طرح لکھیئے۔

"یہ شرائط صلح مابین محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمر کے قرار پائے ہیں' اور جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طرفدار ہونا چاہتے اُسے بھی آزادی ہوگی اگر کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف جائیگا تو اُسکو واپس کرنا پڑیگا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کی طرف چلا جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائیگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو امسال شہر میں داخل ہونیکے بغیر ہی لوٹنا ہوگا اور آیندہ سال اُسکو مع متبعین کے مکہ میں آنے اور تین روز تک ٹھہرنے کی اجازت ہوگی اور اس تین یوم کے عرصہ میں قریش شہر کو مسلمانوں کے لیئے خالی کر دینگے۔ لیکن یہ اجازت نہ ہوگی کہ مسلمان اپنے ساتھ کوئی ایسا ہتھیار لائیں جسکی حجاج کو ممانعت ہو یعنی سوائے ایسی تلوار کے جو میان میں ہو اور کسی قسم کے آلہ حرب کی اجازت نہ ہوگی۔" اس عہدنامہ پر فریقین کے دستخط ثبت ہوگئے اور اصلی عہدنامہ تو آنحضرت صلعم کے پاس رہا مگر اُسکی ایک نقل قریش کو دے دی گئی۔

مومنین کیلیئے ابتلا اس عہدنامہ کی شرائط پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو کمال درجہ کا رنج ہوا کیونکہ اُنکے نزدیک ایسی شرائط قرار پا جانا پرلے درجہ کی ہتک تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ آنحضرتؐ کا بہت زیادہ ادب کرتے تھے مگر اُن سے ضبط نہ ہو سکا اور حضرت نبی کریمؐ کو بدیں الفاظ مخاطب کیا "یا رسول اللہ! کیا آپ خدا کے سچے نبی نہیں ہیں؟ کیا ہم راستی پر نہیں ہیں؟ اور کیا ہمارے دشمن گمراہ اور غلطی پر نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کے جواب میں فرمایا "بے شک میں خدا کا رسول ہوں ہم راستی پر ہیں اور ہمارے دشمن غلطی پر ہیں میرا مولا اکیلا ہی میری مدد کریگا اور مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا

میں اُسکی حکم عدولی نہیں کر رہا ہوں"
غرض صحابہ کرامؓ کو اسقدر غم تھا کہ جب آنحضرت صلعم نے اُنکو اپنے جانور ذبح کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا تو اس رسم کے ادا کرنیکے لیئے کوئی بھی نہ اُٹھا اُن سب کی تو شرم کے مارے جان ٹوٹ رہی تھی - اور جبتک حضرت نبی کریم صلعم نے اپنے حکم کا تین دفعہ اعادہ نہ کیا اور خود جانور ذبح کرنے اور حجامت بنوانے کے لیئے نہ اُٹھ کھڑے ہوئے اُسوقت تک کوئی صحابی نہ اُٹھا وہ رنج والم میں اسقدر منہمک تھے کہ حجامتیں بناتے وقت قریب تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے (زاد المعاد)

ناظرین ! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیئے کہ کسقدر امن کے خواہاں ہیں کہ محض صلح کرنیکی خاطر اس امر کی بھی پروا نہیں کی کہ صحابہؓ ناراض ہوتے ہیں - اور جب دشمن صلح کی تجویز پیش کرتا ہے تو محض صلح کی خاطر اُس کی ہر ایک پیش کردہ شرط کو........ ....قبول کرنے کے لیئے تیار ہیں اگرچہ وہ شرائط بظاہر اپنے اندر ایک ہتک کا رنگ رکھتی ہیں یہانتک کہ صحابہؓ بھی ابتلا میں آگئے -
یہاں پر شائد کسی کو یہ خیال آجائے کہ قریش سے ڈر کر ان شرائط پر صلح کر لیگئی ہوگی اسلیئے ہم قریش کی اصل طاقت کا اس جگہ اظہار کر دینا مناسب سمجھتے ہیں - ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ بدّو سردار نے سفارت سے لوٹکر قریش کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم اب بھی مسلمانوں کو روکوگے تو میں اپنے آدمیوں کو لیکر تم سے علیحدہ ہو جاؤنگا اور اس دھمکی کا ہی نتیجہ تھا کہ قریش صلح کر لینے پر آمادہ ہو گئے - پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیرونی امداد کے بغیر قریش میں یہ طاقت نہ تھی کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرتے - اب قریش کی طاقت پیشتر کی نسبت بہت کمزور ہو چکی تھی اور وہ اپنے مددگاروں پر ایسا بھروسہ نہیں کر سکتے تھے جیساکہ غزوہ خندق سے پہلے اُنکو بھروسہ تھا - اسلیئے اُنکو سوائے صلح کے کوئی چارہ نہ تھا - برعکس اسکے مسلمان اس بات پر آمادہ تھے کہ اگر قریش اُنکو کعبہ کی زیارت سے روکنے پر مُصر رہے تو جنگ کرینگے لہٰذا یہی صلح کا دن اُنکے لیئے ماتم کا دن تھا - مگر باوجود ان سب باتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح ہی کر لی کیونکہ آپ کی جو مقدس غرض تھی وہ اشاعت اسلام تھی اور جیسا کہ ہم پہلے بیان

کر چکے ہیں جس سرعت سے اسلام امن کے زمانہ میں ترقی کرتا تھا جنگ کے وقت ایسی تیزی سے ترقی نہیں کرتا تھا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اللہ کا رسول ہوں اور میرا مولا ہی میرا واحد مددگار ہے۔ وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا اور میں تو اسی کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں" اس جواب سے آپ صحابہ کرامؓ کو یہ اطلاع دینا چاہتے تھے کہ اگر تم سب لوگ بھی میرا ساتھ چھوڑ دو گے تو بھی میرا رائی برابر نقصان نہ ہوگا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور میرا مولا جسکے ارادوں کے ماتحت مینے صلح کی ہے وہی میری مدد کرے گا۔ صحابہؓ کے لیئے یہ موقعہ بڑے ابتلا کا تھا اور اگر انکو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر زبردست ایمان نہ ہوتا تو ایسے موقعہ پر وہ آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ اگر انکو اس نازک موقعہ پر کسی چیز نے سہارا دیا تو محض انکا پختہ ایمان تھا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شکایت جناب صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس کی تو آخرالذکر نے یہ جواب دیا "یا عمر الزم غرزہ فانی اشھد انہ رسول اللہ یعنی اسکی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) رکاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ خدا کا رسول ہے" پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا پورا یقین ہی تھا جس نے اُن تمام خیالات کو دبا دیا جو کہ اس عہد نامہ کے باعث صحابہؓ کے دلوں میں بار بار اٹھتے تھے گو اس عہد نامہ سے ظاہرًا ہتک نظر آرہی تھی تاہم وہ لوگ برابر آنحضرت صلعم کے مطیع و فرمانبردار رہے۔ انکے ایمان میں کوئی لغزش نہ آئی۔ جو ابتلا آنحضرت صلعم کے صحابہؓ کو پیش آیا وہ ایسا تھا کہ عربوں کی برداشت سے بالاتر تھا دشمن کی آنکھ میں ذلیل ہونیکی نسبت مرجانا انکے نزدیک زیادہ آسان اور سہل بات تھی وہ کعبہ کی زیارت سے روکے گئے۔ اس لمبے سفر کا جو مدعا تھا وہ حاصل نہ ہوا اور مزید برآں اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے دشمنوں کے ساتھ ایسا معاہدہ ہوتے دیکھا جو اُنکی نظر میں قابل شرم تھا تاہم اس ظاہری ہتک اور تکلیف سے اُنکے ایمان میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اور اُنمیں سے ہر ایک نے اپنے نفس کو وہی لفظ سنائے جو ابوبکر صدیق نے حضرت فاروق سے کہے تھے یعنی "اسکے رکاب کو

مضبوط پکڑے رہو کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ سبحان اللہ صحابہ کرامؓ کا بھی کیا ہی ایمان تھا اور کیسے پاکباز لوگ تھے کہ کوئی ابتلا کوئی ذلت اور تکلیف اُنکے ایمان کو جنبش نہیں دے سکتی تھی سچ تو یہ ہے کہ جیسا کامل نبی تھا ویسے ہی کامل صحابی تھے دوسرے انبیاءؑ کی زندگی میں یہ نمونے اور مثالیں مفقود ہیں۔ آنحضرت صلعم پر جبر اور زیادتی کا الزام دینے والوں کے گھر کا حال دیکھیں تو خیر سے لگا پا کر کل بارہ حواری اور انہوں نے بھی مصیبت کے وقت اپنے خداوند کی بات نہ پوچھی۔

حضرت نبی کریمؐ کی صداقت کا ایک ثبوت

اس عہدنامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک اور ثبوت ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی مکار شخص ہوتا تو اُسکے لیے ضروری تھا کہ اپنے پیروؤں کی خواہشات پر چلتا اور ایسا راہ اختیار نہ کرتا جس سے اُسکی تمام جماعت کے برگشتہ ہو جانیکا اندیشہ ہوتا اور عمر بھر کی کمائی ایک ہی دن میں برباد ہو جاتی یہ یقینی بات ہے کہ اگر کوئی جھوٹا دعویدار ایسا اپنے مریدین کے خلاف منشا کرتا تو اُسکی تمام جماعت فورًا اُسی جگہ اسکا ساتھ ترک کر دیتی۔ جھوٹے انسان میں یہ جرأت کہاں ہو سکتی ہے کہ اپنے متبعین کی متحدہ خواہش کے خلاف ہو کر ایسا کام کر گذرے جو انکی عزت پر حرف لائے۔ اس معاہدہ کی شرائط مسلمانوں کو نامناسب ہی نہیں بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے نبوت کے بظاہر خلاف شان بھی معلوم ہوئیں۔ لیکن آنحضرت صلعم نے صحابہؓ کی خواہشات کا ذرا بھر بھی خیال نہ فرمایا اور نہ ہی اس بات کی پروا کی کہ وہ لوگ آپکے اس فعل کی نسبت کیا کہیں گے بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہی کیا جو اللہ تعالیٰ نے آپکے دل میں ڈالا اور جسکی نسبت آپ کو یقین تھا کہ یہی خدائے تعالیٰ کی رضا کی راہ ہے حضرت نبی کریم صلعم کو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مدنظر تھی اور اسکو خوش کرنیکے لیے آپ کو نہ کسی کی ناراضگی کا خوف تھا اور نہ ہی کسی کے قطع تعلق کر لینے کا ڈر تھا۔ اور جو الفاظ آپنے صحابہؓ کے سوالوں کا جواب دیتے وقت فرمائے تھے وہ صرف ایسے ہی مُنہ سے نکل سکتے تھے جسکا محض اللہ کی ذات پر بھروسہ ہو اور وہ کسی انسانی امداد پر اپنی کامیابی کا انحصار نہ سمجھتا ہو۔ ناظرین! کسی جھوٹے دعویدار کا یہ حوصلہ کہاں ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے سامنے جو

اُسکے ظاہر و پوشیدہ حالات سے کما حقہ واقف ہوں یہ الفاظ کہے کہ "میں اللہ کا رسول ہوں" پھر ایک مکّار اور جھوٹے شخص کو یہ جراُت کہاں ہو سکتی ہے کہ اپنے خاص الخاص ساتھیوں کو عین ابتلا کے وقت جبکہ اُنکے دلوں میں مختلف خیالات کا اوتار چڑھاؤ موجیں مار رہا ہو یہ الفاظ کہدے کہ "وہی مولا میرا اور مددگار ہے اور (تم خواہ سب کے سب مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ) وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا" (زاد المعاد) - حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ "میں ایسا کرنے میں اپنے مولا کی حکم عدولی نہیں کر رہا ہوں" اسکا باعث خدائے تعالیٰ کا مفصلہ ذیل صریح حکم تھا چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور اگر وہ (دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ (یعنی اس بات کا خوف نہ کر کہ شاید صلح کر کے دشمن تجھے دھوکہ دیدے) تحقیق خدائے تعالےٰ سننے والا اور جاننے والا ہے - اور اگر دشمن تجھے دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو تحقیق اللہ تعالےٰ تیرے لیئے کافی ہے - وہی اللہ جس نے اپنی نصرت سے تیری مدد کی اور مومنوں کی ایک جماعت تجھے دیکر تیری تائید کی (انفال ۸)

اب ایک طرف تو قریش کی طاقت اور اُنکا جتھا بہت کمزور ہو چکا تھا اور اسلیئے وہ صلح پر رضامند ہو گئے تھے اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو بھی اُنکی درخواست مان لینے کا الٰہی ارشاد تھا اسلیئے آنحضرت صلعم نے اُنکی تجویز کردہ شرائط کو ہی منظور فرمالیا اور یہ محض اسوجہ سے کہ ارشاد الٰہی کی تعمیل ہو جائے - اگر اسوقت دشمن کی پیش کردہ شرائط کو نہ مانا جاتا تو وہ صلح پر رضامند نہ ہوتے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم اس موقعہ کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے اسلیئے آپنے صلح کرنیکی خاطر ہر ایک شرط کو قبول کر لیا - آنحضرت صلعم کی نظر میں صلح سے بڑھکر کوئی اور قیمتی بات نہ تھی اور اس امن کے مقابل وہ نقصانات بالکل ہیچ تھے جنکے امکان کا احتمال دشمن کی تجویز کردہ شرائط کے منظور کر لینے پر تھا - پس صلح حدیبیہ اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم امن پسند طبیعت رکھتے تھے اور یہ کہ

آپ اپنے دعوی میں صادق تھے۔ مزید برآں آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اور پورا بھروسہ تھا آپ نے گھبرا کر مسیح کی طرح یہ نہیں کہا ایلی ایلی لما سبقتنی بلکہ ہر دفعہ یہی فرمایا "میرا مولا ہی میرا اکیلا مددگار ہے اور وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا" اس مقابلہ اور موازنہ پر دل ہاتھوں اُچھلتا ہے اور بے اختیار مُنہ سے نکلتا ہے ان اللہ وملائکته یصلون علی النبی یا ایها الذین اٰمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔

قریش کی زیادتی کا ثبوت

صلح حدیبیہ کے واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قریش کی طرف سے ہی ابتدائے جنگ ہوئی تھی۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ قریش کے وکیل نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ واللہ لو کنا نعلم انک رسول اللہ ما صددناک عن البیت وما قاتلناک (زاد المعاد) " اللہ کی قسم اگر ہم تمہارے دعوائے نبوت کو مانتے تو ہم تمکو خانہ کعبہ کی زیارت سے کیوں روکتے اور تم سے کیوں جنگ کرتے"۔ اب ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے بانی مبانی قریش ہی تھے اور اُنکا آنحضرت صلعم سے برسر پیکار ہونے کا سبب محض یہ تھا کہ آپ (صلعم) نے دعوائے نبوت کیا تھا۔ یا یُوں کہو کہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سبب سے نہیں لڑی کہ آپنے اُنکے خلاف تلوار اُٹھانے میں ابتدا کی جیسا کہ ہمارے معترضین کا خیال ہے بلکہ وہ اسوجہ سے برسر پرخاش ہوئے تھے کہ اُنکو آنحضرت صلعم کے دعاوی سے نفرت تھی اور وہ آپ اور آپکے پیروؤں کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے۔ اس میں وہ ٹھیک اُن لوگوں کے نقش قدم پر چل رہے تھے جنہوں نے پہلے انبیاؑ کی مخالفت کی تھی ہاں فرق تھا تو یہ کہ جس طرح قریش کا نبی سب نبیوں سے افضل اور برتر تھا اسی طرح اُنکی دشمنی اور مخالفت بھی اپنی نظیر آپ تھی ہجرت کے بعد جو جنگ شروع ہوا وہ اسی مخالفت کے تسلسل میں تھا یعنی اُسی عداوت کا ایک حصہ تھا جو ہجرت سے پیشتر جاری تھی۔ اور اُسکے لیئے کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ اصل موجب وہی ایک تھا جسکے باعث مکہ میں مسلمانوں کو تکلیف اور دُکھ پہنچایا جاتا تھا۔ اگر مکہ میں مسلمانوں کی ایذا دہی سے قریش کی غرض اسلام کی بیخکنی کے سوا کوئی اور نہ تھی تو اب مسلمانوں کے مدینہ میں پناہ لینے کے بعد جو اُنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار

اُٹھائے تھے اُسکی غرض بھی سوائے اسلام کی بیخکنی کے اور کچھ نہ تھی - اصل بات یہ ہے کہ موجودہ جنگ اُسی دشمنی اور ایذا دہی کے سلسلہ میں تھی جسکا آغاز مکہ میں ہی ہو چکا تھا - قریش کے وکیل سہیل نے عہد نامہ کی شرائط طے کرنیکے وقت مسلمانوں کو زیارت کعبہ سے روکنے اور اُنسے جنگ کرنیکا جو باعث بیان کیا وہ صرف ایک ہی بتلایا یعنی آنحضرت صلعم کا دعوٰئے نبوت پس اگر قریش مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی زیارت سے روکنے میں راستی پر تھے تو مسلمانوں سے اُنکا جنگ بھی راستی پر مبنی کہلا سکتا ہے لیکن اگر ایک فعل انصاف سے بعید ہے تو دوسرے کے غیر منصفانہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے - ہمیں کوئی افسوس ہے تو یہ کہ قریش خود تو اپنی ایذا دہی کا سبب اسلام سے عداوت بتلائیں مگر مدعی سست گواہ چست کے مصداق بنکر ہمارے عیسائی معترضین قریش کو حفاظت ذاتی کے لیئے لڑنے والے ظاہر کرتے ہیں

ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ ہر ایک لڑائی میں جو قریش اور مسلمانوں کے مابین ہوئی حضرت نبی کریم صلعم ہمیشہ دشمنوں کی زیادتی کے شاکی رہے - بدر - اُحد اور محاصرہ مدینہ کے موقعوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خیالات کا جن درد انگیز اور مؤثر الفاظ میں اظہار فرمایا اُنسے قریش کے جبر اور زیادتی کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے - مثلاً بدر کے موقعہ پر جب سرداران قریش کی مردہ لاشوں پر آنحضرت صلعم کی نظر پڑی تو آپنے فرمایا " بئس عشیرۃ النبي کنتم لنبیکم کذبتمونی وصدقنی الناس واخرجتمونی و اٰوانی الناس وقاتلتمونی ونصرنی الناس (ابن ہشام) " تم اپنے نبی کے برے رشتہ دار تھے تم نے مجھے جھٹلایا اور غیروں نے میری تصدیق کی - تم نے مجھے نکالا اور دوسروں نے مجھے جگہ دی تم نے میرے ساتھ جنگ کی اور دوسروں نے آکر میری مدد کی "

پس قریش اور آنحضرت صلعم کی شہادتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنگ کی ابتدا قریش کی طرف سے ہوئی اور یہ کہ قریش محض اسلام کی عداوت کے باعث جنگ کرتے تھے - لیکن ہمارے آج کل کے مسیحی معترضین کو اُن باتوں کے جاننے کا دعوٰی ہے جنکا علم نہ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اور نہ ہی قریش کو اُنکی کچھ خبر تھی اور جنگ کے وہ وہ اسباب گھڑتے ہیں جو قریش کے خواب میں بھی نہ آئے ہونگے -

قریش نے صلح کیوں کر لی

اب قریش نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی جماعت خاصی طاقتور ہے اور اُنکا قلع قمع کر دینا اب اُنکی طاقت سے باہر ہے۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے برباد کرنیکی کوشش میں ناخنوں تک زور لگایا تھا لیکن وہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہے۔ جب مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے تو اُنہوں نے بدر کے مقام پر مکّہ کی فوج سے ہی اُن کو کُچل ڈالنا چاہا تھا مگر جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور فوج مکّہ سے قریش کا مدعا پورا ہونا محال ہوگیا تو اُنہوں نے ایک تو اپنے مددگار بُلا لیئے اور دوم صحرائی قبائل سے مدد مانگی اور اس بڑی فوج کے ساتھ مسلمان مہاجرین کو نیست و نابود کر دینے کے ارادہ سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ اُنکی یہ کوشش بھی خاک میں مل گئی اور اب وہ اسلام کا خاتمہ کر دینے سے مایوس ہو گئے۔ مگر اُنکا تکبّر و غرور تاحال پورے طور سے نہیں ٹوٹا تھا۔ اسلیئے جب مسلمان عمرہ کرنیکے لیئے مکّہ کو گئے تو اُنہوں نے قرب وجوار کے بدوؤں کی امداد سے اُنکو روک دیا۔ اور کہا کہ ہم مسلمانوں کو بلا روک ٹوک شہر میں داخل ہونیکا موقعہ دیکر عربوں کی نظر میں ذلیل نہیں ہونا چاہتے۔ دراصل وہ اب اسلام کی روزانہ کامیابی اور اپنی طاقت کے تنزّل سے بخوبی آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ مسلمان ہمیشہ کے لیئے کعبہ کی زیارت سے روکے نہیں رہ سکتے اسی وجہ سے اُنہوں نے کہا کہ آپ لوگ اب کے سال تو واپس ہو جائیں اور آیندہ سال آکر عمرہ کریں۔ خیال یہ ہے کہ قریش اب مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور اسی وجہ سے اُنہوں نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا اور صلح کا عہد نامہ کر لیا۔ مگر اس عہد نامہ سے بھی صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکی غرض ہمیشہ یہی تھی کہ اسلام کی اشاعت نہ ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے جو شرائط صلح کیئے اُنہیں یہ بھی شرط تھی کہ "اگر کوئی قریش مسلمان ہو جائے تو اُسکو واپس کر دینا ہوگا اور اگر کوئی مسلمان قریش سے جا ملے تو اُسکو واپس نہ کیا جائے گا۔" ایسی شرائط کرنے سے اُنکا صاف یہ منشا تھا کہ نوعمر لوگ مسلمان ہونے سے رُک جائیں۔ اس طرح اگرچہ وہ برائے نام صلح کا معاہدہ کر رہے تھے مگر اُنہوں نے اسلام کی دشمنی کو تاحال اپنے سے جُدا نہیں کیا تھا۔ بے شک اب اُنکی طاقت کمزور ہو گئی تھی مگر جس بات کو اب وہ زور اور طاقت سے حاصل نہیں کر سکتے تھے اُسکے حصول کے لیئے اب اُنہوں نے امن اور صلح کا بھیس بدل لیا تھا۔ اگرچہ اُنکی کمزوری نے اُنکو ظاہرًا صلح

کر لینے پر مجبور کیا تھا لیکن وہ دل میں اسلام کے برابر ایسے دشمن تھے جیسا کہ پہلے تھے۔

لوگوں کا برضا و رغبت اسلام لانا۔

صلح حدیبیہ کی شرائط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے مسلمان کرنے کیلئے کبھی جبر سے کام نہیں لیا۔ اگر آپ نے لوگوں کو جبراً مسلمان کیا ہوتا تو اب چاہیئے تھا کہ سہیل کی پیش کردہ تجاویز کو نہ مانتے کیونکہ عہدنامہ کی رُو سے ہر شخص کو اجازت تھی کہ مُرتد ہو کر قریش سے جا ملے۔ ایسے شخص کو قریش کے ہاں امن بھی ملتا اور پھر مسلمان اُسکو معاہدہ کے رو سے واپس بھی نہیں لے سکتے تھے۔ پس اگر کسی شخص کو جبراً مسلمان کیا ہوتا تو اُسکے لیئے یہ نہایت ہی عمدہ موقعہ تھا کہ اپنے پُرانے مذہب کی طرف دوبارہ رجوع کر لیتا۔ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جبراً مسلمان کرنے کیلیئے جنگ کیا تھا تو اب تو کوئی جنگ بھی نہ تھا اور نہ کوئی امر اُنکو اپنے پُرانے مذہب میں واپس جانیسے روک سکتا تھا۔ پھر اگر جبر کی مضبوط زنجیر سے اُنکو اسلام کے ساتھ جکڑا گیا تھا تو اب یہ زنجیر بھی کھول دیگئی تھی اور اُنکے لیئے عمدہ موقعہ تھا کہ اسلام سے ارتداد کر کے فوراً اپنے آباؤ اجداد کے مذہب میں شامل ہو جائیں۔ اگر مسلمانوں کی ترقی محض لڑائی کے باعث ہی ہوئی ہوتی تو اب جبکہ آنحضرت صلعم اور آپ کے جانی دشمنوں کے درمیان صلح ہو چکی تھی ضرور مسلمانوں کی تعداد کم ہو جاتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ صلح کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کوئی کمی نہیں آئی برعکس اسکے اسلام نے بڑی سُرعت سے ترقی کرنی شروع کر دی اور اس طرح اس امر کی سچائی پر مُہر لگا دی کہ اسلام کی اشاعت کیلیئے لڑائی ہی ایک رُکاوٹ تھی اور جب یہ سدِ راہ دُور ہو گئی تو لوگوں نے جوق در جوق مسلمان ہونا شروع کر دیا۔

قریش کے مظالم کا ایک ثبوت

اس صلح کے بعد جو واقعات پیش آئے اُنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی قریش کی طرف سے تھی نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے۔

آپ دیکھیئے صلح ہو جانیکے بعد ہی قریش کی طرف سے مرد اور عورتوں نے آ آکر مسلمان ہونا شروع کر دیا مگر مسلمانوں کا ایک متنفس بھی قریش کی طرف واپس نہیں ہوا یہ واقعہ اس امر میں ذرہ بھی شک و شبہ نہیں چھوڑتا کہ ظلم کا ارتکاب ہمیشہ قریش کی طرف سے ہی ہوتا رہا۔ اور جنگ و جدل سے اُنکی غرض محض اشاعت اسلام میں روک ڈالنا تھا۔ کیونکہ صلح حدیبیہ

کے بعد ہی جبکہ لڑائی فساد بند ہوگیا اور اسلام لانیوالوں کے راستہ میں جو رکاوٹیں تھیں وہ دُور ہوگئیں تو جھٹ قریش کے مرد و عورتوں نے اسلام کی طرف آنا شروع کردیا۔ قریش خود بھی جانتے تھے کہ صلح کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام اور بھی ترقی کرے گا اور اسی امر کو روکنے کے لیئے اُنہوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ "جو قریش کا آدمی مسلمانوں کی طرف آملے اُسکو قریش کے پاس لوٹا دینا ہوگا" مگر یہ شرط بھی قریش کی بدقسمتی سے کچھ ایسی کارگر ثابت نہ ہوئی۔ کیونکہ اگرچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت معاہدہ کی اس شرط کی بھی سختی سے پابندی فرمائی اور مکہ سے آنیوالے نومسلموں کو اپنے ہاں لینے سے انکار کردیا مگر ان لوگوں نے واپس جانیکے بجائے ایک نئی جماعت قائم کرلی آخر قریش نے تنگ آکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں درخواست کی کہ عہدنامہ سے اس شرط کو نکال دیا جائے بس اب کیا تھا من مانی مرادیں مل گئیں اور نومسلموں نے جوق در جوق آکر مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونا شروع کردیا۔

اسلام کی نہ رُکنے والی کشش

جب سہیل حضرت نبی کریم صلعم سے شرائط صلح طے کر رہا تھا تو اُسکا بیٹا ابوجندل بھی وہیں آگیا۔ یہ نوجوان اسلام لے آیا تھا اور اسکے باپنے محض اسی جرم میں اُسکو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا اور سخت سخت اذیتیں دیکر ارتداد پر مجبور کرنا چاہا تھا مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی محبت نے اُسکے ایمان میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا اور جونہی اُس نے دیکھا کہ اُسکا باپ باہر ہے فوراً مع زنجیروں کے بھاگ آیا۔ اور مسلمانوں سے پناہ مانگی۔ اُسکے باپنے جب اُسکو دیکھا تو فوراً پکڑ لیا اور سخت زدوکوب کی اسپر وہ زور زور سے چیختا اور مسلمانوں سے مدد طلب کرتا تھا۔ مگر مسلمان اُسکی مدد نہیں کرسکتے تھے کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی شرائط معاہدہ کے باعث اُسکے باپ کے حوالے کردیا تھا۔ ناظرین! اگر انصاف کی آنکھ بینا ہو۔ اگر تعصب کا خمار کسی دماغ میں نہ ہو اگر کوئی دل صداقت پسند ہو تو اسی ایک واقعہ کو دیکھکر دوبارہ یہ اعتراض نہ کرے گا کہ "اسلام بزور تلوار پھیلا" بلکہ اسلام کی پرلے درجہ کی کشش کی داد دے گا عجیب تر یہ بات ہے کہ جس شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر

ابوجندل نے یہ سب دُکھ اور مصائب اُٹھائے اور ناقابل بیان سختیاں جھیلیں اب وہی اُسکو لینے اور پناہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ اب اُس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور! مَیں نے اپنے ایمان کی خاطر بڑی بڑی صعوبتیں اُٹھائی ہیں اسلیئے میری درخواست ہے کہ مجھے پناہ دیجاوے مگر آپؐ نے عہدنامہ کا لحاظ فرماکر صاف انکار کردیا۔ اُس نے باربار الحاح و منت سے حفاظت اور پناہ کی درخواست کی مگر اُسکو پھر اُنہی ہاتھوں میں دیدیا گیا جنسے بمشکل تمام اُسے بھاگ کر رہائی ہوئی تھی۔ آہ۔ غریب ابوجندل اُنہیں آنکھوں کے سامنے چابکوں سے پٹ رہا تھا جنکی خاطر اُس نے یہ سب دُکھ برداشت کیئے تھے۔ اور وہ مدد کے لیئے چیخ چیخ کر پکار رہا تھا مگر اُسکی حمایت کے لیئے ایک ہاتھ بھی نہ اُٹھا تاکہ اُسکے بے رحم باپ کے ہاتھ سے اُسکی مخلصی کراتا۔ مگر کیا اس سے ابوجندل کے ایمان میں کمزوری آگئی؟ کیا اس انکار کے بعد اُسکے دل سے اسلام کی محبت نکل گئی؟ نہیں نہیں ذرہ بھی نہیں۔ نہ اُسکے باپ کی سختی نے اور نہ ہی مسلمانوں کے انکار نے اسپر کوئی بُرا اثر کیا۔ وہ واپس تو چلا گیا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پھر بھاگ آیا یعنی صلح حدیبیہ کے چندہی روز بعد مکّہ سے بچکر نکل آیا۔ اور اُن مسلمان بھائیوں کے ساتھ شامل ہوگیا جو اُسکی طرح مکّہ سے بھاگ کر ایک خاص مقام پر جمع ہوگئے تھے کیونکہ مدینہ میں اُنکو عہدنامہ کے مطابق جگہ نہیں ملتی تھی۔

ابوجندل کی داستان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قریش جس طرح مسلمانوں کو ہجرت سے پہلے ایذا دیتے تھے اُسی طرح مکّہ کے مسلمانوں کو ہجرت کے بعد بھی ایذا دیتے رہے اور جس صبر و استقلال سے ابوجندل نے مصائب کو برداشت کیا اور باوجود آنحضرت صلعم کے انکار کردینے کے برابر آپ کا حلقہ بگوش غلام بنا رہا اُس سے اسلام کی طاقت اور آنحضرت صلعم کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ملتا ہے۔ دلوں کی جو تسخیر اسلام کی تھی وہ واقعی اپنی نظیر آپ تھی مگر اسپر بھی ہمارے مسیحی مہربان برابر یہ کہے جاتے ہیں کہ اسلام کسی اندرونی قوت سے نہیں پھیلا بلکہ بزور شمشیر اسکی اشاعت ہوئی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا تلوار اس سے بڑھکر فتوحات حاصل کرسکتی ہے؟ جسقدر کہ اسلام نے عرب کے لوگوں کے درمیان حاصل کی تھیں اور کیا بزور شمشیر

دلوں پر اسقدر تسلط ہوسکتا ہے؟ جسقدر کہ اسلام کی مخفی طاقتوں نے عربوں کے قلوب پر حاصل کر لیا تھا۔

اسلام کی قوت جاذبہ کے متعلق میور کی اپنی شہادت

اگرچہ ولیم میور صاف الفاظ میں یہ بات تسلیم نہیں کرتا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ اشاعت اسلام کا موجب اسکی زبردست اندرونی طاقت تھی تاہم اُس کے مفصلہ ذیل الفاظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام کی اشاعت کیلئے امن کا زمانہ نہایت مفید تھا۔ اور اس طرح اُسکے الفاظ عملاً اس اعتراض کا خود بخود دفعیہ کر دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لیئے تلوار اُٹھائی صلح حدیبیہ کی شرائط کے منظور کر لینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا غرض تھی اسپر بحث کرتے ہوئے میور لکھتا ہے کہ "دس سال کے امن سے نئے مذہب کو ملک میں پھیلنے اور قریش کو اپنی سچائی کا یقین دلانیکے لیئے نہایت عمدہ موقعہ مل سکتا تھا" (صفحہ ۳۴۸)

میور کی رائے میں صلح حدیبیہ کا یہی بڑا سبب تھا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے بظاہر ایسی نامناسب شرائط پر صلح کر لی تھی اس سے صاف صاف مفصلہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبوراً لڑنا پڑا اگر آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ کبھی جنگ کی طرف مُنہ بھی نہ کرتے۔

(۲) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعتِ اسلام کے لیئے لڑائی نہیں کی کیونکہ لڑائیوں کے وقت ہی اسلام کی اشاعت رُکی رہی۔

(۳) یہ کہ اگر کوئی لڑائی فساد نہ ہوتا بلکہ امن کا زمانہ ہوتا تو اسلام بہت بڑی ترقی کر لیتا۔

(۴) یہ کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

(۵) یہ کہ اشاعتِ اسلام کیلیئے امن سے بڑھکر کوئی اور وقت زیادہ موزون نہیں۔ اور امن کے زمانہ میں جنگ کے وقت کی نسبت یقیناً کئی گنا زیادہ ترقی ہو سکتی ہے۔

پیارے ناظرین! میور کا اپنا اقرار ہمکو مذکورہ بالا نتائج پر پہنچاتا ہے اور ہمارے نزدیک مسلمانوں پر

زیادتی اور جبراً اسلام پھیلانے کا الزام ... ... لگانے والوں کا منہ بند کرنیکے لیئے اس سے زیادہ زبردست کوئی اور حربہ نہیں ہو سکتا۔ اور واضح ہو کہ جس طرح خاک ڈالنے سے چاند نہیں چھپ سکتا اسی طرح سچائی بھی اپنا رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتی اور کسی نہ کسی شکل میں ضرور ظاہر ہو جاتی ہے اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے میور جیسے دشمن کے قلم سے کیا کیا الفاظ لکھوا دیئے ہیں مذکورہ بالا اقتباس تو آپنے پڑھ ہی لیا اب اور دیکھیئے کہ وہی دشمن اسلام کس طرح ذیل کے الفاظ میں اسلام اور مسلمانوں کے صدق اور راستی کا ثناخواں ہے وہ لکھتا ہے کہ "حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے پیروؤں کی وفاداری اور اسلام کی زبردست کشش کا اسقدر کامل یقین تھا کہ اس فقرہ کے اندراج سے کہ مرتدین کو واپس نہ کیا جائیگا آپکو کسی قسم کے برے اثر کا قطعاً خوف نہ ہوا" کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہزاروں آدمی جو ابتک مسلمان ہو چکے تھے وہ کسی دنیوی طمع یا سزا کے خوف سے اسلام نہیں لائے تھے بلکہ دینِ حقہ کی طاقتور کشش انکو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ اطاعت میں کھینچ لائی تھی۔ اب جنگ چھڑے ہوئے بھی چھ سال کا عرصہ گذر گیا تھا اور اگرچہ اشاعتِ اسلام کے لیئے لڑائی کا زمانہ نہایت ہی ناموزون تھا تاہم مسلمانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی جو میور کے قول کے مطابق سب کے سب بڑے صادق مسلمان تھے اور انکو جس چیز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ غلامی میں داخل کیا تھا وہ اسلام کی طاقتور کشش تھی۔

کھلی کھلی فتح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو غرض اس صلح سے تھی اسکا صحیح صحیح اندازہ میور نے خوب لگایا ہے۔ میور کے قول کے مطابق حضرت نبی کریم صلعم کو اسلام کی فتح اور کامیابی امن کے زمانہ میں ہی نظر آتی تھی اور اسی لیئے آپنے باوجود صحابہؓ کی ناراضگی کے ایسی شرائط پر صلح کر لی جو بظاہر گری ہوئی تھیں۔ عہدنامہ حدیبیہ کے بعد جو واقعات پیش آئے انسے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ قیاس فرمایا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ دراصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے

اور خیالات منشائے ایزدی کے ماتحت تھے اور اسی لیئے اللہ تعالیٰ کا فضل اور تائید ہر وقت آپکے شامل حال ہوتے تھے۔ غرض شرائط صلح طے ہونیکے تھوڑی دیر بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام الٰہی کا نزول ہوا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو بھی "فتح مبین" یعنی کھلی کھلی فتح فرمایا۔ میور لکھتا ہے کہ حدیبیہ سے واپس ہوتے وقت "ابھی پہلی ہی منزل طے کی تھی کہ مسلمان جلدی جلدی میدان کی ہر طرف سے اپنے اونٹوں کو ہانک ہانک کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو رہے تھے اور ہر ایک کے لب پر یہ لفظ جاری تھے کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی نازل ہوئی ہے" پس اپنے اونٹ پر ہی کھڑے حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورہ فتح تلاوت فرمائی جسکی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا یعنی ہم نے تجھ کو کھلی کھلی فتح عنایت فرمائی ہے جب اس تازہ وحی کو آنحضرت پڑھکر سنا چکے تو ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ "آیا یہ فتح ہے" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "اُس ذات کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ واقعی فتح ہے" اور آخر ثابت بھی یہی ہوا۔

زُہری لکھتا ہے کہ "اس سے قبل اسلام کو ایسی نمایاں فتح کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی اور تمام موقعوں پر تو لڑائیاں ہوتی رہیں مگر یہاں لڑائی سے کنارہ کشی کر کے امن و امان سے ہم آغوشی اختیار کی گئی تھی اور اب ایک جماعت دوسری جماعت سے آزادی کے ساتھ ملتی اور بات چیت کرتی تھی اسلیئے بُت پرستوں میں سے کوئی بھی سمجھدار اور عقلمند شخص ایسا نہیں تھا جو اسلام کی طرف مائل نہ ہو گیا ہو۔ اور ٹھیک صلح کے بعد دو سال کے اندر ہی اندر اسقدر لوگ مسلمان ہو گئے جسقدر کہ پہلے کئی سالوں میں ہوئے تھے بلکہ یُوں کہیئے کہ اس سے بھی کہیں زیادہ لوگ اسلام لے آئے" (ابن ہشام)
گو بعض لوگوں کو یہ بیان مبالغہ آمیز معلوم ہو لیکن اسکے ثبوت کے لیئے یہ امر کافی ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کو تشریف لے گئے تو آپکے ساتھ پندرہ سو آدمی تھے مگر دو سال بعد جب آپ مکّہ میں داخل ہوئے تو آپکے ساتھ دس ہزار قدوسیوں کی جماعت تھی۔

آہ - جو لوگ اسلام پر تلوار سے پھیلنے کا الزام لگاتے ہیں وہ ان واقعات کو نظر انداز کر دیتے ہیں - اور اُنکی آنکھوں پر ایسا تعصب کا پردہ پڑ جاتا ہے کہ وہ صاف صاف اور صریح واقعات پر بھی نظر نہیں ڈال سکتے - ہم پوچھتے ہیں کہ جو مذہب زمانہ امن میں حیرت انگیز ترقی کر سکتا تھا اور جسکی اشاعت کے لیئے جنگ کی نسبت امن زیادہ موزون تھا اُسکے پھیلانے کیلیئے پھر کسی تلوار کی کیا ضرورت تھی ؟ صلح حدیبیہ اور اسکے بعد امن کے دو سال میں اسلام کو جو کامیابی ہوئی اس سے ہمارے معترضین کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کا موجب اُسکی اندرونی صداقت کا طاقتور اثر تھا نہ کہ کسی بیرونی تلوار کا زور -

ابو بصیر کی داستان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کو واپس آنیکے تھوڑی دیر بعد ابو بصیر نام ایک نوجوان مسلمان مکہ سے بچکر بھاگ آیا اور مدینہ آپہنچا قریش نے دو آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام خط دیکر روانہ کیئے اور مطالبہ کیا کہ اس نوجوان کو عہد نامہ کی شرط کے بموجب اُنکے حوالے کر دیا جائے - جب وہ خط آنحضرت صلعم کو پہنچا تو آپنے ابو بصیر سے فرمایا "اے ابو بصیر! تم جانتے ہو کہ ہم نے ان لوگوں سے عہد نامہ کیا ہوا ہے - ہمارا پاک مذہب عہد شکنی کی اجازت نہیں دیتا اللہ تعالے تمہارے لیئے اور مکہ کے دوسرے بیکس نو مسلموں کے لیئے کوئی اور راہ نکالدیگا پس تم اپنے لوگوں میں واپس چلے جاؤ" ابو بصیر نے عرض کی "کیا حضور مجھے ان بت پرستوں کے پاس واپس بھیجتے ہیں جو مجھے ہر طرح کی ایذا دیکر راہ راست سے برگشتہ کرنیکی کوشش کرینگے" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پھر فرمایا "جاؤ - اللہ تعالیٰ تمہارے لیئے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لیئے کوئی اور راہ نکالدیگا" پس وہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ چار و ناچار روانہ ہو پڑا لیکن جب یہ لوگ ذو الحلیفہ پہنچے تو ابو بصیر نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کی تلوار کھینچکر اُسے قتل کر دیا - اب دوسرا آدمی مارے ڈر کے بھاگ کھڑا ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا - ابو بصیر بھی اُسکے پیچھے پیچھے مدینہ آپہنچا اور آنحضرت صلعم کے حضور حاضر ہو کر عرض کرنے لگا "یا رسول اللہ آپنے تو مجھے ان لوگوں کے

سپرد کر کے اپنا عہد پورا کر دیا۔ لیکن میں نے بھی اپنے ایمان کی حفاظت کی ہے اور بُت پرستوں
کے ہاتھ میں ایک کھلونا بننے اور اُنکی ایذائیں جھیلنے سے اپنے تئیں بچا لیا ہے۔"

ابو بصیر کا منشا اس غرض سے یہ تھا کہ اب وہ آزادی سے مدینہ میں رہ سکتا ہے اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کوئی الزام نہیں آسکتا کیونکہ آپ تو عہد نامہ کی شرائط کے
پابند ہو کر اُسکو دشمنوں کے حوالہ کر ہی چکے تھے۔ مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی
ایک بھی نہ سُنی۔ آخر ابو بصیر نے دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب
کبھی قریش کے سفیر آئیں گے تو آپ ضرور اُسے دوبارہ مکّہ والوں کے حوالہ کر دینگے اسلیئے
وہ مدینہ سے چل کھڑا ہوا اور چونکہ مکّہ کی صعوبتیں ابھی اُسے یاد تھیں اسلیئے ساحل سمندر
کے قریب ایک جگہ کی طرف چلا گیا۔ یہ خبر جلدی ہی مکّہ پہنچ گئی اور دوسرے نو مسلم جنہیں
ابو جندل ابن سہیل بھی تھا اور جو کہ ابھی تک مسلمان ہونیکی وجہ سے ایذاؤنکا لیمف کا
نشانہ بن رہے تھے مکّہ سے بچکر نکل گئے اور ابو بصیر سے جا ملے۔ اس طرح ابو بصیر اور اُسکے
ہمراہیوں کی جماعت کی تعداد ستر تک پہنچ گئی اور اُنہوں نے مکّہ والوں کے قافلوں کو روک کر
اپنا گذارہ کرنا شروع کر دیا۔ اس سے قریش بہت تنگ آ گئے اور اُنہوں نے حضرت نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ ان نو مسلموں کو مدینہ بلا لیں اور عہد نامہ میں
سے نو مسلموں کو واپس کر دینے والا فقرہ خارج کر دیں۔ آنحضرت صلعم نے اُنکی اس درخواست
کو منظور فرما لیا اور یہ جماعت بھی مدینہ بلا لی گئی۔

ہمارے مسیحی معترضین جو قریش کے مظالم پر ہمیشہ آنکھ بند رکھتے ہیں اور ہمیشہ اس
تاک میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی اعتراض کی جگہ ہاتھ آ جائے ممکن ہے کہ اس موقعہ پر ابو بصیر
اور اُسکے ساتھیوں کے فعل پر اعتراض کریں لیکن ایک منصف معترض اُنکے اس فعل کو
قابل اعتراض نہیں ٹھہرا سکتا۔ بدیں وجہ کہ اگرچہ حضرت نبی کریم صلعم اور قریش کے مابین
امن کا عہد نامہ ہو چکا تھا مگر ان نو مسلموں کو کسی قسم کا امن نہیں دیا جاتا تھا۔ ہم دیکھ چکے
ہیں کہ سہیل نے جو قریش کی طرف سے عہد نامہ کرنے کے لیئے آیا ہوا تھا شرائط صلح
طے ہونیکے بعد ہی مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے اپنے بیٹے ابو جندل کو مسلمان ہونیکے جرم

ہیں نہایت بیدردی سے مارا۔ (زاد المعاد)

ہمارے ناظرین اس سے بیخبر نہیں کہ جب ابو جندل مسلمانوں کے ڈیرہ میں آیا تھا تو دست وپا بزنجیر تھا اور اُسنے بڑی منت والحاح سے درخواست کی تھی کہ اُسے اُسکے بے رحم باپ کے ظالمانہ سلوک سے نجات دلائی جائے۔ ابو جندل نے کیا قصور کیا تھا صرف یہ کہ مسلمان ہو گیا تھا پھر ایک ابو جندل پر کیا موقوف ہے مکہ کے ہر ایک غریب مسلمان کا یہی حال تھا۔ اگرچہ مکہ میں مسلمانوں پر ناقابل برداشت مظالم توڑے جا رہے تھے مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ معاہدہ اُنکو پناہ نہیں دے سکتے تھے۔ اور جب کبھی وہ بھاگ کر مدینہ آتے تو قریش کی جانب سے مطالبہ ہونے پر اُنکو واپس کر دیا جاتا اور بیچاروں کو پھر پہلے سے بھی بڑھکر مشکلات اور تکالیف برداشت کرنی پڑتیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ابو بصیر نے کس طرح مکہ والوں کے مظالم اور تکالیف سے بچنے کے لیئے آنحضرت صلعم کی خدمت میں درخواست کی تھی کہ اُسکو ان ظالموں کے ہاتھ میں دوبارہ نہ دیا جائے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدنامہ کا پاس کر کے اسکی اس درخواست پر توجہ نہ فرمائی تھی۔ اب غور کا مقام ہے کہ ایک طرف تو محض اسلام لانے کی خاطر سے نومسلموں پر سختیاں کی جا رہی ہیں اور دوسری طرف حضرت نبی کریم صلعم عہدنامہ کا پاس کر کے ان لوگوں کو پناہ نہیں دے سکتے پھر یہ غریب سوائے اسکے اور کیا کرتے کہ مکہ سے بھاگتے اور اپنے ظالم دشمنوں کے قافلوں کے مال پر گذارہ کرتے۔ مکہ والوں نے اُنکو پہلے تو ہر طرح کی ایذائیں اور دکھ دیئے اور ارتداد پر مجبور کرنا چاہا پھر اس پر بس نہیں کی بلکہ اُنکو مدینہ کے دینی بھائیوں سے بھی ملنے نہ دیا۔ پس اس طرح مکہ سے بھاگ کر بھی اُنکو آرام میسر نہ تھا اسلیئے انہوں نے جو کچھ کیا مناسب کیا اور آخر اُنپر ظلم توڑنے والوں کو مجبور ہونا پڑا کہ اس سختی سے باز آجائیں اور ان نومسلموں کو مدینہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو کر رہنے کی اجازت دیں۔ اب یہاں میور صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے الفاظ کو پورا کر دیا مگر اس بات کی کوشش نہ کی کہ مسلمانوں کو قافلوں کے روکنے سے باز رکھکر امن وامان کو ترقی دیتے اور یہ کہ ایسا کرنا معاہدہ کے رو سے آپ پر لازم بھی آتا تھا۔ یہاں ہمکو یہ دیکھکر صدمہ ہوتا ہے کہ

عیسائی معترض مسلمانوں کی تو ذرا ذرا سی بات پر گرفت کرنیکے لیئے تیار کھڑے رہتے ہیں
مگر اسلام کے دشمنوں کی نا ملائم حرکات کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے ہم ولیم میور سے پوچھتے
ہیں کہ صلح کے بعد مسلمانوں کو مکہ میں جو دردانگیز ایذائیں دیگئیں کیا اُنکے ارتکاب سے قریش
امن و امان کو ترقی دے رہے تھے ؟ اور کیا عہد نامہ کی رو سے انکو یہی لازم تھا؟ ایک
طرف تو قریش مسلمانوں پر برابر سختیاں کیئے جا رہے تھے اور نہ انکو مکہ میں چین سے لینے
دیتے تھے نہ ہی مدینہ جا کر رہنے کی اجازت دیتے تھے اور دوسری طرف حضرت نبی کریم صلعم
کی طرف سے ان نومسلموں کو کوئی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی پس ایسی حالت میں انکو حق پہنچتا
تھا کہ وہ اپنی مخلصی کی کوئی تدبیر کر لیتے۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر ان مظلوموں
کی کوئی امداد نہیں ہو سکتی تھی تو آپسے یہ بیرحمی بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ انکو اپنی جان بچانے اور
آزادی حاصل کرنے سے روک دیتے۔ اگرچہ اس میں کلام نہیں کہ ابو بصیر۔ ابو جندل اور دوسرے
مسلمان مظلوم اور قریش ظالم تھے تاہم آنحضرت صلعم نے صرف عہد نامہ کا پاس کر کے انکی کوئی
امداد نہ کی۔ اور درد بھرے دل سے اپنے پیارے اور وفادار شاگردوں کو اپنے ہی حال پر
چھوڑ دیا۔ لازم تو یہ تھا کہ اس صبر و تحمل بُردباری اور عہد کی پابندی کی تعریف کیجاتی۔
لیکن دشمن کی نظر میں تو ہر ایک خوبی بھی بڑا عیب ہو جاتی ہے اسلیئے میور صاحب آنحضرتؐ
پر اب بھی راضی نہیں بلکہ انکی خواہش ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کا
ساتھ دیدیتے اور غریب مظلوم مسلمانوں کو ایذا دلانے میں خود بھی ظالموں کے معاون
و مددگار ہو جاتے۔ آہ۔ یہ عیسائی معترض مکہ کے نومسلموں کی حالت کا اندازہ لگانیکی
ذرا بھی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اُسکو یہ خیال آتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کی خاطر ظالموں
کے ہاتھوں سے ہر طرح کی اذیتیں اُٹھا رہے تھے اور قیدیوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے
پھر لطف یہ کہ اگر کوئی اس ناجائز قید اور مصیبت سے بچکر نکل جاتا تو بھاگ جانے کے بعد
بھی اُسکو مکہ والوں کے ظلم سے نجات نہیں مل سکتی تھی کیونکہ کسی کو اجازت نہیں تھی کہ
انکو پناہ دے۔ جب خود مدینہ کے مسلمان انکو پناہ نہیں دے سکتے تو اور کون انکو پناہ
دے سکتا تھا مکہ کے باہر بھی انکو اس طرح رہنا پڑتا تھا جیسا کہ ایک سلطانی مجرم گرفتاری کے

خوف سے بھاگا بھاگا پھرتا ہے نہ انکو مکہ میں امن تھا اور نہ اُنکو مکہ سے باہر امن سے زندگی بسر کرنیکی اجازت تھی۔ پھر ایسی صورت میں اگر اُنہوں نے اپنے ظالم شہروالوں کے قافلوں کو روک کر اُنکی بیجا تعدی سے نجات حاصل کرنیکی تدبیر کی تو کیا بُرا کیا۔ جو کچھ اُنہوں نے کیا خود قریش نے اُنسے کرایا اور اُنکی یہ تدبیر ایسی کارگر ہوئی کہ فوراً قریش نے اُنکو آزادی دیدی اور جب اُنکو امن سے مدینہ میں رہنے کی اجازت مل گئی تو پھر اُنہوں نے قافلوں کی مزاحمت بھی چھوڑ دی۔ یہ ایک نجات کی راہ تھی جو اُنہوں نے مجبوراً اختیار کی اور نتیجہ نے ثابت کر دیا کہ یہی راہ تھی جس کے ذریعہ اُنکو نجات مل سکتی تھی۔ اگر غور کرکے دیکھا جائے تو بے ساختہ ابو بصیر اور اسکی ساتھیوں کے ایمان پر مرحبا کہنے کو جی چاہتا ہے اور اسلام کی زبردست اندرونی طاقت پر مزید روشنی پڑتی ہے مثلاً دیکھئے کہ ابو بصیر نے اپنے دین کی خاطر ہر طرح کی صعوبتیں اُٹھائیں اور آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھاگ کر پہنچا اور مدد کی درخواست کی لیکن وہاں سے صاف جواب ملا اور اُسکو پھر اُنہی ہاتھوں میں دیدیا گیا جنکے ظلم سے تنگ آکر وہ پہلے بھاگا تھا۔ وہ دوبارہ بچکر بھاگا اور پھر مدد مانگی مگر اب بھی اُسے پہلے کی طرح نفی میں ہی جواب ملا۔ لیکن کیا اس انکار سے اور بار بار کی تکلیف سے اسکے ایمان میں کوئی تغیر آیا؟ ہرگز نہیں۔ غور کا مقام ہے کہ جسکی خاطر یہ سب دُکھ جھیلے اور جسکی بدولت یہ مصیبتوں کا پہاڑ سر پر اُٹھایا۔ وہی اب مدد سے انکار کرتا ہے اور اسپر بس نہیں بلکہ دو دفعہ دشمنوں کے حوالہ کر دیتا ہے مگر پھر ابو بصیر کو ذرا بھی لغزش نہیں ہوتی۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام کی نہایت ہی زبردست طاقت تھی اور اسی طاقت نے مسلمانوں کو ایسا جکڑا ہوا تھا کہ کسی صورت سے اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے تھے؟ پھر یہ کہنا کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے بیہودگی نہیں تو اور کیا ہے؟۔ اگر ابو بصیر کے ساتھ ابو جندل کا واقعہ ملا دیا جائے اور اس بات پر نظر کیجاوے کہ اس غریب نو مسلم کو اُسکے باپ نے مسلمانوں کے ہی ڈیرے میں اسلام کیخاطر چابکوں سے مارا اور باوجود اُسکے چیخ چیخ کر مدد کی درخواست کرنیکے کوئی مدد نہ دیگئی بلکہ اُلٹا دوبارہ ظالموں کے حوالہ کر دیا تاہم اسکے ایمان میں رائی برابر بھی خلل نہ آیا تو یہ امر سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اسلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نظیر اُنس تھا اور دونوں اُنکے نزدیک جان سے بھی زیادہ عزیز تھے

ہم پھر پوچھتے ہیں کہ کیا تلوار سے بھی یہ اُنس پیدا ہوا کرتا ہے؟

والیان ملک اور بادشاہوں کے نام آنحضرتؐ کے مراسلات

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت محض عرب کے ملک کی خاطر نہیں تھی بلکہ آپ کل دنیا کے لیئے مبعوث ہو کر آئے تھے اور جبکہ مکہ میں آپ اور آپکے صحابہؓ پر انواع و اقسام کے مظالم توڑے جا رہے تھے اور ایک ظاہر بین آنکھ کو آپ اور آپکی مختصر اور مظلوم جماعت سے کوئی بڑی توقع نہیں ہو سکتی تھی عین اسوقت اللہ تعالیٰ کا مفصلہ ذیل کلام نازل ہوا اور حضرت نبی کریم صلعم کو مخاطب کرکے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (السّباء ۳) یعنی ہم نے تجھکو سب لوگوں کے واسطے خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا کرکے بھیجا ہے پھر خدا تعالیٰ نے آپکو فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء ۷) یعنی ہم نے تجھ کو کل عالموں کے لیئے رحمت کرکے بھیجا ہے۔ الغرض جب قریش اسلام کو کچل ڈالنے کی کوششوں میں مصروف تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام مکہ کی دیواروں تک ہی محدود رہکر نابود ہو جائے تو ایسے وقت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفصلہ ذیل اعلان کرنے کا حکم ہوا۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (اعراف ۹) یعنی تو کہدے اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول کرکے بھیجا گیا ہوں چونکہ حضرت موسیٰؑ اور دوسرے اسرائیلی نبیوں کی بعثت صرف انہی کی قوم تک محدود تھی اسلیئے وہ اکثر خدائے تعالیٰ کو اسرائیل کا خدا کہکر پکارتے تھے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا صرف قریش یا عربوں کا خدا نہیں بلکہ کل جہانوں کا رب تھا اسلیئے اُس کا رسول بھی کل دنیا کی طرف مامور ہو کر آیا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تئیں قریش کے خدا کا رسول نہیں فرمایا بلکہ اُس مولا کی طرف سے مبعوث ہونیکا دعویٰ فرمایا جو رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عجمی کو اس طرح نہیں دھتکارا جس طرح کہ یسوع نے کنعان کی عورت کو یہ کہکر دھتکار دیا تھا کہ "میں تو اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں" اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یسوع کی طرح غیر اسرائیلیوں کو "کتے" کہکر پکارا (متی ۱۵-۲۶)

بلکہ آپنے تو رحمۃ للعالمین ہونے کا دعوی فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا سے ہی اپنی بعثت عالمگیر سمجھتے تھے اور جب مکہ میں رہنے والے بعض بیرونی لوگ آپ پر ایمان لائے تو آپنے انکو اُن ملکوں کے سابقین کہکر پکارا جنسے وہ آئے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپکو ان ممالک سے بڑی بڑی فصلیں کاٹنے کی توقع تھی۔ آپنے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نام حبشہ کا پہلا آدمی رکھا اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا نام سابق الروم یعنی "رومیوں میں سے پہلے ایمان لانے والا" رکھا۔* یہ لوگ حضرت نبی کریم صلعم پر شروع شروع ہی میں ایمان لائے تھے اور آپنے جو القاب انکو دیئے اُنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے تئیں صرف عرب کا نبی نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپکو یقین تھا کہ آپ کل دنیا کیلئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اور آپ کا مذہب نہ صرف اہل عرب قبول کرینگے بلکہ اسکی اشاعت دُور دراز ممالک میں بھی ضرور ہوگی۔ اب اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلام اور عیسائیت کی حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اول الذکر تو ابتدا سے ہی کل دنیا کی طرف آنیکا دعوی کرتا ہے مگر آخر الذکر کو جب اسرائیل کے "بچوں" کے ہاں جگہ نہیں ملتی تو ناچار غیر اسرائیل "کتوں" کی طرف منہ کرتا ہے۔ یسوع نے کہا تو تھا کہ بچوں کی روٹی لیکر کتوں کے سامنے ڈالنا مناسب نہیں لیکن جب بچوں نے اُسکی لائی ہوئی روٹی لینے سے انکار کر دیا تو مجبوراً وہی روٹی کتوں کے سامنے ڈالنی پڑی قسمت کا تماشا دیکھئے کہ جنکو یسوع مسیح "کتے" اور "کتوں کے پلے" کہکر پکارتے ہیں اور جنکو وہ اپنے دسترخوان پر کا بچورا بھی دینا پسند نہیں کرتے آخر وہی سالم کی سالم روٹی چھین کر لیجاتے ہیں اور جنکو وہ اپنے بچے سمجھکر پیار کی نظر سے دیکھتے تھے انکو ایک ٹکڑا تک بھی نہیں ملتا۔** لیکن قابل غور یہ بات ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یسوع کی طرح دنیا کے لوگوں میں سے بعض کو "کتے" اور بعض کو "بچے" نہیں بنایا بلکہ روئے زمین کی تمام اقوام کو اپنے "بچے" ہی سمجھا۔ اور ابن مریم نے تو اپنی بعثت کے انعامات سے بنی اسرائیل ہی کو مستفیض کرنا چاہا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے برعکس اپنی رسالت کو تمام جہانوں کیلئے رحمت ظاہر فرمایا۔ اور جونہی کہ آپکو قریش کے جنگوں سے فرصت ملی وہیں آپنے قرب وجوار کے لوگوں کو دعوت دینی شروع کردی۔ اگرچہ آپکا بہت سا وقت اپنے بے شمار دشمنوں کے حملوں کی مدافعت میں صرف ہوا تاہم آپ ساتھ ساتھ مختلف قوموں میں اسلام کی منادی کرنیکے لیئے واعظ تیار کرتے رہے۔ بہت سے ایسے صحابی تھے جنکو

* ابن ہشام۔ ** اس بیان کی تصدیق کے لیئے ناظرین ملاحظہ کریں انجیل متی باب ۱۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حفظ کرایا تھا تاکہ دوسروں کو سنا سکیں اور جو واعظین رجیع اور بیر معونہ پر شہید ہوئے تھے وہ سب قرآن کے حافظ تھے۔ پھر جب جنگ بدر میں مسلمانوں نے بہت سے مکہ والوں کو گرفتار کر لیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سے اکثر جو پڑھے لکھے تھے بلا معاوضہ رہا کر دیا دس دس نوجوان مسلمانوں کو لکھانے پڑھانے کیلئے ایک ایک کے سپرد کر دیا گویا زر فدیہ میں اُنسے یہی خدمت لیگئی جن لوگوں کو بدر کے قیدیوں نے لکھنا سکھایا تھا انہیں سے ایک زید بن ثابت بھی تھا آنحضرت صلعم نے زید کو ہوشیار دیکھکر خواہش ظاہر کی کہ وہ عبرانی اور سریانی زبانیں بھی سیکھ لے۔ (ولیم میور)

پیارے ناظرین! آنحضرت صلعم کی اس خواہش سے آپ ہی اندازہ لگائیں کہ حضور کو اپنے صحابہؓ میں تعلیم پھیلانے اور اُنکو قرآن سکھانیکا کسقدر خیال تھا۔ اور کیا اس سے صاف یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ اُن لوگوں کو اسلام کے واعظ بنا کر امن پسند ذرائع سے دین حقہ کی اشاعت کرانا چاہتے تھے اور یہ کہ آپ اسلام کی اشاعت صرف عرب تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہتے تھے بلکہ غیر ممالک کے لئے بھی واعظ تیار کر رہے تھے؟ پھر جب کوئی عرب مسلمان ہوتا تو آپ پہلے اسکو اسلام کے اصول سکھاتے پھر قرآن پڑھا کر اُسے اُسکے اپنے ہی قبیلہ میں اسلام کا واعظ مقرر کر کے بھیجدیتے۔ آپکے بہت سے صحابہؓ اچھے مقرر بھی تھے اور اکثر دفعہ انہوں نے اپنی دلچسپ تقریروں سے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کیا تھا علاوہ ازیں مسلمانوں میں فصحاء اور شعراء بھی موجود تھے ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عربی قبیلہ نے اپنے وفد کے ساتھ اپنا شاعر اور خطیب بھیجکر آنحضرت صلعم سے کہا کہ ہمارے شاعر اور خطیب کے مقابلہ کے لئے تم اپنے شاعر اور خطیب پیش کرو۔ جب جواب اثبات میں ملا اور خوب مقابلہ ہو چکا تو اس قبیلہ کے سردار نے کہا "خدا کی قسم یہ شخص بڑا خوش قسمت ہے اسکا شاعر اور خطیب دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے فصاحت و بلاغت میں سبقت لیگئے ہیں" (زاد المعاد)

جب صلح حدیبیہ کے ہو جانیسے آنحضرت صلعم کو کچھ آرام ملا تو آپنے گردو نواح کی قوموں کی طرف توجہ فرمائی اور اُنکے بادشاہوں کے پاس سفارتیں بھیجکر اُنکو اپنے دعوی کی اطلاع اور اسلام کی دعوت دی ان خطوط پر مُہر کرنیکے لئے آپنے ایک انگشتری تیار کرائی جسپر محمد رسول اللہ نقش کرایا گیا تھا۔ اور اسکی یہ شکل تھی (اللہ رسول محمد) اس شکل کے دیکھنے سے ہی آنحضرت صلعم کے

اُس تعلق کا پتہ چلتا ہے جو آپکو ذات باری سے تھا۔ سبحان اللہ کس طرح مہر سے ہی ظاہر فرما دیا ہے کہ میرے اور میرے مولا کے درمیان رسالت کا تعلق ہے اور اگرچہ میں عام زندگی لوگوں کی طرح دکھائی دیتا ہوں مگر میری رسالت کا تعلق رب السموات کی بلند ذات سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنیکا اب میرے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں وغیرہ۔ یہ خطوط ہرقلؑ قیصر روم خسروؑ پرویز کسریٰ ایران حارثؑ شہزادہ بنی غسان و مقوقسؑ شاہ مصر۔ حاکم یمامہ اور شاہ حبشؑ کی طرف روانہ کیئے گئے کچھ عرصہ بعد آپ نے دیگر حاکمانِ وقت کے پاس بھی سفیر بھیجے۔

حضرت نبی کریم صلعم کا خط ہرقل قیصر روم کے نام

جو سفیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہرقل قیصر روم کے پاس لیکر گیا اس کا نام حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ تھا۔ جب یہ نامہ بر پہنچا تو ہرقل یوروشلم کے پیدل سفر کی تیاری کر رہا تھا۔ کیونکہ اُس نے مَنّت مانی ہوئی تھی کہ اگر ایرانیوں پر اُسکو فتح ہو گی تو وہ پاپیادہ بیت المقدس کی زیارت کریگا آنحضرت صلعم کے سفیر سے اچھی طرح پیش آیا اور آپکے دعاوی کو بڑی توجہ اور اشتیاق سے سُنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے مزید واقفیت حاصل کرنیکے لیئے مکّہ کے چند تاجروں کو اپنے حضور بلوایا جو اتفاقاً ایک قافلہ کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ ان تاجروں میں ابوسفیان بھی تھا جو کہ تا حال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا اور اسی کے ذریعہ سے ہم تک اُس ملاقات کی تمام کیفیت پہنچی ہے جو قیصر اور خود ابوسفیان کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ جب ان سوداگرانِ مکّہ کو قیصر کے حضور باریابی ہوئی تو اُس نے ترجمان کی مدد سے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کون اس مدعیٔ نبوت کا قریبی رشتہ دار ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا حضور "میں"۔ تب ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے نزدیک کھڑے ہونیکا حکم دیا اور باقی تاجروں کو اُسکے پیچھے کھڑے رہنے کا ارشاد کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر کسی سوال کے جواب میں کوئی بات خلاف واقعہ کہے تو فوراً اسکی اصلاح کرو۔ ابوسفیان خود بیان کرتا ہے کہ "اگر مجھے اپنے ساتھیوں کی طرف سے یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ میرے کذب کی تردید کرینگے تو میں ضرور قیصر کے حضور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق جھوٹی باتیں بھی بیان کرتا لیکن میرے ساتھیوں کی موجودگی نے مجھے ایسا کرنے سے باز رکھا"۔ جو سوالات قیصر نے اسوقت کیئے تھے وہ ایسے معقول اور طالب حق کیلئے ایسے راہ نما ہیں کہ اُنکا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اور وہ انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے ناظرین کیلئے بھی فائدہ سے خالی نہ ہونگے۔ ایک سعید روح اس سوال وجواب سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نسبت بہت فائدہ اُٹھا سکتی ہے ذیل میں ہم قیصر کے سوالات اور ابوسفیان کے جواب نقل کرتے ہیں۔

قیصر کا سوال	ابوسفیان کا جواب
۱- محمدؐ قوم کا کیسا ہے۔	۱- قوم کا بڑا شریف اور نجیب الطرفین ہے۔
۲- تمھاری قوم (قریش) میں کبھی کسی نے انسے آگے بھی اسطرح نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔	۲- ایسا دعویٰ ہماری قوم میں کسی نے کبھی نہیں کیا۔
۳- اسکے بزرگوں میں کوئی ایسا بادشاہ گذرا ہی جسکی بادشاہت جاتی رہی ہو۔	۳- ایسا کوئی بادشاہ اسکے آباؤ اجداد میں نہیں گذرا۔
۴- امیر لوگ علی العموم اس کے فرمان بردار ہوتے ہیں یا غریب۔	۴- غالباً غریب اور مساکین لوگ اس کے تابع ہوتے ہیں۔
۵- دن بدن مسلمان بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں۔	۵- دن بدن بڑھتے ہیں۔
۶- کوئی آدمی محمدؐ کے دین میں داخل ہو کر ان دنوں مرتد ہوتا ہے یا نہیں۔	۶- کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ محمدؐ کے دین کو برا مان کر اُسے کوئی نہیں چھوڑتا۔
۷- اس دعویٰ سے پہلے یہ شخص جھوٹ کا عادی تھا یا نہیں۔	۷- اسکو ہم لوگ ہمیشہ سچا اور راست گو یقین کرتے تھے۔
۸- کیا لڑائی میں عہد شکنی کرتا ہے یا نہیں۔	۸- آجتک اس نے عہد شکنی نہیں کی آگے دیکھئے کیا کرتا ہے۔
۹-۱۰- تمھاری اور اُسکی لڑائی ہوتی ہی یا نہیں اگر ہوتی ہے تو کون فتحیاب ہوتا ہے۔	۹-۱۰- کبھی وہ فتح پاتا ہے۔ اور کبھی ہم غالب آتے ہیں۔
۱۱- تمکو کیا حکم کرتا ہے۔	۱۱- اللہ کی بندگی کرو ذرہ بھی شرک نہ کرو مشرکو نکی تقلید مت کرو اور حکم کرتا ہے نماز پڑھنے سچ بولنے اور گناہوں سے بچنے اور صلہ رحمی کا۔

جب ہرقل نے یہ جوابات سُنے تو اُسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ہو گیا اور وہ کہنے لگا کہ پہلے سوال سے میرا منشاء یہ تھا کہ تمام نبی اعلیٰ خاندانوں میں ہی

پیدا ہوتے ہیں (کیونکہ اگر وہ ادنیٰ درجے کے لوگوں میں سے ہوں تو لوگ انکو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس طرح انکی ادنیٰ پیدائش کی وجہ سے اسکی قوم کے اکثر افراد سچائی سے دور رہ جاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ نیچ قوم کے لوگوں میں سے پرہیزگار اور خدارسیدہ آدمی پیدا نہیں ہو سکتے ہیں ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ جنکو اللہ تعالیٰ مامور کر کے دنیا میں بھیجتا ہے وہ ہمیشہ اعلیٰ اور شریف خاندانوں میں ہی پیدا ہوتے ہیں) اور دوسرے سوال سے ہرقل نے کہا میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر قریش میں سے کسی نے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو شاید یہ نبی اُس کے نقش قدم پر چلتا ہو" پھر قیصر نے ابو سفیان سے تیسرے سوال کا جواب سُنکر فرمایا "اگر اُسکا کوئی جدّ امجد بادشاہ ہوتا تو یہ شک ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی موروثی سلطنت کے حاصل کرنیکا خواہاں ہے" اسی طرح سوال کا جواب سُنکر ہرقل نے کہا کہ "اگر اس نے کبھی انسانوں کے متعلق جھوٹ بولنے کا گناہ نہیں کیا تو خدا پر جھوٹ بولنے . . . . کا گناہ اُس سے کیونکر سرزد ہو سکتا ہے؟ باقی سوالوں کے جوابات سُنکر قیصر نے کہا کہ اگر یہ تاجر جو کہتا ہے وہ سچ ہے تو اس نبی کی صداقت میں کلام نہیں کیونکہ بلا شک وشبہ یہ علامات ایک راستباز کے سوا دوسرے میں نہیں پائی جا سکتیں۔

پس حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو پڑھنے کے بعد قیصر روم نے اُس علاقہ کے رؤسا کو حکم دیا کہ بمقام حمص پر حاضر ہوں۔ وہاں پہنچکر ہرقل نے ان سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے روم کے سردارو! اگر تم سلامتی اور ہدایت چاہتے ہو تو اس نبی عربی کی متابعت کرو" یہ الفاظ سُنکر وہ سب کے سب صحرائی گدھوں کی طرح نفرت ظاہر کرنے اور صلیبوں کو اُٹھا کر اوپر ہوا میں جنبش دینے لگے۔ جب ہرقل نے یہ عالم دیکھا تو وہ انکی طرف سے مایوس ہو گیا اور چونکہ اپنی سلطنت سے دست کش نہیں ہونا چاہتا تھا اسلیئے یہ کہکر بات کو ٹال دیا کہ "میں تو تمہارا ایمان آزمانا چاہتا تھا اور اب مجھے تمہاری استقلال اور جانفشانی پر پورا اطمینان ہے"

(صحیح بخاری)

التوائے جلسہ سالانہ

سال گذشتہ میں سالانہ جلسہ کے موقعہ پر محکمہ ریلوے کے نصف کرایہ کی تخفیف کی منظوری کی وجہ سے بہت سے ایسے احباب خصوصاً دور کے رہنے والے شریک جلسہ ہو سکے جنکا پورا کرایہ ادا کرکے شامل ہونا مشکل تھا۔ امسال بھی دسمبر میں جلسہ کے لئے تخفیف کرایہ ریلوے کی درخواست کیگئی تھی۔ مگر وہ درخواست منظور نہیں ہوئی۔ بلکہ جسقدر سوسائیٹیوں یا انجمنوں کی طرف سے دسمبر میں جلسوں کیلئے تخفیف کرایہ کی درخواستیں تھیں وہ سب نامنظور ہوئیں اسکی وجہ خصوصیت سے اس سال دسمبر میں لاہور میں نمائش کا ہونا بھی ہے۔ اور علاوہ ازیں دسمبر میں عام طور پر بھی آمد و رفت بہت بڑھ جاتی ہے۔ پس چونکہ پہلے ہی کثرت سے آمد و رفت ہوگی اور تخفیف کرایہ سے یہ آمد و رفت اور بھی بڑھ جانی ضروری ہے اس لئے انتظاماً اس سال دسمبر میں کسی جلسہ پر تخفیف کرایہ منظور نہیں کیگئی سوائے نمائش کے جو ایک قسم کا نیم سرکاری جلسہ سمجھنا چاہیئے سو اسمیں بھی نہایت خفیف تخفیف منظور کی گئی ہے یعنی درجہ سوئم کے مسافروں کیلئے قریباً آٹھواں یا نواں حصہ کرایہ کا چھوڑا گیا ہے۔ مگر اس سے علاوہ دسمبر کے مہینہ میں (۷ دسمبر سے ۲۶ دسمبر تک) درجہ اوّل و دوم و انٹرمیڈیٹ کیلئے بعض خاص رعائتیں ہوتی ہیں پس محکمہ ریلوے نے ان تمام وجوہات متذکرہ بالا کی بنا پر اس سال دسمبر کے مہینے میں جسقدر جلسوں کیلئے درجہ سوئم و انٹرمیڈیٹ میں نصف کرایہ کی رعایت کی درخواستیں تھیں انہیں نامنظور کیا ہے۔

چونکہ صرف دسمبر کا مہینہ ہی نصف کرایہ کی رعایت کا مانع ہوا ہے۔ اسلئے حضرت خلیفۃ المسیح نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ جلسہ سالانہ بجائے دسمبر کی ۲۶-۲۷-۲۸ کے ماہ مارچ کی انہی تاریخوں کے قریب قریب ہو۔ مارچ میں ۲۴ مارچ سے لیکر ۲۸ مارچ تک پانچ تعطیلیں اکٹھی ہیں۔ یعنی ایک تعطیل بارہ وفات کی اور چار تعطیلیں ایسٹر کی جو جملہ محکمہ جات و دفاتر سرکاری وغیرہ میں منظوری کی تعطیلیں ہیں۔ پس ان دنوں میں ملازمین سرکاری بھی اسی طرح جلسہ سالانہ میں شامل ہو سکتے ہیں جس طرح وہ دسمبر میں شامل ہو سکتے ہیں حضرت خلیفۃ المسیح کا اس التوا کو پسند فرمانا اس وجہ سے ہے کہ اسوقت یعنی مارچ میں جلسہ کرنے سے وہ رعایت کرایہ کی مل سکیگی جو گذشتہ سال ہمارے جلسہ کے لیئے ملی تھی۔ یعنی ایک طرف کا کرایہ ادا کرکے آمد و رفت دونوں ہو سکیں گی۔ اور چونکہ ہماری جماعت میں اکثر حصہ غربا اور زمینداروں کا ہے اور یہ بہت ضروری ہے

کہ جسقدر ممکن ہو زیادہ احباب سالانہ جلسہ میں شامل ہوں اسلیئے مناسب سمجھا گیا ہے کہ جلسہ ایسے وقت
میں کیا جائے جب کرایہ کی رعایت ملجائے تاکہ جماعت کا اکثر حصہ (جو غرباء اور ضعفاء ہیں) اس میں شامل
ہو سکے۔ علاوہ بریں جو صاحب استطاعت ہیں وہ کرایہ کی رعایت سے فائدہ اٹھاکر وہی روپیہ کسی انجمن کے
اور مفید اغراض میں بطور مدد دے سکتے ہیں بلکہ سالانہ جلسہ کے اخراجات کا بہت سا حصہ اسطرح پر نکل
سکتا ہے۔ اور چونکہ اخیر مارچ میں زمینداروں کے شامل ہونے میں بھی کوئی مانع نہیں اور فصل ربیع
کی کٹائی میں قریباً تین ہفتے اسوقت باقی ہونگے اسلیئے بظاہر یہ موقع ایسا ہے کہ اس میں ہر درجہ اور
طبقہ کے احباب شامل ہو سکتے ہیں اور غیب کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ علاوہ اس فائدہ کے
کہ ایک تو دُور دُور کے کم استطاعت احباب بھی اس طرح جلسہ میں شامل ہو سکیں گے اور دوسرے
اخراجات جلسہ میں بہت سی مدد مل سکیگی بعض اور فوائد بھی مارچ میں جلسہ کرنے میں ہیں۔ دسمبر
میں سخت سردیوں کی وجہ سے ایک طرف مہمانوں کو بڑے بڑے بستر ساتھ لانیکی مشکلات
پیش آتی ہیں اور دوسری طرف اسجگہ بھی مکانوں کی مشکلات پیش آتی ہیں۔ اور بہت سا
روپیہ صرف کرنیکے باوجود مکان کا ٹھیک انتظام نہیں ہو سکتا۔ مارچ میں کھلا موسم ہونیکی
وجہ سے جب نہ زیادہ سردی ہوگی اور نہ ابھی گرمی شروع ہوئی ہوگی اس قسم کے مشکلات امید
ہے پیش نہ آئیں گی۔ اور ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ دسمبر میں سخت سردی اور چھوٹے دن
ہونیکی وجہ سے بہت تھوڑا کام ہوتا ہے۔ صبح دس گیارہ بجے تک سردی کی شدت کی وجہ سے
کام نہیں ہو سکتا اور رات کو بھی اجتماع ہونا مشکل ہوتا ہے۔ مارچ میں چونکہ موسم نہایت معتدل ہوگا
اور دن بھی نسبتاً لمبے ہونگے اسلیئے دو دن میں اتنا کام ہو سکیگا جو دسمبر کے چار دنوں میں ہو سکتا ہے۔
پس بظاہر یہ التوا ہر طرح سے مفید معلوم ہوتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔

اس اعلان کا منشاء یہ نہیں ہے کہ دسمبر کے موقعہ پر جو احباب آنا پسند کرتے ہیں وہ نہ آویں
اللہ تعالیٰ کے فضل سے مہمانوں کی آمد و رفت تو ہر روز ہی ہوتی ہے اور پھر تعطیلوں کے دنوں میں ملازمین
خصوصیت سے آجایا کرتے ہیں۔ پس جو احباب چاہیں وہ دسمبر میں آویں اور حضرت خلیفۃ المسیح کے
کلمات اور بابرکت صحبت سے مستفیض ہوں۔ اعلان کا منشاء صرف اسقدر ہے کہ سالانہ جلسہ بجائے
دسمبر کے مارچ میں ہوگا اور یہ ضروری ہوگا کہ اس جلسہ میں جسقدر زیادہ احباب ممکن ہو شامل ہونگے

کوشش کریں کیونکہ ایسا اجتماع خاص برکات اور باہم میل ملاقات کا موجب ہوتا ہے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

سالانہ جلسہ کی تاریخوں کی تبدیلی - یہ اطلاع علیحدہ بذریعہ اعلان و اخبارات سب انجمنوں اور احباب کو دیجا چکی ہے کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس سال سالانہ جلسہ بجائے دسمبر کے اخیر مارچ میں ہوگا۔ اور اسکی تاریخیں ۲۴ مارچ اور ۲۸ مارچ کے درمیان رکھی جاویں گی قادیان میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور دینی فوائد کے حصول کیلئے آمدورفت کا سلسلہ یوں تو اُسوقت سے جاری ہے جب ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت لینے کا اعلان بھی نہ فرمایا تھا۔ اور یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسکے ان وعدوں کے مطابق جو حضرت اقدس کو تنہائی اور گمنامی کے وقت میں دیئے گئے تھے کہ یأتون من کل فج عمیق روز بروز ترقی پر رہا ہے۔ مگر اس معمولی آمدورفت کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی ضروری سمجھا تھا کہ ایک سالانہ جلسہ احباب کا ہو جسمیں ہماری جماعت کے لوگ بہ نیت استفادہ ضروریات دین و مشورہ اعلائے کلمۂ اسلام ایک وقت میں جمع ہوں۔ سال گذشتہ میں تخفیف کرایہ ریلوے کی وجہ سے قریب اڑھائی تین ہزار آدمی کا مجمع جلسہ سالانہ پر ہوگیا تھا۔ مگر ان وجوہات کے باعث جنکا ذکر دوسری جگہ کیا گیا ہے امسال دسمبر کے مہینے میں جلسہ ہونیکی صورت میں تخفیف کرایہ منظور نہیں ہوئی اسلیئے جلسہ کی تاریخیں بدل کر ایسے موقعہ پر رکھدی گئی ہیں جب تعطیلوں کیوجہ سے ملازمین کے آنے میں بھی روک نہ ہو اور تخفیف کرایہ سے بھی فائدہ اُٹھایا جاسکے۔ احباب کو چاہیئے کہ جہانتک ممکن ہو اس جلسہ میں شامل ہونیکی کوشش کریں۔ اگر تجربہ سے جلسہ کے لیئے یہ تاریخیں زیادہ موزون ثابت ہوئیں تو آیندہ بھی بجائے دسمبر کے مارچ میں ہی جلسہ ہوا کریگا۔

مدرسہ - صاحب انسپکٹر مدارس نے جو اظہار خوشنودی مدرسہ ہذا کے معاینہ پر کیا اسکی اطلاع گذشتہ ماہ میں احباب کو دیجا چکی ہے۔ یہ رپورٹ گذشتہ اجلاس مجلس معتمدین میں پیش ہونے پر مجلس نے ضروری سمجھا کہ جناب مولوی صدرالدین صاحب بی اے ہیڈ ماسٹر مدرسہ کی قابل تعریف خدمات کے لیئے مولوی صاحب موصوف کا شکریہ کل قوم کی طرف سے کیا جائے۔ درحقیقت جس جانفشانی اور محنت سے مولوی

صدرالدین صاحب نے ان چند ماہ کے اندر کام کیا ہے۔ اسکی جزائے خیر تو اللہ تعالیٰ ہی اُنکو دے سکتا ہے اور دیگا مگر ایسی قابل قدر خدمات کا اعتراف مجلس کیلئے بھی ضروری تھا۔ لیکن اس امر کا ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ مولوی صاحب موصوف کا کام صرف طالب علموں کی دنیوی تعلیم کی نگرانی تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ بچوں کی اخلاقی تربیت اور دینی ترقی کی طرف بھی وہ خصوصیت سے متوجہ رہے ہیں اور انکی نگرانی اور توجہ سے بھی بڑھکر بچوں پر نیک اثر ڈالنے والی بات انکا اپنا نیک نمونہ ہے۔ قرآن کریم سے مولوی صاحب موصوف کو کیسا عشق ہے اسکو جیسا ان لوگوں نے محسوس کیا ہے جہاں وہ اپنی سرکاری خدمات کے دوران میں رہے ہیں جیسے شملہ لدھیانہ اور لاہور کے احباب اور جیسا ان احباب نے انسے فائدہ اُٹھایا ہے ویسا ہی یہاں بھی لوگوں نے انکی قرآن کریم سے سچی محبت کو محسوس کیا ہے اور مدرسہ کے بچوں نے انسے خصوصیت سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ ایسے ہیڈ ماسٹر کے ماتحت رہ کر اور اسکے نیک نمونہ کو دیکھکر بچے کسقدر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اسکو جس آسانی سے ہمارے شملہ لدھیانہ اور لاہور کے احباب اور انکے اپنے شہر سیالکوٹ کے مخلص احباب محسوس کر سکتے ہیں شاید دُور کے احباب یا دوسرے احباب اسکا اندازہ نہ کر سکیں مگر اسقدر تو سب احباب کو معلوم ہے کہ قادیان میں آتے ہی انکا پہلا کام یہ تھا کہ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح سے عرض کرکے قرآن شریف کے ایک خاص درس کا انتظام کیا اور پھر خود مختلف جماعتوں کو خط لکھے کہ انمیں سے ہر ایک اپنے میں سے ایک دوست کو اس درس کے سُننے کیلئے بھیجیں جو قریباً سوا دو یا اڑھائی ماہ میں ختم ہو گیا تھا۔ میری غرض ان باتوں کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ یوں تو ہر عمر کے شاگرد پر اُستاد کی دینداری۔ اخلاق اور اسکے اخلاص اور محبت کا خاص اثر ہوتا ہے مگر کم عمر بچوں پر خصوصاً یہ اثر بہت ہی زیادہ ہوتا ہے۔ اور اکثر سعید بچے گویا پڑھانیوالے کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں۔ عربی میں ایک مثل مشہور ہے لا تسئل عن المرء وسل عن قرینہ یعنی اگر ایک شخص کے اخلاق اور اسکے چال چلن کا پتہ لگانا چاہو تو اسکے حالات دریافت کرنیکی ضرورت نہیں بلکہ یہ دریافت کرو کہ اسکے ہمنشین کیسے ہیں جسطرح یہ ایک نہایت ہی سچی بات ہے اسی طرح سے اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ کسی مدرسہ کے طالب علموں کی اخلاقی اور دینی حالت کا اندازہ اس مدرسہ کے مدرسین اور خصوصاً ہیڈ ماسٹر کے اخلاق اور دینی حالت سے لگ سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے بارہا یہ خیال کیا ہے بلکہ بعض وقت ایسے خیالات کا اظہار

بھی کہا ہے کہ ایک انگریزی تعلیم دینے والا مدرسہ قائم کرنے یا رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ خدا کے برگزیدہ کی فراست اور عاقبت بینی نے تو خدا جانے کیا کیا مصلحتیں دیکھی ہونگی اور یہ بھی ہمیں علم نہیں کہ ابھی اس مدرسہ سے کیا فوائد دنیا کو پہنچنے والے ہیں مگر ایک موٹی بات جسکا سطحی نظر سے بھی پتہ لگ سکتا ہے۔ یہی ہے کہ جس قسم کی دینداری کے اعلیٰ نمونہ اور اسلام اور قرآن کریم سے سچی اور خالص محبت رکھنے والے ہیڈ ماسٹر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مدرسہ کو میسر آسکتے ہیں انکا اور جگہ ملنا مشکل ہے پس اسنے چاہا کہ ہماری قوم کے بچے اگر اپنی دنیوی اغراض اور ترقیوں کیلئے بھی کوشش کریں تو ایسی مدرسین کے نیچے جو ان روحوں کو جنمیں ایسی استعداد موجود ہے دنیا کے کام کرتے ہوئے بھی دین کی سچی راہوں پر چلا دیں اور اپنے نیک نمونہ سے انکے اندر نیکی کی روح پھونکدیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اسنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس آرزو کو پورا کیا۔ اور اس مدرسہ کی ہیڈ ماسٹری کو ہمیشہ ایسے نیک ہاتھوں میں رکھا جیسے مولوی شیر علی صاحب اور مفتی محمد صادق صاحب۔ اور اب مولوی صدر الدین صاحب۔ اور اور پھر ان ہیڈ ماسٹروں کو نیک معاون دیئے۔ یہ سب کچھ اسی کے فضل سے ہوا۔ اور اسی کے فضل سے اس مدرسہ نے دن بدن ترقی پکڑی۔ اور اسکے ان فضلوں اور تائیدوں سے جو حضرت خلیفۃ المسیح کی دعا اور توجہ قدسی سے اس سلسلہ کے شامل حال ہیں ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح کی اس آرزو کو بھی پورا کریگا کہ یہ مدرسہ جلدی ہی ترقی کر کے کالج بنجائیگا۔ اور مسلمانوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کا مرکز ہوجائیگا۔ ہیڈ ماسٹر اور مدرسین کے علاوہ میں دیکھتا ہوں کہ اس مدرسہ کے بچوں کی بھلائی اور انکی دینی اور اخلاقی اصلاح اور ترقی کیلئے خود حضرت خلیفۃ المسیح کو اللہ تعالیٰ نے خاص جوش عطا فرمایا ہے۔ روزانہ درس کے علاوہ جسکی نظیر آج دنیا بھر میں اور کہیں نہیں ملتی آپ گاہے گاہے بچوں کو ایسے ایسی آسان طریقوں سے نیک نصائح فرماتے ہیں جنسے سعید روحوں اور صاف دلوں پر ایک ایسا نقش بیٹھ جاتا ہے جسکا اثر خدا چاہے تو اخیر زندگی تک ضائع نہ ہو۔ ہاں طبیعت میں استعداد کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کل یعمل علی شاکلتہ کا ارشاد اس عالم الغیب کی طرف سے ہے جو فطرت انسانی کا خالق اور اسکے باریک در باریک بھیدوں سے واقف ہے۔ ظاہری اور باطنی سلسلوں میں گو کیسا ہی اختلاف ہو مگر وہ ایک سے ہی قوانین کے ماتحت ہیں۔ جسطرح انسان کے بچے کی جسمانی ترقی اور اسکے ذہنی اور عقلی قویٰ کا نشوونما خاص قوانین کے ماتحت ہے یہی حال دینی اور اخلاقی ترقی اور روحانی

قویٰ کے نشوونما کا ہے۔ ایک سی غذا کھاتے ہوئے دو بچے ہوتے ہیں ایک پہلوان ہو جاتا ہے اور دوسرا بمشکل چارپائی سے اُٹھ سکتا ہے ایک ہی جماعت میں ایک ہی اُستاد کے نیچے تعلیم پانیوالے ایک اپنی ذہانت سے اور دوسرا غباوت سے استاد کو حیران کر دیتا ہے۔ ایک اگر ایک سال میں دو جماعتیں پاس کر لیتا ہے تو دوسرا دس دس سال تک ایک ہی جماعت میں فیل ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ہی ماں باپ کے دو بچے ایک اپنی عقلمندی میں اور دوسرا حماقت میں بے نظیر ہوتے ہیں دینی اور اخلاقی فائدہ اُٹھانے میں بعینہٖ اسی قسم کے اختلاف پائے جاتے ہیں۔ اس فطرتوں کے اختلاف سے بعض لوگ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت پر ایسے ایسے بھی اعتراض ہوئے ہیں کہ انہیں بعض ایسے لوگ ہیں جو نمازوں کی پروا نہیں کرتے یا تقویٰ کی راہوں پر قدم نہیں مارتے اور ہمارے مدرسہ کے بچوں پر بھی بعض وقت ایسے اعتراض ہوئے ہیں کہ ان میں سے بعض نماز کے پوری پابند نہیں یا ڈاڑھی منڈواتے ہیں یا کالر اور نکٹائی پہنتے ہیں یا قرآن شریف کے درس میں باقاعدہ حاضر نہیں ہوتے۔ ان دونوں اعتراضوں کا جواب ایک ہی ہے۔ بلکہ بعض وقت تو ہماری اپنے مدرسین اس بات پر بے صبر ہو جاتے ہیں کہ اگر کسی طالب علم سے کوئی کمزوری ظاہر ہوئی ہے یا فرائض کی ادائگی میں کوئی سستی ہوئی ہے تو اسکا مدرسہ میں رہنا نقصان دہ ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ کمزوریوں اور سستیوں کے علاج کیلئے ہی تو لوگ اپنے بچوں کو یہاں بھیجتے ہیں دیکھنا تو یہ ہے کہ یہی بچے جنکی ایک آدھ کمزوری پر آج صبر نہیں کیا جا سکتا وہ اس سے پہلے کس حالت میں تھے۔ اصلاح میں بے صبری سے کام نہیں چلتا حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے بعض وقت ایسے بے صبر معترضوں کو یوں بھی سمجھایا ہے کہ تم اپنے انہی نوجوانی کے ایام پر غور کرو کہ تمھاری اسوقت کیا حالت تھی۔ اور یہ بات بھی صحیح ہے۔ بچے آخر بچے ہی ہیں انکا مقابلہ انہی کی طرح دوسرے مدرسوں میں پڑھنے والے طالب علموں سے ہو سکتا ہے جس شخص کو ممتحن بنایا جائے اگر وہ بچوں کی قابلیت کا معیار اپنی موجودہ قابلیت کو رکھے تو کون اسے عقلمند کہیگا۔ غرضکہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت بمقابلہ دوسری جماعتوں کے نیکی اور تقویٰ میں ترقی کر رہی ہے اور اسکی تقویٰ میں ترقی دیکھنے کے لئے ہمنے یہ نہیں دیکھنا کہ اب انہیں سے کسی فرد میں کوئی کمزوری تو نہیں پائی جاتی بلکہ بحیثیت مجموعی جماعت کے تقویٰ میں ترقی کا اندازہ انکی پہلی زندگیوں یا ایسی ہی دوسری جماعتوں کے

مقابلہ سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے مدرسہ کے بچوں کی دینی ترقی اور اخلاقی تربیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ کس حالت میں یہاں آئے تھے اور اپنی پہلی حالت سے کسقدر ترقی انہوں نے کی ہے۔ یا دوسرے مدرسوں میں پڑھنے والے طالب علموں کے مقابلہ میں بحیثیت مجموعی وہ کیسے ہیں۔ گورنمنٹ یا مشن سکولوں کو تو الگ رکھو اسلامی دینی تعلیم کو مروجہ تعلیم کے ساتھ دینے والے دو ہی بڑے انسٹیٹیوشن اسوقت ہندوستان میں ہیں ایک علیگڈھ کالج اور دوسرا لاہور کا اسلامیہ کالج اور سکول۔ ہم تو ان دو کالجوں کے وجود کو بھی مسلمانوں کیلئے مغتنمات سے سمجھتے ہیں نہ اسلیئے کہ وہاں ایسی دینی تعلیم ہوتی ہے جو نقصوں سے خالی ہے بلکہ اس لیئے کہ انکے نہ ہونیکی صورت میں مسلمان طالب علموں کو مجبوراً یا ان کالجوں میں جانا پڑتا جہاں مذہب کی تعلیم کچھ بھی نہیں دیجاتی اور یا وہاں جہاں اسلام کے خلاف تعلیم دیجاتی ہے۔ تھوڑے دن ہوئے ہمارے احمدی طلبا میں سے جو علیگڈھ کالج میں تعلیم پاتے ہیں ایک طالب علم نے موسم گرما کی رخصتوں کے اختتام پر حضرت خلیفۃ المسیح سے رخصت ہونے وقت یہ ذکر کیا کہ مجھے یہ بھی ہدایت تھی کہ علیگڈھ کالج کے لیئے چندہ کر کے لانا۔ آپ اس میں کیا فرماتے ہیں تو آپ نے اُسے بہت ملامت کی اور فرمایا دو کہ تم نے ایسے بے وقت یہ بات بتائی ہے اگر تم پہلے بتاتے تو میں تمھیں ایسی راہ بتاتا کہ تم معقول رقم فراہم کر سکتے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کیا تم نے ہمیں ایسا تنگدل سمجھ لیا کہ ہم علیگڈھ کالج کی مدد کیلیئے کوشش کرنیکو اچھا نہیں سمجھتے" اور ہم نے تو اپنے مدرسہ کے بہت سے طلبا کو جنکے لیئے صورت گذارہ ہو سکتی تھی علیگڈھ کالج یا اسلامیہ کالج بھیجنے کی کوشش کی ہے پس ہمارے سکول کے فوائد کو سمجھنے کیلیئے زیادہ مقابلہ کی ضرورت نہیں انہی دو اسلامی کالجوں کے لڑکوں سے مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ نسبتاً کہاں کے طلبا زیادہ دیندار۔ نماز کے زیادہ پابند۔ شعار اسلامی کی زیادہ عزت کرنیوالے۔ اپنے افسروں اور اُستادوں کی زیادہ اطاعت کرنیوالے ہیں۔ شائد ایک سال کے قریب ہوا کہ مولوی محمد حسین صاحب ریڈر ڈسٹرکٹ جج صاحب گورداسپور اپنے بچے کو یہاں لائے تھے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ مینے جسقدر اسلام کی محبت۔ عزت اور عظمت یہاں کے استادوں اور لڑکوں میں دیکھی ہے اور جسقدر یہاں کے اُستادوں میں خصوصاً ہیڈ ماسٹر میں بچوں کیلیئے سچی ہمدردی دیکھی ہے اور جسقدر یہاں کے لڑکے اسلام کے رنگ میں رنگیں نظر آتے ہیں ایسی دوسری کسی جگہ دیکھنے میں نہیں آئے۔

بات کسیقدر لمبی ہوگئی میری غرض یہ تھی کہ جس طرح ایک حاذق طبیب کے سپرد بیمار کو کر کے ہمیں مطمئن رہنا چاہیئے کہ وہ اسکی مزاج کے موافق علاج کو ہم سے بہتر سمجھتا ہے۔ اسی طرح ہیڈ ماسٹر ایک طبیب ہے جسکے سپرد بچے کیئے جاتے ہیں۔ اگر وہ غلطی کرتے ہیں تو وہی انکی اصلاح کریگا۔ بچوں کی غلطیوں پر دوسروں کا شور ڈالنا کسی طرح ان بچوں کیلیئے مفید نہیں ہوسکتا ان سب باتوں کو اس طبیب پر چھوڑنا چاہیئے جسکے سپرد ان بچوں کو کیا گیا ہے۔ بے تعلق لوگوں کو تو الگ رکھو وہ بچوں کے ماں باپ کی نسبت بھی بہتر سمجھتا ہے کہ کسطرح انکی کمزوریوں کا علاج کرنا چاہیئے جس سے وہ دوا کو پیکر فائدہ اُٹھائیں نہ یہ کہ علاج سے ہی متنفر ہو جائیں۔ ہمارے مدرسہ کو مولوی صدرالدین صاحب کے وجود میں اللہ تعالیٰ نے ایسا ہیڈ ماسٹر دیدیا ہے۔ جو بچوں کا پورا ہمدرد اور انکے حق میں حاذق طبیب کا حکم رکھتا ہے۔ اگر کوئی نقص ہو تو اس کا انکی اطلاع میں لانا کافی ہے وہ ہر وقت ایسے نقصوں کی اصلاح کے لیئے تیار ہیں۔ پھر ایک اور دقت یہ ہے کہ دو چار بچوں کی کسی کمزوری سے ایک قاعدہ کلیہ بنالینا درست نہیں اور نکتہ چینی میں تو پھر اس طرف انسان کی توجہ نہیں رہتی کہ تحقیق کرکے سچی بات کو دیکھے بلکہ اس اعتراض کے سجانے کیلیئے جو بات ملجائے غنیمت سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ بعض وقت تو* قم کے قاضی کی طرح قافیہ کی پسندیدگی ہی کسی کے خون کا باعث ہو جاتی ہے۔

اشاعت اسلام - حضرت مسیح موعودؑ کا ہو تسو والا لیکچر انگریزی میں بالفعل پانچ ہزار چوبیس سو روپے کی لاگت سے چھپوانا منظور کیا گیا ہے۔ اور اسکے لیئے روپیہ کی ایک قسط بھی بھیجدی گئی ہے۔ مگر شائد تین چار ماہ تک اسکی تکمیل ہو کیونکہ پروفوں کے آنے جانے میں بھی ڈیڑھ ماہ لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت ہی ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے خدام سے ایسا کام کرا رہی ہے۔ وہ اپنے دلوں میں اشاعت اسلام کے لیئے سچا جوش اور تڑپ رکھتے

---

* حضرت اقدس یہ بات اکثر سنایا کرتے تھے کہ شہر قم میں ایک قاضی تھے جنہیں شاہ وقت کی طرف سے یہ پروانہ پہنچا کہ ایھا القاضی فی قم انا عزلناك فقم۔ یعنی اے قم کے قاضی ہم نے تجھے موقوف کیا پس تو اُٹھ جا۔ جب یہ پروانہ قاضی کے پاس پہنچا تو وہ رو پڑا کہ میرا کوئی گناہ نہیں جسکے لیئے موقوف کیا گیا ہوں بلکہ بادشاہ کو قافیہ پسند آگیا ہے۔

ہیں۔ اور یہ جوش دراصل اسی عظیم الشان انسان کے انفاس قدسیہ کی برکت سے ہے جو دنیا میں خدا کا مسیح ہو کر آیا اور خدا کی بھیجے ہوؤں کی طرح ایک جماعت میں وہی روح پیدا کرکے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ کے ارشاد کے مطابق اپنے مالک بھیجنے والے کی طرف واپس چلا گیا ولایت میں اشاعت اسلام کا سوال گذشتہ ماہ میں انجمنہائے احمدیہ کے سامنے رکھا گیا تھا اسکی رپورٹ تو علیحدہ پیش ہوگی مگر اسقدر ذکر کردینا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اشاعت اسلام کا جو جوش اس قوم کو دیا گیا ہے ولایت میں اشاعت اسلام کی آواز پر نہایت ہی خوشی اور شرح صدر سے لبیک کہنے میں اس کا ثبوت اس موقعہ پر تمام انجمنوں نے دیا ہے۔ اس قدم کے اٹھانے میں جو جو مشکلات ہیں اپر مجلس معتمدین انجمنوں کی آرا کے پیش ہونے پر انشاء اللہ تعالیٰ غور کریگی۔ سرمایہ کا سوال سب سے زیادہ اہم ہے اور جبتک کم از کم تین چار سال تک کام چلانیکا پورا سرمایہ جمع نہ ہو جائے اسوقت تک بذریعہ مشن سلسلہ تبلیغ کو انگلستان یا امریکہ میں قایم کرنیکے لیئے قدم نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ مگر اسکے یہ معنے نہیں کہ ہم خاموش بیٹھے رہیں اسکے لیئے ابھی سے کوشش شروع کیجاویگی۔ تو کہیں تین چار سال میں بیس پچیس ہزار کا الگ سرمایہ جمع ہو سکیگا کیونکہ جو کام جاری ہیں انکو جاری رکھکر بلکہ انہیں بھی ہر طرح سے ترقی کرتے ہوئے اس دوسری خدمت کو ادا کرنا ہے۔ آخر کرنیکی کام کرنیسے ہی ہونگے باتوں سے پورے نہیں ہو سکتے۔ باتیں تو بہت لوگ کر سکتے ہیں کام کرکے دکھانا ہی مشکل ہے۔ کسر صلیب حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی خاص غرض ہے اسی لیئے جب ریویو آف ریلیجنز کا اجرا ہوا تو حضرت اقدسؑ نے اسے بہت ہی پسند فرمایا کہ اسکی اشاعت ولایت میں ہو۔ اور جماعت کو نصیحت کی کہ وہ اس کام میں جائدادیں بیچکر بھی مدد کرنیسے دریغ نہ کریں۔ یہ نہ فرمایا کہ ابھی ہندوستان میں ہی تم تبلیغ کرو اور باہر کے فکر کی ضرورت نہیں۔ ایسے خود ساختہ اصول واقعات کی روشنی کے سامنے ٹھہر نہیں سکتے۔ صلح حدیبیہ کا زمانہ وہ ہے جب ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن مکہ تو کفر سے بھرا ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایران اور روم اور حبش تک مبلغین بھیج رہے ہیں۔ ہاں دوسری طرف یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ باوجودیکہ حضرت اقدسؑ کسر صلیب کی غرض سے عیسائی ممالک میں اشاعت اسلام کو اسقدر ضروری سمجھتے تھے۔ پھر بھی یہ نہیں کیا کہ یہاں کے کاروبار کو بند کر دیتے اور کل کا کل روپیہ ایک اسی کام پر لگانے کیلیئے ہدایت فرماتے۔ اعتراض کرنیوالوں نے تو یہ اعتراض کیئے کہ مرزا صاحب جو روپیہ مکان بنوانے پر صرف کر رہے ہیں اور جو روپیہ مدرسہ پر صرف ہو رہا ہے وہ سب کاروبار بند کرکے صرف ایک خیالی

اشاعت اسلام پر لگایا جاوے پر یہ نہ سمجھا کہ یہ سب کام خود اشاعت اسلام کی ہی ضروریات ہیں ایسی ہی باتیں اب بھی بعض لوگوں کو سوجھتی ہیں کہ فلاں فلاں کام بند کر کے یہ روپیہ اشاعت اسلام کیلئے نکل سکتا ہے۔ مگر یہ راہ غلط ہے۔ قومی زندگی اور قومی ضروریات کی راہیں بند کرنیسے جب خود قوم ہی کمزور ہو جائیگی تو اشاعت اسلام وہ کیا کریگی۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ کوئی ایسا ہی انتظام کر دیتا کہ اصلاح اور تبلیغ کے کام کیلئے ملائکہ کو مامور کر دیا کرتا۔ جو کھانے پینے اور مکانوں کی ضروریات سے فارغ ہوتے۔ انکو نہ دفتروں کی ضرورت ہوتی نہ رہایش کے مکانوں کی۔ نہ کھانے پینے کی نہ ہی پھر ایسے اعتراضوں پر لوگوں کو کتابوں اور اخباروں اور رسالوں کے اوراق سیاہ کرنے پڑتے بلکہ یہ ورق بھی اشاعت اسلام کے کسی مفید کام پر صرف ہوتے۔ مگر اپنے مصالح کو وہی بہتر سمجھتا ہے۔ اور جبتک انسان ہی یہ کام کرنیوالے ہونگے انکو اپنے اور بیوی بچوں کی کھانے پینے کی ضروریات بھی ساتھ لگی رہیں گی اور رہایش کے لیئے مکانوں کی ضرورت بھی ہو گی کاش ہمارے معترض کوئی خود ہی ایسا نمونہ دکھا دیتے کہ مکانوں پر ہزارہا روپیہ صرف کرنیکے بغیر بھی یہ کام چل سکتے ہیں یہی اعتراض منصوری کے مباحثہ میں بھی اس سلسلہ پر کیا گیا کہ وہ تو لوگوں کو تنخواہیں دیکر کاروبار کراتے ہیں۔ غرضکہ جو کام سلسلہ کے ہو رہے ہیں انکا ہوتے رہنا بھی ضروری ہے بلکہ خود انہیں نئی نئی ضرورتیں بھی پیش آتی رہیں گی اور وہ قوم کو پوری کرنی ہونگی اور اسپر مزید یہ ایک کام ولایت میں مشن قایم کرنیکا ہوگا۔ یہ بات مینے بعض غلط فہمیوں کے رفع کرنیکے لیئے کھولکر لکھدی ہے۔

کتاب اظہار حق جس میں بابا نانک صاحب کے اسلام لانیکا ثبوت سکھوں کی اپنی کتابوں سے دیا گیا ہے دو سو کاپی مفت اشاعت کے لیئے منظور کیگئی ہے گو اس کتاب کی قیمت بھی صرف اصل لاگت کے قریباً برابر ہی رکھی گئی تھی۔ مگر تاہم چند کاپیاں مفت تقسیم کرنیکو واسطے مخصوص کر دیگئی ہیں انہیں سے سو کے قریب کتاب نکل چکی ہے۔ غرض یہ ہے کہ سکھ صاحبان کے ہاتھ میں یہ کتاب پہنچائی جاوے اس غرض کیلیئے جہانتک گنجایش ہے درخواستیں آنے پر بلا قیمت کتاب روانہ ہو سکے گی مگر محصول منگولنے والے کو خود ادا کرنا ہوگا۔

تفسیر القرآن کے متعلق چونکہ احباب کا بہت زیادہ اشتیاق پایا جاتا تھا کہ جلدی جلدی معقول حصہ کی تفسیر انکے ہاتھوں میں پہنچے۔ اسلیئے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ آیندہ کے

لیئے ہر سہ ماہی میں قریباً پونے پارہ کی تفسیر نکل جائیگی اس طرح پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تین پاروں کی تفسیر سال میں نکل جایا کرے گی۔

سلسلۂ تبلیغ میں منصوری کا مباحثہ گذشتہ ماہ میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت خلیفۃ المسیح کی دعاؤں سے بہت اچھے لوگوں نے اس سلسلہ کی باتوں کو سنا اور بہت لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ مفصل رپورٹ چونکہ اخبار بدر میں چھپ چکی ہے اسلیئے یہاں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ شیخ غلام احمد صاحب موضع کاٹھ گڈھ وغیرہ میں تشریف لیگئے۔ شروع دسمبر میں مسیحیوں نے لاہور میں چھ لیکچروں کے سلسلہ وار دیئے جانیکا انتظام کیا ہے جن میں سے بعض لیکچروں میں اسلام پر خصوصیت سے حملے کرنیکا مقصد ہے چنانچہ دو لیکچروں کے عنوان یہ ہیں عدم عرفان در اسلام عظمت مسیح از روئے قرآن۔ تعجب ہے کہ لاہور کے بشپ صاحب بھی ان لیکچروں میں ہیں حالانکہ کئی سال ہوئے جب انہوں نے پہلے پبلک جلسوں میں اسلام پر اسی طرح حملے کیئے تھے تو حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج دینے پر انہوں نے یہ بہانہ کرکے مباحثہ کے چیلنج کو ٹالدیا تھا کہ میرا کام کلیسیا کی اندرونی اصلاح ہے۔ اسی لیکچروں کے سلسلہ کے نوٹ لینے کے لیئے شیخ عبد الرحمن صاحب حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے حکم سے لاہور گئے ہیں اور آپکی طرف سے یہ اعلان کردیا گیا ہے کہ جو باتیں جواب دینے کی قابل ان لیکچروں میں ہونگی انکے جواب کے لیئے بہت جلد لاہور میں ہماری جماعت کی طرف سے لیکچر دیئے جاویں گے۔

مساکین اور یتامیٰ کیلیئے موسم سرما میں خصوصیت سے گرم کپڑوں اور لحافوں وغیرہ کی ضرورت بہت ہوتی ہے سب احباب خصوصیت سے توجہ فرماویں پرانے کپڑے یا لحاف وغیرہ جو صاحب ارسال فرماویں شکریہ کے ساتھ قبول کیئے جاویں گے۔ اور جو صاحب اپنے مالوں میں سے اپنے غریب بھائیوں کیلیئے حصہ نکالیں گے اسکا اجر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاویں گے۔

تعمیر تعمیر بورڈنگ ہوس کے کام کو شروع کرنا بھی گذشتہ اجلاس مجلس معتمدین میں منظور کیا گیا ہے۔ اسکے لیئے کچھ روپے کا انتظام تو حکیم فضلدین صاحب کی موہوبہ جائداد کے ایک حصہ کے فروخت ہونیسے ہوگیا ہے۔ اور کچھ دوسری طرح پر اللہ تعالیٰ نے مدد پہنچادی ہے۔ یہ مدد دو طرح کی ہے ایک یہ خوشخبری ہے کہ گورنمنٹ نے تعمیر بورڈنگ ہوس میں

دس ہزار روپے کی مدد کا وعدہ کیا ہے جو غالباً اپریل کے بعد مل جائیگا۔ اور ہمیں یہ بھی امید ہے کہ اس امداد میں ڈائرکٹر صاحب بہادر جو اس مدرسہ کے قیام میں بحیثیت انسپکٹر ہمیشہ خوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں اور بھی ابزادی کی طرف توجہ فرماوینگے۔ اب قوم کا فرض ہے کہ بقیہ رقم کو چندہ سے پورا کر کے اس کام کی بہت جلد تکمیل کرادے کیونکہ بورڈنگ ہوس کی تنگی کیوجہ سے بہت تکلیف ہے۔ ادھر مدرسہ احمدیہ کی ضروریات دن بدن بڑھ رہی ہیں۔ اور دوسری طرف مہمانخانہ کی ضروریات اس امر کی متقاضی ہیں کہ طلباء کی رہایش کی صورت باہر ہو جائے تو موجودہ بورڈنگ ہوس کا کچھ حصہ مہمانخانہ کیلیئے خاص کردیا جاوے۔ بورڈنگ ہوس کی تکمیل کیلیئے پچاس ہزار روپیہ کا تخمینہ ہے جس میں سے قریب سولہ ہزار کے اینٹ پر خرچ ہو چکا ہے اور دس ہزار کا وعدہ گورنمنٹ کی طرف سے ہے گویا صرف چوبیس ہزار روپیہ اور بکار ہے۔ جسکے لیئے امید ہے آیندہ اجلاس مجلس معتمدین کی طرف سے ایک خاص تجویز پیش کیجاویگی

بورڈنگ ہوس کی ضروریات میں سے ہی ایک مسجد اور شفاخانہ کا باہر ہونا ضروری تھا۔ سوان ہر دو کیلیئے بھی اللہ تعالیٰ نے غیب سے ہی سامان پیدا کر دیا ہے یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحب کے دل میں یہ جوش ڈالدیا کہ وہ اپنی ہر ایک آسایش کو چھوڑ کر دہ بدہ اور شہر بشہر پھر کر تھوڑا تھوڑا چندہ احباب سے وصول کر کے اس رقم کو پورا کریں۔ چنانچہ میر صاحب موصوف قریباً اڑھائی ماہ کے دورہ کے بعد نومبر کے اخیر عشرہ میں قادیان واپس تشریف لائے ہیں اور ان اڑھائی ماہ میں ساڑھے گیارہ سو روپیہ چندہ کا اپنے ساتھ لائے ہیں۔ اس طرح پر کل رقم ان اغراض کیلیئے تین ہزار سے اوپر پہنچ گئی ہے۔ مسجد کیلیئے پانچہزار کا تخمینہ تھا۔ اس روپے کو پورا کرنیکے لیئے اللہ تعالیٰ نے میر صاحب موصوف کے اخلاص پر ہی نظر کر کے ایک اور سامان بھی پیدا کر دیا یعنی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ کی وصیت کی رو سے قریب اڑھائی ہزار روپیہ مسجد کیلیئے اور آگیا۔ چنانچہ میر صاحب نے اب فرمایا ہے کہ اڑھائی ہزار روپیہ یہ اور اڑھائی ہزار روپیہ انکے جمع کردہ چندہ سے لیکر پانچ ہزار روپیہ کے صرف سے باہر ایک مسجد صدر انجمن احمدیہ اپنے انتظام سے بنواوے جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اب امید ہے کہ انشاء اللہ بورڈنگ ہوس کی عمارت کے بنتے بنتے ہی حضرت میر صاحب موصوف شفاخانہ کیلیئے بھی روپیہ پورا کرلیں گے۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کام کی تکمیل کیلیئے ساری سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

عید فنڈ - عید الضحیٰ قریب ہے۔ سب احباب عید فنڈ کا ایک ایک روپیہ مدرسہ کے لیئے اور کھالوں کی قیمت مسکین فنڈ میں دیں - (سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)